لغات القرآن

پرویز

اِنَّا اَنْزَلْنٰہُ قُرْاٰنًا عَرَبِیًّا لَّعَلَّکُمْ تَعْقِلُوْنَ

لُغاتُ القرآن

قرآنی مطالب کا انسائیکلوپیڈیا

جس میں قرآن کریم کے تمام الفاظ کے معانی و مطالب
مستند کتب لغت کی بنیاد پر اس انداز سے متعین کیے گئے ہیں
کہ قرآن جو تصوّرات پیش کرتا ہے، اُن کا مکمل نقشہ
سامنے آجائے اور اس کا صحیح مفہوم سمجھنے میں کوئی اُلجھاؤ پیدا نہ ہو

پرویز

جلد اول

ادارۂ طلوعِ اسلام ۲۵۔ بی گلبرگ لاہور

●
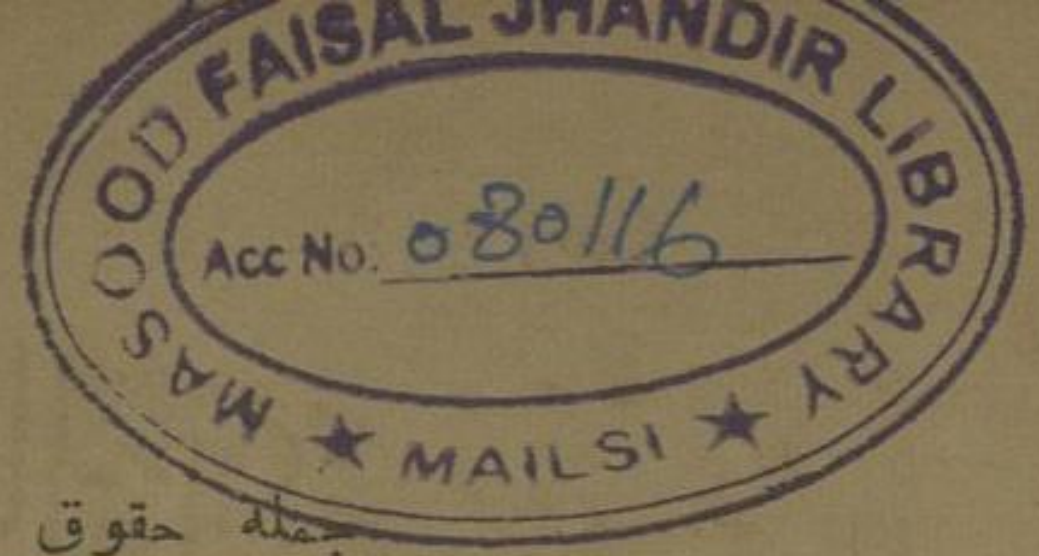
بار اول

مارچ ۱۹۶۰ء

●

قیمت:

مجلد پندرہ روپے

●

مؤلفہ:

غلام احمد پرویز

●

شائع کردہ:

ادارہ طلوع اسلام

۲۵ - بی گلبرگ - لاہور

●

طبع کردہ

المیزان پرنٹنگ پریس

۲۷ - بی شاہ عالم مارکیٹ لاہور

زیر نگرانی: نظر علی شاہ - مینیجر

(بجز ''مبادیات،، اور ''فہرست الفاظ قرآنی،، جو جدید اردو پریس
چیمبرلین روڈ - لاہور - میں چھپے)

●

ملنے کا پتہ:

مکتبہ طلوع اسلام

۲۷ - بی شاہ عالم مارکیٹ - لاہور

فہرست مشمولات

•

•

لغات

جلد اول کل صفحات ۵۰۰

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

پیش لفظ

خاک ما خیزد کہ سازد آسمانے دیگرے
ذرهٔ ناچیز و تعمیر بیابانے نگر

قرآن کریم خدا کی آخری کتاب اور نوع انسان کے لئے واحد اور مکمل ضابطۂ حیات ہے۔ یہ ایسے ابدی حقائق پر مشتمل ہے جن پر زمانہ کے تغیرات اثر انداز نہیں ہو سکتے، اور جو اسقدر عالمتاب اور ہمہ گیر ہیں کہ زندگی کے ہر شعبے اور تاریخ کے ہر دور میں انسانی فکر کی امامت کرتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ جس کتاب کی کیفیت یہ ہو اسکی زبان کو کسقدر جامع، ہمہ گیر، وسیع، بلند اور عمیق، اور اسکے ساتھ، کسقدر صاف، واضح اور متعین ہونا چاہئے۔ ایک مغربی مفکر نے—جو عیسائیت سے برگشتہ ہو کر ایک ایسے مذہب کی تلاش میں ہے جو انسانی عقل و بصیرت کی تسکین کر سکے۔ کہا ہے کہ وہ جس مذہب کی تلاش میں ہے اُسکی کتاب کی زبان ایسی ہونی چاہئے:

> جو ایک طرف ایسی سلیس اور سادہ ہو کہ عام سطح کے انسان بھی اس سے مستفید ہو سکیں اور دوسری طرف اسقدر عمیق اور پر معنی کہ ایک بلند پایہ مفکر بھی اس سے مطمئن ہوجائے*۔

قرآن کریم کی زبان اس معیار پر بھی صحیح طور پر پوری اترتی ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جب مشیتِ ایزدی نے قرآن کے انقلابی پروگرام کو عملاً متشکل کرنے کے لئے عربوں جیسی قوم کا انتخاب کیا تو، نزول قرآن سے صدیوں پہلے، اس قوم کے ذمے یہ فریضہ عائد کر دیا کہ وہ اپنی زبان کو بتدریج ارتقائی منازل طے کراتے اس مقام تک لے جائے کہ وہ قرآن کے عظیم حقائق کی متحمل ہوسکے۔ جب حضرت ابراھیمؑ کی اولاد کو دو شاخوں میں تقسیم کیا گیا، تو ایک شاخ (بنی اسرائیل) کے حصے میں نبوت اور حکومت آئی اور دوسری شاخ (بنی اسمٰعیل) کو حجاز کی وادی غیرذی زرع میں بسایا گیا، جہاں ان کے ہاں (حضرت اسمٰعیلؑ کے

* Julian Huxley-N.Y. Times 22.8.52.

بعد) نہ کوئی نبی مبعوث ہوا ، نہ انہیں بادشاہت ملی - لیکن یہ شاخ ، رفتہ رفتہ ایک ایسی قوم بن گئی جو دایۂ فطرت کے آغوش میں پل کر جوان ہوئی اور نبی آخرالزمان [۲] کے پیغام کی اولین مخاطب بننے کی اهل قرار پائی - اسکے ساتھ هی اس نے اپنی زبان کو اسقدر جلا دی کہ وہ اپنے آپ کو ' بجا طور پر ، عرب (یعنی فصیح البیان) اور دوسروں کو عجم (یعنی گونگے) کہا کرتے تھے - لفظ ''عربی'' کے معنے هی صاف ، واضح اور بیّن کے هیں - اسوقت ' عربی زبان کی اصل (Origin) اور اسکے ارتقائی مراحل کے متعلق کوئی تحقیقاتی بحث میرے پیش نظر نہیں - مقصود صرف یہ بتانا هے کہ جہاں بنی اسرائیل صدیوں تک تمدن و حضارت کے بلند اور پر شکوہ محلات تعمیر کرنے میں مصروف رہے ' اور سطوت داؤدی [۳] اور شوکت سلیمانی [۴] کے حامل بنے ، ان کے بھائی - بنی اسمٰعیل - اس تمام عرصہ میں ، شعوری یا غیرشعوری طور پر ، ایک ایسی زبان کی ترتیب و تہذیب میں کوشاں رہے جس کا مقابلہ دنیا کی کوئی زبان نہیں کرتی تھی - ماهرین علم الالسنہ کے پیش کردہ نظریات میں سے ایک یہ بھی هے کہ اگر تاریخ کے کسی خاص دور میں ، کسی قوم کی ذهنی سطح کا اندازہ لگانا هو تو دیکھنا یہ چاهئے کہ اس دور میں اس قوم کی زبان میں کتنے الفاظ ایسے تھے جو تصورات (Concepts) کے مظہر تھے - اس ضمن میں انکی تحقیق یہ هے کہ هندی - یورپی (Indo - European) زبانوں میں جسقدر الفاظ مروّج هیں ان کے تصوراتی مشتقات (Root - Concepts) کی تعداد زیادہ سے زیادہ ایک سو اکیس تک پہنچتی هے - اور تو اور ، جس زمانے میں سنسکرت ایک زندہ زبان تھی ، اور سورج اور آگ کو دیوتا مانا جاتا تھا ، اس زمانے میں اس زبان میں سورج کے لئے کل سینتیس (۳۷) الفاظ تھے اور آگ کیلئے پینتیس (۳۵) - اسکے برعکس عربوں کو دیکھئے تو ان کے هاں شہد کیلئے اسّی الفاظ - سانپ کیلئے دو سو - شیر کیلئے پانچسو - تلوار کیلئے ایک هزار - اور اونٹ کیلئے پانچہزار سات سو چوالیس الفاظ موجود تھے * - اس سے عربوں کے تخیل کی وسعت اور ان کی زبان کی جامعیت کے متعلق اندازہ هو سکتا هے

یہ تھی وہ زبان جسمیں قرآن کریم نازل ہوا -

وَ اِنَّهٗ لَتَنْزِيْلُ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ - نَزَلَ بِهِ الرُّوْحُ الْاَمِيْنُ عَلٰى قَلْبِكَ لِتَكُوْنَ مِنَ الْمُنْذِرِيْنَ - بِلِسَانٍ عَرَبِيٍّ مُّبِيْنٍ (۲۶ / ۱۹۲-۱۹۵)

* Cosmic Consciousness-Richard Maurice Bucke pp 30-31

اور یہ (قرآن) کائنات کے نشوونما دینے والے کی طرف سے اتارا گیا ھے۔ روح الامین اسے لیکر تیرے قلب پر نازل ھوا ھے تاکہ تو زمرۂ انبیاء میں شامل ھوجائے جو لوگوں کو ان کی غلط روش کے عواقب سے متنبہ کرتے تھے۔ (یہ قرآن) عربی مبین (بات کو کھول کر بیان کرنے والی عربی زبان) میں (نازل ھوا ھے)۔

یہ تو اس زبان کے متعلق تھا جس میں قرآن نازل ھوا۔ خود قرآن کے متعلق ھے۔

اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ قُرْاٰنًا عَرَبِیًّا لَّعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ (۱۲/۲)

ھم نے اس (قرآن) کو صاف اور واضح کتاب بنا کر نازل کیا ھے تاکہ (تم بات کو اچھی طرح) سمجھ سکو۔

دوسری جگہ جَعَلْنٰهُ قُرْاٰنًا عَرَبِیًّا (۴۳/۳) کہا ھے۔ قُرْاٰنًا عَرَبِیًّا کے معنی "قرآن بزبان عربی" بھی ھوسکتے ھیں، اور یہ بھی کہ واضح اور کھول کر بات کرنے والا قرآن۔ اس حقیقت کو قرآن نے متعدد مقامات پر بیان کیا ھے۔ مثلاً سورۃ الرعد میں ھے کہ وَكَذٰلِكَ اَنْزَلْنٰهُ حُكْمًا عَرَبِیًّا (۱۳/۳۷) "اور اس طرح ھم نے اسے کھلے اور واضح فیصلے کے طور پر نازل کیا ھے"۔ سورۃ طٰہٰ میں ھے وَكَذٰلِكَ اَنْزَلْنٰهُ قُرْاٰنًا عَرَبِیًّا (۲۰/۱۱۳) "اور اس طرح ھم نے اسے واضح کتاب (کی شکل میں) نازل کیا ھے"۔ (نیز ۴۲/۷ ؛ ۳۶/۱۲)۔ سورۃ زمر میں قُرْاٰنًا عَرَبِیًّا کے ساتھ غَیْرَ ذِیْ عِوَجٍ (۳۹/۲۸) کہکر یہ بتا دیا کہ یہ قرآن اسقدر صاف اور واضح ھے کہ اس کے مطالب میں کوئی پیچ و خم نہیں۔ سورۃ کہف میں ھے وَلَمْ یَجْعَلْ لَّهٗ عِوَجًا (۱۸/۱) "اور اس میں کوئی پیچ و خم نہیں رھنے دیا"۔ دوسرے مقام پر کہا گیا ھے كِتٰبٌ فُصِّلَتْ اٰیٰتُهٗ قُرْاٰنًا عَرَبِیًّا لِّقَوْمٍ یَّعْلَمُوْنَ (۴۱/۳) "یہ ایسی کتاب ھے جس کی آیات الگ الگ کر کے، نکھار کر، بیان کی گئی ھیں۔ (اسطرح) یہ قرآن صاف اور واضح (ھوگیا ھے) ان لوگوں کے لئے جو علم و بصیرت سے کام لیں"۔

قرآن کے حقائق نہایت بلند اور اس کے مطالب غایت درجہ عمیق ھیں، لیکن اس کے ساتھ اس کا دعویٰ یہ بھی ھے کہ اس کا انداز بیان بڑا آسان ھے۔ سورۃ دخان میں ھے فَاِنَّمَا یَسَّرْنٰهُ بِلِسَانِكَ لَعَلَّهُمْ یَتَذَكَّرُوْنَ (۴۴/۵۸) "اے رسول! ھم نے اسے تیری زبان میں آسان کر دیا ھے تاکہ لوگ اس سے نصیحت حاصل کریں"۔ سورۃ قمر میں اس حقیقت

کو ان الفاظ میں بار بار دھرایا گیا ہے کہ وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْآنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِن مُّدَّكِرٍ (۵۴/۱۷) ،، یقیناً ہم نے قرآن کو نصیحت حاصل کرنے کے لئے آسان بنا دیا ہے۔ تو کیا کوئی نصیحت حاصل کرنے والا ہے؟،،

تصریحات بالا سے واضح ہے کہ قرآن کریم عربی زبان میں نازل ہوا تھا اور اپنے مطالب میں بڑا صاف، واضح اور آسان ہے۔ اس سے انسان (عام طور پر) اس نتیجہ پر پہنچیگا کہ جس شخص کو عربی زبان آتی ہو وہ قرآنی حقائق کو بآسانی سمجھ لیگا۔ یعنی قرآنی حقائق کے سمجھنے کے لئے صرف عربی زبان کا جاننا کافی ہوگا۔ یہ خیال صحیح نہیں۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ قرآن کریم کے سمجھنے کے لئے عربی زبان کا جاننا ضروری ہے —— دنیا میں کوئی کتاب بھی سمجھی نہیں جا سکتی جب تک انسان اس زبان سے واقف نہ ہو جس میں وہ کتاب لکھی گئی ہے —— لیکن اگر صرف عربی زبان جاننے سے قرآنی حقائق سمجھ میں آسکتے تو عرب (جن کی مادری زبان عربی ہے) قرآنی حقائق کے ماہر ہوتے۔ لیکن عرب کس حد تک قرآن کریم کی تعلیم کو سمجھتے ہیں اس کے متعلق کچھ کہنے کی ضرورت نہیں۔ عربوں سے مراد صرف ان کے عوام نہیں۔ اس میں ان کا پڑھا لکھا (علماء کا) طبقہ بھی شامل ہے۔ جب اس باب میں خود عربوں کی یہ حالت ہے تو غیر عربوں کے متعلق اندازہ کرنا مشکل نہیں۔ اس سے ایک اہم سوال ہمارے سامنے آتا ہے، اور وہ یہ کہ ایک طرف قرآن کریم کا یہ دعویٰ ہے کہ وہ عربی زبان کی آسان کتاب ہے اور دوسری طرف کیفیت یہ ہے کہ نہ صرف عربی جاننے والوں میں سے، بلکہ خود ان میں سے جن کی مادری زبان عربی ہے، بہت کم ہیں جو قرآنی تعلیم کو کما حقہ سمجھتے ہیں۔ اس کی وجہ کیا ہے؟ یہ سوال بڑا بنیادی اور اہم ہے اور اس کا اچھی طرح سمجھ لینا ضروری۔

عربی زبان کی وسعت و جامعیت کے متعلق پہلے لکھا جا چکا ہے اور یہ بھی بتایا جا چکا ہے کہ زمانہ نزولِ قرآن سے پہلے ہی یہ زبان بہت منجھ چکی تھی۔ لیکن یہ معلوم کر کے غالباً آپ کو حیرت ہوگی کہ قرآن کریم نثر کی سب سے پہلی کتاب ہے جو اس زبان میں لکھی گئی*۔

* بعض لوگوں نے قرآن کریم سے پہلے، عربی زبان میں نثر کی ایک آدھ غیر معروف سی کتاب کی نشاندھی کی ہے۔ لیکن اس کے متعلق حتمی اور یقینی طور پر کچھ معلوم نہیں۔ عام تحقیق کا رخ اسی طرف ہے کہ قرآن کریم اس زبان میں نثر کی اولین کتاب ہے۔

عربوں کے ہاں شعر و شاعری کا زیادہ رواج تھا اس لئے ان کی زبان کا تمام تر ذخیرہ اشعار کی شکل میں تھا جو نسلاً بعد نسلٍ (زبانی) آگے منتقل ہوتا چلا آ رہا تھا - جسے آج عربی لٹریچر کہا جاتا ہے وہ بیشتر عباسیوں کے زمانے میں مرتب ہوا - یہی وہ زمانہ تھا جس میں کتب احادیث و سیر اور تاریخ و آثار مرتب ہوئیں - قرآن کریم کی تفاسیر لکھی گئیں - عربی ادب کی کتابیں تالیف ہوئیں - اس زبان کی صرف و نحو کے قواعد مدون ہوئے - لغت کی کتابیں مرتب ہوئیں - اس کے ساتھ یہ بھی عجیب ماجرا ہے کہ جن حضرات نے یہ کتابیں مرتب کیں وہ (باستثنائے معدودے چند) سب غیر عرب (یعنی عجمی) تھے - یہی کتابیں عربی زبان کا اولین سرمایہ ہیں -

تاریخ کا طالب العلم اس حقیقت سے واقف ہے کہ عباسیوں کے زمانے میں، عجمی تصوراتِ حیات ساری فضا میں پھیل چکے تھے - انہوں نے سلطنت انہی کی مدد سے حاصل کی تھی اس لئے اس دور کی سیاست پر بھی انہی کا اثر غالب تھا - اور یہ حقیقت ہے کہ جس گروہ کا سیاست پر اثر ہو، اس کا زندگی کے ہر شعبے پر اثر چھا جاتا ہے - نتیجہ اس کا یہ ہوا کہ ان لوگوں کے قلم سے جو کچھ نکلا اس کے الفاظ تو عربی تھے لیکن ان الفاظ کے پیکروں میں تصورات عجمی تھے - یوں عربی زبان، تصنیف و تالیف کے پہلے دور میں ہی، غیر عربی تصورات کی حامل بن گئی - یہ تبدیلی کس کس انداز سے ہوئی، اس کی تفصیل علامہ احمد امین مصری (مرحوم) نے اپنی مایہ ناز تصنیف فجر الاسلام میں شرح و بسط سے دی ہے - اس بحث کے آخر میں وہ لکھتے ہیں -

> یقیناً آپ اس بارے میں مجھ سے متفق ہونگے کہ ایرانی لٹریچر نے عربی لٹریچر کو ایک نئے رنگ میں رنگ دیا -

ظاہر ہے کہ جب عربی زبان پر خارجی (غیر عربی) اثرات اس طرح مرتب ہوئے اور اس کے الفاظ کے حقیقی مفہوم میں تبدیلی پیدا ہو گئی تو اس زبان کے جو الفاظ قرآن کریم میں آئے تھے ان کے مفہوم میں بھی فرق آ گیا - چونکہ ہماری کتب تفاسیر بھی اسی فضا میں مرتب ہوئی تھیں اس لئے وہ بھی عجمی تصورات سے متاثر ہوئیں - یوں قرآنی الفاظ کے اس مفہوم میں فرق آگیا جو ان سے زمانۂ نزولِ قرآن میں لیا جاتا تھا - اس کے علاوہ اس فرق کی ایک اور وجہ بھی ہوئی جو آئندہ سطور میں آپ کے سامنے آئیگی -

ہمارے ہاں جب تفاسیر لکھنے کی ابتدا ہوئی (یعنی تیسری چوتھی صدی ہجری میں) تو ان کا انداز یہ رکھا گیا کہ قریب ہر اہم آیت کے متعلق یہ کہا گیا کہ اس کی "شانِ نزول" یہ ہے - یعنی فلاں واقعہ یوں ہوا اور اس پر یہ آیت نازل ہوئی - اس طرح قرآن کریم کی آیات کا مفہوم ان کے الفاظ کی رو سے نہیں ، بلکہ ان واقعات کی رُو سے متعین کیا گیا جن کے متعلق سمجھا گیا کہ وہ ان کے نزول کا سبب تھے - پھر اسی مفہوم کے مطابق قرآنی الفاظ کے معانی متعین کئے گئے - جو تفاسیر ان کے بعد لکھی گئیں ان میں متقدمین کا اتباع ہوتا چلا گیا - اس طرح متعلقہ آیات کا وہ مفہوم مسلّمہ کی حیثیت اختیار کر گیا - اور چونکہ شان نزول کی روایات کا انتساب خود نبی اکرمؐ یا صحابہ کبارؓ کی طرف کیا گیا تھا اسلئے آیات کی وہ تفسیر خود نبی اکرمؐ یا صحابہ کبارؓ کی تفسیر سمجھ لی گئی - اسطرح قرآن کریم کے اس مفہوم کو مقدس ترین سند بھی حاصل ہو گئی ، حالانکہ تفسیری روایات کی کیفیت یہ ہے کہ ان میں بیشتر ضعیف اور وضعی ہیں - حتی کہ بعض اکابر ائمہ نے سرے سے ان کا انکار ہی کر دیا ہے مثلاً امام احمد بن حنبلؒ کا قول ہے کہ تین کتابیں ہیں جنکی کوئی اصلیت نہیں - مغازی - ملاحم اور تفسیر* - لیکن اس کے باوجود ہماری کتب تفاسیر کا مدار بیشتر انہی روایات پر ہے - اور یہ ظاہر ہے کہ جب کسی ضعیف یا وضعی روایت کی بنا پر قرآنی آیت کی تفسیر کی جائیگی اور اس تفسیر کی روشنی میں قرآنی الفاظ کا مفہوم متعین کیا جائیگا تو وہ مفہوم قرآن کریم کا صحیح صحیح مطلب بیان نہیں کریگا - یہ بات ایک مثال سے زیادہ وضاحت کے ساتھ سمجھ میں آسکیگی - سورۃ النساء کی چونتیسویں آیت ہے اَلرِّجَالُ قَوّٰمُوْنَ عَلَی النِّسَآءِ .... عَلِیًّا کَبِیْرًا (۴/۳۴) اسمیں ابتدائی چار الفاظ کا ترجمہ یہ کیا جاتا ہے

مرد حاکم ہیں اوپر عورتوں کے (ترجمہ شاہ رفیع الدینؒ)

یہاں "قوامون" کا ترجمہ "حاکم" کیا گیا ہے حالانکہ لغت کی رُو سے اس کے معنی ہیں "روزی مہیا کرنے والے"، جس کا مطلب یہ ہے کہ تقسیم عمل کی رُو سے مردوں کا فریضہ کسب معاش ہے - اب یہ دیکھئے کہ اس لفظ (قَوّٰام) کا ترجمہ "حاکم" کسطرح ہو گیا - اس آیت کی تفسیر میں کہا گیا ہے -

---

* تذکرۃ الموضوعات الشیخ محمد طاہر - بحوالہ مقدمہ معارف القرآن صفہ ۲۸ از علامہ اسلم جیراجپوری مرحوم -

حضرت ابن عباسؓ فرماتے ھیں کہ (اسکا) مطلب یہ ھے کہ عورتوں کو مردوں کی اطاعت کرنی پڑیگی۔ حضرت حسن بصریؒ فرماتے ھیں کہ ایک عورت نے رسول اللہؐ کے سامنے اپنے خاوند کی شکایت کی کہ اس نے مجھے تھپڑ مارا ھے۔ اس پر آپ نے بدلہ لینے کا حکم دیا ھی تھا جو یہ آیت اتری اور بدلہ نہ دلوایا گیا۔ ایک اور روایت میں ھے کہ ایک انصاری اپنی بیوی صاحبہ کو لئے ھوئے حاضر خدمت ھوئے۔ اس عورت نے حضورؐ سے کہا کہ یا رسول اللہؐ میرے خاوند نے مجھے تھپڑ مارا ھے جسکا نشان اب تک میرے چہرے پر موجود ھے۔ آپ نے فرمایا کہ اسے (اسکا) حق نہ تھا۔ وھیں یہ آیت اتری کہ ادب سکھانے کے لئے مرد عورتوں پر حاکم ھیں۔ آپ نے فرمایا کہ میں نے آور چاھا تھا اور اللہ تعالیٰ نے آور چاھا۔ .... ایک حدیث میں ھے کہ حضورؐ نے فرمایا۔ اللہ کی لونڈیوں کو مارو نہیں۔ اسکے بعد حضرت عمرؓ آئے اور عرض کرنے لگے۔ یا رسول اللہؐ! عورتیں آپکے اس حکم کو سنکر مردوں پر دلیر ھوگئیں۔ اس پر حضورؐ نے انہیں مارنے کی اجازت دے دی۔ اب مردوں کی طرف سے دھڑا دھڑ مار پیٹ شروع ھوئی آور بہت سی عورتیں شکایتیں لیکر آنحضرتؐ کے پاس آئیں تو آپ نے لوگوں سے فرمایا۔ سنو! میرے پاس عورتوں کی فریاد پہنچی ھے۔ یاد رکھو جو تم میں سے اپنی عورتوں کو زد و کوب کرتے ھیں وہ اچھے آدمی نہیں ھیں۔

حضرت اشعثؒ فرماتے ھیں کہ ایک مرتبہ میں حضرت فاروق اعظمؓ کا مہمان ھوا۔ اتفاقاً میاں بیوی میں اس روز ناچاقی ھوگئی اور حضرت عمرؓ نے اپنی بیوی صاحبہ کو مارا۔ پھر مجھ سے فرمانے لگے۔ اشعث! تین باتیں یاد رکھو جو میں نے رسول اللہؐ سے سن کر یاد رکھی ھیں۔ ایک تو یہ کہ مرد سے پوچھا نہ جائے کہ اس نے اپنی عورت کو کس بنا پر مارا۔ دوسری یہ کہ وتر پڑھے بغیر سونا مت۔ اور تیسری بات راوی کے ذھن

سے نکل گئی (نسائی)۔ ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہ ؐ
نے فرمایا ۔ اگر میں کسی کو حکم کرسکتا کہ ماسوائے
اللہ تعالیٰ کے دوسرے کو سجدہ کرے تو عورت کو حکم
دیتا کہ وہ اپنے خاوند کو سجدہ کرے*۔

ان تفسیری روایات کی رو سے مرد کی پوزیشن حاکم ، بلکہ اس سے بھی کچھ زیادہ ہو جاتی ہے ۔ چنانچہ کشاف میں ''قَوّٰامُوْنَ'' کا مطلب ''مسیطرین'' قرار دیا گیا ہے۔ یعنی ''داروغے'' ۔ اور تفسیر جلالین میں ' متسلطین '' ۔ یعنی عورتوں پر غلبہ و تسلط رکھنے والے ۔ اس لفظ کا یہی مفہوم کتب لغت میں بھی آ گیا اور اسی سے ہمارے ہاں اسکا ترجمہ ''حاکم'' اور ''داروغہ'' ہو گیا ۔ یہی تفاسیر تمام ممالک اسلامیہ کے مذہبی مدارس میں پڑھائی جاتی ہیں اور انہی کی تعلیم عوام کو دی جاتی ہے ۔ یہ وجہ ہے کہ عربی جاننے والے، حتکہ خود عرب (اہل زبان) بھی قرآن کریم کے حقیقی مفہوم تک بہت کم پہنچ پاتے ہیں ۔

اس سے ایک اور اہم سوال سامنے آتا ہے ۔ اور وہ یہ کہ

(۱) جب عربی زبان عباسیوں کے دور میں عجمی اثرات سے ملوث ہو گئی تھی ۔ اور

(۲) ہمارے ہاں عربی زبان کا جسقدر اولین تحریری سرمایہ ہے وہ بیشتر اسی دور کا پیدا شدہ ہے — خواہ یہ کتب تفاسیر ہوں یا لغت کی کتابیں ، کتب تاریخ ہوں یا ادبی تصانیف — اور کتب تفاسیر میں بھی ، ضعیف یا وضعی روایات کی وجہ سے قرآنی آیات (و الفاظ) کا مفہوم اپنی اصل سے ہٹ چکا ہے ۔ تو

(۳) آج اسکی کونسی صورت باقی ہے کہ قرآنی الفاظ کا وہ مفہوم متعین کیا جاسکے جو ان سے نزول قرآن کے زمانہ میں سمجھا جاتا تھا ۔

اس میں شبہ نہیں کہ اگر یہ بات کسی اور زبان (اور کسی اور کتاب) سے متعلق ہوتی تو یہ دشواری ایسی تھی جسکا غالباً کوئی حل نہ مل سکتا ۔ لیکن عربی زبان (اور قرآن کریم) کے سلسلے میں بعض عناصر ایسے ہیں جنکی موجودگی میں یہ مسئلہ ایسا نہیں رہتا جسکا حل ناممکن ہو ۔ سب سے پہلے یہ کہ (جیسا کہ پہلے بھی کہا جا چکا ہے) نزول قرآن سے پہلے عربی زبان کا تمام تر ذخیرہ ان کے شعراء کے کلام میں محفوظ تھا ۔ عربوں کے معاشرہ میں شعراء کو خاص

*تفسیر ابن کثیر - المترجم مولانا محمد جونا گڑھی (مرحوم) پارہ پنجم صفحہ ۱۶-۲۰

مقام حاصل تھا - نیز انکی شاعری بھی زیادہ تر مختلف قبائل کے محاسن و خصائص اور ان کے مدّمقابل قبائل کے معائب وذمائم سے متعلق ہوتی تھی، اسلئے یہ اشعار بچے بچے کی زبان پر چڑھ جاتے تھے - نثر کو اگر ضبط تحریر میں نہ لایا جائے تو اسکا علیٰ حالہ، آگے منتقل ہونا مشکل ہوتا ہے - لیکن شعر کی کیفیت یہ نہیں - اسے جب بھی زبانی یاد کیا جائیگا اور دھرایا جائے گا تو اسکے الفاظ ، اور الفاظ کی ترتیب اسی حالت میں رھیگی - یعنی شعر بالفاظہ، آگے منتقل ہوتا ہے ، اسکا مفہوم اپنے الفاظ میں بیان نہیں کیا جاتا - یہ وجہ تھی کہ زمانہ قبل از اسلام کے شعراء کا کلام بلفظہ، اور بجنسہ، آگے منتقل ہوتا رہا تآنکہ وہ (عباسیوں کے عہد میں) ضبط تحریر میں آگیا - اس میں شبہ نہیں کہ اُس دور میں بہت سے وضعی اشعار بھی شعرائے جاہلیہ کی طرف منسوب کرکے ان کے کلام میں شامل کر دئے گئے ، لیکن اس سے اس مقصد پر کوئی خاص اثر نہیں پڑا جس کے لئے ہم نے اس مقام پر اس حقیقت کو پیش کیا ہے - وضعی اشعار کی زبان لامحالہ وھی رکھنی پڑتی تھی جو اصل اشعار کی زبان تھی - ایسا نہ کیاجاتا تو اصل اور نقل میں فوراً تمیز ہو جاتی - بہرحال ، شعرائے جاھلیہ کے کلام کابیشترحصہ اپنے اصلی الفاظ میں عربی ادب کی کتابوں میں مدّون اور محفوظ ہوگیا - یعنی عربی زبان کے وہ الفاظ جو زمانہ نزولِ قرآن میں مروج تھے ، عربی ادب کی کتابوں میں موجود ھیں - اور چونکہ وہ اشعار بھی موجود ھیں جن میں وہ الفاظ استعمال ہوئے ھیں اس لئے (ان اشعار کی مدد سے) ان الفاظ کا وہ مفہوم بھی متعین کیا جا سکتا ہے جو ان سے زمانہٴ نزولِ قرآن میں لیا جاتا تھا - یہ الفاظ قرآن کریم میں بیشتر انہی معانی میں استعمال ہوئے ھیں جن معانی میں وہ ان اشعار میں استعمال ہوئے تھے اور جن سے زمانہ نزولِ قرآن کے عرب اچھی طرح واقف تھے - یہی وجہ ہے کہ انھیں قرآن کریم کے سمجھنے میں کسی قسم کی دشواری پیش نہیں آئی - یہ اشعار (ادب کی کتابوں کے علاوہ) عربی زبان کی مستند لغت کی کتابوں میں بھی آچکے ھیں اور ان میں ، ان کے الفاظ کے معانی سے بھی بحث کی گئی ہے - یہ معانی ، بعد میں مرتب ہونے والی کتب لغت نے ، اول الذکر کتابوں کی سند سے اپنے ھاں درج کرلئے ھیں - ان الفاظ کے ان معانی سے ، قرآن کریم کے الفاظ کےوہ معانی سامنے آسکتے ھیں جو زمانہ نزولِ قرآن میں مروج تھے -

(۴) یہ تو رھا وہ خارجی عنصر جس کے ذریعے یہ متعین کیا جا سکتا ہے کہ فلاں لفظ سے ، زمانہٴ نزول قرآن میں ، کیا مفہوم لیا جاتا تھا - لیکن اس کے علاوہ عربی زبان کی ایک داخلی خصوصیت ایسی ہے جو خارجی اسباب

سے اثر پزیر نہیں ہو سکتی اور جس پر غور و فکر سے اسکے الفاظ کے صحیح مفہوم تک پہنچنا مشکل نہیں رہتا ۔ عربی زبان کے ہر لفظ کا ایک مادہ (Root) ہوتا ہے جو اپنے بنیادی معنی رکھتا ہے ۔ گرامر کے قواعد کی رو سے اس مادہ کی شکلیں خواہ کیسے ہی بدلتی رہیں ، اسکے بنیادی معنی کی جھلک ہر شکل میں موجود رہیگی* ۔ مادہ کے بنیادی معنی تو ایک طرف ، اس سلسلہ میں یہانتک بھی متعین ہے کہ اگر مادہ میں فلاں حروف (مثلاً ح اور ب) اکٹھے آئیں تو فلاں مفہوم پایا جائیگا اور فلاں حروف (مثلاً ص اور ر) اکٹھے آئیں تو فلاں مفہوم ۔ لہٰذا ، اگر مرور زمانہ سے کسی لفظ کے مفہوم میں فرق بھی آجائے تو بھی اس کے مادہ سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ ابتداءً وہ لفظ کس مفہوم کے لئے استعمال ہوتا تھا ۔ اس طریق سے یہی یہ متعین کیا جا سکتا ہے کہ جو الفاظ قرآن کریم میں آئے ہیں زمانۂ نزولِ قرآن میں ان سے بالعموم کیا مفہوم لیا جاتا تھا ۔

(۵) اس باب میں تیسرا عنصر یہ ہے کہ نزولِ قرآن کے زمانے کے عرب نہایت سادہ زندگی بسر کرتے تھے ۔ سر پر کھلا ہوا آسمان جس میں چمکتے تارے اور جگمگاتے چاند سورج ، سامنے وسیع و عریض صحرا جس میں ریت کے بڑے بڑے ٹیلے اور کہیں کہیں پہاڑیاں ، پانی کے چشمے زندگی کے مراکز ان کے ارد گرد ہری ہری گھاس ، سروقامت کھجوروں کے جھنڈ ، کہیں کہیں انگوروں کی بیلیں اور اناروں کے پیڑ ۔ ان کے آس پاس ان صحرانشینوں کے خیمے ۔ خیموں کے اندر نہایت مختصر سامان زیست ۔ ان میں سب سے زیادہ قیمتی متاع ان کے ہتھیار ۔ تلوار ۔ تیر ۔ کمان ۔ نیزہ ۔ ڈھال ۔ خنجر ۔ سامنے چراگاہ میں انکے مویشی ۔ اونٹ ، گھوڑے ، بھیڑیں ، بکریاں ۔ بس یہ تھی انکی کل کائینات جس کے گرد ان کی زبان کے تمام مشتقات و مصادر گھومتے تھے ۔ چونکہ یہ تمام اشیاءٔ محسوس و مرئی تھیں اسلئے ان کے متعلق جسقدر الفاظ استعمال میں آتے تھے ان کا مفہوم نہایت آسانی سے ذہن میں (بلکہ آنکھوں کے سامنے) آجاتا تھا ۔ الفاظ کے صحیح مفہوم کے تعین میں دقت وہاں پیش آتی ہے جہاں وہ الفاظ فلسفہ اور مابعدالطبیعیاتی مسائل سے گفتگو میں استعمال ہوئے ہوں ۔ یعنی جہاں بات تجریدی (Abstract) امور کے متعلق ہو ۔ خانہ بدوشوں اور

---

* اس زبان کی یہی خصوصیت ہے جس کی وجہ سے اس سے ہر زمانے کی نئی نئی ضرورتوں کے ماتحت نئے نئے الفاظ بنتے چلے جاتے ہیں ۔ اس کے لئے مادہ کے بنیادی معنی اور مختلف ابواب کے خواص سامنے ہونے چاہئیں ، پھر کوئی نیا تصور ایسا نہیں رہتا جس کے لئے موزوں لفظ نہ بن سکے ۔

صحرانشینوں کے ہاں تجریدی مسائل کا کیا کام؟ انہی لوگوں کی صاف ستھری ، اُجلی ، نکھری زبان تھی جسے عربوں کے ہاں سند مانا جاتا تھا۔ تاریخ بتاتی ہے کہ جب (بہت دور جا کر نہیں) حضرت عمرؓ کے زمانے میں عربوں کا غیر عربوں سے خلا ملا بڑھنے لگا تو آپ اہل مدینہ سے کہا کرتے تھے کہ قرآن سمجھنا چاہتے ہو تو صحرا کے بدؤوں میں جا کر کچھ دن گذارو ، کیونکہ جس زبان میں قرآن نازل ہوا ہے وہ زبان ان کے ہاں اپنی اصلی شکل میں موجود ہے۔

(٦) مادہ کے بنیادی مفہوم اور ان صحرانشینوں کے ہاں ان الفاظ کے عملی استعمال سے الفاظ کا صحیح مفہوم کسطرح سامنے آ جاتا ہے ، اسکا اندازہ ایک مثال سے لگائیے۔ قرآن کریم میں ہے اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ (۱۵۳/۲) ''یہ حقیقت ہے کہ خدا صبر کرنیوالوں کے ساتھ ہے''۔ لفظ صبر کے جو معنی ہمارے ہاں مروّج ہیں اس کی تفصیل میں جانے کی ضرورت نہیں ۔ جب کسی پر ایسی مصیبت آ پڑے جس سے نکلنے کی کوئی صورت نہ ہو ۔ جہاں انسان یکسر بے چارہ اور بے کس و بے بس ہو کر رہ جائے ۔ جہاں کوئی تدبیر کارگر نہ ہو ، وہاں ہم کہتے ہیں کہ میاں صبر کرو۔ صبر کےسوا کوئی چارہ نہیں ۔ حتّٰی کہ جب کوئی کمزور و ناتواں مظلوم کسی کے ظلم و زیادتی کے خلاف کچھ نہ کرسکے تو وہ ٹھنڈی سانس بھر کر کہہ دیتا ہے کہ ''اچھا! میرا صبر''۔ لیکن عربی مبین میں اس مادہ (ص-ب-ر) کے بنیادی معنی ہیں ، کسی شخص کا مطلوبہ شے کے حصول کے لئے مسلسل جد و جہد کرنا ، جم کر کھڑے ہو جانا ، ثابت قدم رہنا ۔ اب دیکھئے کہ صحرانشین عرب اس مادہ کو کن معنوں میں استعمال کرتے تھے ۔ بادل کا وہ ٹکڑا جو چوبیس گھنٹے ایک ہی جگہ کھڑا رہے اور ادھر اُدھر نہ ہو، اَلصَّبِيْرُ کہلاتا تھا۔ اَلْاَصْبِرَةُ ان اونٹوں یا بکریوں کو کہتے تھے ، جو صبح جنگل میں چرنے کیلئے چلے جائیں اور شام کو ٹھیک انہی قدموں پر واپس آ جائیں ۔ نہ کوئی ادھر اُدھر ہو ، نہ پیچھے رہے*۔ اس سے ظاہر ہے کہ ان (عربوں) کے ہاں صَبْرٌ کے معنی تھے استقامت ، استقلال ، استواری ، ثابت قدمی ، ایک اصول اور روش پر جم کر کھڑے رہنا ، عمل میں دوام و استمرار۔ یہ ہے صبر کی وہ کیفیت جو انسان کے اپنے اندر پیدا ہوتی ہے۔ اب اس سے آگے بڑھئے ۔ اگر کبھی بوجھ یا سواریوں کی کمی بیشی سے کشتی کا توازن بگڑ جائے اور وہ ڈگمگانے لگے تو ملاح ایک بڑا سا پتھر کشتی میں رکھدیتے تھے جس سے اسکا وزن ہموار ہوجاتا

* تاج العروس ۔

تھا - (ہمارے ہاں تانگے والے اکثر ایسا کرتے ہیں) - اس پتھر کو اَلصَّبُوْرَۃُ کہتے ہیں**- لہذا صبر کی دوسری خصوصیت یہ ہے کہ جب کسی کے پاؤں ڈگمگانے لگیں تو "صبر" سے اس کا توازن برقرار ہو جاتا ہے اور اسکے پاؤں میں لغزش نہیں آتی - چونکہ اس قسم کے عمل پیہم اور ثبات و قرار کا نتیجہ کامرانیاں اور کامیابیاں ہوتا ہے اس لئے اَلصُّبْرَۃُ غلے کے اس ڈھیر کو کہتے ہیں جس کی ناپ اور تول نہ کی گئی ہو*-

اس لفظ (صبر) کے طریق استعمال کی ان محسوس مثالوں سے یہ حقیقت اُبھر کر سامنے آ جاتی ہے کہ زمانہ نزول قرآن میں عربوں کے ہاں اس کا مفہوم کیا تھا - اس مفہوم کی رو سے قرآن کریم کی اس آیت کا مفہوم بھی آسانی سے سمجھ میں آ جاتا ہے جس میں کہا گیا ہے کہ "اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے"-

(۷) مذکورہ بالا ہرسہ عناصر عربی زبان کی وہ خصوصیات ہیں جن کی بنا پر اسکے الفاظ کا صحیح مفہوم متعین کرنے میں زیادہ دشواری نہیں رہتی - لیکن، بایں ہمہ ، صرف اتنی خصوصیات سے قرآن کریم جیسی کتاب کے الفاظ کے صحیح صحیح معانی متعین نہیں کئے جاسکتے - اسلئے کہ یہ کتاب زندگی کے ان اصولوں کا ضابطہ ہے جن میں تغیروتبدل نہیں ہو سکتا اور جن کی صداقت پر ہمارا ایمان ہے - اسکے لئے ضروری ہے کہ اسکا صحیح مفہوم یقینی طور پر ہمارے سامنے آجائے - تنہا لغت سے یہ نہیں ہو سکتا - لغت انسانی کوششوں کا نتیجہ ہے جس سے سہو و خطا اور خارجی اثرات کا امکان بہر حال باقی رہتا ہے - علاوہ بریں قرآن کریم نے بعض الفاظ کو اصطلاحات کے طور پر استعمال کیا ہے - یہ اصطلاحات اسقدر جامع ہیں کہ تنہا لغت سے وہ عظیم تصورات سامنے نہیں آسکتے جنہیں قرآن نے ان الفاظ میں سمیٹ کر رکھ دیا ہے - مثلاً صلٰوۃ - زکٰوۃ - تقویٰ - ایمان - اسلام - کفر - فسق - فجور - دنیا - آخرت وغیرہ - ان اصطلاحات میں قرآنی تعلیم کے بنیادی تصورات بڑی جامعیت سے سمو دئے گئے ہیں - ان کی اس جامعیت کا ایک اعجاز یہ بھی ہے کہ جوں جوں انسانی علم کا دائرہ وسیع ہوتا جاتا ہے ان کے مفہوم میں وسعت پیدا ہوتی چلی جاتی ہے - ان اصطلاحات کا مفہوم خود قرآن کریم ہی سے سمجھا جا سکتا ہے-

قرآن کا اندازہ یہ ہے کہ اسمیں اگر ایک مقام پر ایک بات کہی گئی ہے تو دوسرے مقام پر اسکی وضاحت اس انداز سے کر دی گئی ہے کہ اس سے مقام

* تاج العروس - **محیط المحیط -

اول کی بات خود بخود واضح ہوجاتی ہے۔ اس انداز کو قرآن نے "تصریف آیات" سے تعبیر کیا ہے۔ یعنی آیات کو مختلف مقامات پر لوٹا کر لانا اور اسطرح مطالب کی وضاحت کر دینا۔ سورۃ انعام میں ہے وَكَذَٰلِكَ نُصَرِّفُ الْآيَاتِ وَلِيَقُولُوا دَرَسْتَ وَلِنُبَيِّنَهُ لِقَوْمٍ يَعْلَمُونَ ($\frac{۶}{۱۰۶}$) "اور اسطرح ہم آیات کو لوٹا کر لاتے ہیں تاکہ یہ لوگ کہیں کہ تو نے بات ذہن نشین کرادی ہے اور تاکہ ہم اسے ان لوگوں کے لئے واضح کر دیں جو علم و بصیرت سے کام لیں"۔ قرآن کریم کا یہ وہ خصوصی انداز ہے جس سے اس کے مطالب واضح طور پر سامنے آجاتے ہیں اور اسکے الفاظ کا مفہوم متعین کرنے میں دقت نہیں ہوتی۔ مثلاً لفظ (صبر) کے جو لغوی معنی اوپر دئیے گئے ہیں انہیں پیش نظر رکھئیے اور پھر قرآن کریم کی طرف آئیے۔ قرآن کریم میں ایک جگہ ہے اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِينَ ($\frac{۲}{۱۵۳}$)۔ "یقیناً اللہ صابرین کے ساتھ ہے"۔ یہاں یہ نہیں بتایا گیا کہ الصابرین کن لوگوں کو کہتے ہیں۔ دوسری جگہ ہے وَكَاَيِّنْ مِّنْ نَّبِيٍّ قٰتَلَ مَعَهٗ رِبِّيُّوْنَ كَثِيْرٌ فَمَا وَهَنُوْا لِمَآ اَصَابَهُمْ فِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَمَا ضَعُفُوْا وَمَا اسْتَكَانُوْا وَاللّٰهُ يُحِبُّ الصّٰبِرِيْنَ ($\frac{۳}{۱۴۵}$) "کتنے ہی انبیاء (ایسے گذرے) ہیں جن کی معیت میں بہت سے ربانی لوگوں نے (مخالفین کے مقابلے میں) جنگ کی۔ پھر ان تکالیف کی وجہ سے جو انہیں اس طرح اللہ کی راہ میں پیش آئیں نہ وہ سست گام ہوئے۔ نہ ان میں کمزوری آئی۔ اور نہ ہی وہ مخالفین سے مغلوب ہوئے۔ (یہی وہ) الصابرین ہیں جنہیں اللہ دوست رکھتا ہے"۔ اگلی آیت میں ان کی اس کیفیت کو ثَبِّتْ اَقْدَامَنَا ($\frac{۳}{۱۴۶}$) دعاء سے تعبیر کیا گیا ہے۔ یعنی یہ دعا کہ "ہمارے قدموں کو مضبوط رکھ"۔ عین میدان جنگ کی حالت میں کہا ہے فَاِنْ يَّكُنْ مِّنْكُمْ مِّائَةٌ صَابِرَةٌ يَّغْلِبُوْا مِائَتَيْنِ .... ($\frac{۸}{۶۶}$) "اگر تم میں ایک سو صبر کرنے والے ہوں تو وہ دو سو پر غالب آجائینگے"۔ ان آیات کی روشنی میں یہ حقیقت واضح اور متعین طور پر سامنے آجاتی ہے کہ قرآن کریم میں صبر سے مفہوم کیا ہے اور صابر کسے کہتے ہیں۔

یہی کیفیت قرآنی اصطلاحات کی بھی ہے۔ قرآن کریم ان کے مفہوم کی وضاحت بھی تصریف آیات کی رو سے کر دیتا ہے۔ لہذا کوئی عام لفظ ہو یا قرآنی اصطلاح، اگر وہ تمام آیات بیک وقت سامنے رکھ لی جائیں جن میں قرآن کریم نے انہیں استعمال کیا ہے، یا ان کے مفہوم کو بیان کیا

ہے ، تو ان الفاظ و اصطلاحات کے معانی متعین کرنے میں دشواری نہیں رہتی۔ ان مقامات پر غور و فکر سے یہ حقیقت واضح ہو جاتی ہے کہ ”قرآن اپنی تفسیر آپ کرتا ہے“۔

۸ - جو کچھ اوپر کہا گیا ہے اس سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ قرآن کریم کے معانی متعین کرنے کا طریق یہ ہے کہ

(ا) - سب سے پہلے متعلقہ لفظ کے مادہ کو دیکھا جائے کہ اس کا بنیادی مفہوم کیا ہے اور خصوصیت کیا۔ اس مادہ کی شکلیں کتنی ہی کیوں نہ بدلیں ، اس کی خصوصیت کی روح بالعموم ہر پیکر میں جھلکتی رہیگی۔

(ب)- اس کے بعد دیکھا جائے کہ صحرا نشین عربوں کے ہاں اس لفظ کا استعمال کس کس انداز سے ہوتا تھا۔ ان کے استعمال کی محسوس مثالوں سے یہ معلوم ہو جائیگا کہ ان کے ہاں اس مادہ کا تصوّر (Concept) کیا تھا۔ واضح رہے کہ جب تک تصورات (Concepts) کا تعین نہ کیا جائے ، الفاظ کا صحیح مفہوم سمجھ میں نہیں آ سکتا۔ یہ وہ بنیادی اصول ہے جس پر دور حاضرہ میں (Semantics) نے بڑی عمدہ روشنی ڈالی ہے۔ علم اللسان کے اس شعبہ کا مطالعہ ، الفاظ کی روح تک پہنچنے میں بڑا ممد و معاون ثابت ہوتا ہے۔

(ج)- اس کے بعد یہ دیکھنا چاہئیے کہ قرآن کریم میں وہ لفظ کس کس مقام پر آیا ہے اور اس نے اسے کس کس رنگ میں استعمال کیا ہے۔ ان مقامات سے اس لفظ کا قرآنی تصور (Quranic Concept) سامنے آ جائیگا۔

(د)- سب سے بڑی چیز یہ کہ قرآن کریم کی پوری تعلیم کا مجموعی تصور سامنے ہونا چاہئے۔ اور اس بنیادی اصول کو ہمیشہ پیش نظر رکھنا چاہئے کہ اس کے مفردات اور اصطلاحات کا مفہوم اسکی مجموعی تعلیم کے خلاف نہ جائے۔ اس لئے کہ قرآن کا دعویٰ ہے کہ اس میں کوئی اختلاف نہیں۔ یہ اسی صورت میں ہو سکتا ہے کہ ذہن کو خارجی اثرات سے الگ رکھکر قرآن کا مطالعہ خود قرآن کی روشنی میں کیا جائے۔ اللہ تعالےٰ نے قرآن کو نور (روشنی) کہا ہے اور روشنی اپنے آپ کو دکھانے کے لئے خارجی مدد کی محتاج نہیں ہوتی۔

یہ ہے وہ طریق جس سے قرآن کے الفاظ اور آیات کا صحیح مفہوم سمجھ میں آسکتا ہے۔ اس ضمن میں، علامہ جمال الدین افغانیؒ کے شاگرد رشید۔۔اور سید رشید رضاؒ کے استاد۔۔امام شیخ محمد عبدہ، (علیہ الرحمۃ) نے تفسیر المنار کے مقدمہ میں قرآن فہمی کے اعلیٰ مراتب کے سلسلہ میں بعض اہم امور بیان کئے ہیں، جن کا خلاصہ یہ ہے۔

> اس سلسلہ میں پہلی چیز یہ ہے کہ قرآن میں استعمال ہونے والے مفرد الفاظ کے حقیقی معنی سمجھے۔ یعنی یہ معلوم کرے کہ ان الفاظ کو اہل عرب کیونکر استعمال کرتے تھے، اور اس سلسلہ میں کسی دوسرے کے قول و فہم پر بھروسہ نہ کرے۔ نہ اس پر اکتفا کرے۔ اسلئے کہ بہت سے الفاظ زمانۂ نزول قرآن میں کسی خاص مطلب و معنی کو ادا کرنے کے لئے استعمال ہوتے تھے۔ بعد میں، تھوڑا یا زیادہ عرصہ گذرنے پر، ان کے دوسرے معنی کئے جانے لگے۔ مثلاً لفظ ''تاویل،، ہے جو ''تفسیر،، کے معنوں میں مشہور ہوگیا ہے۔ لیکن قرآن میں یہ لفظ دوسرے معنوں میں آیا ہے۔ یعنی ''انجام کار،،۔ ''عاقبت،،۔ ''قرآن کے وعدہ وعید کا نتیجہ ظاہر ہونا''*۔ اس ضمن میں قرآن کریم میں غور و فکر کرنے والے کے لئے ضروری ہے کہ وہ ملّت میں بعد میں پیدا ہونے والی اصطلاحات کی تحقیق کرے۔ اور پھر ان میں اور قرآن میں آنے والے الفاظ میں فرق کرے۔ اکثر مفسرین قرآن کریم کے الفاظ کا ترجمہ ان اصطلاحات کی رُو سے کرتے ہیں جو پہلی تین صدیوں میں ملت میں رائج ہوچکی تھیں۔ قرآن پر غور کرنے والوں کے لئے ضروری ہے کہ وہ قرآن کے الفاظ کے وہی معنی لیں جو زمانۂ نزول

*سید رشید رضاؓ نے اس سلسلہ میں لفظ ''الولی'' کی مثال دی ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ قرآن میں اس لفظ کے معنی ناصر و مددگار، حمایتی اور دوست کے ہیں۔ ''اولیاء اللہ'' کے معنی ہیں وہ اہل ایمان و تقویٰ جو اللہ کے دین کے حامی و مددگار بنیں۔ لیکن بعد میں یہ اصطلاح چل پڑی کہ وہ لوگ جو کرامات و خوارق کا مظاہرہ کریں اور ظاہری اسباب سے ماوراء قوانین فطرت میں تصرف کریں انہیں اولیاء اللہ کہا جاتا ہے، حالانکہ صحابہ کبارؓ، ''اولیاء اللہ'' کے یہ معنی جانتے ہی نہیں تھے (المنار)۔

قرآن میں لئے جاتے تھے - اس سلسلہ میں بہتر طریق یہ ہے کہ الفاظ کے معانی کے تعین میں خود قرآن سے مدد لے اور مکرر آنے والے الفاظ کا قرآن مین مطالعہ کرے- بعض اوقات وہ دیکھیگا کہ ایک ھی لفظ متعدد معانی کے لئے استعمال ھوا ہے - مثلاً ’’ ھدایت ،، وغیرہ - ان مقامات پر غور و فکر سے معلوم ھوجائیگا کہ فلاں مقام پر اس لفظ کے صحیح معنی کیا ھیں- اسلئے کہا گیا ہے کہ اَلْقُرْآنُ يُفَسِّرُ بَعْضُهُ بعضاً - قرآن کا ایک مقام دوسرے کی تفسیر کرتا ہے - اسیطرح کسی لفظ کے خاص معنی کو ترجیح دینے کیلئے قانون یہ ھوگا کہ وہ معنی سابقہ عبارت سے مطابقت اور موافقت رکھتے ھوں - پورے موضوع و مطالب سے اتفاق رکھتے ھوں اور قرآن کے مجموعی مقصد سے ہم آھنگ ھوں - (مقدمہ تفسیر المنار)

(۹) میں قرآن کریم کا طالب علم ھوں - میری زندگی، بچپن سے لیکر اسوقت تک ، اس کتاب عظیم کے ساتھ متمسک رھی ہے - ابتداءً میں نے بھی (جیسا کہ ھمارے ھاں کا معمول ہے) اسکا مطالعہ تقلیدی اور رواجی انداز سے کیا - لیکن اس سے کچھ بات نہ بنی - بعد میں جب میرے شعور میں انقلاب آیا اور میں نے ان راستوں پر تنقیدی نگاہ ڈالی تو یہ حقیقت سامنے آئی کہ

منزل و مقصود قرآں دیگر است - رسم و آئینِ مسلماں دیگر است

یہ میرے بخت کی یاوری تھی کہ عین اسوقت جب میں اس ذھنی کشمکش میں مبتلا تھا علامہ اقبالؒ کی بصیرتِ قرآنی سے (من جملہ دیگر امور) یہ اھم نکتہ میری سمجھ میں آیا کہ قرآن کریم کو عربی زبان اور تصریف آیات کی رُو سے سمجھنا چاھئے ، اور اس پر خارجی عناصر کو اثر انداز نہیں ھونے دینا چاھئے - ’’تصریف آیات ،، کی رُو سے قرآن کریم کو سمجھنے کے لئے تبویب القرآن کی ضرورت تھی - یعنی ایک موضوع سے متعلق ، قرآن کریم کی تمام آیات کو یک جا کرکے انھیں مربوط مضمون کی شکل میں مرتب کرنا - اگرچہ تبویب القرآن کے متعلق اس سے پہلے بھی کوششیں ھوئی تھیں لیکن جو خاکہ علامہ اقبالؒ کے پیش نظر تھا ، اور جسکی تفصیل انھوں نے مجھے بتائی تھی ، اس کے مطابق کوئی کتاب مجھے نہ مل سکی - اس کے لئے ایک نئی کتاب کی تدوین کی ضرورت تھی - میں نے بڑی کوشش کی

که کوئی جماعت ، یا مجھ سے زیادہ موزوں فرد، اس اهم کام کے لئے تیار هوجائے، لیکن ایسا نه هو سکا - آور بالآخر یه اهم کام مجھے خود هی کرنا پڑا - اس کے لئے میں نے سینکڑوں عنوانات کے ماتحت قرآنی آیات کی تبویب (Classification) کی - اس میں کئی برس لگ گئے - پھر هر موضوع کو، انسائیکلو پیڈیا کے انداز پر، مربوط مقاله کی شکل میں مرتب کیا - اسکے بعد ان مقالات کو مختلف مجلدات میں تقسیم کیا - اسطرح ''معارف القرآن'' کا طویل سلسله وجود میں آیا - اس میں سے، من و یزدان - ابلیس و آدم - جوئے نور - برق طور - شعله مستور - معراج انسانیت ، شائع هوچکی هیں - باقی جلدیں اپنے وقت پر شائع هوتی جائینگی - و بیده التوفیق -

(۱۰) ''معارف القرآن،، اور میری دیگر تصانیف و مقالات کی اشاعت کا نتیجه یه هوا که ملک کے نوجوان ، تعلیم یافته (بالخصوص '' مذهب گزیده،،) طبقه کے دل میں قرآن کریم کی قدر و منزلت آور عظمت و عقیدت کے جذبات بیدار هو گئے - میری (سالها سال کی) محنت آور کوشش کا مقصد هی یه تها که همارا نوجوان طبقه (جو انسانوں کے خود ساخته مذهب سے گھبرا کر، خدا کے عطا فرموده دین هی سے دور بھاگ رها تها) کسی طرح قرآن کریم کے قریب آجائے آور اس پر براه راست غور و فکر کرنا شروع کردے - میری ان حقیر سی کوششوں سے (بتوفیق خداوندی) جو نتیجه برآمد هوا وه میری توقعات سے کهیں بڑھکر تھا - ان نوجوانوں کی کثیر تعداد قرآن کریم کے قریب آگئی - فالحمد لله علیٰ ذالک -

یه طبقه قرآن کے قریب تو آگیا لیکن جب ان سے کها گیا که وه اس کتاب عظیم کی تعلیم کو براه راست سمجھنے کی کوشش کریں تو ان کا جواب یه تھا که قرآن کریم نه موجوده تراجم سے ان کی سمجھ میں آتا هے، نه تفاسیر سے - (وه ایسا کهنے میں حق بجانب تھے) اسلئے ان کا مطالبه یه تھا که وه طریق بتایا جائے جس سے وه قرآن کریم کو براه راست سمجھنے لگ جائیں- اس مطالبه میں وه لوگ بھی شامل تھے جو عربی زبان سے ناواقف تھے اور وه بھی جو اسے جانتے تھے - اس کی وجه وهی تھی جسے تفصیل سے پہلے بیان کیا جا چکا هے - ایک مدت کے غوروفکر کے بعد میں اس نتیجه پر پہنچا که اس دشواری کا حل اس کے سوا کچھ نهیں که قرآن کریم کا ایسا لغت هو جس میں قرآنی الفاظ اور تصورات کا مفهوم اس انداز سے متعین کیا گیا هو جسکی تصریح پهلے کی جا چکی هے - میںنے بهت تلاش کیا لیکن اس قسم کا کوئی لغت مجھے نه مل سکا - اس قسم کا لغت تو ایک طرف، مفردات امام راغب''

کے علاوہ، نظر سے کوئی ایسی کتاب نہیں گذری جسے خالص قرآنی الفاظ کا لغت کہا جا سکے۔ (حال ہی میں لغات القرآن کے عنوان سے بعض کتابیں شائع ہوئی ہیں لیکن وہ ہمارے پیش نظر مقصد کو پورا نہیں کرتیں۔ علامہ حمیدالدین فراہیؒ نے اس طرز پر قرآن کریم کے افہام و تفہیم کی طرح ڈالی تھی۔ اور کچھ الفاظ کے معنی بھی اس انداز سے متعین کئے تھے۔ اگر وہ قرآن کریم کا پورا لغت اس نہج پر مرتب فرما جاتے تو وہ بڑے کام کی چیز ہوتا۔ میں نے اپنے ظرف کے مطابق ان کی قرآنی بصیرت سے بھی استفادہ کیا ہے)۔ اندریں حالات، چارہ کار اس کے سوا کچھ نہ تھا کہ اس قسم کا لغت مرتب کیا جائے۔ قرآن کریم کا لغت مرتب کرنا، اور وہ بھی اس انداز کا جسکا ذکر اوپر آچکا ہے، جسقدر مشکل کام ہے اس کا اندازہ اہل علم حضرات بخوبی لگا سکتے ہیں۔ میں نے (جسطرح اس سے پہلے تبویب القرآن کے سلسلہ میں کیا تھا) بڑی کوشش کی کہ اس عظیم اور مشکل کام کے لئے کوئی جماعت تیار ہو جائے، لیکن (جسطرح پہلے ناکامی ہوئی تھی) اس میں (بھی) ناکامی ہوئی۔ ادھر یہ دشواری تھی اور ادھر ان ارباب ذوق کا (جنہیں میں قرآن سے قریب لے آیا تھا) یہ تقاضا کہ انہیں بتایا جائے کہ وہ قرآن کو براہ راست کسطرح سمجھیں، شدید سے شدید تر ہوتا جا رہا تھا۔ میں جب اپنی طرف نگاہ ڈالتا تھا تو ایسے مشکل اور اہم کام کو اپنے ہاتھ میں لینے کی نہ اپنے اندر کماحقہ اہلیت پاتا تھا، نہ ہمت۔ ایک مدت تک یہ کشمکش جاری رہی۔ اور آخرالامر، اسکے سوا کوئی صورت نظر نہ آئی کہ، بھلی بری جسیی بھی ہو، اس کام کی بنیاد رکھ دینی چاہئیے۔ جب ایک دفعہ اسکی طرح پڑگئی اور اس نے مفید نتائج مرتب کئے تو پھر دوسرے (اور مجھ سے زیادہ اہلیت رکھنے والے) حضرات اس پر بہتر عمارت استوار کردینگے۔ یہ تھے وہ حالات جن سے مجبور ہو کر میں نے اس لغت کی ترتیب کا فیصلہ کیا۔ سالہا سال کی مسلسل محنت کے بعد، جیسا کچھ یہ مرتب ہو سکا ہے، آپ کے سامنے ہے۔ اس دشوار گزار سفر میں مجھے بعض اچھے رفقاء کی معیت بھی نصیب ہو گئی۔ نیز کٹھن منازل پر میں نے ان حضرات سے مشورے بھی کئے جو ان مشوروں کے اہل تھے۔ اور آمادہ بہ تعاون۔ جی نہیں چاہتا کہ میں اس مقام پر، حبیب مکرم، (سابق سفیر مصر) ڈاکٹر عبدالوھاب عزام (نوراللہ مرقدہ) کا ذکر کئے بغیر آگے بڑھ جاؤں۔ انہیں عربی زبان پر جسقدر عبور اور قرآن سے جسقدر عشق تھا اس کا ان احباب کو بخوبی علم ہے جنہیں ان کو قریب سے دیکھنے کی سعادت نصیب ہوئی تھی۔ کلام اقبال کی شرح اور ترجمہ کے سلسلہ میں میرے ان کے ساتھ برسوں تک

گہرے تعلقات رہے۔ عربی ادب کے سلسلہ میں میں نے ان کے تبحر علمی سے جسقدر استفادہ کیا اس کی قدر و قیمت کا اندازہ میں ہی لگا سکتا ہوں۔ لغات کے مرتب ہو جانے کے بعد میں نے اسکا مسودہ ایسے ذی علم احباب کو بھی دکھا لیا جن کی عربی زبان کی استعداد اور قرآنی ذوق کا مجھے اندازہ تھا۔ میں ان تمام احباب کا بصمیم قلب شکر گزار ہوں۔ لیکن اس کے ساتھ، اس حقیقت کا اعلان میں ضروری سمجھتا ہوں کہ اس لغت میں جو کچھ لکھا گیا ہے اسکی ذمہ داری میں کوئی دوسرا شریک نہیں۔ وہ تنہا مجھپر عائد ہوتی ہے۔ افسوس ہے کہ علامہ اسلم جیراجپوریؒ لغت کی تکمیل سے پہلے انتقال فرما گئے۔ اگر وہ اسے ایک نظر دیکھ لیتے تو میرا پورا اطمینان ہو جاتا۔ اس انداز سے قرآن کو سمجھنے والا (جس کا اوپر ذکر آچکا ہے) مجھے آج کہیں نظر نہیں آتا۔ میرا فہم قرآن ان کی بصیرت فرقانی کا جسقدر رہین کرم ہے اسکے لئے میرا ایک ایک سانس انکا سپاس گذار ہے۔

(۱۱) زیر نظر لغت کی ترتیب و تدوین میں سب سے پہلا فیصلہ طلب سوال یہ تھا کہ عربی زبان کے کون سے لغت کو بطور اساس و بنیاد سامنے رکھا جائے۔ مروّجہ کتب لغت میں تین کتابوں کو بڑی شہرت حاصل ہے ــ یعنی لسان العرب۔ تاج العروس۔ اور قاموس۔ (ان کے علاوہ اور بھی بہت سی کتب لغت بڑی اہمیت رکھتی ہیں۔ اور خاص خاص شعبوں میں وہ ان سے بھی زیادہ مشہور اور ممتاز ہیں۔ لیکن ہمارے ہاں بہ ہیئت مجموعی ان تین کتابوں کو خاصی شہرت حاصل ہے)۔ ان تینوں کے محاسن و خصوصیات کے تقابلی مطالعہ کے بعد یہی طے پایا کہ تاج العروس کو بنیاد قرار دیا جائے۔

تاج العروس، قاموس کی شرح ہے۔ اور چونکہ لسان العرب کے بعد مرتب ہوئی ہے اسلئے اس میں لسان کی ضروری تفصیلات بھی آگئی ہیں۔ اس اعتبار سے دیکھا جائے تو تاج العروس آخری (Latest) مفصل اور مستند لغت ہے جس میں اس سے پہلے کی شائع شدہ قریب قریب تمام مستند کتب لغت کا خلاصہ آگیا ہے۔ لسان العرب ابن مکرّم* کی تالیف ہے جن کی وفات ۷۱۱ھ میں ہوئی۔ قاموس کے مولف علامہ فیروز آبادی ہیں جن کی وفات ۸۱۶ھ میں ہوئی۔ تاج العروس کے مولف کا پورا نام محب الدین، ابن الفیض، السید محمد مرتضٰی الحسینی الواسطی الزبیدی الحنفی ہے۔ ان کی وفات ۱۲۰۵ھ (مطابق ۱۷۹۱ء) میں ہوئی۔ انہوں نے اپنی معرکہ آرا لغت کو مصر میں مدوّن کیا۔ یہ دس ضخیم جلدوں میں چھپی ہے۔ ہمارے پیش نظر نسخہ مصر کے مطبع الخیریہ کا طبع شدہ ہے جس پر سن

* انہیں ابن منظور بھی کہا جاتا ہے۔

طباعت ۱۳۰٦ھ (بار اول) درج ہے۔ لین کے قول کے مطابق، تاج العروس میں لسان العرب کے علاوہ، ایک سو مستند کتب لغت سے استفادہ کیا گیا ہے۔ انگریزی زبان میں عربی کا مشہور لغت (Lane's Lexicon) تاج العروس ھی پر مبنی ہے۔ ترتیب کے اعتبار سے یہ لغت بڑا سائنٹیفک ہے۔

(۲) تاج العروس کے ساتھ جس کتاب کو ہم نے بنیادی طور پر سامنے رکھا ہے وہ امام راغب اصفہانی (متوفی قریب ۵۰۲ھ) کی مشہور تصنیف "المفردات فی غریب القرآن" ہے۔ یہ قرآنی الفاظ کا لغت ہے اور اسدرجہ مقبول اور مشہور کہ اسکے تفصیلی تعارف کی ضرورت نہیں۔ لیکن یہ کتاب بڑی مختصر ہے۔ ہمارے سامنے جونسخہ ہے وہ مطبع میمنیہ (مصر) میں ۱۳۲۴ھ میں چھپا تھا۔

(۳) تیسری اہم کتاب، ابن فارس (المتوفی ۳۹۵ھ) کی مقاییس اللغۃ ہے جس میں ہر لفظ کا مادہ اور مادہ کے بنیادی معنی دئے گئے ہیں۔ چونکہ ہمارے لغت کا مرکزی نقطہ، مادہ کے بنیادی معنی ہیں اسلئے اس میں ابن فارس سے نمایاں استفادہ کیا گیا ہے۔ ہمارے پیش نظر نسخہ چھ جلدوں میں مصر میں (۱۹۵۲ء میں) چھپا تھا۔

(۴) اس کے بعد جس کتاب سے زیادہ استفادہ کیا گیا وہ پطرس بستانی کی محیط المحیط ہے۔ یوں تو یہ کتاب مختصر ہے۔ (دو جلدوں میں مکمل ہوئی ہے)۔ لیکن اس کی افادی حیثیت بہت زیادہ ہے۔ ہمارے پیش نظر نسخہ بیروت میں، (۱۸۷۰ء میں) چھپا تھا۔

یہ وہ کتب لغت ہیں جنکے حوالے آپ کو زیر نظر لغت میں بالعموم ملینگے۔ ان کے علاوہ اکثر مقامات پر حسب ذیل کتب سے بھی استفادہ کیا گیا ہے۔

(الف) فقہ اللغۃ۔ ابومنصور الثعالبی کی مشہور کتاب ہے جو مختصر ہونے کے باوجود بڑی مستند خیال کی جاتی ہے۔ ہمارے پیش نظر نسخہ ۱۹۳۸ میں مصر میں چھپا تھا۔

(ب) اقرب الموارد۔ لغت کی مشہور کتاب ہے جسے سعید الخوری الشرتونی اللبنانی نے مرتب کیا تھا۔ ہمارے پیش نظرنسخہ بیروت میں (۱۸۸۹ء میں) چھپا تھا۔

(ج) منتھی الارب۔ عربی۔ فارسی کا مشہور لغت ہے۔ ہمارے سامنے وہ نسخہ ہے جو مطبع اسلامیہ لاھور میں (۱۹۲۵ء میں) چھپا تھا۔

(د) کتاب الاشتقاق۔ یہ ابن درید کی تصنیف ہے (جنکی وفات ۳۲۱ ھ میں ہوئی تھی) لغت میں ابن درید کا مقام بہت بلند ہے اور انکی یہ کتاب مادہ کے بنیادی معنی معلوم کرنے کے لئے بڑی مفید ہے' اگرچہ مقاییس اللغۃ جیسی مفصل نہیں ۔ اسکے علاوہ، ابن درید کی لغت کی مشہور اور مستند کتاب جمھرۃ اللغۃ سے بھی بعض مقامات میں استفادہ کیا گیا ہے ۔

(ر) العلم الخفاق فی علم الاشتقاق ۔ یہ نواب صدیق حسن خان کا مختصر سا رسالہ ہے لیکن اسمیں مادوں کے حروف کی بنیادی خصوصیات عمدگی سے بیان کی گئی ہیں ۔

(س) الالفاظ المترادفۃ ۔ یہ علی ابن عیسیٰ الرمانی (متوفی ۳۸۴ ء) کا رسالہ ہے جس میں مرادفات کے لطیف اور دقیق فرق کو عمدگی سے بیان کیا گیا ہے ۔

(ش) لطائف اللغۃ ۔ یہ احمد بن مصطفےٰ اللبابیدی (دمشقی) کی کتاب ہے جسمیں الفاظ کی لغوی باریکیوں سے بحث کی گئی ہے ۔

(ص) کتاب القرطین ۔ یہ امام ابن قتیبہ الدینوری (المتوفی ۲۷۷ ھ) کی مشہور کتابوں—مشکل القرآن و غریبہ—پر مشتمل ہے اور مصر میں ۱۳۵۵ ء میں چھپی ہے ۔ ابن قتیبہ کا مقام علمی دنیا میں بہت بلند ہے ۔

(ط) البستان ۔ شیخ عبداللہ البستانی اللبنانی (المتوفی ۱۹۳۰ ء) کا یہ لغت ۱۹۲۷ ء میں چھپا تھا ۔ اسکا مقدمہ خاص طور پر قابل مطالعہ ہے ۔

ان کتب لغت کے علاوہ زمخشری کی تفسیر (کشاف) تفسیر جلالین اور علامہ محمد عبدہ'رح کی شہرہ آفاق تفسیر المنار، سے بھی استفادہ کیا گیا ہے ۔ زیر نظر لغت میں ان کتابوں کے حوالے میں یا تو کتاب کا (پورا یا مخفف) نام دیا گیا ہے یا مصنف کا ۔ مثلاً تاج ۔ راغب ۔ محیط ۔ ابن فارس ۔ لین ۔ العلم الخفاق وغیرہ ۔ علاوہ ازیں بعض مقامات پر دیگر کتب سے بھی فائدہ اٹھایا گیا ہے ۔ ان کا حوالہ متعلقہ مقام پر دے دیا گیا ہے ۔

(۱۲) اس لغت میں ترتیب (بالعموم) یہ رکھی گئی ہے کہ پہلے مادہ کے بنیادی معنی دئے گئے ہیں ۔ پھر عربی زبان میں اسکے استعمال کی مثالیں ۔ ان مثالوں میں یہ خیال رکھا گیا ہے کہ یہ حتی الامکان محسوس اشیاء کی مثالیں ہوں تاکہ ان سے زیر بحث لفظ کا مفہوم محسوس طور پر سامنے آ جائے ۔ اسطرح متعلقہ لفظ کا لغوی مفہوم متعین کرنے کے بعد، قرآن کریم

کی ان آیات کو درج کیا گیا ہے جن میں وہ لفظ (اپنی مختلف شکلوں) میں آیا ہے - ان آیات سے یہ واضح ہو جاتا ہے کہ قرآن کریم میں وہ لفظ کن کن معانی میں استعمال ہوا ہے - اس کے بعد اہم الفاظ اور اصطلاحات کے ضمن میں یہ بتایا گیا ہے کہ اس لفظ کے استعمال سے قرآن کس قسم کا تصور (Concept) پیش کرتا ہے، اور وہ تصور قرآن کریم کی مجموعی تعلیم میں کیا مقام رکھتا ہے - اس سے آپ نے اندازہ لگا لیا ہوگا کہ یہ کتاب محض قرآنی الفاظ کا لغت نہیں بلکہ اس میں قرآنی تصورات پیش کئے گئے ہیں - چنانچہ جن دوستوں نے اس لغت کا مسودہ (پورا یا اسکا بعض حصہ) دیکھا، ان کی رائے یہ ہے کہ اسکا بغور مطالعہ کرلینے کے بعد قرآن کا طالب علم کسی تفسیر کا محتاج نہیں رہ سکتا - اس خصوصیت کے پیش نظر ہم چاہتے تھے کہ اس لغت کا نام کچھ اور رکھا جائے جس سے اسکی یہ خصوصیت نمایاں طور پر سامنے آ جائے، لیکن اس سے اسکی بنیادی خصوصیت (یعنی قرآنی الفاظ کے معانی) کے نظر سے اوجھل ہو جانے کا امکان تھا، اسلئے اسکا نام لغات القرآن ہی تجویز کیا گیا ہے -

اس مقام پر اتنا واضح کر دینا ضروری ہے کہ یہ، قرآن کریم کے الفاظ (مفردات) کا لغت ہے، پوری عربی زبان کا لغت نہیں - اسلئے نہ تو اس میں عربی زبان کے تمام الفاظ آئے ہیں اور نہ ہی الفاظ کی تشریح میں ادبی بحثوں کو چھیڑا گیا ہے - اس میں ہر لفظ کے متعلق صرف اس حد تک بحث کی گئی ہے جس حد تک اسے قرآن نے لیا ہے - نیز قرآن کریم کی آیات بھی تمام کی تمام نہیں دی گئیں - مثلاً اگر ایک لفظ قرآن کی بیس آیات میں (ایک ہی مفہوم میں) آیا ہے تو ان میں سے ایک آیت دی گئی ہے - البتہ جہاں مختلف آیات میں اس لفظ کو جداگانہ مفہوم کے لئے استعمال کیا گیا ہے وہاں وہ تمام آیات درج کر دی گئی ہیں - جہاں کسی آیت کو نقل کرنے کی ضرورت نہیں سمجھی گئی وہاں اس کے حوالہ پر اکتفا کیا گیا ہے - ان تمام آیات کو قرآن کریم سے نکال کر خود دیکھ لینا چاہئیے - اس سے بات واضح ہو جائیگی -

(۱۳) اس ضمن میں ایک اور اہم نکتہ کی وضاحت بھی ضروری ہے - جیسا کہ ہر زبان میں قاعدہ ہے، الفاظ کے ایک معنی "حقیقی" ہوتے ہیں اور ایک "مجازی" - مثلاً جب ہم کہیں کہ "وہ تو شیر ہے" تو اس سے مراد وہ (شیر) جانور نہیں جو جنگل میں رہتا ہے - اس سے یہ بتانا مقصود ہے کہ وہ شیر جیسا بہادر ہے - لفظ "شیر" کے حقیقی معنی "جنگل کا ایک طاقتور جانور" ہیں اور (مندرجہ بالا فقرہ میں) مجازی معنی "بڑا بہادر" -

"حقیقی اور مجازی معانی"، کی یہ صرف ایک مثال ہے۔ بلند پایہ تصانیف میں اور بھی بہت سے طرق و اسالیبِ بیان ایسے ہوتے ہیں جن میں الفاظ کے مجازی معنی مقصود ہوتے ہیں۔ عام طور پر یہ انداز بیان، تشبیہات اور استعارات پر مشتمل (Symbolical) ہوتا ہے*۔ لیکن یہ بھی کوئی ضروری شرط نہیں۔ اس ضمن میں ابن قتیبہ نے لکھا ہے۔

> عرب کے لوگ کلام میں مجازی معنی بھی لیتے ہیں۔ یعنی ان کے ہاں بات کہنے کے کئی طریقے اور کئی اسلوب ہوتے ہیں۔ چنانچہ استعارہ، تمثیل، قلب، تقدیم، تاخیر، حذف، تکرار، اخفاء، اظہار، تعریض، افصاح، کنایہ، ایضاح، واحد کو جمع کے صیغے سے خطاب کرنا اور جمع کو واحد کے صیغے سے۔ خاص لفظ سے عام معنی مراد لینا اور عام لفظ سے خاص۔ غرضیکہ بہت سے اسلوب ہوتے ہیں جو آپکو مجاز کے ابواب میں مل سکتے ہیں۔ . . قرآن کا نزول ان تمام اسالیبِ کلام کے مطابق ہؤا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ کوئی ترجمہ کرنے والا، قرآن کریم کا ترجمہ کسی دوسری زبان میں نہیں کرسکتا۔ . . کیونکر عجمی زبانوں میں مجاز کی وہ وسعت نہیں جو عربی زبان میں ہے۔ مثال کے طور پر قرآن کریم کی ایک آیت ہے فَضَرَبْنَا عَلَىٰ آذَانِهِمْ فِي الْكَهْفِ سِنِينَ عَدَدًا (۱۸/۱۱)**۔ اگر آپ چاہیں کہ اس مضمون کو کسی دوسری زبان کے الفاظ میں منتقل کرلیں تو اس سے وہ مفہوم نہیں سمجھا جاسکیگا جو ان الفاظ سے سمجھا جاسکتا ہے۔ اگر آپ یوں کہیں کہ اسکا ترجمہ یہ ہے کہ ہم نے انہیں چند سال تک سلائے رکھا، تو اب بھی آپ نے مفہوم کا ترجمہ تو کردیا، الفاظ کا ترجمہ نہیں کرسکے۔
> (قرطین جلد ۲۔ صفحہ ۱۶۳)

---

*اس قسم کے اسلوب بیان کے متعلق مشہور انگریز ادیب (Chesterton) کہتا ہے۔
Not literally true, but only really true. (Quoted by W. H. Urban—in Humanity and Deity—P. 117)

**یہ آیت اصحاب کہف کے متعلق ہے۔ شاہ رفیع الدینؒ اس کا لفظی ترجمہ یوں کرتے ہیں "پس پردہ مارا ہم نے اوپر کانوں ان کے بیچ غار کے برس کئی ایک"۔

یہ انداز بیان عام کتابوں میں بھی ہوتا ہے۔ لیکن جس کتاب عظیم کی یہ کیفیت ہو کہ اس کے حقائق کو تمام نوع انسان کے لئے، ہر زمانے میں مشعل ہدایت بننا ہو، اسکا وہ حصہ اسی انداز کا ہونا چاہئیے جس کا تعلق حقائق سے ہو۔ اس سے ہر دور کے ارباب علم و بصیرت اور اصحاب فکر و تدبر، اپنے زمانے کی علمی سطح کے مطابق، الفاظ کے مجازی معانی سے، قرآنی حقائق کو سمجھتے چلے جائینگے۔ اور یوں، جوں جوں انسانی عقل کی سطح بلند ہوتی جائیگی، قرآنی حقائق بے نقاب ہو کر سامنے آتے جائینگے۔

لہذا قرآنی الفاظ کا مفہوم سمجھنے کے لئے ہمیں یہ بھی دیکھنا ہوگا کہ متعلقہ آیت میں فلاں لفظ کے معنی حقیقی لئے جانے چاہئیں یا مجازی۔ زیر نظر لغت میں اسکا بھی التزام کیا گیا ہے۔ لیکن اسکا یہ مطلب نہیں کہ جن مقامات پر ہم نے کسی لفظ کے مجازی معنی لئے ہیں وہاں (بالضرور) اسکے مجازی معنی لئے جائیں۔ دیکھنا یہ چاہئے کہ ان الفاظ کے حقیقی معنی کیا ہیں۔ اسکے بعد متعلقہ آیت میں جو معنی (حقیقی یا مجازی) زیادہ موزوں نظر آئیں انہیں اختیار کر لینا چاہئے۔ یہی کیفیت ان مقامات کی بھی ہے جہاں ہم نے قرآنی آیات سے کوئی خاص مفہوم مستنبط کیا ہے۔ قارئین میں سے جنہیں ہمارے مفہوم سے اختلاف ہو وہ اپنے لئے خود مفہوم متعین کرسکتے ہیں۔ مختصر الفاظ میں یوں سمجھئے کہ زیر نظر لغت میں جو حصہ الفاظ کے لغوی معانی سے متعلق ہے وہ مستند کتب لغت سے ماخوذ ہے، اس لئے مستند ہے۔ لیکن جو کچھ ہم نے اپنی طرف سے کہا ہے اگر کسی کو اس سے اتفاق نہ ہو تو وہ اپنی قرآنی بصیرت کے مطابق اس کا مفہوم خود متعین کرسکتے ہیں۔

بعض الفاظ کے سلسلہ میں یہ بھی ممکن ہے کہ جو معانی اس لغت میں دیئے گئے ہیں وہ قرآن کریم کے ان تراجم سے مختلف ہوں جو ہمارے ہاں عام طور پر مروّج ہیں (اسکی وجہ ہم پہلے لکھ چکے ہیں)۔ ایسی صورت میں آپ اس حقیقت کو سامنے رکھئے کہ ہم نے ہر لفظ کے لغوی معانی کی سند میں اس کتاب کا حوالہ دے دیا ہے جہاں سے وہ معانی لئے گئے ہیں۔ اور جن کتابوں کا حوالہ دیا گیا ہے، ارباب علم کے نزدیک ان کی حیثیت مستند ہے۔ ان کتابوں میں البتہ بعض اوقات ان کے مؤلفین نے (لغوی معانی کے علاوہ) قرآنی تعلیم کے بارے میں خود اپنی رائے بھی دی ہے۔ ہم نے بعض مقامات پر ان آراء سے اختلاف کیا ہے۔ اسلئے کہ اشخاص کی آراء ان کی ذاتی استعداد، رحجانات و میلانات، نیز خود اس زمانے کی علمی سطح اور

عام فضا کا نتیجہ ہوتی ہیں جس میں وہ تربیت پاتے ہیں ، اسلئے دوسروں پر ان آراء کی پابندی لازم نہیں ہوتی - ایسے مقامات پر ہم نے اپنے فہم وبصیرت (اور اپنے زمانے کی علمی سطح کے مطابق) جو بہتر سمجھا ہے لکھ دیا ہے - لیکن ہم نے ہر مقام پر اس کا التزام کیا ہے کہ جو کچھ لکھا جائے وہ (ہماری بصیرت کے مطابق) قرآن کریم کی بہ ہیئتِ مجموعی تعلیم کے خلاف نہ ہو- یہی اصول ہمارے اس لغت کی اصل و بنیاد ہے -

اردو زبان میں عربی کے بہت سے الفاظ داخل ہیں لیکن یہ الفاظ اردو میں ان معانی سے مختلف معانی میں استعمال ہوتے ہیں جن معانی میں وہ بنیادی اور اصولی طور پر عربی میں استعمال ہوتے ہیں - زیر نظر لغت میں جب اس قسم کے الفاظ (ہماری) اردو زبان کی عبارت میں آئیں تو ان کے وہی معانی سمجھے جائیں جن معانی میں وہ اردو میں استعمال ہوتے ہیں -

اس سلسلہ میں ایک لفظ کا ذکر خصوصیت سے کرنا ضروری ہے جو آپ کو زیر نظر لغت میں بکثرت ملیگا - وہ لفظ ہے ،، قانون ،، - ہمارے ہاں قانون سے عام طور پر مفہوم وہ (Laws) لئے جاتے ہیں جن کے مطابق عدالتوں میں فیصلے ہوتے ہیں - لیکن لفظ قانون کا مفہوم اس سے کہیں وسیع ہے - قانون سے مراد ایسے محکم اصول ہیں جن میں تغیر وتبدل نہیں ہوتا - مثلاً ،، قانون فطرت ،، سے مراد ہیں وہ لگے بندھے اصول و ضوابط جن کے مطابق خارجی کائنات کا محیرالعقول سلسلہ اس نظم و ضبط سے چل رہا ہے - ''قوانین خداوندی،، سے مراد ہیں انسانی زندگی سے متعلق وہ اصول و ضوابط جو قرآن کریم کی دفتین میں محفوظ ہیں- وقس علیٰ ذالِکَ - لہٰذا اس لغت میں جہاں یہ لفظ (قانون) آئے سیاق وسباق کے مطابق اسکا مفہوم سمجھ لینا چاہئے-

بعض اوقات آپ دیکھینگے کہ لغت کی رو سے ایک ہی لفظ کے متعدد معنی دئے گئے ہیں - ہم اسوقت اس امر کے متعلق بحث نہیں کرنا چاہتے کہ ایک ہی لفظ کے متعدد (اور بعض وقت متضاد) معانی کیوں ہو جاتے ہیں - (یہ ، علم الالسنہ کا ایک اہم مسئلہ ہے اور ہمارے موضوع سے خارج) - بالعموم یہ اختلاف معانی ان الفاظ کے طریقِ استعمال کی بنا پر ہوتا ہے - قرآن کریم میں اس قسم کا لفظ جس مقام پر آئیگا ، یا تو سیاق وسباق بتا دیگا کہ اسکا صحیح مفہوم کیا ہے ، یا تصریف آیات سے یہ مقصد حاصل ہو جائیگا - یعنی قرآن کریم کی ان متعدد آیات کو سامنے لانے سے جہاں وہ لفظ آیا ہے - ہم نے اپنے لغت میں یہی طریق اختیار کیا ہے -

(۱۴) ان اهم امور کے علاوہ ذیل کے مختصر نقاط بھی پیش نظر رهنے ضروری هیں۔

(ا) لغت میں حروف مقطعات کے معانی نہیں دئے گئے۔ یہ قرآنی مفردات نہیں بلکہ مخففات هیں۔ انکے متعلق هم اپنا نقطہ نظر، مفهوم القرآن میں بیان کرینگے اور وهیں انکا مفهوم بھی دینگے۔ (مفهوم القرآن کا تعارف ذرا آگے چل کر آتا ھے)۔

(ب) عربی زبان میں حروف کو بڑی اهمیت حاصل ھے لیکن ان کی تفصیلی بحث ایک مستقل موضوع ھے جو اس قسم کی لغت کی کتاب میں جو آپ کے پیش نظر ھے ضمنی طور پر نہیں کی جا سکتی۔ بنا بریں اس لغت میں حروف کی بحث کو صرف اس حد تک محدود رکھا گیا ھے جہانتک یہ بحث قرآنی آیات کے سمجھنے میں مفید تصور کی گئی ھے۔

(ج) بعض حروف کے متعلق لکھا گیا ھے کہ فلاں آیت میں یہ "زائد" ھے۔ زائد کے یہ معنی نہیں کہ وہ بلا ضرورت استعمال کیا گیا ھے۔ اسکا مطلب یہ ھے کہ اس حرف کے (اس مقام میں) الگ معنی کچھ نہیں لیکن اهل زبان اسے ایسے مواقع پر استعمال کرتے هیں اور اس سے کلام میں خاص وزن پیدا هو جاتا ھے۔ اگر اس موقع پر قرآن اسے استعمال نہ کرتا تو قرآن کا انداز غیر فصیح هو جاتا۔

(د) عربی الفاظ کے مادے بالعموم سہ حرفی (ثلاثی) هوتے هیں لیکن بعض مادے چار حرفی (رباعی) بھی هوتے هیں۔ عام کتب لغت میں رباعی کو ثلاثی کے تابع دےدیا جاتا ھے۔ هم نے بھی اس باب میں اسی طریق کا اتباع کیا ھے بجزان مقامات کے جہاں رباعی مادہ کا الگ دیا جانا ضروری سمجھا گیا ھے۔

(ر) حضرات انبیائے کرام ؑ اور اقوام سابقہ کا تعارف الگ عنوانات کے تحت کرایا گیا ھے۔ لیکن یہ تعارف (لغت کی مناسبت سے) اجمالی ھے۔ تفصیلی تعارف میری دوسری تصانیف (مثلاً جوئے نور، برق طور، شعلۂ مستور، معراج انسانیت) میں دیکھا جا سکتا ھے۔

(س) قرآنی آیات کا حوالہ اسطرح دیا گیا ھے کہ اوپر سورۃ کا نمبر ھے اور نیچے آیت کا۔ مثلاً ($\frac{۷}{۹۲}$) سے مراد ھے ساتویں سورۃ (سورۂ اعراف) کی آیت ۹۲۔ چونکہ قرآن کریم کے مختلف نسخوں میں آیات کے نمبروں میں دو ایک کا فرق هوتا ھے،* اسلئے اگر زیر نظر لغت میں کوئی آیت حوالہ کے مطابق نہ

---

* آیات کے نمبروں کے لحاظ سے، ساری دنیا کے لئے قرآن کریم کے ایک اسٹینڈرڈ (Standard) نسخہ کی بڑی ضرورت ھے جو کتابت کی غلطیوں سےبھی بالکل پاک هو

ملے تو ایک دو آیات آگے پیچھے دیکھ لیں - لغات میں درج شدہ آیات کو اگر آپ قرآن کریم کے نسخہ سے ملا لیں تو بہتر ہوگا تا کہ اگر ان میں کوئی غلطی رہ گئی ہو تو اسکی تصحیح ہو جائے - قرآنی آیات میں صحت کا بالخصوص خیال رکھنا چاھئے -

(ص) لغت میں عندالضرورت حوالہ کے ساتھ قرآنی آیات بھی درج کر دی گئی ھیں - لیکن جہاں آیت درج نہ کی گئی ہو اور صرف حوالہ دیا گیا ہو وھاں آپ متعلقہ آیت قرآن کریم سے خود نکال کر دیکھ لیں - اس سے بات واضح ہو جائیگی -

(ط) بعض اوقات ''قرآن کریم'' یا ''قرآن مجید'' کے بجائے صرف ''قرآن'' لکھا ہوا ملیگا - اسے عدمِ احترام پر محمول نہ کیا جائے - قرآن کریم بہرحال و بہر نوع واجب الاحترام ھے خواہ اسکے ساتھ احترام کا لفظ آئے یا نہ آئے - جہاں ایسا لفظ موجود نہ ہو وھاں آپ اسکا اضافہ خود کر لیں -

(۱۰) یہ لغت اوّلاً واساساً ان حضرات کے لئے مرتب کیا گیا ھے جو عربی زبان سے واقف نہیں - اسلئے

(۱) اس میں علمی اصطلاحات سے اجتناب کیا گیا ھے اور بات عام فہم الفاظ میں بیان کر دی گئی ھے - نیز کوشش کی گئی ھے کہ اسکا انداز سلیس اور سادہ ہو تا کہ عام پڑھے لکھے لوگ بھی اس سے مستفید ہو سکیں - البتہ جہاں گفتگو ھی کسی علمی یا فنی مسئلہ کے متعلق ہو وھاں اسلوب بیان کا فنی یا نسبتاً مشکل ہو جانا ناگزیر ہو جاتا ھے -

(۲) لغت سے پہلے، قریب ستّر صفحات میں ' عربی زبان کے گرامر کے قواعد، آسان اور غیر فنّی زبان میں دئے گئے ھیں - یہ عربی زبان کی پوری گرامر (صرف و نحو) نہیں ' صرف مبادیات ھیں جن سے مقصود یہ ھے کہ جو حضرات عربی زبان سے ناواقف ہوں انہیں عربی الفاظ کی مختلف شکلوں اور عربی فقروں کی مختلف ترکیبوں سے شناسائی ہو جائے اور وہ اسطرح لغت سے زیادہ سے زیادہ فائدہ اٹھا سکیں - اگر آپ نے ان مبادیات کا غور سے مطالعہ کیا تو آپ دیکھینگے کہ ان کی مدد سے آپ عربی زبان سے کافی حد تک شناسا ہو جائینگے -

(۳) عربی زبان کے اصول کے مطابق لغت کی ترتیب الفاظ کے لحاظ سے نہیں بلکہ مادوں کے اعتبار سے رکھی گئی ھے - مثلاً لفظ ''متقین'' آپ کو (م - ت - ق) کے تحت نہیں ملیگا - اس لفظ کے مادہ (و - ق - ی) کے ماتحت

ملیگا - لیکن عربی زبان نہ جاننے والوں کے لئے یہ مشکل (بلکہ بعض اوقات نا ممکن) ہوگا کہ وہ معلوم کر سکیں کہ فلاں لفظ کا مادہ کیا ہے، اور جب وہ مادہ ہی معلوم نہیں کر سکینگے تو وہ اس لفظ کو لغت میں تلاش کیسے کرینگے؟ اس دقت کے پیش نظر ہم نے تمام قرآنی الفاظ کی ایک فہرست مرتب کی ہے - اس فہرست کو حروف تہجی (ا - ب - ت - ث) کے مطابق ترتیب دیا ہے، اور ہر لفظ کے سامنے وہ مادہ دے دیا ہے جس کے ماتحت وہ لفظ ملیگا - مثلاً فہرست میں لفظ '' متقین — م — کے ماتحت (بہ ترتیب - م - ت - ق) دیا گیا ہے، اور اس کے سامنے لکھا گیا ہے — و-ق-ی — اس کے معنی یہ ہیں کہ لفظ '' متقین '' لغت میں '' و - ق - ی '' کے عنوان کے تحت ملیگا - یہ فہرست قریب سو صفحات سے زیادہ پر پھیلی ہوئی ہے - کوشش کی گئی ہے کہ یہ مکمل ہو، لیکن اس میں پھر بھی سہو و خطا کا امکان ہے - اگر آپ کو اس میں کوئی سہو یا غلطی نظر آئے تو اس سے مطلع فرمائیں تا کہ آئندہ اڈیشن میں مناسب اصلاح کر لی جائے -

مبادیات اور فہرست میں، کوشش بسیار کے باوجود، چند ایک طباعت کی غلطیاں رہ گئی ہیں - انہیں فہرست کے آخر میں '' اغلاط نامہ '' میں درج کر دیا گیا ہے - آپ متعلقہ الفاظ کی تصحیح کر لیں -

۱٦ - جیسا کہ شروع میں کہا جا چکا ہے، اس لغت کی تدوین کا محرک جذبہ یہ تھا کہ جن حضرات کے دل میں قرآن کریم کا ذوق پیدا ہو چکا ہے وہ براہ راست اسے سمجھنے کے قابل ہو سکیں - یہ مقصد بڑی حد تک زیر نظر لغت سے پورا ہو جانے کی امید کی جا سکتی ہے - لیکن اکثر احباب کا خیال تھا (جس سے غور و فکر کے بعد مجھے بھی متفق ہونا پڑا) کہ اس کے باوجود (یا یوں کہئے کہ اس کے ساتھ) قرآن کریم کے ایک رواں ترجمہ کی ضرورت باقی رہتی ہے - جیسا کہ ابن قتیبہ نے کہا ہے (اور ابن قتیبہ ہی نے نہیں، اب یورپ کے اکثر فاضل مستشرقین بھی اس نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ) قرآن کریم کا ترجمہ کسی زبان میں بھی نہیں ہو سکتا - (اس کی تفصیل '' مفہوم القرآن '' میں ملیگی) - یہ بالکل درست ہے - میرے مدت العمر کے مطالعہ اور تدبر فی القرآن نے خود مجھے بھی اسی نتیجہ پر پہنچایا ہے - چنانچہ میں نے اس مشکل مسئلہ پر ایک عرصہ تک غور کیا اور ایک ایسا اسلوب وضع کیا جو ترجمہ اور تفسیر کے بَین بَین ہے - یہ کچھ اس سے ملتا جلتا ہے جسے انگریزی زبان میں (Paraphrasing) کہتے ہیں -

اردو زبان میں اسے ''مفہوم،، کے لفظ سے تعبیر کیا جا سکتا ہے - یعنی قرآن کا مفہوم اپنے الفاظ میں - میں نے قرآن کریم کے بعض مقامات کا ''مفہوم،، اس انداز سے متعین کیا اور اسے تجربۃً مختلف احباب کے سامنے پیش کیا - یہ تجربہ بڑا مفید رہا - ان کی رائے تھی کہ اس سے قرآن کریم کا مفہوم سمجھنے میں دقت نہیں رہتی - اس تجربہ کے بعد میں نے، قرآنی الفاظ کے ان معانی کے رُو سے جو زیر نظر لغت میں دئے گئے ہیں، قرآن کریم کا مفہوم مرتب کیا ہے - اسی کا نام ''مفہوم القرآن،، ہے جو ابتدائی مسودہ کی شکل میں اس وقت موجود ہے - میرا اندازہ ہے کہ زیر نظر لغت اور مفہوم القرآن کی اشاعت سے وہ دشواریاں رفع ہو جائینگی جو قرآن مجید کے سمجھنے میں عام طور پر پیش آتی ہیں - میں چاھتا ہوں کہ (لغت نہیں تو کم از کم) مفہوم القرآن انگریزی زبان میں بھی شائع ہو جائے تا کہ بیرونی دنیا (بالخصوص یورپ اور امریکہ) خدا کی اس عظیم کتاب کو جو تمام نوع انسانی کی رہنمائی کا سامان اپنے اندر رکھتی ہے، براہ راست سمجھ لے اور اس طرح اپنی آنکھوں سے دیکھ لے کہ اس کا یہ دعویٰ کسقدر مبنی بر صداقت ہے کہ جو نظام اس نے عطا کیا ہے وہ نوع انسان کی تمام مشکلات کا حل اپنے اندر رکھتا ہے - میں علیٰ وجہ البصیرت محسوس کرتا ہوں کہ مغربی ممالک اس نظام کی تلاش میں مارے مارے پھر رہے ہیں لیکن یہ نظام ان کے سامنے نہیں آ رہا - یہ اسی صورت میں سامنے آ سکیگا جب قرآن کریم کو، اس کی اصلی شکل میں، دنیا کے سامنے پیش کیا جائے -

۱۷ - لغت (اور اس کے ساتھ مفہوم القرآن) سالہا سال کی دیدہ ریزی اور جگر کاوی سے مرتب تو ہو گئے لیکن اتنی ضخیم کتابوں کے چھپوانے کی مجھ میں کہاں استطاعت تھی؟ یہ وہ مقام تھا جہاں میں بے بس تھا - میری تصانیف سے جو کچھ (تھوڑا بہت) منافع حاصل ہوتا ہے وہ قرآنی فکر کی نشر و اشاعت کے سلسلہ میں صرف ہو جاتا ہے (بلکہ یوں کہئے کہ وہ اس کے لئے بھی کفایت نہیں کرتا - اس عظیم مشن کے متعدد گوشے ایسے ہیں جو سرمایہ کے نہ ہونے کی وجہ سے ابھی تک شرمندہٗ تعبیر نہیں ہو سکے) - اس بے بسی نے مجھے عرصہ تک وقف اضطراب رکھا تا آنکہ میرے ان قرآنی احباب نے جو میرے مشن سے متفق ہیں، از خود آگے بڑھ کر میرا یہ بوجھ ہلکا کر دیا، اور یوں میرے لئے اس دشوار گذار مرحلہ کو آسان بنا دیا - میں یہ الفاظ لکھ رہا ہوں اور میرا دل ان احباب کے لئے جذبات تشکر و امتنان سے لبریز ہو رہا ہے - اگرچہ میں جانتا ہوں کہ وہ نہ شکریہ

کے خواهاں هیں، نہ ستائش کے متمنی — قرآن کا رشتہ بھی دنیا میں عجیب رشتہ ہے۔

اس کے بعد، طباعت کی عملی دشواریاں سامنے آئیں۔ آجکل لیتھو کی چھپائی جس بری طرح سے کتاب کو مسخ کر دیتی ہے اس کا مجھے تلخ تجربہ ہے۔ میں اس تجربہ کو، کم از کم لغت جیسی اہم کتاب کے سلسلہ میں، دھرانے کے لئے قطعاً تیار نہیں تھا۔ اوفسٹ کی چھپائی کے متعلق معلوم کیا تو وہ ہماری بساط سے کہیں زیادہ تھی۔ اب لے دے کے ٹائپ کی چھپائی رہ جاتی تھی۔ اس میں دشواری یہ تھی کہ ہمارے ہاں ابھی ایسا ٹائپ رائج نہیں ہوا جس کے ساتھ اعراب ہوں، اور اعراب الگ لگانے سے وہ اپنے صحیح مقام سے ادھر ادھر ہٹ جاتے ہیں۔ اس کے لئے کئی ایک مطابع میں تجربے کئے گئے۔ ایک پریس میں مبادیات اور فہرست کو چھپوا کر بھی دیکھ لیا۔ اس تمام تگ و تاز کے بعد اس نتیجہ پر پہنچے کہ لغت کی طباعت کی اطمینان بخش صورت اسی نہج سے ہو سکتی ہے کہ پریس اپنے زیر اہتمام ہو۔ اس کے لئے کافی عرصہ تک انتظار کرنا پڑا۔ بہرحال اب خدا خدا کر کے اس کا انتظام ہوا ہے اور میں اس قابل ہوا ہوں کہ لغت کی پہلی جلد احباب کی خدمت میں پیش کر سکوں۔ اس کی طباعت اب بھی میرے معیار کے مطابق نہیں (اس میں بھی بعض اوقات اعراب اپنے ٹھیک مقام پر نہیں لگ سکے۔ لیکن میں نے اسے اس لئے گوارا کر لیا ہے کہ "معیار" کی تلاش میں، وقت کی اشد ضرورت کو بالآخر کب تک التوا میں ڈالا جا سکتا ہے؟ احباب کے تقاضوں کا تو یہ عالم ہے کہ — سینہ شمشیر سے باہر ہے دم شمشیر کا — اس لئے اپنی طرف سے جسقدر بھی اچھے سے اچھا ہو سکا، اسے چھاپ دیا گیا ہے۔

اندازہ یہ ہے کہ لغات القرآن، چار یا پانچ جلدوں میں تکمیل تک پہنچ جائیگی۔ اس کے بعد "مفہوم القرآن" کی طباعت کی باری آئیگی۔ "مفہوم القرآن" کے لئے بھی احباب کے تقاضے جسقدر شدید ہیں اس کا مجھے احساس ہے۔ لیکن چونکہ اس مفہوم کی سند، صرف لغتِ زیر نظر میں مل سکیگی، اس لئے اسے لغت کی تکمیل سے پہلے شائع نہیں کیا جا سکتا۔ وَمَا توفیقی الا باللہ العلی العظیم۔

واضح رہے کہ زیر نظر لغت میں قرآنی آیات کا اردو ترجمہ لغوی مفہوم کی رعایت سے دے دیا گیا ہے۔ مفہوم القرآن کا انداز اس سے الگ ہے۔ اس میں قرآن کریم کا ترجمہ نہیں بلکہ مفہوم پیش کیا گیا ہے۔

(۱۸) عام کتب لغت اسوقت مکمل ہوتی ہیں جب ان کی تمام جلدیں چھپ کر سامنے آجائیں - جہاں تک الفاظ کا تعلق ہے زیر نظر لغت بھی اسی طرح مکمل ہوگا - لیکن یہ صرف لغت کی کتاب نہیں - اس میں قرآنی تعلیم کے بنیادی تصورات بھی آ گئے ہیں - اس لحاظ سے اسکی ہر جلد اپنی جگہ مکمل اور خود مکتفی ہے - لہذا آپ اس کا انتظار نہ کیجئے کہ تمام جلدیں چھپ جائیں تو اس سے فائدہ اٹھایا جائے - آپ ہر جلد سے الگ الگ استفادہ کرسکتے ہیں - آپ اسے لغات کیطرح نہ دیکھئے ، کہ جب کسی خاص لفظ کے معانی معلوم کرنے ہوں تو کتاب کھول کر وہ معانی دیکھ لئے اور پھر کتاب رکھ دی - آپ اسکا مسلسل مطالعہ کیجئے - اس طرح قرآنی تعلیم کے بنیادی تصورات ایک ایک کر کے آپ کے سامنے آتے جائینگے -

(۱۹) اگرچہ لغت کا پورا مسودہ طباعت کے لئے تیار رکھا ہے لیکن ہو سکتا ہے کہ طباعت کے دوران ، مزید غور و فکر سے بعض اہم چیزیں اس وقت سامنے آئیں جب متعلقہ جلد چھپ چکی ہو، یا قارئین کی طرف سے مفید مشورے، تجاویز یا وضاحت طلب امور سامنے آئیں - اگر ایسا ہوا تو آخری جلد کے ساتھ ایک تکملہ شائع کر دیا جائیگا جس میں یہ تمام امور آجائینگے-

(۲۰) جیسا کہ میں نے ہمیشہ کہا ہے، میں اپنی کسی تحریر کو نہ سہو و خطا سے منزہ سمجھتا ہوں ، نہ اس موضوع پر حرف آخر - میری دیگر تصانیف کی طرح یہ لغت بھی بہر حال انسانی کوشش ہے جس میں سہو و خطا کا امکان اور حک و اضافہ کی گنجائش ہے - جو احباب مجھے میری غلطیوں سے مطلع اور اپنے مشوروں سے مستفید فرمائینگے میں انکا شکر گذار ہونگا بشرطیکہ یہ بغرض تعاون ہو، نہ کہ بحث و جدل کی خاطر - میں بحث میں الجھا نہیں کرتا -

اگر میری اس کوشش ناتمام سے کچھ احباب بھی قرآن کریم کو براہ راست سمجھنے کے قابل ہو گئے تو میں سمجھونگا کہ مجھے میری محنت کا صلہ مل گیا - یہی میری زندگی کا مقصد اور یہی میری کاوشوں کا منتہیٰ ہے - ربّنا تقبّل منّا انّک انت السّمیع العلیم -

۲۵ - بی - گلبرگ — غلام احمد پرویز

لاهور (پاکستان) — مارچ ۱۹۶۰

لغات القرآن

باب اوّل

عربی لغت سے استفادہ کے لئے ضروری معلومات

یہ باب ان قارئین کے لئے لکھا گیا ہے جو عربی زبان اور اس کی گرامر سے واقف نہیں ۔ اس میں صرف و نحو کی دقیق اصطلاحات اور فنی باریکیوں سے بحث نہیں کی گئی ، بلکہ مختصر اور سادہ الفاظ میں بتایا گیا ہے کہ عربی الفاظ کی شکلیں کس طرح بدلتی ہیں اور اس تبدیلی سے معنوں میں کیا فرق پڑتا ہے ؟

عربی لغت سے استفادہ کے لئے ضروری معلومات

عربی زبان کی لغت کی خصوصیت

آپ اردو زبان کی ڈکشنری میں (مثلاً) ''مُتَعَلِّم'' یا ''تعلیم'' کے الفاظ دیکھنا چاہیں تو مُتعلّم آپ کو ''م'' کی تختی میں اور تعلیم ''ت'' کی تختی میں مل جائے گا۔ لیکن اگر آپ یہی الفاظ عربی زبان کی ڈکشنری میں دیکھیں گے تو نہ متعلم ''م'' کی تختی میں ملے گا اور نہ ہی تعلیم ''ت'' کی تختی میں - یہ دونوں ع - ل - م (علم) کے باب میں ملیں گے - اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ ضروری نہیں کہ عربی زبان کی لغت (ڈکشنری) میں الفاظ کی ترتیب ان کے حروف کی ترتیب کے مطابق ہو - یہ پہلی دشواری ہے جو عربی نہ جاننے والوں کی راہ میں عربی زبان کی ڈکشنری سے الفاظ کے معانی معلوم کرنے کی راہ میں حائل ہوتی ہے - لیکن اگر یہ معلوم ہو جائے کہ ایسا کیوں ہے تو یہی دشواری ایک طرف یہ بتا دیگی کہ عربی زبان کس قدر سائنٹیفک ہے اور دوسری طرف یہ کہ اس کے الفاظ کے معانی معلوم (بلکہ متعین) کرنے کس قدر آسان اور دلچسپ ہیں -

عربی زبان کا ہر لفظ الگ الگ مستقل حیثیت نہیں رکھتا بلکہ جس طرح درخت کی شاخیں' پتے' پھول' پھل اس کے بیج یا جڑ سے نکلے ہوتے ہیں اسی طرح اس زبان کا ہر لفظ اپنی ایک جڑ اور اصل رکھتا ہے جس سے وہ وجود پذیر ہوتا ہے -

مادّہ

اس جڑ یا اصل کو مادّہ (Root) کہتے ہیں - عربی زبان میں ایک مادہ سے سینکڑوں الفاظ (اسماء - افعال- صیغے وغیرہ) بنتے ہیں- ان الفاظ کی شکلیں مختلف ہوں گی لیکن ان میں سے ہر ایک میں اس جڑ (مادہ) کی خصوصیت ضرور موجود ہوگی' نیز یہ کہ یہ الفاظ اور ان کی مختلف شکلیں یونہی اندھا دھند نہیں بن جاتیں- یہ

خاص قاعدوں کے مطابق سائنٹیفک طریق سے بنتی ہیں اور ہر شکل اپنا خاص مفہوم رکھتی ہے - اس سے ظاہر ہے کہ اگر کسی لفظ کا مادہ معلوم ہو اور ان قاعدوں سے واقفیت ہو جن کے مطابق اس مادہ سے مختلف الفاظ خاص شکلیں لئے ہوئے ابھرتے ہیں تو مادہ کے معنی معلوم ہو جانے سے ان تمام الفاظ کے معانی خود بخود سامنے آ جائیں گے - یہ وجہ ہے کہ عربی زبان کی ڈکشنری میں مختلف الفاظ کو ان کے حروف کی ترتیب سے نہیں دیا جاتا بلکہ انہیں ان کے مادہ کے تحت دیا جاتا ہے -

اس سے ظاہر ہے کہ اگر کسی لفظ کا مادہ معلوم کرنا آ جائے تو اس سے نہ صرف اس خاص لفظ کے معانی معلوم ہوجائیں گے بلکہ اس "خاندان" (شجر، درخت) کے تمام افراد سے تعارف ہو جائیگا اور ہم ان کے خط و خال کو دیکھتے ہی بتا دینگے کہ یہ کس اصل کی شاخیں ہیں -

مادّہ معلوم کرنیکا طریقہ

اب ہم ایک مثال سے بتاتے ہیں کہ مادہ (بالعموم) کس طرح معلوم کیا جاتا ہے - مندرجۂ ذیل الفاظ ہماری روز مرہ کی بولی میں شامل ہیں :

(۱) معلوم (۲) معلومات (۳) عالم (۴) علماء (۵) علم (۶) مُعَلّم (۷) متعلم (۸) متعلمہ (۹) معلّمہ (۱۰) تعلیم (۱۱) علوم (۱۲) علیم (۱۳) علمی (۱۴) علامت (۱۵) علمیّت (۱۶) علاّمہ

یہ تمام الفاظ عربی زبان کے ہیں جنہیں ہم بے تکان، اپنی زبان میں لکھتے، پڑھتے اور بولتے ہیں - آپ ان الفاظ کی ساخت پر غور کیجئے - ایک بات نمایاں طور پر نظر آ جائیگی - یعنی کچھ حروف ایسے ہیں جو ان تمام الفاظ میں مشترکہ طور پر پائے جاتے ہیں - یہ حروف ہیں "ع - ل - م -" ان کے علاوہ باقی حروف ایسے ہیں جو کسی ایک لفظ میں پائے جاتے ہیں لیکن دوسرے میں موجود نہیں ہیں - مثلاً عـالـم میں "الف" ہے جو تـعـلـم میں نہیں - مـتـعـلّم میں "ت" ہے جو مـعـلـوم میں نہیں -

وہ حروف جو تمام الفاظ میں مشترک پائے جاتے ہیں ان الفاظ کا مادہ (اصلی حروف)

کہلاتے ہیں - اس اصول کے مطابق مندرجۂ بالا سولہ الفاظ کا مادہ "ع - ل - م" (علم) ہے -

ایک مادہ سے جو مختلف الفاظ بنائے جاتے ہیں وہ اس مادہ کے "مشتقات" ہیں -

[نوٹ بعض اوقات ایک لفظ جس انداز سے لکھا ہوا ہمارے سامنے آتا ہے اس کے ساتھ مادہ کے اصلی حروف اور زائد حروف کے علاوہ اور حروف بھی ملے ہوئے ہوتے ہیں - اصل لفظ جس کا مادہ معلوم کرنا ہو، ان حروف کو الگ کرنے سے سامنے آتا ہے - مثلاً فَسَيَكْفِيكَهُمُ اللهُ میں اصلی لفظ يَكْفِي ہے - باقی حروف (ف - س - ک - ھُمْ) اس کے ساتھ ملے ہوئے ہیں - ان حروف کو الگ کرکے يَكْفِي کا مادہّ معلوم کیا جائیگا - عربی زبان سے تھوڑی سی واقفیت ہو جانے سے بآسانی معلوم ہو جاتا ہے کہ کسی لفظ میں اس قسم کے حروف کون کون سے ہیں - یہ حروف خاص مقصد کے لئے آتے ہیں -]

الف اور ھمزہ کا فرق

عربی زبان کے حروف ھجا (Alphabet) حسب ذیل ہیں :

ا ب ت ث ج ح خ د ذ ر ز س ش ص ض
ط ظ ع غ ف ق ك ل م ن ه و ى -

زیر نظر لغت میں الفاظ انہی حروف کی ترتیب سے سامنے آئینگے ۔ ان حروف میں صرف ایک چیز قابل غور ہے اور وہ ہے الف اور ھمزہ کا فرق - الف پر زبر، زیر، پیش کچھ نہیں ہوتا - جیسے قَالَ میں ق کے بعد الف ہے لیکن اس پر کوئی حرکت نہیں اس کے برعکس اَكَلَ میں الف پر زبر ہے، اس لئے اسے الف نہیں بلکہ ھمزہ کہینگے - اسی طرح يَأْتِي میں الف پر جزم ہے - یہ بھی ھمزہ ہے الف نہیں -

---

عربی زبان کے کسی لفظ کے مادہ میں الف کبھی نہیں آئیگا، ھمزہ آئیگا - اگر کسی مادہ میں الف نظر آئے تو سمجھ لیجئے کہ اس جگہ در حقیقت اصلی حرف واو یا ی تھا - الف اس واو یا ی سے بدل کر آیا ہے - مثلاً قَامَ میں مادہ ق - و - م ہے - گویا قَامَ اصل میں، قَوَمَ تھا - واو، الف سے بدل گیا ہے - اسی طرح بَاعَ کا مادہ ب - ی - ع ہے - ی، الف سے بدل گئی ہے -

حروفِ علّت

عربی حروف ھجا میں تین حروف (ا - و - ی) حروف علت (Vowel) کہلاتے ہیں اور باقی حروف صحیحہ یا حروف صحت (Consonant) - علت بیماری کو کہتے ہیں - جس لفظ میں ان حروف میں سے کوئی حرف آجائے اس کے مادہ کے معلوم کرنے میں کچھ پریشانی ہو جاتی ہے (روگ لگ جاتا ہے) - اس لئے کہ یہ حروف اس لفظ کو اس کی صحیح حالت اور پورے وزن پر نہیں رہنے دیتے - ان امور کی تفصیل میں جانے کی آپ کو ضرورت نہیں - یہاں صرف اس قدر سمجھ لینا کافی ہوگا کہ جس مادہ میں واو ہو اسے واوی اور جس مادہ میں ی ہو اسے یائی کہتے ہیں - ان مادوں کا فرق ظاہر کرنے اور حروف علت کی پریشان کن تبدیلیوں کو سامنے لانے کے لئے ہم آگے چل کر کچھ مثالیں پیش کرینگے ' جنہیں سمجھ لینے سے حروف علت والے مادوں کا معلوم کر لینا بھی چنداں دشوار نہیں رہیگا -

مادّہ اور اسکے مُشتقّات

ہر مادہ سے معین اوزان پر ' افعال (Verbs) اور اسماء (Nouns) بنائے جاتے ہیں (انہیں اس مادہ کے "مشتقات" کہتے ہیں) حروف (Particles) مادہ سے نہیں بنتے -

[عربی زبان میں دیگر زبانوں کی طرح حروف بڑی اھمیت رکھتے ہیں ' ان کا تفصیلی بیان آگے چل کر آئیگا]

مختلف مادوں سے حسب ذیل افعال اور اسماء بنتے ہیں :

(نوٹ - اصطلاحات کی تشریح آگے چل کر آئیگی)

افعال اور ان کے مختلف ابواب :

(۱) فعل ماضی - معلوم و مجہول - مثبت و منفی وغیرہ (مع جملہ اقسام) -

(۲) فعل مضارع - معلوم و مجہول - مثبت و منفی - لام تاکید اور نون تاکید (ثقیلہ و خفیفہ) کے ساتھ - وغیرہ -

(۳) امر - حاضر و غائب وغیرہ -

(۴) نہی - حاضر و غائب -

افعال

فعل ماضی | گزرے ہوئے زمانے کو ماضی کہتے ہیں - لہذا جو کام گذرے ہوئے زمانہ میں ہوا ہو یا کیا گیا ہو وہ "فعل ماضی" کہلاتا ہے - انگریزی گرامر میں اسے (Past Tense) کہتے ہیں -

فعل مضارع | موجودہ زمانہ کو حال (Present) اور آنے والے کو مستقبل (Future) کہتے ہیں - عربی زبان میں ان دونوں زمانوں (یعنی حال و مستقبل) کے لئے ایک فعل استعمال ہوتا ہے جسے "فعل مضارع" کہتے ہیں - انگریزی میں اسے (Aorist Tense) کہا جاتا ہے -

فعل مثبت اور منفی | جس فعل میں کسی کام کے کرنے کا ذکر ہو وہ فعل مثبت (Affirmative) کہلاتا ہے - جس فعل میں نہ کرنے کا ذکر ہو وہ فعل منفی (Negative) - فعل ماضی کو منفی بنانے کے لئے اس کے شروع میں مَا بڑھا دیتے ہیں اور فعل مضارع کے شروع میں لَا -

فعل کی ضمیریں | عربی زبان میں فعل کے ہر صیغے میں ایک ضمیر (Pronoun) ہوتی ہے - مثلاً کَتَبَ کے معنی صرف "لکھا" نہیں بلکہ "اس (مذکر) نے لکھا" - اسی طرح "اَکْتُبُ" کے معنی ہیں "میں لکھتا ہوں" -

ضمائر (Pronoun) کی تین قسمیں ہیں - غائب کی ضمیر (Third Person) - مخاطب کی ضمیر (Second Person) - اور متکلم کی ضمیر (First Person) - جس فعل میں غائب کی ضمیر ہوگی وہ "غائب" کہلائیگا ' جس میں مخاطب کی ضمیر ہوگی وہ "مخاطب" اور جس میں متکلم کی ضمیر ہوگی وہ "متکلم" -

مذکّر و مؤنّث | عربی زبان میں مذکر (Masculine) اور مؤنث (Faminine) کے افعال (Verb) کے لئے بھی الگ الگ شکلیں ہوتی ہیں - مثلاً کَتَبَ - اس (مذکر) نے لکھا - کَتَبَتْ - اس (مؤنث) نے لکھا - یا ذَهَبَ وہ (مذکر) گیا ' اور ذَهَبَتْ وہ مؤنث گئی -

واحد - تثنیہ - جمع

اردو زبان میں ایک کو واحد (Singular) اور ایک سے زیادہ کو جمع (Plural) کہتے ہیں - لیکن عربی زبان میں "دو" کے لئے الگ صیغہ استعمال ہوتا ہے - اسے تَثْنِیَہ یا مُثَنّٰی (Dual) کہتے ہیں- مثلاً کَتَبَ : اس ایک (مذکر) نے لکھا - کَتَبَا : ان دو (مذکروں) نے لکھا- اور کَتَبُوا : ان دو سے زیادہ یا سب (مذکروں) نے لکھا -

آپ نے دیکھا کہ عربی زبان میں محض صیغہ بدل دینے سے کیا کیا فرق پڑ جاتا ہے - اس اعتبار سے یہ زبان بڑی جامع ہے -

فعل معلوم و مجہول

فعل (Verb) کی ابھی ایک اور قسم باقی ہے اور وہ ہے معلوم ومجہول - فعل معلوم (Active) وہ ہے جس میں فاعل (یعنی کام کرنے والا) معلوم ہو- مثلاً قَتَلَ کے معنے ہیں "اس نے قتل کیا"- اس میں معلوم ہے کہ قتل کرنے والا کون ہے - لیکن جب کہا جائے قُتِلَ (وہ قتل کیا گیا) تو اس میں یہ معلوم نہیں کہ قاتل کون ہے - اول الذکر کو فعل معلوم یا فعل معروف کہتے ہیں اور ثانی الذکر کو فعل مجہول (Passive)- آگے چل کر ہم بتائینگے کہ فعل معروف سے فعل مجہول بنتا کس طرح ہے -

فعل کے متعلق یہ تفصیل معلوم ہو جانے کے بعد اب آپ فعل کے وزن اور صیغے دیکھئے -

فعل ماضی کے صیغے (گردان یا شکلیں)

فعل ماضی معلوم (مثبت)

صیغہ	ترجمہ	عدد	جنس	
ذَهَبَ	وہ گیا	واحد	مذکر	غائب
ذَهَبَا	وہ دو گئے	مثنّی		
ذَهَبُوْا	وہ سب گئے	جمع		
ذَهَبَتْ	وہ گئی	واحد	مؤنث	
ذَهَبَتَا	وہ دو گئیں	مثنّی		
ذَهَبْنَ	وہ سب گئیں	جمع		
ذَهَبْتَ	تو گیا	واحد	مذکر	حاضر
ذَهَبْتُمَا	تم دو گئے	مثنّی		
ذَهَبْتُمْ	تم سب گئے	جمع		
ذَهَبْتِ	تو گئی	واحد	مؤنث	
ذَهَبْتُمَا	تم دو گئیں	مثنّی		
ذَهَبْتُنَّ	تم سب گئیں	جمع		
ذَهَبْتُ	میں گیا یا میں گئی	واحد	مذکر و مؤنث	متکلم
ذَهَبْنَا	ہم دو یا ہم سب گئے ہم دو یا ہم سب گئیں	مثنّی و جمع		

نوٹ - فعل ماضی منفی بنانے کے لئے شروع میں "مَا" بڑھا دیجئے - مثلاً
مَا ذَهَبَ : وہ نہیں گیا -

فعل ماضی مجہول (مثبت)

فعل ماضی مجہول بنانے کے لئے پہلے حرف پر پیش اور دوسرے حرف پر زیر ہو جاتا ہے۔

قُتِلَ	وہ قتل کیا گیا	واحد	مذکر	غائب
قُتِلَا	وہ دو قتل کئے گئے	مثنی		
قُتِلُوْا	وہ سب قتل کئے گئے	جمع		
قُتِلَتْ	وہ قتل کی گئی	واحد	مؤنث	
قُتِلَتَا	وہ دو قتل کی گئیں	مثنی		
قُتِلْنَ	وہ سب قتل کی گئیں	جمع		
قُتِلْتَ	تو قتل کیا گیا	واحد	مذکر	حاضر
قُتِلْتُمَا	تم دو قتل کئے گئے	مثنی		
قُتِلْتُمْ	تم سب قتل کئے گئے	جمع		
قُتِلْتِ	تو قتل کی گئی	واحد	مؤنث	
قُتِلْتُمَا	تم دو قتل کی گئیں	مثنی		
قُتِلْتُنَّ	تم سب قتل کی گئیں	جمع		
قُتِلْتُ	میں قتل کیا گیا، میں قتل کی گئی	واحد	مذکر و مؤنث	متکلم
قُتِلْنَا	ہم دو یا ہم سب قتل کئے گئے ہم دو یا ہم سب قتل کی گئیں	مثنی و جمع		

نوٹ ۔ منفی ماضی مجہول بنانے کے لئے ”مَا“ بڑھا دیجئے۔ جیسے مَا قُتِلَ : وہ قتل نہیں کیا گیا۔

فعل مضارع (حال و استقبال) معلوم ۔ مثبت

يَعْلَمُ	وہ جانتا ہے یا جانے گا	واحد	مذکر	غائب
يَعْلَمَانِ	وہ دو جانتے ہیں یا جانیں گے ۔	مثنی		
يَعْلَمُوْنَ	وہ سب جانتے ہیں یا جانیں گے ۔	جمع		
تَعْلَمُ	وہ جانتی ہے یا جانے گی	واحد	مؤنث	
تَعْلَمَانِ	وہ دو جانتی ہیں یا جانیں گی	مثنی		
يَعْلَمْنَ	وہ سب جانتی ہیں یا جانیں گی	جمع		
تَعْلَمُ	تو جانتا ہے یا جانے گا	واحد	مذکر	حاضر
تَعْلَمَانِ	تم دو جانتے ہو یا جانوگے	مثنی		
تَعْلَمُوْنَ	تم سب جانتے ہو یا جانوگے	جمع		
تَعْلَمِيْنَ	تو جانتی ہے یا جانے گی	واحد	مؤنث	
تَعْلَمَانِ	تم دو جانتی ہو یا جانوگی	مثنی		
تَعْلَمْنَ	تم سب جانتی ہو یا جانوگی	جمع		
اَعْلَمُ	میں جانتا ہوں یا جانوں گا میں جانتی ہوں یا جانوں گی	واحد	مذکر و مؤنث	متکلم
نَعْلَمُ	ہم دو یا ہم سب جانتے ہیں یا جانیں گے ہم دو یا ہم سب جانتی ہیں یا جانیں گی	مثنی و جمع		

نوٹ ۔ فعل مضارع منفی بنانے کے لئے شروع میں ”لَا“ بڑھا دیا جاتا ہے ۔
مثلاً ”لَا يَعْلَمُ : وہ نہیں جانتا ہے یا نہیں جانے گا“

فعل مضارع مجہول - مثبت

فعل مجہول بنانے کے لیے پہلے حرف پر پیش اور تیسرے پر زبر لگایا جاتا ہے

صیغہ	معنی	عدد	جنس	
يُقْتَلُ	وہ قتل کیا جاتا ہے یا قتل کیا جائیگا	واحد	مذکر	غائب
يُقْتَلَانِ	وہ دو قتل کئے جاتے ہیں یا قتل کئے جائینگے	مثنی		
يُقْتَلُوْنَ	وہ سب قتل کئے جاتے ہیں یا قتل کئے جائینگے	جمع		
تُقْتَلُ	وہ قتل کی جاتی ہے یا قتل کی جائیگی	واحد	مؤنث	
تُقْتَلَانِ	وہ دونوں قتل کی جاتی ہیں یا قتل کی جائینگی	مثنی		
يُقْتَلْنَ	وہ سب قتل کی جاتی ہیں یا قتل کی جائینگی	جمع		
تُقْتَلُ	تو قتل کیا جاتا ہے یا قتل کیا جائے گا	واحد	مذکر	حاضر
تُقْتَلَانِ	تم دو قتل کئے جاتے ہو یا قتل کئے جاؤگے	مثنی		
تُقْتَلُوْنَ	تم سب قتل کئے جاتے ہو یا قتل کئے جاؤگے	جمع		
تُقْتَلِيْنَ	تو قتل کی جاتی ہے یا قتل کی جائے گی	واحد	مؤنث	
تُقْتَلَانِ	تم دو قتل کی جاتی ہو یا قتل کی جاؤ گی	مثنی		
تُقْتَلْنَ	تم سب قتل کی جاتی ہو یا قتل کی جاؤ گی	جمع		
اُقْتَلُ	میں قتل کیا جاتا ہوں یا قتل کیا جاؤنگا میں قتل کی جاتی ہوں یا قتل کی جاؤنگی	واحد	مذکر و مؤنث	متکلم
نُقْتَلُ	ہم دو یا ہم سب قتل کئے جاتے ہیں یا قتل کئے جائیں گے ہم دو یا ہم سب قتل کی جاتی ہیں یا قتل کی جائیں گی	مثنی و جمع		

نوٹ - منفی بنانے کے لئے شروع میں ”لَا“ بڑھا دیا جاتا ہے - جیسے

”لَا يُقْتَلُ : وہ قتل نہیں کیا جاتا ہے یا قتل نہیں کیا جائے گا“

بعض تغیرات

فعل ماضی اور فعل مضارع کے جو اوزان پیچھے دئے گئے ہیں (وہ ثلاثی مجرد کے ہیں) ان کے مطابق ہر فعل سے اتنی ہی شکلیں بنائی جا سکتی ہیں۔ فعل معلوم (معروف) میں ماضی کے درمیانی یعنی دوسرے حرف پر الگ الگ حرکت (زبر، زیر، پیش) ہوتی ہے۔ مثلاً فعل ماضی عَلِمَ میں ل پر زیر ہے لیکن ثَقُلَ میں ق پر پیش ہے اور ذَهَبَ میں ھ پر زبر ہے۔ اسی طرح مضارع معروف میں بھی تیسرے حرف پر مختلف حرکات ہوتی ہیں، مثلاً یَعْلَمُ میں ل پر زبر ہے، یَنْصُرُ میں ص پر پیش ہے اور یَکْذِبُ میں ذ پر زیر ہے۔ ان درمیانی حروف کی حرکتوں کے اختلاف کے متعلق تفصیل سے اگلے باب میں لکھا جائے گا جہاں بتایا جائے گا کہ "ابواب اور ان کے خواص" کیا ہیں۔

یہ تو رہا درمیانی حرف کی حرکتوں کا بیان۔ فعل ماضی کے صیغوں کے آخر میں کوئی تغیر نہیں ہوتا لیکن فعل مضارع کے شروع میں بعض حروف کے آ جانے سے اس کے صیغوں کے آخر میں کچھ تغیر ہو جاتا ہے۔ مثلاً إِنْ - لَمْ - لَمَّا - لام امر - لاء نہی، میں سے جب کوئی حرف مضارع سے پہلے آ جائے تو:

۱- مضارع کے جن صیغوں کے آخر میں ن نہیں ہوتا ان کے آخری حرف پر جزم آ جاتا ہے۔ مثلاً یَعْلَمُ - تَعْلَمُ - اَعْلَمُ - نَعْلَمُ سے لَمْ یَعْلَمْ - لَمْ تَعْلَمْ - لَمْ اَعْلَمْ - لَمْ نَعْلَمْ۔

۲- جمع مؤنث کے صیغوں کو چھوڑ کر (جو اپنی حالت پر رہتے ہیں) باقی صیغوں کے آخر میں ن ہے وہ اڑ جاتا ہے۔ مثلاً:

یَعْلَمَانِ - یَعْلَمُونَ - تَعْلَمَانِ - تَعْلَمُونَ - تَعْلَمِیْنَ سے

لَمَّا یَعْلَمَا - لَمْ یَعْلَمُوا - إِنْ تَعْلَمَا - لَمْ تَعْلَمُوا اور

لَمْ تَعْلَمِی۔

جیسا کہ اوپر کہا گیا ہے جمع مؤنث کے دو صیغوں کے ن ہر حال میں باقی

رہتے ہیں۔ مثلاً لَمْ یَعْلَمْنَ - لَمْ تَعْلَمْنَ -

۳- اسی طرح بعض حروف مضارع کے شروع میں آتے ہیں تو وہ مضارع کے ان صیغوں کے آخری حرف پر زبر لگا دیتے ہیں جن کے آخر میں ن نہیں ہوتا اور جن کے آخر میں ن ہوتا ہے ان میں وہی تغیر پیدا کرتے ہیں جو لَمْ اور لَمَّا وغیرہ کرتے ہیں۔ وہ حروف یہ ہیں:

اَنْ - لَنْ - کَیْ - لِکَیْ -

مثلاً یَعْلَمُ - تَعْلَمُ - اَعْلَمُ - نَعْلَمُ سے اَنْ یَعْلَمَ - لَنْ تَعْلَمَ لِکَیْ اَعْلَمَ -

اور یَعْلَمَانِ سے لَنْ یَعْلَمَا - یَعْلَمُوْنَ سے اَنْ یَعْلَمُوْا وغیرہ - جمع مؤنث کے دو صیغوں کے آخری ن ہر حال میں باقی رہتے ہیں۔ مثلاً لَنْ یَعْلَمْنَ - لَنْ تَعْلَمْنَ -

۴- مضارع کے شروع میں لام تاکید اور آخر میں نون تاکید کے آنے سے بھی مضارع میں بعض تغیرات پیدا ہوتے ہیں۔ مثلاً لَا یَحْطِمُ کے آخر میں نون تاکید بڑھایا جائے تو وہ لَا یَحْطِمَنَّ ہو جائے گا۔ یعنی م کا پیش زبر سے بدل جائے گا۔ اسی طرح اَحْتَنِكُ کے پہلے لام تاکید اور آخر میں، نون تاکید بڑھانے سے لَاَحْتَنِكَنَّ ہوگیا۔ یعنی كُ کا پیش زبر سے بدل گیا۔ (بغرض اختصار انہی مثالوں پر اکتفا کیا جاتا ہے) -

اب امر اور نہی کے صیغوں کو لیجئے -

امر کے صیغے

(IMPERATIVE)

اِذْهَبْ	تو جا	واحد	مذکر
اِذْهَبَا	تم دو جاؤ	مثنی	
اِذْهَبُوْا	تم سب جاؤ	جمع	
اِذْهَبِیْ	تو جا	واحد	مؤنث
اِذْهَبَا	تم دو جاؤ	مثنی	
اِذْهَبْنَ	تم سب جاؤ	جمع	

چونکہ امر (حکم) زیادہ تر سامنے والے شخص (مخاطب) کو دیا جاتا ہے اس لئے حاضر کے صیغوں سے امر کی شکلیں بنتی ہیں - علاوہ ازیں غائب اور متکلم کے صیغوں سے بھی امر آتا ہے - مثلاً لِیَفْعَلْ : اسے کرنا چاھئے یا وہ کرے -

نہی کے صیغے

(PROHIBITIVE IMPERATIVE)

لَا تَذْهَبْ	تو مت جا	واحد	مذکر
لَا تَذْهَبَا	تم دو مت جاؤ	مثنی	
لَا تَذْهَبُوْا	تم سب مت جاؤ	جمع	
لَا تَذْهَبِیْ	تو مت جا	واحد	مؤنث
لَا تَذْهَبَا	تم دونوں مت جاؤ	مثنی	
لَا تَذْهَبْنَ	تم سب مت جاؤ	جمع	

نہی کے صیغے بھی امر کی طرح حاضر کے لئے زیادہ استعمال ہوتے ہیں - علاوہ ازیں

غائب اور متکلم سے بھی نہی کے صیغے مستعمل ھیں - مثلاً "لَا يَعْلَمْ : وہ نہ جانے، اسے نہیں جاننا چاھئے"۔ "لَا يُشْرِكْ : وہ شرک نہ کرے، اسے شرک نہیں کرنا چاھئے"۔ "لَا يَغْتَبْ : وہ غیبت نہ کرے، اسے غیبت نہیں کرنا چاھئے"۔

اسم (NOUN)

یوں تو عربی زبان میں نام کو اسم کہتے ھیں لیکن اس میں اسم کا مفہوم بہت وسیع ھے - جیسا کہ ھم پہلے بتا چکے ھیں عربی زبان کے تمام الفاظ صرف تین شکلوں میں تقسیم ھوتے ھیں - (۱) اسم (۲) فعل (۳) حرف - لہذا عربی زبان میں جو لفظ بھی فعل یا حرف نہیں ھوگا وہ اسم ھوگا -

مختلف مادوں سے جو اسم بنتے ھیں وہ پہلے لکھے جا چکے ھیں -

اسم کی متفرق شکلیں

جس طرح (سابقہ صفحات میں) افعال (ماضی - مضارع - امر - نہی) کے اوزان اور ان کی مختلف شکلیں آپ کے سامنے آئی ھیں اسی طرح اسماء کے بھی متفرق اوزان اور مختلف شکلیں ھوتی ھیں - مثلاً مُشْرِكٌ کے معنی ھیں شرک کرنے والا - لیکن آپ کہیں مُشْرِكٌ دیکھیں گے کہیں مُشْرِكَةٌ - کہیں مُشْرِكُوْنَ اور کہیں مُشْرِكِيْنَ وغیرہ وغیرہ - لفظ مُشْرِكٌ میں یہ تبدیلیاں خاص مفہوم رکھتی ھیں - مُشْرِكٌ کے معنی ایک (مذکر) مشرک - مُشْرِكُوْنَ اور مُشْرِكِيْنَ کے معنے ھیں بہت سے مشرک مرد - مُشْرِكَةٌ : ایک مشرک عورت - مُشْرِكَاتٌ : بہت سی مشرک عورتیں -

نوٹ : ھم نے اوپر لکھا ھے کہ مُشْرِكٌ کی جمع مُشْرِكُوْنَ اور مُشْرِكِيْنَ (دونوں) آتی ھیں - اس کے یہ معنی نہیں کہ جہاں آپ کا جی چاھے مُشْرِكُوْنَ کہہ دیں اور جہاں جی چاھے مُشْرِكِيْنَ - اس کے لئے خاص قاعدے مقرر ھیں، لیکن

چونکہ ان قواعد کا تعلق نحو سے ہے اور ان کا بیان بہت طول طویل ' اس لئے ہم اس کی تفصیل میں نہیں جانا چاہتے - مقصد پیش نظر کے لئے اتنا کہہ دینا ہی کافی ہوگا کہ بعض حالتوں میں مُشْرِكُوْنَ آتا ہے اور بعض میں مُشْرِكِيْنَ -

اس سے ظاہر ہے کہ اسم کی بھی مختلف شکلیں ہوتی ہیں۔ ان شکلوں کی تفصیل درج ذیل ہے -

مُذَكَّر و مُؤَنَّث

جیسا کہ آپ کو معلوم ہے' مذکر (نر) کو کہتے ہیں اور مؤنث (مادہ) کو- اکثر مذکر نام ایسے ہوتے ہیں جن کا مؤنث نہیں ہوتا - مثلاً (ہماری زبان میں) دریا - سمندر - آسمان - مذکر بولے جاتے ہیں لیکن ان کا مؤنث کوئی نہیں ہوتا ' ان کے برخلاف بہت سے مذکر نام ایسے بھی ہوتے ہیں جن کے مقابلہ میں ان کا مؤنث بھی ہوتا ہے - مثلاً دھوبی کے مقابلہ میں دھوبن- عربی زبان میں مذکر نام کو مؤنث بنانے کے لئے کچھ قاعدے مقرر ہیں - مثلاً:

(۱) مذکر اسم کے آخر میں ةٌ (گول ت) کا اضافہ کر دیا جاتا ہے - مثلاً عَالِمٌ (جاننے والا) عَالِمَةٌ (جاننے والی)-

(یاد رکھئے- گول ت (ة) زائد حروف میں ہوتی ہے' مادہ کے اصلی حروف میں نہیں ہوتی) -

(۲) جو مذکر اسم اَفْعَلُ کے وزن پر ہو اس کا مؤنث کبھی فُعْلَىٰ کے وزن پر اور کبھی فَعْلَاءُ کے وزن پرآتا ہے- جیسے اَصْغَرُ (جو اَفْعَلُ کے وزن پر ہے) کا مؤنث صُغْرَىٰ آئیگا (جو فُعْلَىٰ کے وزن پر ہے) - آخَرُ بروزن اَفْعَلُ کا مؤنث اُخْرَىٰ (بروزن فُعْلَىٰ) ہوگا[1] اور اَصْفَرُ (بروزن اَفْعَلُ) کا مؤنث صَفْرَاءُ (بروزن فَعْلَاءُ) آئیگا -

---

(۱) اَدْنَىٰ کا مؤنث دُنْيَا بھی اسی قاعدے کے مطابق ہے -

واحد ۔ تثنیہ ۔ جمع

ہم پہلے دیکھ چکے ہیں کہ عربی زبان میں ایک کے لئے واحد، دو کے لئے تثنیہ یا مثنی اور دو سے زیادہ کے لئے جمع آتی ہے ۔

واحد اسم کو تثنیہ بنانے کا قاعدہ یہ ہے کہ اس کے آخر میں ''انِ'' یا ''یْنِ'' بڑھا دیا جائے ۔ انِ اور یْنِ سے پہلے جو حرف ہو اس پر زبر رہیگا اور آخری نون پر ہمیشہ زیر، مثلاً :

عَیْنٌ ایک آنکھ ۔ سے تثنیہ ۔ عَیْنَانِ یا عَیْنَیْنِ (دو آنکھیں)۔ یَدٌ : ایک ہاتھ سے تثنیہ ۔ یَدَانِ یا یَدَیْنِ (دو ہاتھ)۔ عَالِمَةٌ : ایک جاننے والی عورت سے تثنیہ ۔ عَالِمَتَانِ یا عَالِمَتَیْنِ (دو جاننے والی عورتیں) ۔

مرکب اضافی (Possessive Construction) میں جب مضاف (Adjunct) تثنیہ ہو تو اس کا آخری نون اڑ جاتا ہے ۔ مثلاً تَبَّتْ یَدَا اَبِی لَهَبٍ میں یَدَا درحقیقت یَدَانِ (تثنیہ) تھا لیکن چونکہ یہ مضاف تھا اس لیے اس کا نونِ اڑ گیا اور یَدَانِ کی جگہ صرف یَدَا رہ گیا ۔ اسی طرح اِخْلَعْ نَعْلَیْكَ میں نَعْلَیْ مضاف ہے اس لئے اس کا نون اڑ گیا اور نَعْلَیْنِ کے بجائے صرف نَعْلَیْ رہ گیا ۔

جمع

عربی زبان میں جمع کی دو بڑی قسمیں ہیں ۔ جمع سالِم (Sound Plural) اور جمع مُکَسَّر (Broken Plural) ۔ جمع سالم اسے کہتے ہیں جس میں واحد کی شکل اسی طرح صحیح و سالم باقی رہے اور مُکَسَّر میں واحد کی شکل بدل جاتی یا اس کے حروف کی ترتیب ٹوٹ جاتی ہے ۔ مثلاً عَالِمٌ (واحد) سے عَالِمُوْنَ جمع سالم ہے اور کِتَابٌ کی جمع کُتُبٌ جمع مُکَسَّر ہے ۔ اس میں لفظ کِتَابٌ (واحد) اپنی اصلی شکل پر نہیں رہا ۔

جمع مذکر سالم بنانے کا قاعدہ یہ ہے کہ واحد کے آخر میں ''وْنَ'' یا ''یْنَ'' لگا

دیا جائے اور و سے پہلے حرف پر پیش اور ی سے پہلے حرف پر زبر دیدیا جائے۔ (آخری نون پر ہمیشہ زبر رهیگا) مثلاً -

عَالِمٌ سے جمع مذکر سالم - عَالِمُوْنَ یا عَالِمِیْنَ آئیگا -

جمع مؤنث سالم بنانے کے لئے واحد کے آخر میں اتٌ کا اضافہ کر دیا جائے، مثلاً۔

عَالِمٌ سے جمع مؤنث سالم عَالِمَاتٌ آئیگا -

(تٌ کہاں آئیگا اور تٍ کہاں - اس کا تعلق نحو کے قاعدوں سے ہے) -

جمع مُکَسَّر | وہ جمع جس میں واحد جوں کا توں نہیں رهتا بلکہ اس میں کچھ تبدیلی آ جاتی ہے "جمع مکسر" کہلاتی ہے - مثلاً

کِتَابٌ کی جمع کُتُبٌ - رَسُوْلٌ کی جمع رُسُلٌ - قَلَمٌ کی جمع اَقْلَامٌ - رَجُلٌ کی جمع رِجَالٌ -

اس جمع کے بہت سے اوزان ہیں اور مختلف وزنوں پر آنے والے اسموں کی مختلف وزنوں پر جمع بنائی جاتی ہے - یہاں چند کثیر الاستعمال جمعوں کے اوزان مع امثلہ درج کئے جاتے ہیں :

(۱) اَفْعَالٌ (کے وزن پر) - جیسے قَلَمٌ کی جمع اَقْلَامٌ اور رَبٌّ کی جمع اَرْبَابٌ -

(۲) اَفْعُلٌ (کے وزن پر) - جیسے رِجْلٌ کی جمع اَرْجُلٌ اور نَفْسٌ کی جمع اَنْفُسٌ -

(۳) اَفْعِلَةٌ (کے وزن پر) - جیسے لِسَانٌ کی جمع اَلْسِنَةٌ -

(۴) فِعْلَةٌ (کے وزن پر) - جیسے فَتًی کی جمع فِتْيَةٌ -

(۵) فُعَلٌ (کے وزن پر) - جیسے صُورَۃٌ کی جمع صُوَرٌ -

(۶) فُعُولٌ (کے وزن پر) - جیسے بَیْتٌ کی جمع بُیُوتٌ -

(۷) فِعَلٌ (کے وزن پر) - جیسے قِطْعَۃٌ کی جمع قِطَعٌ -

(۸) فِعَالٌ (کے وزن پر) - جیسے ثَوْبٌ کی جمع ثِیَابٌ -

(۹) فُعْلٌ (کے وزن پر) - جیسے اَحْوَرُ کی جمع حُوْرٌ -

(۱۰) فُعُلٌ (کے وزن پر) - جیسے کِتَابٌ کی جمع کُتُبٌ -

(۱۱) فَعْلَیٰ (کے وزن پر) - جیسے مَرِیْضٌ کی جمع مَرْضَیٰ -

(۱۲) فَعَلَۃٌ (کے وزن پر) - جیسے کَافِرٌ کی جمع کَفَرَۃٌ -

(۱۳) فُعَّلٌ (کے وزن پر) - جیسے رَاکِعٌ کی جمع رُکَّعٌ -

(۱۴) فُعَلَاءُ (کے وزن پر) - جیسے سَفِیْہٌ کی جمع سُفَہَاءُ -

(۱۵) اَفْعِلَاءُ (کے وزن پر) - جیسے غَنِیٌّ کی جمع اَغْنِیَاءُ -

(۱۶) فَعَالِلُ (کے وزن پر) - جیسے نُمْرُقٌ کی جمع نَمَارِقُ -

(۱۷) فَعَائِلُ (کے وزن پر) - جیسے اَرِیکَۃٌ کی جمع اَرَائِکُ -

(۱۸) فَوَاعِلُ (کے وزن پر) - جیسے کَاعِبٌ کی جمع کَوَاعِبُ -

(۱۹) اَفَاعِلُ (کے وزن پر) - جیسے اِصْبَعٌ کی جمع اَصَابِعُ -

(۲۰) اَفَاعِیْلُ (کے وزن پر) - جیسے اُسْطُوْرَۃٌ کی جمع اَسَاطِیْرُ -

(۲۱) فَعَالِیْلُ (کے وزن پر) - جیسے قِرْطَاسٌ کی جمع قَرَاطِیْسُ -

(۲۲) مَفَاعِلُ (کے وزن پر) - جیسے مَسْجِدٌ کی جمع مَسَاجِدُ -

(۲۳) مَفَاعِیْلُ (کے وزن پر)- جیسے مِسْکِیْنٌ کی جمع مَسَاکِیْنُ -

نکرہ اور معرفہ

انگریزی زبان کے ان دو فقروں پر غور کیجئے :

1. On my way to Lahore I saw a house.

2. The house was an old one.

عربی : (۱) رَاَیْتُ فِی طَرِیْقِی اِلٰی لَاھور بَیْتًا -

(۲) وَ کَانَ الْبَیْتُ قَدِیْمًا جِدًّا -

اردو ترجمہ : (۱) لاھور جاتے وقت میں نے ایک مکان دیکھا -

(۲) وہ مکان بہت پرانا تھا -

پہلے فقرہ میں لفظ لاھور ایک شہر کا نام ھے ' اسے (Proper Noun) یا اسم معرفہ کہتے ھیں - عربی زبان میں بھی ایسے اسماء کو معرفہ ھی کہتے ھیں - اس سے آگے (بَیْتًا = A house) ھے - یعنی ایک مکان ' اسے (Common Noun) یا اسم نکرہ کہتے ھیں - عربی میں بھی اسے اسم نکرہ ھی کہتے ھیں -

اگلے فقرہ میں اَلْبَیْتُ = The house) کے معنی "کوئی مکان" نہیں بلکہ اس سے مطلب وھی مکان ھے جس کا ذکر پہلے فقرہ میں آچکا ھے - یعنی اب یہ لفظ (house) نکرہ یا (Common Noun) نہیں رھا بلکہ معرفہ (Proper Noun) بن گیا -

گویا اسم معرفہ دو قسم کا ھوا - ایک تو وہ جو پہلے ھی معرفہ ھو- جیسے لاھور - زید وغیرہ اور ایک وہ جسے نکرہ سے معرفہ بنا لیا جائے -

عربی زبان میں اسم نکرہ پر تنوین آتی ھے - تنوین دو زبر- دو زیر- دو پیش کو کہتے ھیں - انہیں تنوین اس لئے کہا جاتا ھے کہ جس حرف پر تنوین ھو اس کے آخر میں نون کی آواز نکلتی ھے - جیسے نَسْلًا ' رَجُلٍ ' قَلَمٌ -

اسے سمجھ رکھئے کہ یہ ضروری نہیں کہ جس اسم پر تنوین ھو وہ ضرور نکرہ

ہی ہوتا ہے - قرآن مجید میں آپ دیکھینگے کہ نُوحٌ - لُوطٌ - مُحَمَّدٌ (علیہم السلام) جیسے انبیاء کرام کے اسماء پر تنوین ہے - لیکن یہ ضرور ہے کہ جو اسم نکرہ ہو اس پر تنوین ہو -

نکرہ سے معرفہ بنانے کا طریقہ یہ ہے کہ نکرہ سے پہلے اَلْ لگا دیا جائے - مثلاً بَیْتٌ کے معنی ہیں کوئی گھر (*A* house) اور اَلْبَیْتُ کے معنی ہیں وہ خاص گھر (*The* house) - گویا عربی زبان کا اَلْ وہی کام کرتا ہے جو انگریزی زبان کا (Definite Article, *The*) کرتا ہے - جس اسم سے پہلے اَلْ آجائے اس پر تنوین نہیں آتی -

اسم کے متعلق مذکورہ تفصیلات کے بعد اب ان مختلف اسماء کو دیکھئے جو مادہ سے مشتق ہوتے ہیں -

۱- مصدر

اردو میں مصدر (مثلاً مارنا) سے افعال بنتے ہیں (اس نے مارا - وہ مارتا ہے - وہ مارے گا - تو مار' وغیرہ) لیکن عربی زبان میں افعال' مصدر اور جملہ اسماء وغیرہ درحقیقت مادہ سے بنتے ہیں - مثلاً ض-ر-ب (ضرب) مادہ ہے- اس سے ضَرَبَ فعل ماضی بنا جس کے معنے ہیں " اس نے مارا " - اور الضَّرْبُ مصدر ہے جس کے معنے ہیں "مارنا - مار - چوٹ " - ثلاثی مجرد کے مصادر کے اوزان تو غیر معین ہیں' لیکن ثلاثی مزید فیہ اور رباعی کے مصادر' ان کے ابواب کے مطابق معینہ اوزان پر بنائے جاتے ہیں [۱]

ثلاثی مجرد کے مصادر کے چند اہم اوزان درج ذیل کئے جاتے ہیں -

(۱) اگر فعل کسی فن یا پیشہ سے متعلق ہو تو اس کا مصدر " فِعَالَةٌ " کے وزن پر آتا ہے- مثلاً کِتَابَةٌ (کتابت)- تِجَارَةٌ (تجارت) - قِرَاءَةٌ (پڑھنا) -

---

(۱) ثلاثی مجرد - ثلاثی مزید فیہ ' رباعی وغیرہ اصطلاحات یہاں پہلی مرتبہ آئی ہیں - ان کی تفصیل کے لیے آئندہ باب دیکھئے جس میں "ابواب اور ان کے خواص" کا ذکر ہے -

(۲) فَعِلَ وزن کی ماضی اگر لازم ہو تو اس کا مصدر فَعَلٌ کے وزن پر آئیگا - جیسے غَضِبَ سے مصدر غَضَبٌ - فَرِحَ سے مصدر فَرَحٌ -

(۳) فَعَلَ وزن کی ماضی اگر لازم ہو تو اس کا مصدر فُعُوْلٌ کے وزن پر آئیگا - جیسے قَعَدَ سے مصدر قُعُوْدٌ - خَرَجَ سے مصدر خُرُوْجٌ -

(۴) فَعِلَ اور فَعَلَ کے وزنوں پر ماضی اگر متعدی ہو تو اس کا مصدر فَعْلٌ کے وزن پر آتا ہے - جیسے سَمِعَ سے مصدر سَمْعٌ اور نَصَرَ سے مصدر نَصْرٌ -

ہم نے یہ اوزان بطور مثال دیدئے ہیں ورنہ ثلاثی مجرد کے مصادر کے اور بھی بہت سے اوزان ہیں -

۲- مصدر میمی | مصدر کی ایک قسم مَفْعَلٌ کے وزن پر آتی ہے اور وہ مصدر میمی کہلاتی ہے - مثلاً شَرِبَ فعل سے مَشْرَبٌ مصدر میمی ہے اور یہی وزن اسم ظرف کا بھی ہے -

۳- اسم مَرَّة | کسی کام کو ایک بار کرنے کے لئے ہر فعل سے فَعْلَةٌ کے وزن پر " اسم مَرَّة " بنا لیا جاتا ہے - مثلاً سَكْرَةٌ (ایک بار مدھوش ہونا) - نَظْرَةٌ (ایک بار دیکھنا) -

٤- اسم نوع | کسی کام کی وضع ہیئت - ڈھنگ بتانے کے لئے اس فعل سے فِعْلَةٌ کے وزن پر اسم نوع بنا لیا جاتا ہے - جیسے سِيْرَةٌ (چلنے کا ڈھنگ وضع یا ہیئت)-

۵- اسم مکان و زمان (ظرف)

ہر فعل سے اس کام کے کرنے یا ہونے کی جگہ یا وقت بتانے کے لئے مَفْعَلٌ (ع پر زبر اورزیر حسب قاعدہ)[1] کے وزن پر اسم مکان یا زمان بنا لیا جاتا ہے -

اسم زمان و مکان کی شکلیں

صیغہ	معنی	عدد	جنس
مَقْتَلٌ	قتل کرنے کی جگہ، قتل گاہ قتل کرنے کا وقت یا زمانہ	واحد	مذکر
مَقْتَلَانِ مَقْتَلَيْنِ	دو قتل کرنے کی جگہیں قتل کرنے کے دو وقت یا دو زمانے	مثنی	
مَقَاتِلُ	قتل کرنے کی جگہیں قتل کرنے کے اوقات یا زمانے	جمع	
مَقْتَلَةٌ	قتل کرنے کی جگہ قتل کرنے کا وقت یا زمانہ	واحد	مؤنث
مَقْتَلَتَانِ مَقْتَلَتَيْنِ	دو قتل کرنے کی جگہیں دو قتل کرنے کے وقت یا زمانے	مثنی	
مَقَاتِلُ	قتل کرنے کی جگہیں قتل کرنے کے اوقات یا زمانے	جمع	

اسی طرح مَغْرِبٌ (سورج غروب ہونے کی جگہ یا وقت) - مَسْجِدٌ (سجدہ کرنے

۱- اگر مضارع کے " ع " پر زبر یا پیش ہو تو اسم ظرف کے " ع " پر زبر ہوگا ورنہ زیر -

کی جگہ یا وقت) - مَقْعَدٌ (بیٹھنے کی جگہ یا وقت) وغیرہ - یہ ثلاثی مجرد سے اسم زمان و مکان بنانے کا وزن ہے - ثلاثی مزید فیہ وغیرہ سے اسم مفعول کی شکل ان معنوں کے لئے بھی استعمال ہوتی ہے، مثلاً مُغْتَسَلٌ (غسل کرنے کی جگہ یا غسل کرنے کا وقت) اور مُسْتَقَرٌّ (ٹھہرنے اور قرار پانے کی جگہ یا وقت) -

٦- اسم آلہ

ہر فعل سے اس آلہ کے لئے جس کے ذریعہ وہ کام کیا جائے مِفْعَلٌ - مِفْعَالٌ کے وزنوں پر اسم آلہ بنایا جاتا ہے -

اسم آلہ کی شکلیں

مِضْرَبٌ - مِضْرَابٌ	مارنے یا چوٹ لگانے کا آلہ	واحد	مذکر
مِضْرَبَانِ - مِضْرَابَانِ مِضْرَبَيْنِ - مِضْرَابَيْنِ	مارنے یا چوٹ لگانے کے دو آلے	مثنی	
مَضَارِبُ - مَضَارِيبُ	مارنے یا چوٹ لگانے کے آلے	جمع	
مِضْرَبَةٌ	مارنے یا چوٹ لگانے کا آلہ	واحد	مؤنث
مِضْرَبَتَانِ مِضْرَبَتَيْنِ	مارنے یا چوٹ لگانے کے دو آلے	مثنی	
مَضَارِبُ - مَضَارِيبُ	مارنے یا چوٹ لگانے کے آلے	جمع	

اسی طرح مِفْتَاحٌ (کھولنے کا آلہ ' کنجی) - مِیْزَانٌ (تولنے کا آلہ ' ترازو) وغیرہ -

۷- اسم فاعل | ہر فعل سے اس کام کو کرنے والے کے لئے ایک اسم ''فَاعِلٌ'' کے وزن پر بنا لیا جاتا ھے -

اسم فاعل کی شکلیں

(ACTIVE PARTICIPLE NOUN)

عَالِمٌ	جاننے والا	واحد	مذکر
عَالِمَانِ عَالِمَیْنِ	دو جاننے والے	مثنی	
عَالِمُوْنَ عَالِمِیْنَ	جاننے والے (بہت سے)	جمع	
عَالِمَةٌ	جاننے والی	واحد	مؤنث
عَالِمَتَانِ عَالِمَتَیْنِ	دو جاننے والیاں	مثنی	
عَالِمَاتٌ	جاننے والیاں (بہت سی)	جمع	

اسی طرح ظَالِمٌ ، قَاتِلٌ ، جَاھِلٌ وغیرہ سے بھی شکلیں بنائی جا سکتی ھیں -

یہ ثلاثی مجرد کے اسم فاعل کی شکلیں ہیں ۔ ثلاثی مزید فیہ اور رباعی سے اسم فاعل کی شکلیں "ابواب اور ان کے خواص" میں دیکھئے ۔

۸۔ اسم مفعول | ہر متعدی فعل سے اس چیز کے لئے جس پر کام کیا جائے ایک اسم "مَفْعُوْلٌ" کے وزن پر بنا لیا جاتا ہے ۔

اسم مفعول کی شکلیں

(PASSIVE PARTICIPLE NOUN)

مَقْتُوْلٌ	قتل کیا ہؤا	واحد	مذکر
مَقْتُوْلَانِ مَقْتُوْلَيْنِ	دو قتل کئے ہوئے	مثنی	
مَقْتُوْلُوْنَ مَقْتُوْلِيْنَ	بہت سے قتل کئے ہوئے	جمع	
مَقْتُوْلَةٌ	قتل کی ہوئی	واحد	مونث
مَقْتُوْلَتَانِ مَقْتُوْلَتَيْنِ	دو قتل کی ہوئیں	مثنی	
مَقْتُوْلَاتٌ	بہت سی قتل کی ہوئیں	جمع	

اسی طرح مَسْعُوْدٌ ۔ مَعْرُوْفٌ ۔ مَنْصُوْرٌ وغیرہ سے تمام شکلیں بنائی جا سکتی ہیں ۔ یہ ثلاثی مجرد کے افعال سے اسم مفعول کی شکلیں ہیں ۔ ثلاثی مزید فیہ اور رباعی سے مفعول کا وزن "ابواب اور ان کے خواص" میں دیکھئے ۔

۹ اسم صفت

عربی زبان میں اسم صفت (Adjective) کے بہت سے اوزان ہیں - ان میں زیادہ استعمال ہونے والے اوزان حسب ذیل ہیں -

(۱) فَعِیْلٌ - جیسے کَرِیْمٌ - لَطِیْفٌ -

(۲) فَعَلٌ - جیسے حَسَنٌ -

(۳) فَعْلٌ - جیسے سَهْلٌ - صَعْبٌ -

(۴) اَفْعَلُ - جیسے اَسْوَدُ - اَبْیَضُ - اَعْرَجُ -

۱۰- افعل التَّفْضِیْل

جب دو آدمیوں میں ' ایک دوسرے سے مقابلہ ہو اور ہم بتانا چاہیں کہ ان میں سے ایک دوسرے سے بڑھا ہوا (یا سب سے بڑھا ہوا) ہے تو اس کے لیے أَفْعَلُ کے وزن پر اَفْعَلُ التَّفْضِیْل بنالی جاتی ہے- جیسے اَعْلَمُ (بہت زیادہ جاننے والا) وغیرہ- دو کے درمیان مقابلہ ہو تو (Comparative Degree) کہیں گے اور سب کے ساتھ مقابلہ ہو تو (Superlative Degree) -

اَفْعَلُ التَّفْضِیْل کی شکلیں

مذکر	واحد	زیادہ چھوٹا - بہت چھوٹا	اَصْغَرُ
	مثنی	دو زیادہ چھوٹے	اَصْغَرَانِ - اَصْغَرَیْنِ
	جمع	بہت سے زیادہ چھوٹے	اَصْغَرُوْنَ - اَصْغَرِیْنَ اَصَاغِرُ
مؤنث	واحد	زیادہ چھوٹی	صُغْرٰی
	مثنی	دو زیادہ چھوٹی	صُغْرَیَانِ صُغْرَیَیْنِ
	جمع	بہت سی زیادہ چھوٹی	صُغْرَیَاتٌ - صُغَرٌ

۱۱۔ اوزان مبالغہ

جب کسی صفت میں زور و شدت اور زیادتی کا اظہار کرنا ہو، تو مختلف فعلوں سے مبالغہ کے اوزان (Exaggerative Adjective) استعمال کئے جاتے ہیں، ان میں زیادہ استعمال ہونے والے یہ ہیں۔

(۱) فَعَّالٌ ۔ جیسے تَوَّابٌ ۔ عَلَّامٌ ۔ غَفَّارٌ ۔

(۲) فِعِّيلٌ ۔ جیسے صِدِّيقٌ ۔

(۳) مِفْعِيلٌ ۔ جیسے مِسْكِينٌ ۔

(۴) فُعَلَةٌ ۔ جیسے هُمَزَةٌ ۔ لُمَزَةٌ ۔

(۵) فَعِلٌ ۔ جیسے أَسِفٌ ۔ فَرِحٌ ۔

(۶) فَعِيلٌ ۔ جیسے رَحِيمٌ ۔ عَظِيمٌ ۔

(۷) فَعُولٌ ۔ جیسے غَفُورٌ ۔ وَدُودٌ ۔ ظَلُومٌ ۔

(۸) فُعَّالٌ ۔ جیسے كُبَّارٌ ۔

(۹) فَيْعُولٌ ۔ جیسے قَيُّومٌ ۔

(۱۰) فَعْلَانُ ۔ جیسے رَحْمٰنُ ۔ غَضْبَانُ ۔

ضمائر

جب ہم کہتے ہیں "حامد آیا" تو آپ کے ذہن میں فوراً ایک آدمی آجاتا ہے جس کا نام حامد ہے۔ اسے اسم ظاہر کہتے ہیں۔ یعنی بالکل کھلا ہوا نام۔ لیکن جب ہم کہیں "وہ آیا" تو اگرچہ اس وقت بھی ہم کسی آدمی کے آنے کا ذکر کرتے ہیں لیکن اس سے متعین نہیں ہوتا کہ کون آیا۔

مگر جب ہم کہیں "حامد آیا۔ وہ بیمار تھا"۔ تو اب اس لفظ "وہ" سے مطلب سمجھ میں آگیا۔ یعنی "حامد"۔

لہذا لفظ "وہ" کے اندر حامد کا نام چھپا ہوا ہے - پوشیدہ اسموں کی کئی قسمیں ہیں - مثلاً :

(۱) اسم ضمیر (PRO-NOUN)

جب اسمائے ضمیر شروع میں آئیں تو ان کی شکل اس طرح ہوتی ہے -

	غائب			مخاطب (حاضر)			متکلم		
	واحد	مثنی	جمع	واحد	مثنی	جمع	واحد	مثنی	جمع
مذکر	هُوَ	هُمَا	هُمْ	أَنْتَ	أَنْتُمَا	أَنْتُمْ	أَنَا	نَحْنُ	نَحْنُ
مؤنث	هِيَ		هُنَّ	أَنْتِ		أَنْتُنَّ			

لیکن جب ان ضمائر سے پہلے کوئی اسم یا فعل یا حرف مل کر آئے تو ان کی حسب ذیل شکلیں ہو جاتی ہیں :

	غائب			مخاطب (حاضر)			متکلم		
	واحد	مثنی	جمع	واحد	مثنی	جمع	واحد	مثنی	جمع
مذکر	هُ	هُمَا	هُمْ	كَ	كُمَا	كُمْ	ی	نَا	نَا
مؤنث	هَا		هُنَّ	كِ		كُنَّ			

(۲) اسم شارہ

پوشیدہ اسماء کی دوسری قسم اسم اشارہ (Demonstrative Pronoun) ہے - جیسے :

(أ) اشارہ قریب :

مذکر			مؤنث		
واحد	مثنی	جمع	واحد	مثنی	جمع
هٰذَا	هٰذَانِ هٰذَيْنِ	هٰؤُلَاءِ	هٰذِهٖ	هَاتَانِ هَاتَيْنِ	هٰؤُلَاءِ

(ب) اشارہ بعید :

مذکر			مؤنث		
واحد	مثنی	جمع	واحد	مثنی	جمع
ذٰلِكَ	ذَانِكَ ذَيْنِكَ	أُولٰئِكَ	تِلْكَ	تَانِكَ تَيْنِكَ	أُولٰئِكَ

نوٹ : ذٰلِكَ اشارہ قریب اور بعید دونوں کے لئے آتا ہے ۔

(۳) اسم موصول

پوشیدہ اسماء کی تیسری قسم اسم موصول (Relative Pronoun) ہے ۔ جیسے :

مذکر			مؤنث		
واحد	مثنی	جمع	واحد	مثنی	جمع
اَلَّذِي	اَللَّذَانِ اَللَّذَيْنِ	اَلَّذِيْنَ	اَلَّتِي	اَللَّتَانِ اَللَّتَيْنِ	اَللَّاتِي اَللَّائِي

(٤) اسمائے استفہام

پوشیدہ اسماء کی چوتھی قسم اسمائے استفہام (Interogative Pronoun) ہے ۔ جیسے : مَنْ (کون شخص) اور مَا (کونسی چیز) ۔

مادّہ اور اس کے حروف

گذشتہ صفحات میں آپ ثلاثی مجرد - ثلاثی مزید فیہ - رباعی وغیرہ اصطلاحی الفاظ پڑھ چکے ہیں - ان کا تفصیلی بیان تو آئندہ باب میں آئے گا ' جہاں یہ بتایا جائیگا کہ "ابواب اور ان کے خواص" کیا ہوتے ہیں - اس مقام پر مختصر الفاظ میں دیکھئے کہ ان کا مطلب کیا ہے -

عربی زبان میں استعمال ہونے والے اکثر و بیشتر الفاظ کے مادے تین حروف پر مشتمل ہوتے ہیں - ان الفاظ کو ثُلَاثِی (تین حرفوں والا) کہتے ہیں - لیکن بعض مادے تین سے زیادہ حروف بھی رکھتے ہیں - جس مادہ میں چار حرف ہوں اسے رُبَاعِی اور جس میں پانچ ہوں اسے خُمَاسِی کہتے ہیں - ذیل میں رباعی مادہ ''زل زل'' سے افعال اور اسماء کی ایک ایک شکل بطور مثال درج کی جاتی ہے -

ماضی معروف	مضارع معروف	ماضی مجہول	مضارع مجہول	امر
زَلْزَلَ	يُزَلْزِلُ	زُلْزِلَ	يُزَلْزَلُ	زَلْزِلْ
نہی	اسم فاعل	اسم مفعول	مصدر	
لَا تُزَلْزِلْ	مُزَلْزِلٌ	مُزَلْزَلٌ	زَلْزَلَةٌ - زِلْزَالٌ	

نوٹ : قاعدے کی رو سے رباعی مادوں کو ثلاثی سے الگ لکھنا چاہئے لیکن بہت سے ارباب لغت انہیں ثلاثی کے تحت ہی لکھتے ہیں - اس لئے ہم نے بھی لغت میں انہیں (بجز مستثنیات) عام طور پر ثلاثی کے تحت لکھا ہے - لیکن اسکی تصریح کر دی ہے کہ یہ رباعی ہے -

مادّہ میں حرف علت

جیسا کہ پہلے لکھا جا چکا ہے ' عربی کے ان الفاظ کا مادہ تو نسبتاً آسانی سے معلوم ہو جاتا ہے جن میں حروف صحت ہوں ' لیکن جن مادوں میں حروف علت ہوں ان کا دریافت کرنا قدرے دشوار ہوتا ہے ' بالخصوص واوی اور یائی میں یہ معلوم کرنا بہت مشکل ہوتا ہے

که اس ماده میں واو ہے یا ی ۔ بعض شکلوں میں اگر واوی کو یائی یا یائی کو واوی سمجھ لیا جائے تو معنوں میں بہت فرق پڑ جاتا ہے ۔ مثلاً صَلَّی ایک لفظ ہے ۔ اگر اسے صلو (ماده) سے لیا جائے تو اس کے معنے ہونگے "صلوٰۃ ادا کرنا" اور اگر صلی (ماده) سے لیا جائے تو اس کے معنے ہونگے "آگ میں جھونکنا" ۔ چونکہ عربی نہ جاننے والوں کے لئے یہ متعین کرنا از بس دشوار (بلکہ ناممکن) ہے کہ کسی لفظ کا صحیح ماده کیا ہے اس لئے ہم نے زیر نظر لغات کے شروع میں قرآن کریم کے تمام الفاظ کو انہی شکلوں میں لکھ کر جن میں وہ قرآن مجید میں آئے ہیں ان کے سامنے ان کا ماده لکھ دیا ہے ۔ آپ جس لفظ کے معنی معلوم کرنا چاہیں اسے پہلے اس فہرست میں دیکھ کر متعین کر لیں کہ اس کا ماده کیا ہے ، پھر اس ماده کے معنی لغات میں دیکھ لیں ۔

ذیل میں ہم چند مثالیں درج کرتے ہیں جن سے آپ کو اندازہ ہو جائیگا کہ جن مادوں میں حروف علت آتے ہیں ان میں مختلف اوزان اور ابواب میں جا کر کیا کیا (تعجب انگیز اور پریشان کن) تبدیلیاں پیدا ہوتی ہیں ۔

نوٹ : اس مقام پر آپ ابواب کے صرف نام دیکھ جائیے ان کا تفصیلی تعارف اور خواص آئندہ باب میں سامنے آئینگے ۔

حروفِ علت والے مادوں میں تبدیلیوں کی مثالیں

پہلی مثال ماده ۔ و ع د

ماده	فعل کی قسم	فعل ماضی	فعل مضارع	امر	نہی
و ع د	معلوم	وَعَدَ	یَعِدُ	عِدْ	لَا تَعِدْ
	مجہول	وُعِدَ	یُوعَدُ	لِتُوعَدْ	لَا تُوعَدْ

دیگر اسماء میں جا کر تبدیلیاں

ماده	اسم فاعل	اسم مفعول	افعل التفضیل	اسم آله	اسم زمان و مکان
و ع د	وَاعِدٌ	مَوْعُوْدٌ	اَوْعَدُ	مِیْعَادٌ	مَوْعِدٌ

دوسری مثال مادہ د ع و

مادہ	قسم	ماضی	مضارع	امر	نہی
د ع و	معلوم	دَعَا	يَدْعُوْ	اُدْعُ	لَا تَدْعُ
	مجہول	دُعِيَ	يُدْعَىٰ	لِتُدْعَ	لَا تُدْعَ

دیگر اسماء میں جا کر تبدیلیاں

مادہ	اسم فاعل	اسم مفعول	افعل التفضیل	اسم آلہ	اسم زمان ومکان
د ع و	دَاعٍ، الدَّاعِی	مَدْعُوٌّ	اَدْعَی	مِدْعًی	مَدْعًی

تیسری مثال مادہ و ق ی

مادہ	قسم	ماضی	مضارع	امر	نہی
و ق ی	معلوم	وَقَى	يَقِيْ	قِ	لَا تَقِ
	مجہول	وُقِيَ	يُوْقَى	لِيُوْقَ	لَا يُوْقَ

دیگر اسماء میں جا کر تبدیلیاں

مادہ	اسم فاعل	اسم مفعول	افعل التفضیل	اسم آلہ	اسم زمان ومکان
و ق ی	وَاقٍ، الْوَاقِی	مَوْقِیٌّ	اَوْقَى	مِيْقًی	مَوْقًی

چوتھی مثال مادہ ق و ل

مادہ	قسم	ماضی	مضارع	امر	نہی
ق و ل	معلوم	قَالَ	يَقُوْلُ	قُلْ	لَا تَقُلْ
	مجہول	قِيْلَ	يُقَالُ	لِيُقَلْ	لَا يُقَلْ

دیگر اسماء میں جا کر تبدیلیاں

مادہ	اسم فاعل	اسم مفعول	افعل التفضیل	اسم آلہ	اسم زمان و مکان
ق و ل	قَائِلٌ	مَقُوْلٌ	اَقْوَلُ	مِقْوَلٌ	مَقَالٌ

پانچویں مثال مادہ ب ی ع

مادہ	قسم	ماضی	مضارع	امر	نہی
ب ی ع	معلوم	بَاعَ	يَبِيْعُ	بِعْ	لَا تَبِعْ
	مجہول	بِيْعَ	يُبَاعُ	لِيُبَعْ	لَا يُبَعْ

دیگر اسماء میں جا کر تبدیلیاں

مادہ	اسم فاعل	اسم مفعول	افعل التفضیل	اسم آلہ	اسم زمان و مکان
ب ی ع	بَائِعٌ	مَبِيْعٌ	اَبْيَعُ	مِبْيَعٌ	مَبَاعٌ

مختلف ابواب میں منتقل ہونے کے بعد

ماده	قسم	فعل	تَفْعِيل	اِفْعَال	اِفْتِعَال	تَفَاعُل	مُفَاعَلَه	تَفَعُّل	اِسْتِفْعَال
و ع د	معلوم	ماضی	وَعَّدَ	اَوْعَدَ	اِتَّعَدَ	تَوَاعَدَ	وَاعَدَ	تَوَعَّدَ	اِسْتَوْعَدَ
		مضارع	يُوَعِّدُ	يُوْعِدُ	يَتَّعِدُ	يَتَوَاعَدُ	يُوَاعِدُ	يَتَوَعَّدُ	يَسْتَوْعِدُ
	مجہول	ماضی	وُعِّدَ	اُوْعِدَ	اُتُّعِدَ	تُوُوْعِدَ	وُوْعِدَ	تُوُعِّدَ	اُسْتُوْعِدَ
		مضارع	يُوَعَّدُ	يُوْعَدُ	يُتَّعَدُ	يُتَوَاعَدُ	يُوَاعَدُ	يُتَوَعَّدُ	يُسْتَوْعَدُ
و ع د		امر	وَعِّدْ	اَوْعِدْ	اِتَّعِدْ	تَوَاعَدْ	وَاعِدْ	تَوَعَّدْ	اِسْتَوْعِدْ
		نہی	لَا تُوَعِّدْ	لَا تُوْعِدْ	لَا تَتَّعِدْ	لَا تَتَوَاعَدْ	لَا تُوَاعِدْ	لَا تَتَوَعَّدْ	لَا تَسْتَوْعِدْ
و ع د		اسم فاعل	مُوَعِّدٌ	مُوْعِدٌ	مُتَّعِدٌ	مُتَوَاعِدٌ	مُوَاعِدٌ	مُتَوَعِّدٌ	مُسْتَوْعِدٌ
		اسم مفعول	مُوَعَّدٌ	مُوْعَدٌ	مُتَّعَدٌ	مُتَوَاعَدٌ	مُوَاعَدٌ	مُتَوَعَّدٌ	مُسْتَوْعَدٌ

مختلف ابواب میں منتقل ہونے کے بعد

مادہ	قسم	فعل	تفعیل	افعال	افتعال	تفاعل	مفاعلہ	تفعّل	استفعال
د ع و	معلوم	ماضی	دَعّٰی	اَدعٰی	اِدَّعٰی	تَدَاعٰی	دَاعٰی	تَدَعّٰی	اِستَدعٰی
		مضارع	یُدَعّی	یُدعِی	یَدَّعِی	یَتَدَاعٰی	یُدَاعِی	یَتَدَعّٰی	یَستَدعِی
د ع و	مجہول	ماضی	دُعِّیَ	اُدعِیَ	اُدُّعِیَ	تُدُوعِیَ	دُوعِیَ	تُدُعِّیَ	اُستُدعِیَ
		مضارع	یُدَعّٰی	یُدعٰی	یُدَّعٰی	یُتَدَاعٰی	یُدَاعٰی	یُتَدَعّٰی	یُستَدعٰی
د ع و		امر	دَعِّ	اَدعِ	اِدَّعِ	تَدَاعَ	دَاعِ	تَدَعَّ	اِستَدعِ
		نہی	لَا تُدَعِّ	لَا تُدعِ	لَا تَدَّعِ	لَا تَتَدَاعَ	لَا تُدَاعِ	لَا تَتَدَعَّ	لَا تَستَدعِ
		اسم فاعل	مُدَعٍّ، اَلمُدَعِّی	مُدعٍ، اَلمُدعِی	مُدَّعٍ، اَلمُدَّعِی	مُتَدَاعٍ، اَلمُتَدَاعِی	مُدَاعٍ، اَلمُدَاعِی	مُتَدَعٍّ، اَلمُتَدَعِّی	مُستَدعٍ، اَلمُستَدعِی
		اسم مفعول	مُدَعًّی	مُدعًی	مُدَّعًی	مُتَدَاعًی	مُدَاعًی	مُتَدَعًّی	مُستَدعًی

مختلف ابواب میں منتقل ہونے کے بعد

مادہ	قسم	فعل	تَفْعِیْل	اِفْعَال	اِفْتِعَال	تَفَاعُل	مُفَاعَلَہ	تَفَعُّل	اِسْتِفْعَال
و ق ی	معلوم	ماضی	وَقّٰی	اَوْقٰی	اِتَّقٰی	تَوَاقٰی	وَاقٰی	تَوَقّٰی	اِسْتَوْقٰی
		مضارع	یُوَقِّیْ	یُوْقِیْ	یَتَّقِیْ	یَتَوَاقٰی	یُوَاقِیْ	یَتَوَقّٰی	یَسْتَوْقِیْ
و ق ی	مجہول	ماضی	وُقِّیَ	اُوْقِیَ	اُتُّقِیَ	تُوُوْقِیَ	وُوْقِیَ	تُوُقِّیَ	اُسْتُوْقِیَ
		مضارع	یُوَقّٰی	یُوْقٰی	یُتَّقٰی	یُتَوَاقٰی	یُوَاقٰی	یُتَوَقّٰی	یُسْتَوْقٰی
		امر	وَقِّ	اَوْقِ	اِتَّقِ	تَوَاقَ	وَاقِ	تَوَقَّ	اِسْتَوْقِ
		نہی	لَا تُوَقِّ	لَا تُوْقِ	لَا تَتَّقِ	لَا تَتَوَاقَ	لَا تُوَاقِ	لَا تَتَوَقَّ	لَا تَسْتَوْقِ
و ق ی		اسم فاعل	مُوَقٍّ - اَلْمُوَقِّیْ	مُوْقٍ - اَلْمُوْقِیْ	مُتَّقٍ - اَلْمُتَّقِیْ	مُتَوَاقٍ - اَلْمُتَوَاقِیْ	مُوَاقٍ - اَلْمُوَاقِیْ	مُتَوَقٍّ - اَلْمُتَوَقِّیْ	مُسْتَوْقٍ - اَلْمُسْتَوْقِیْ
		اسم مفعول	مُوَقًّی	مُوْقًی	مُتَّقًی	مُتَوَاقًی	مُوَاقًی	مُتَوَقًّی	مُسْتَوْقًی

مختلف ابواب میں منتقل ہونے کے بعد

مادہ	قسم	فعل	تَفْعِیل	اِفْعَال	اِفْتِعَال	تَفَاعُل	مُفَاعَلہ	تَفَعُّل	اِسْتِفْعَال
ق و ل	معلوم	ماضی	قَوَّلَ	أَقَالَ	اِقْتَالَ	تَقَاوَلَ	قَاوَلَ	تَقَوَّلَ	اِسْتَقَالَ
		مضارع	يُقَوِّلُ	يُقِيلُ	يَقْتَالُ	يَتَقَاوَلُ	يُقَاوِلُ	يَتَقَوَّلُ	يَسْتَقِيلُ
ق و ل	مجہول	ماضی	قُوِّلَ	أُقِيلَ	اُقْتِيلَ	تُقُووِلَ	قُووِلَ	تُقُوِّلَ	اُسْتُقِيلَ
		مضارع	يُقَوَّلُ	يُقَالُ	يُقْتَالُ	يُتَقَاوَلُ	يُقَاوَلُ	يُتَقَوَّلُ	يُسْتَقَالُ
		امر	قَوِّلْ	أَقِلْ	اِقْتَلْ	تَقَاوَلْ	قَاوِلْ	تَقَوَّلْ	اِسْتَقِلْ
		نہی	لَا تُقَوِّلْ	لَا تُقِلْ	لَا تَقْتَلْ	لَا تَتَقَاوَلْ	لَا تُقَاوِلْ	لَا تَتَقَوَّلْ	لَا تَسْتَقِلْ
ق و ل		اسم فاعل	مُقَوِّلٌ	مُقِيلٌ	مُقْتَالٌ	مُتَقَاوِلٌ	مُقَاوِلٌ	مُتَقَوِّلٌ	مُسْتَقِيلٌ
		اسم مفعول	مُقَوَّلٌ	مُقَالٌ	مُقْتَالٌ	مُتَقَاوَلٌ	مُقَاوَلٌ	مُتَقَوَّلٌ	مُسْتَقَالٌ

مختلف ابواب میں منتقل ہونے کے بعد

مادہ	قسم	فعل	تفعیل	افعال	افتعال	تفاعل	مفاعلة	تفعّل	استفعال
ب ی ع	معلوم	ماضی	بَیَّعَ	أَبَاعَ	اِبْتَاعَ	تَبَایَعَ	بَایَعَ	تَبَیَّعَ	اِسْتَبَاعَ
		مضارع	یُبَیِّعُ	یُبِیْعُ	یَبْتَاعُ	یَتَبَایَعُ	یُبَایِعُ	یَتَبَیَّعُ	یَسْتَبِیْعُ
ب ی ع	مجہول	ماضی	بُیِّعَ	أُبِیْعَ	اُبْتِیْعَ	تُبُوْیِعَ	بُوْیِعَ	تُبُیِّعَ	اُسْتُبِیْعَ
		مضارع	یُبَیَّعُ	یُبَاعُ	یُبْتَاعُ	یُتَبَایَعُ	یُبَایَعُ	یُتَبَیَّعُ	یُسْتَبَاعُ
		امر	بَیِّعْ	أَبِعْ	اِبْتَعْ	تَبَایَعْ	بَایِعْ	تَبَیَّعْ	اِسْتَبِعْ
ب ی ع		نہی	لَاتُبَیِّعْ	لَا تُبِعْ	لَا تَبْتَعْ	لَا تَتَبَایَعْ	لَا تُبَایِعْ	لَا تَتَبَیَّعْ	لَا تَسْتَبِعْ
		اسم فاعل	مُبَیِّعٌ	مُبِیْعٌ	مُبْتَاعٌ	مُتَبَایِعٌ	مُبَایِعٌ	مُتَبَیِّعٌ	مُسْتَبِیْعٌ
		اسم مفعول	مُبَیَّعٌ	مُبَاعٌ	مُبْتَاعٌ	مُتَبَایَعٌ	مُبَایَعٌ	مُتَبَیَّعٌ	مُسْتَبَاعٌ

نگہ باز گشت

مادہ اور اس کے مشتقات کا مختصر سا بیان آپ کے سامنے آ چکا ہے۔ آگے بڑھنے سے پیشتر مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ایک مثال کے ذریعے آپ کے سامنے وہ تمام مختلف شکلیں آ جائیں جو گذشتہ صفحات میں آپ کی نگاہوں سے گذری ہیں۔ اس سے آپ کو اس کا بھی اندازہ ہو جائیگا کہ زیر نظر لغت میں آپ کو ایک عنوان کے تحت کس کس قسم کے الفاظ بالعموم ملیں گے۔ مثلاً مادہ ہے۔

فتح یعنی ف۔ت۔ح

اس مادہ کے تحت آپ کو فَتَحَ (فعل ماضی معروف)۔ فُتِحَ (فعل ماضی مجہول)۔ یَفْتَحُ (فعل مضارع معروف)۔ یُفْتَحُ (فعل مضارع مجہول)۔ اِفْتَحْ (امر)۔ لَاتَفْتَحْ (نہی)۔ فَاتِحٌ (اسم فاعل)۔ مَفْتُوحٌ (اسم مفعول)۔ مَفْتَحٌ (اسم ظرف)۔ مِفْتَحٌ و مِفْتَاحٌ (اسم آلہ)۔ فَتَّاحٌ (اسم مبالغہ) وغیرہ ملیں گے۔ ان کے علاوہ فَتَحَ کے مختلف ابواب سامنے آئیں گے۔ مثلاً اَفْتَحَ (باب اِفْعَال)۔ فَتَّحَ (باب تَفْعِیل)۔ فَاتَحَ (باب مُفَاعَلہ)۔ تَفَاتَحَ (باب تَفَاعُل)۔ تَفَتَّحَ (باب تَفَعُّل)۔ اِفْتَتَحَ (باب اِفْتِعَال)۔ اِنْفَتَحَ (باب اِنْفِعَال)۔ اِسْتَفْتَحَ (باب اِسْتِفْعَال) وغیرہ بھی لکھے ہوئے ملیں گے۔

نوٹ: زیر نظر لغت میں ہر مادہ کے تحت یہ تمام مشتقات نہیں دئیے گئے۔ جس طرح لغت میں صرف وہی مادے دئیے گئے ہیں جن سے متعلق کوئی لفظ قرآن کریم میں آیا ہے اسی طرح ہر مادہ کے تحت الفاظ کی صرف وہی شکلیں دی گئی ہیں جو قرآن مجید میں آئی ہیں (بعض مقامات میں ان تمام شکلوں کو بالتفصیل بیان کرنے کی بھی ضرورت نہیں سمجھی گئی) اس لئے کہ ہمارا یہ لغت قرآن کریم کا لغت ہے' عربی زبان کا مکمل لغت نہیں۔

حروف

جیسا کہ پہلے بتایا جا چکا ہے ' عربی زبان کے تمام الفاظ تین قسموں کے ہوتے ہیں - (۱) یا تو وہ لفظ نام ہوگا - اسے اسم کہا جاتا ہے - جیسے :

اَللّٰہُ - مُحَمَّدٌ - قَلَمٌ - عَالِمٌ - قَتْلٌ - تَعْلِیْمٌ - وغیرہ -

(۲) یا وہ لفظ کسی کام کے کرنے یا ہونے کے لئے بولا جائے گا - اسے فعل کہا جاتا ہے - مثلا ذَھَبَ : وہ گیا (فعل ماضی) - یَأْکُلُ : وہ کھاتا ہے یا کھائے گا (فعل مضارع) قُلْ : تو کہہ دے (فعل امر) وغیرہ

(۳) اور یا وہ حرف ہوگا - بالفاظ دیگر اگر کوئی لفظ نہ اسم ہے نہ فعل' تو وہ لازماً حرف ہوگا - مثلاً اس فقرہ میں

اَنَا - اَذْھَبُ - اِلَی - الْبَیْتِ -

اَنَا اسم ضمیر ہے (معنی - میں) - اَذْھَبُ - فعل ہے (میں جاتا ہوں) - الْبَیْت اسم ہے (معنی - گھر) - اب رہ گیا اِلَی - سو یہ حرف ہے (معنی - کی طرف) - فقرے کے معنے ہوئے - میں گھر کی طرف جاتا ہوں -

حرف کی اہمیت

ہر چند حرف نہ اسم ہے نہ فعل اور دیکھنے میں بھی زبان کا سب سے چھوٹا جزو ہے (مندرجہ بالا مثال میں اِلی پھر بھی وزن دار دکھائی دیتا ہے ورنہ خالی ب - ل بھی حروف ہیں) لیکن زبان میں ان کی بڑی اہمیت ہے - یہ زبان میں ربط پیدا کرتے ہیں - اسماء اور افعال کو ایک دوسرے سے جوڑتے ہیں - گفتگو میں زور و قوت اور معنوں میں ہمواری اور استواری پیدا کرتے ہیں - انہی سے اقرار اور انکار کا علم ہوتا ہے اور انہی کے ذریعہ کلام میں استفہام - ترغیب - تاکید - تنبیہ کے معانی پیدا ہوتے ہیں - ان کی تبدیلی سے فعل کا پورے کا پورا مفہوم بدل جاتا ہے - مثلاً "رغبت"

عربی زبان کا لفظ ہے جس کے معنے آپ بخوبی سمجھتے ہیں - اگر ہم (عربی زبان میں) کہیں رَغِبْتُ اِلَیْہِ تو اس کے معنے ہوں گے " میں اس کی طرف مائل ہوا" - لیکن اگر اِلٰی (حرف) کی جگہ عَنْ آ جائے اور ہم کہیں رَغِبْتُ عَنْہُ تو اس کے معنی ہوں گے "میں نے اس سے اعراض برتا - اس سے منہ موڑا - اسے چھوڑ دیا" - آپ نے دیکھا کہ حرف (جو بظاہر نہ نام کا ہے نہ کام کا) کس طرح افعال کی ناک میں نکیل ڈالے انہیں ادھر سے اُدھر لئے لئے پھرتا ہے - یہ حروف وہی ہیں جنہیں انگریزی زبان میں (Prepositions) کہتے ہیں اور جن کی اہمیت کا غالباً آپ کو اندازہ ہے -

محذوفات کی جگہ

اتنا ہی نہیں کہ یہ افعال کے معانی میں تبدیلی پیدا کر دیتے ہیں بلکہ بعض اوقات ایک حرف کتنے ایسے الفاظ کے معنے دے جاتا ہے جو اس فقرے میں کہیں نہیں ہوتے - یعنی وہ محذوف (Understood) ہوتے ہیں - مثلاً -

وَ اللّٰہُ یَعْلَمُ الْمُفْسِدَ مِنَ الْمُصْلِحِ - اس کا لفظی ترجمہ یہ ہوگا کہ اللہ مفسد کو مصلح سے جانتا ہے - لیکن اس سے بات واضح نہیں ہوتی - در حقیقت اس عبارت کا مطلب یہ ہے کہ اللہ مفسد کو مصلح سے الگ کر کے - تمیز کرکے - فرق کرکے جانتا ہے - وہ جانتا ہے کہ مفسد کون ہے اور مصلح کون - دیکھئے اس عبارت میں ایک حرف مِنْ نے اس محذوف عبارت کا کام دے دیا - یا مثلاً قرآن میں ہے اِلَّا (اِنْ لَا) تَنْصُرُوْہُ فَقَدْ نَصَرَہُ اللّٰہُ - اس کا ویسے ترجمہ یہ ہوگا کہ "اگر تم اس کی مدد نہیں کرتے تو یقیناً اللہ اس کی مدد کر چکا ہے" - لیکن اس کا صحیح مفہوم یہ ہے کہ اگر تم اس کی مدد نہیں کرتے تو نہ کرو - اس میں کچھ مضائقہ نہیں - کوئی حرج نہیں' کوئی پرواہ نہیں - کیونکہ (جس طرح) اللہ اس کی مدد (فلاں موقع پر) کر چکا ہے (اب بھی کرے گا) - چنانچہ عربی

زبان میں یہ قاعدہ بن گیا ہے کہ اگر اِنْ (حرف شرط) کے جواب شرط سے پہلے

فَقَدْ آجائے تو اس کا مفہوم وہ ہوتا ہے جیسے اوپر بیان کیا گیا ہے۔

حرف کی قسمیں

حرف کے اس تمہیدی تعارف کے بعد اب یہ دیکھئے کہ اس کی قسمیں کتنی ہیں۔ یہ قسمیں حروف کے انداز استعمال کی رو سے کی جا سکتی ہیں۔ مثلاً

(۱) وہ حروف جو صرف افعال (Verbs) سے پہلے آتے ہیں۔ ان سے فعلوں کے معنوں میں کچھ اضافہ ہو جاتا ہے۔ مثلاً - لَمْ - لَنْ - قَدْ - س- سوف وغیرہ -

لَمْ اور لَنْ دونوں مضارع پر آتے ہیں اور دونوں " تاکید کے ساتھ نفی" (نہ) کے معنے پیدا کرتے ہیں - لَمْ فعل مضارع کو فعل ماضی منفی کے معنوں میں تبدیل کر دیتا ہے - جیسے یَأْکُلُ (وہ کھاتا ہے یا کھائیگا) سے پہلے لَمْ آجائے تو لَمْ یَأْکُلْ کے معنے ہو جائینگے " اس نے قطعاً نہیں کھایا " - اسی طرح جب ارع سے پہلے حرف لَنْ آجائے تو اس کے معنے منفی مستقبل کے ہو جاتے ہیں - مثلاً

لَنْ یَأْکُلَ : " وہ قطعاً نہیں کھائیگا "

(۲) دوسری قسم کے حروف وہ ہیں جو تنہا لفظوں پر نہیں بلکہ جملوں پر آتے ہیں - مثلاً اِنَّ - اَنَّ - کَاَنَّ - لَیتَ - لٰکِنَّ - لَعَلَّ وغیرہ، جملوں کے پہلے آتے ہیں اور جملہ میں خاص معنے پیدا کر دیتے ہیں- جیسے اِنَّ اللّٰہَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیر یقیناً، بے شک، یہ حقیقت ہے کہ اللہ ہر شے پر قادر ہے -

(۳) تیسری قسم کے وہ حروف ہیں جو اسم سے پہلے آتے ہیں - ب - فِی - ل - عَلٰی - مِنْ - اِلٰی - عَنْ وغیرہ - جیسے بِالْقَلَمِ (قلم سے، قلم کے ساتھ) فِی الْبَیتِ

(گھر میں) - اِلیٰ اللّٰہ (اللہ کیطرف) - عربی زبان میں ان حروف کو خاص اہمیت حاصل ہے - اس اہمیت میں اس وقت اور اضافہ ہوجاتا ہے جب ان سے پہلے فعل آئے - جیسا کہ ہم رَغِبْتُ اِلَیْہِ اور رَغِبْتُ عَنْہُ کی مثال میں بتا چکے ہیں -

حروف کا ترجمہ

نمبر ۱ اور نمبر ۲ کے حروف تو اپنے معانی معین رکھتے ہیں لیکن نمبر ۳ کے حروف کچھ اس انداز سے آتے ہیں کہ اردو زبان میں ان کا لفظی ترجمہ نہیں کیا جا سکتا ' بلکہ مفہوم کے اعتبار سے ہی کیا جا سکتا ہے - مثلاً

(۱) عَلیٰ کے معنی " پر ' اوپر " ہیں - عربی زبان میں کہینگے عَلیٰ سَفَرٍ لیکن اردو میں اس کا ترجمہ " سفر پر " غیر فصیح ہوگا - " سفر میں " ٹھیک ہوگا - ہم یہ نہیں کہینگے کہ " اگر تم سفر پر ہو " - ہم کہینگے " اگر تم سفر میں ہو " -

(۲) یا مثلاً ل کے معنے " لئے یا واسطے " ہیں - جیسے لِزَیْدٍ : زید کے لئے یا زید کے واسطے - لیکن جب ہم اس سے پہلے فعل لا کر قُلْتُ لِزَیْدٍ کہینگے تو اس کا ترجمہ " میں نے زید کے لئے کہا " نہیں ہوگا ' اس کا صحیح ترجمہ ہوگا " میں نے زید سے کہا " -

اسی طرح ب کے معنی عموماً " ساتھ " یا " سے " کئے جاتے ہیں ' لیکن مختلف فعلوں (VERBS) کے ساتھ آنے سے اس کا ترجمہ مختلف ہو جائیگا ' جیسے

(۱) ذَهَبَ بِالْکِتَابِ : لفظی ترجمہ - وہ کتاب کے ساتھ گیا - با محاورہ ترجمہ - وہ کتاب لے گیا -

(۲) حَکَمَ بِمَا اَنْزَلَ اللّٰہُ : لفظی ترجمہ - اس نے ما انزل اللہ کے ساتھ فیصلہ کیا - با محاورہ ترجمہ - اس نے ما انزل اللہ (قانون خداوندی) کے مطابق فیصلہ کیا -

آپ نے دیکھا ' ان مثالوں میں کہیں بھی ب کے معنے " سے " یا " ساتھ " نہیں - زیر نظر لغت میں حروف کا عام ترجمہ دیا گیا ہے - لیکن اردو زبان میں ان کا ترجمہ (عبارت کے لحاظ سے) الگ الگ ہوگا - اس کے لئے کوئی خاص قاعدہ مقرر نہیں - زبان سے واقفیت اور تھوڑی سی مشق کے بعد سمجھ میں آ جاتا ہے کہ فلاں فقرہ میں حرف کا صحیح ترجمہ کیا ہونا چاہئے -

تفصیلی بیان

جیسا کہ پہلے کہا جا چکا ہے' عربی زبان میں حروف کو بڑی اہمیت حاصل ہے جس کے پیش نظر آپ گرامر (اور بعض لغت) کی کتابوں میں حروف کے متعلق بڑی طویل بحثیں دیکھینگے - لیکن ہم نے اس مقام پر بھی' اور لغت کے اندر بھی بڑے اختصار سے کام لیا ہے اور فنی بحثوں' لفظی باریکیوں اور علمی اصطلاحوں سے قطع نظر کر کے حروف کے صرف وہ معانی بیان کر دئے ہیں جن کا استعمال عام ہوتا ہے - مثلاً گرامر کی کتابوں میں واو عطف کی بہت سی قسمین دی گئی ہیں لیکن ان سب کا ترجمہ "اور" (and) ہی ہوتا ہے - ہم نے ان اقسام سے بحث نہیں کی - نیز ہم اس بحث میں بھی نہیں الجھے کہ ایک حرف کے آنے سے اسم میں کیا کیا اعرابی ' رفع (پیش) نصب (زبر) جر (زیر کی) تبدیلیاں ہو جاتی ہیں - مثلاً اِنَّ مبتدا کو نصب اور خبر کو رفع دیتا ہے وغیرہ وغیرہ - ہمارا مقصد صرف اتنا ہے کہ آپ کو عربی زبان کے الفاظ اور ان کی مختلف شکلوں کی اس قدر پہچان ہو جائے کہ مادہ کے معنے سمجھ لینے کے بعد ان مختلف شکلوں کا مفہوم بھی آپ کے سامنے آ سکے اور اس طرح آپ قرآن کریم کو براہ راست سمجھنے کے قابل ہو سکیں - فنی نکات آفرینیوں اور اصطلاحی موشگافیوں سے بحث کرنا ہمارے پیش نظر نہیں -

ابواب اور ان کے خواص

یہ بتایا جا چکا ہے کہ عربی زبان میں ہر فعل مادّہ سے بنتا ہے - مادّہ ان اصلی حروف کو کہتے ہیں جن کے بغیر فعل کی پہلی شکل وجود میں نہ آ سکے - فعل کا مادّہ کبھی تین حروف کا ہوتا ہے اور کبھی چار کا - (اسماء کے مادہ میں پانچ اور چھ حروف بھی ہوتے ہیں) تین حرفی مادہ کو ثُلَاثِی کہتے ہیں - یہ ثَلَاثَةٌ سے بنا ہے جس کے معنی "تین" ہیں - عربی زبان میں زیادہ تر ثلاثی افعال ہیں - چار حرفی مادہ کو رُبَاعِی کہتے ہیں - یہ اَرْبَعَةٌ سے بنا ہے جس کے معنی "چار" ہیں - عربی زبان میں رباعی افعال کم استعمال ہوتے ہیں -

ثلاثی مجُرّد اور ثلاثی مزید فیه

اگر کسی فعل کا مادہ تین حروف کا ہو اور اس کی ماضی کی پہلی شکل میں بھی تین حروف ہی ہوں تو وہ ثلاثی مجرّد کہلاتا ہے - لیکن جب مادہ تین حروف کا ہو مگر ماضی کی پہلی شکل میں تین حروف سے زیادہ ہوں تو ایسے فعل کو ثلاثی مزیدفیہ کہا جائیگا - آپ کو شاید اس پر تعجب ہوگا کہ جب مادہ تین ہی حروف کا ہے تو پھر فعل ماضی میں تین سے زیادہ حروف کیسے آسکتے ہیں ؟ یہ اس طرح کہ ثلاثی مجرد میں کچھ حروف کا اضافہ کر دیتے ہیں اور اس اضافہ سے وہ ایک نیا باب بن جاتا ہے اور بسا اوقات اس کے معنے بدل جاتے ہیں - یہی وہ تبدیلیاں ہیں (یعنی ابواب اور ان کے خواص) جن کی وضاحت کے لئے موجودہ عنوان آپکے سامنے لایا گیا ہے - "ابواب اور ان کی خاصیتیں" عربی زبان کی منفرد خصوصیت ہے جس سے یہ زبان لامحدود وسعتوں کی حامل ہوگئی ہے ' لہذا آپ اس عنوان کو بڑے غور سے دیکھئے -

ثلاثی مجرد کے ابواب

ابواب ثلاثی مجرد کے بھی ہوتے ہیں اور ثلاثی مزیدفیہ کے بھی - پہلے ثلاثی مجرد کے ابواب کو لیجئے - یہ وہ ابواب ہیں جن کا مادہ سہ حرفی ہے اور ماضی کی پہلی شکل بھی سہ حرفی ہے -

اور اس میں کسی حرف کا مزید اضافہ نہیں ہوتا ہے ' صرف حرکت بدل جانے سے باب بدل جاتا ہے ' اور حرکت بھی تینوں حروف کی نہیں بلکہ صرف دوسرے (یعنی درمیانی) حرف کی حرکت بدلنے سے ایک نیا باب ظہور میں آ جاتا ہے۔

جیسا کہ اوپر بتایا گیا ہے ' فعل ثلاثی مجرد میں ماضی کی پہلی شکل تین حرف رکھتی ہے۔ ان میں سے پہلا اور تیسرا (آخری) حرف ایک حالت میں رہتے ہیں لیکن دوسرا (درمیانی) حرف ایک حالت پر نہیں رہتا ' اس پر کبھی زبر کبھی زیر اور کبھی پیش آتا ہے۔ یہی درمیانی حرف فعل مضارع میں بھی بدلتا رہتا ہے۔ ہر نئی شکل جو فعل ماضی اور اس کے فعل مضارع کے درمیانی حروف کی حرکتوں (زیر۔ زبر۔ پیش) سے مل کر بنے ' ایک ''باب'' کہلاتی ہے۔

ماضی اور مضارع کے درمیانی حروف کی حرکتوں کے اعتبار سے ثلاثی مجرد کے چھ ابواب مستعمل ہیں :-

نمبر	فعل ماضی	فعل مضارع	کیفیت
۱	فَتَحَ	يَفْتَحُ	درمیانی حرف "ت" ہے۔ فعل ماضی میں اس پر زبر ہے اور فعل مضارع میں بھی اس پر زبر ہے۔
۲	ضَرَبَ	يَضْرِبُ	درمیانی حرف "ر" ہے۔ فعل ماضی میں اس پر زبر ہے اور فعل مضارع میں اس پر زیر ہے۔
۳	كَتَبَ	يَكْتُبُ	درمیانی حرف "ت" ہے۔ فعل ماضی میں اس پر زبر ہے اور فعل مضارع میں اس پر پیش ہے۔
۴	عَلِمَ	يَعْلَمُ	درمیانی حرف "ل" ہے۔ فعل ماضی میں اس پر زیر ہے اور فعل مضارع میں اس پر زبر ہے۔
۵	ثَقُلَ	يَثْقُلُ	درمیانی حرف "ق" ہے۔ فعل ماضی میں اس پر پیش ہے اور فعل مضارع میں بھی اس پر پیش ہے۔
۶	وَرِثَ	يَرِثُ	درمیانی حرف "ر" ہے۔ فعل ماضی میں اس پر زیر ہے اور فعل مضارع میں بھی اس پر زیر ہے۔

(نوٹ۔ ثلاثی مجرد کے اول الذکر پانچ ابواب عام طور پر آتے ہیں۔ آخری چھٹا باب قرآن میں شاذ آیا ہے۔)

مندرجہ بالا چھ متفرق شکلیں ہیں جو فعل ماضی اور فعل مضارع کے درمیانی حروف کی حرکتوں کے اختلاف سے پیدا ہوتی ہیں' اور یہی ثلاثی مجرد کے ابواب ہیں ۔ ان میں سے ہر شکل ایک باب کہلاتی ہے ۔ ان ابواب کا معنوں سے کچھ تعلق نہیں ۔ یہ فقط اتنا بتاتے ہیں کہ عربی زبان میں جسقدر ثلاثی مجرد کے افعال (ماضی ۔ مضارع) آئینگے وہ انہی شکلوں کے اندر آئینگے ۔ لیکن اگر ایک ہی باب میں درمیانی حرکتوں کو بدل دیا جائے تو اس طرح بعض اوقات معنوں میں فرق پیدا ہو جاتا ہے ۔ مثلاً :—

	فعل ماضی	فعل مضارع	کیفیت
۱	بَعُدَ	يَبْعُدُ	ماضی اور مضارع میں درمیانی حرف پر پیش ہے' اس کے معنی ہیں "دور ہوا"
	بَعِدَ	يَبْعَدُ	فعل ماضی میں درمیانی حرف پر زیر اور فعل مضارع میں درمیانی حرف پر زبر ہے ۔ اب اس کے معنے ہیں " ہلاک ہوا' مر گیا "
۲	حَزِنَ	يَحْزَنُ	فعل ماضی میں درمیانی حرف پر زیر اور فعل مضارع میں درمیانی حرف پر زبر ہے ۔ اس کے معنی ہیں " غمگین ہوا' رنجیدہ ہوا " (فعل لازم) ۔
	حَزَنَ	يَحْزُنُ	فعل ماضی کے درمیانی حرف پر زبر اور فعل مضارع کے درمیانی حرف پر پیش ہے ۔ معنی " غمگین کیا رنجیدہ کیا " (فعل متعدی)

ثلاثی مزید فیہ کے ابواب

ثلاثی مجرد کے علاوہ ایسے افعال جن میں اصلی حروف تو تین ہی ہوں ' لیکن ماضی کی پہلی شکل میں تین سے زیادہ حروف ہوں ثلاثی مزید فیہ کہلاتے ہیں ۔ ان کے مختلف ابواب مختلف وزان پر آتے ہیں' جن میں بیشتر استعمال ہونے والے ابواب قرآن مجید میں بارہ ہیں ' اور یہ حسب ذیل ہیں :-

نمبر شمار	باب (مصدری وزن)	ثلاثی مجرد (نیز مادہ کے حروف)	ثلاثی مزید فیہ: فعل ماضی	ثلاثی مزید فیہ: فعل مضارع	کیفیت
۱	تَفْعِيل	كَرُمَ	كَرَّمَ	يُكَرِّمُ	اس باب میں ثلاثی مجرد کے درمیانی حرف کو مشدد کر دیا جاتا ہے ۔
		عَلِمَ	عَلَّمَ	يُعَلِّمُ	

نمبر شمار	باب (مصدری وزن)	ثلاثی مجرد (نیز مادہ کے حروف)	ثلاثی مزید فیہ: فعل ماضی	ثلاثی مزید فیہ: فعل مضارع	کیفیت
۲	اِفْعَالٌ	حَسُنَ	اَحْسَنَ	یُحْسِنُ	اس باب میں ثلاثی مجرد کے ماضی پر ایک "ہمزہ" کا اضافہ کیا جاتا ہے۔
		نَعِمَ	اَنْعَمَ	یُنْعِمُ	
۳	مُفَاعَلَةٌ	جَهَدَ	جَاهَدَ	یُجَاهِدُ	اس باب میں ثلاثی مجرد کے پہلے حرف کے بعد الف کا اضافہ کیا جاتا ہے۔
		قَتَلَ	قَاتَلَ	یُقَاتِلُ	
۴	تَفَاعُلٌ	كَثُرَ	تَكَاثَرَ	یَتَكَاثَرُ	اس باب میں ثلاثی مجرد کی ماضی سے قبل "ت" اور پہلے حرف کے بعد "الف" بڑھایا جاتا ہے۔
		غَمَزَ	تَغَامَزَ	یَتَغَامَزُ	
۵	تَفَعُّلٌ	قَطَعَ	تَقَطَّعَ	یَتَقَطَّعُ	اس باب میں ثلاثی مجرد سے قبل "ت" بڑھا کر درمیانی حرف مُشَدَّد کر دیا جاتا ہے۔
		عَلِمَ	تَعَلَّمَ	یَتَعَلَّمُ	
۶	اِنْفِعَالٌ	قَلَبَ	اِنْقَلَبَ	یَنْقَلِبُ	اس باب میں ثلاثی مجرد سے قبل "اِن" کا اضافہ کیا جاتا ہے۔
		فَجَرَ	اِنْفَجَرَ	یَنْفَجِرُ	
۷	اِفْتِعَالٌ	قَرُبَ	اِقْتَرَبَ	یَقْتَرِبُ	اس باب میں شروع میں "ہمزہ" اور ثلاثی مجرد کے پہلے حرف کے بعد "ت" بڑھائی جاتی ہے۔
		كَسَبَ	اِكْتَسَبَ	یَكْتَسِبُ	
۸	اِسْتِفْعَالٌ	كَبُرَ	اِسْتَكْبَرَ	یَسْتَكْبِرُ	اس باب میں ثلاثی مجرد پر "اس ت" کا اضافہ کیا جاتا ہے۔
		غَفَرَ	اِسْتَغْفَرَ	یَسْتَغْفِرُ	

نمبر شمار	باب (مصدری وزن)	ثلاثی مجرد (نیز مادہ کے حروف)	ثلاثی مزید فیہ: فعل ماضی	ثلاثی مزید فیہ: فعل مضارع	کیفیت
۹	اِفْعِلَالٌ	سَوَدَ	اِسْوَدَّ	یَسْوَدُّ	اس باب میں ثلاثی مجرد کے شروع میں ہمزہ کا اضافہ اور آخری حرف کو مشدد کیا جاتا ہے ۔
		بَیَضَ	اِبْیَضَّ	یَبْیَضُّ	
۱۰	اِفْعِیْلَالٌ	دَہَمَ	اِدْہَامَّ	یَدْہَامُّ	اس باب میں باب نمبر ۹ پر آخری مشدد حرف سے قبل الف کا اضافہ کیا جاتا ہے ۔
۱۱	اِفَّعُّلٌ	زَمَلَ	اِزَّمَّلَ	یَزَّمَّلُ	اس باب میں شروع میں ہمزہ کے علاوہ پہلے اور دوسرے حرف کو مشدد کیا جاتا ہے (بعض اسے باب تفعُّل کی ایک متغیر شکل قرار دیتے ہیں) ۔
		دَثَرَ	اِدَّثَّرَ	یَدَّثَّرُ	
۱۲	اِفَّاعُلٌ	ثَقُلَ	اِثَّاقَلَ	یَثَّاقَلُ	اس باب میں شروع میں ہمزہ اور پہلے حرف کے بعد الف لایا جاتا ہے نیز پہلے حرف کو مشدد کیا جاتا ہے (بعض اسے باب تفاعل کی متغیر شکل قرار دیتے ہیں) ۔

نوٹ ۔ ان ابواب کا مصدر اسی وزن پر آئے گا جو باب کے خانے میں درج ہیں ۔ مثالیں ذرا آگے چل کر آئیں گی ۔

یہاں آپ کے دل میں لازماً یہ سوال پیدا ہوگا کہ ان تبدیلیوں سے بالآخر مقصود کیا ہوتا ہے ؟ ان تبدیلیوں سے مقصود معانی میں وسعت اور ان کے درمیان معنوی فرق و اختلاف پیدا کرنا ہے ۔ یعنی ایک ہی فعل جب باب تفعیل میں ہو تو اس کے معنے اور ہوتے ہیں اور باب افعال میں ہو تو اور ۔ ان ابواب کی یہ خصوصیات (یعنی خاص معنی) مستقل حیثیت رکھتے ہیں ۔ لہذا (اگرچہ ان خصوصیات میں بعض اوقات استثناء بھی ہو جاتی ہے) کسی فعل کا صحیح مفہوم سمجھنے کے لئے دیکھنا یہ چاہئے کہ :

۱۔ اس مادہ کے معنی کیا ہیں اور

۲۔ وہ کس باب میں ہے ۔

یہ عربی زبان کی وہ خصوصیت ہے جو کہیں اور نہیں ملتی - ذیل میں ہم ان ابواب کی خصوصیتیں (مختصراً) درج کرتے ہیں - آپ انہیں غور سے دیکھیں -

ابواب ثلاثی مزید فیه کے خواص

اب ثلاثی مزید فیه کے مختلف ابواب کے خواص دیکھئے - واضح رہے کہ ہم نے مختلف ابواب کے تمام خواص درج نہیں کئے - صرف اسی قدر خواص دئے ہیں جو قرآن کریم میں استعمال شدہ الفاظ کے سمجھنے میں مدد دے سکتے ہیں -

۱- باب تَفْعِيْلٌ :—

(اس باب سے مصدر تَفْعِيْلٌ کے وزن پر آئیگا - مثلاً تَكْرِيْمٌ - تَنْزِيْلٌ)[۱]

ثلاثی مجرد کو باب تَفْعِيْلٌ میں لے جائیں تو مندرجہ ذیل فوائد و خواص مطلوب ہوتے ہیں :

(۱) لازم فعل متعدی بن جاتا ہے - مثالیں :

ثلاثی مجرد	معنی	ثلاثی مزید فیه باب تفعیل	معنی
ثَبَتَ	مضبوطی سے جما ' ثبت ہوا -	ثَبَّتَ	مضبوطی سے جمایا ' ثبت کیا -
كَرُمَ	شریف و باعزت ہوا	كَرَّمَ	شریف و باعزت بنایا

---

(۱) کبھی کبھی تَفْعِيْلٌ کے علاوہ تَفْعِلَةٌ اور فِعَّالٌ کے وزن پر بھی اس کا مصدر آ جاتا ہے- جیسے جَرَّبَ سے مصدر تَجْرِيْبٌ اور تَجْرِبَةٌ - اور كَذَّبَ سے مصدر تَكْذِيْبٌ و كِذَّابٌ - بالخصوص جب مادہ میں آخری حرف صحیح نہ ہو بلکہ حرف علت ہو تو مصدر ہمیشہ تَفْعِلَةٌ کے وزن پر آئیگا- جیسے صَلَّى سے تَصْلِيَةٌ اور سَمَّى سے تَسْمِيَةٌ -

(۲) ثلاثی مجرد کا فعل متعدی جو ایک مفعول چاهتا هے اس باب میں آنے کے بعد دو مفعول چاهنے لگتا هے - جیسے :

ثلاثی مجرد	معنی و مثال	ثلاثی مزید فیه باب تفعیل	معنی و مثال
سَمِعَ	اس نے سنا - سَمِعَ زَیْدُ الْخَبَرَ : زید نے خبر سنی - یہاں "الْخَبَرَ" مفعول هے -	سَمَّعَ	سنایا - سَمَّعَ زَیْدٌ حَامِدًا الْخَبَرَ : زید نے حامد کو خبر سنائی - یہاں "حامداً اور الخبرَ" دو مفعول هیں -
فَهِمَ	اس نے سمجھا - فَهِمَ حَامِدٌ الْکَلَامَ" حامد نے بات سمجھی - یہاں "الْکَلَامَ" مفعول هے -	فَهَّمَ	سمجھایا - فَهَّمَ حَامِدٌ ذَاکِرًا الْکَلَامَ حامد نے ذاکر کو بات سمجھائی، یہاں 'ذاکراً اور الکلامَ' دو مفعول هیں -

(۳) کسی کام میں زور و شدت، زیادتی و کثرت اور مبالغه کے معنے پیدا هو جاتے هیں - جیسے :

ثلاثی مجرد	معنی	ثلاثی مزید فیه باب تفعیل	معنی
قَطَعَ	اس نے کاٹا	قَطَّعَ	بہت زیادہ کاٹا، خوب اچھی طرح کاٹا - کاٹ کر ٹکڑے ٹکڑے کیا -
قَتَلَ	مار ڈالا، قتل کیا -	قَتَّلَ	بکثرت قتل کیا - بری طرح قتل کیا -

(۴) کسی کام کو بتدریج تھوڑا تھوڑا اور بار بار کرنے کے لئے :

ثلاثی مجرد	معنی	ثلاثی مزید فیه باب تفعیل	معنی
نَزَلَ	اترا ، نازل ہوا	نَزَّلَ	اتارا ، نازل کیا ، بار بار تھوڑا تھوڑا بتدریج اتارا ۔
ذَكَرَ	یاد کیا	ذَكَّرَ	یاد دلایا بار بار یاد دلایا ۔

(۵) کسی کام کو کسی کی طرف منسوب کرنے کے لئے بھی یہ باب استعمال کیا جاتا ہے ۔ مثلاً :

ثلاثی مجرد	معنی	ثلاثی مزید فیه باب تفعیل	معنی
كَذَبَ	جھوٹ بولا	كَذَّبَ	اسے جھٹلایا ، جھوٹا بتایا ۔ اسکی طرف جھوٹ کو منسوب کیا ۔
صَدَقَ	سچ بولا	صَدَّقَ	اسے سچا بتایا ۔ اس کی تصدیق کی ۔ سچ اسکی طرف منسوب کیا ، سچ کرکے دکھایا ۔

(۶) کسی کیفیت کو دور کرنے اور سلب کرنے کے لئے بھی یہ باب استعمال ہوتا ہے ۔ مثلاً :

ثلاثی مجرد	معنی	ثلاثی مزید فیہ باب تفعیل	معنی
مَرِضَ	وہ بیمار ہوا ۔	مَرَّضَ	اس کی بیماری دور کی ۔
ذُکَاءٌ	حرارت غریزی ۔	ذَکَّیٰ	جانورکی حرارت غریزی نکالی 'اسے ذبح کیا'

(۷) باب افعال کے مخالف معنوں کے لئے بھی آتا ہے ۔ مثلاً :

اَفْرَطَ (باب افعال) حد سے تجاوز کیا ۔ افراط ۔

فَرَّطَ (باب تفعیل) حد سے کمی کی ۔ تفریط ۔

(۹) بعض اوقات یہ ثلاثی مجرد کے معنوں میں آتا ہے ۔ مثلاً بَشَرَ اور بَشَّرَ کے معنی ایک ہیں ۔

باب تفعیل سے مشتق افعال و اسماء کے مثالی اوزان

فعل ماضی		فعل مضارع		امر	نہی	اسم فاعل	اسم مفعول	مصدر
معلوم	مجہول	معلوم	مجہول					
عَلَّمَ	عُلِّمَ	یُعَلِّمُ	یُعَلَّمُ	عَلِّمْ	لَا تُعَلِّمْ	مُعَلِّمٌ	مُعَلَّمٌ	تَعْلِیْمٌ

(۲) باب اِفْعَالٌ کے خواص

(اس باب سے (حروف صحت والے مادوں کا) مصدر اِفْعَالٌ کے وزن پر آئے گا ۔ مثلاً اِسْلَامٌ ۔ اِکْرَامٌ)

ثلاثی مجرد کو اِفْعَال میں منتقل کرنے سے مندرجہ ذیل فوائد مطلوب ہوتے ہیں ۔

(۱) ثلاثی مجرد کے فعل لازم کو فعل متعدی بنانے کے لئے - جیسے :-

ثلاثی مجرد	معنے	ثلاثی مزید فیہ باب افعال	معنے
فَرِحَ	وہ خوش ہوا	اَفْرَحَ	اسنے خوش کیا
عَزَّ	وہ با عزت و سر بلند ہوا	اَعَزَّ	اسنے با عزت و سر بلند کیا

(۲) ثلاثی مجرد اگر متعدی ہے اور ایک مفعول چاہتا ہے تو اسے دو مفعول والا متعدی فعل بنانے کے لئے - جیسے :-

ثلاثی مجرد	مثال	ثلاثی مزید فیہ باب افعال	مثال
قَرَأَ اس نے پڑھا	قَرَأَ زَیْدٌ کِتَابًا : زید نے کتاب پڑھی یہاں " کِتَابًا " مفعول ہے -	أَقْرَأَ پڑھایا	أَقْرَأَ زَیْدٌ حَامِدًا کِتَابًا : زید نے حامد کو کتاب پڑھائی - یہاں " حَامِدًا اور کِتَابًا " دو مفعول ہیں -

(۳) کسی " وقت یا جگہ میں داخل ہونا " بتانے کے لئے - مثلاً :-

اَصْبَحَ (باب اِفعال) وہ صبح کے وقت میں داخل ہوا -

اَمْسٰی (باب اِفعال) وہ شام کے وقت میں داخل ہوا -

أَعْرَقَ (باب افعال) وہ عراق میں داخل ہوا -

(۴) کسی " حالت یا صفت کا پایا جانا " بتانے کے لیے :- جیسے

اَکْبَرَ (باب افعال) اسے بڑا پایا -

(۵) کبھی یہ باب ثلاثی مجرد کے ہم معنی ہوتا ہے ۔ مثلاً

اَلْحَقَ (باب افعال) بمعنی لَحِقَ (ثلاثی مجرد) : پیچھے سے آ کر ملا ۔

(۶) کسی صفت کے زائل ہونے اور ساب کرنے کے لئے ۔ مثلاً

اَعْتَبَ (باب افعال) عتاب زائل کیا ۔

(۷) کبھی یہ باب ثلاثی مجرد متعدی کا لازم بنتا ہے ۔ جیسے کَبَّهٗ (ثلاثی مجرد متعدی) عَلٰی وَجْهِهٖ :- اسے منہ کے بل گرایا ، فَاَکَبَّ (باب اِفعال لازم) تو وہ منہ کے بل گر گیا

اس باب سے مشتق افعال و اسماء کے مثالی اوزان

فعل ماضی معلوم	فعل ماضی مجہول	فعل مضارع معلوم	فعل مضارع مجہول	امر	نہی	اسم فاعل	اسم مفعول	مصدر
اَسْلَمَ	اُسْلِمَ	یُسْلِمُ	یُسْلَمُ	اَسْلِمْ	لَا تُسْلِمْ	مُسْلِمٌ	مُسْلَمٌ	اِسْلَامٌ

(۳) باب مُفَاعَلَة کے خواص

(اس باب سے مصدر مُفَاعَلَةٌ اور فِعَالٌ کے وزن پر آتا ہے ۔ مثلاً مُجَاهَدَةٌ و جِهَادٌ ، مُسَابَقَةٌ و سِبَاقٌ) ۔

ثلاثی مجرد کو باب ''مُفَاعَلَة'' میں لے جانے سے مندرجہ ذیل فوائد مطلوب ہوتے ہیں :

(۱) دو آدمیوں کا ایک ہی کام میں ایک دوسرے کے ساتھ مصروف ہونا، مثلاً جب دو آدمی آپس میں جنگ کر رہے ہوں تو قَتَلَ کی جگہ قَاتَلَ کہا جائیگا ۔ یعنی دونوں ایک دوسرے سے لڑ رہے ہیں ۔ مثالیں دیکھئے :

ثلاثی مجرد	معنے	ثلاثی مزید فیه باب مفاعله	معنے
حرب	جنگ، لڑائی	حارب	ایک دوسرے کے خلاف لڑے
جهد	اس نے پوری کوشش کی	جاهد	ایک نے دوسرے کو زیر کرنے کے لئے اپنی پوری طاقت صرف کی
ضرّ	نقصان پہنچایا	ضارّ	ایک نے دوسرے کو نقصان پہنچایا

(۲) کسی کام میں ایک دوسرے سے آگے بڑھنے اور مقابلہ کرنے کے لئے - جیسے:

ثلاثی مجرد	معنے	ثلاثی مزید فیه باب مفاعله	معنے
سبق	وہ آگے بڑھا	سابق	ایک نے دوسرے سے آگے بڑھنے اور سبقت لیجانے کی کوشش کی، آگے بڑھنے میں مقابلہ کیا -
سرع	وہ تیز رفتار ہوا	سارع	ایک نے دوسرے سے جلدی کرنے میں مقابلہ کیا

(۳) باب تفعیل کی طرح کسی کام میں کثرت و زیادتی بتانے کے لئے - مثلاً:

ضاعف (باب مفاعله) : کئی گنا بڑھایا، دو چند سہ چند کیا -

(۴) باب افعال کی طرح لازم کو متعدی بنانے کے لئے بھی کبھی یه باب

مستعمل ہوتا ہے - مثلاً :

ثلاثی مجرد	معنی	ثلاثی مزید فیه باب مفاعله	معنی
بَعُدَ	دور ہوا	بَاعَدَ	دور کیا
		وَارَی	چھپایا

(۵) کبھی اس کے معنے - ثلاثی مجرد کے ہوتے ہیں - مثلاً :

نَافَقَ (باب مفاعله) اس نے منافقت کی -

قَاتَلَ (باب مفاعله) اس نے مار ڈالا، قتل کیا ، بمعنی قَتَلَ (ثلاثی مجرد) -

بَارَکَ (باب مفاعله) اس نے خیر کا اضافه کیا، برکت دی -

اس باب کے مشتق افعال و اسماء کے مثالی اوزان

فعل ماضی		فعل مضارع		امر	نہی	اسم فاعل	اسم مفعول	مصدر
معلوم	مجہول	معلوم	مجہول					
قَاتَلَ	قُوتِلَ	يُقَاتِلُ	يُقَاتَلُ	قَاتِلْ	لَا تُقَاتِلْ	مُقَاتِلٌ	مُقَاتَلٌ	مُقَاتَلَةٌ قِتَالٌ

(٤) باب تَفَاعُلٌ کے خواص

(اس باب سے مصدر تَفَاعُلٌ کے وزن پر آئیگا- مثلاً تَقَابُلٌ)

ثلاثی مجرد کو باب تَفَاعُل میں منتقل کرنے سے مندرجه ذیل فائدے مطلوب ہوتے ہیں :

(۱) دو یا دو سے زیادہ افراد کا ایک دوسرے کے ساتھ مل کر کوئی کام کرنا ، ایک شخص کا دوسرے کے ساتھ (مفاعله کے باب کی طرح) یا ایک جماعت کا دوسری جماعت

کے ساتھ کسی کام کو کرنا (اب مفاعلہ میں بالعموم ایک فرد دوسرے فرد کے مقابل میں ہوتا ہے اور باب تفاعل میں عام طور پر ایک جماعت دوسری جماعت کے مقابل ہوتی ہے)۔

مثلاً:

ثلاثی مجرد	معنی	ثلاثی مزید فیہ باب تفاعل	معنی
قَبَلَ	سامنے ہوا۔	تَقَابَلَ	آپس میں ایک دوسرے کے آمنے سامنے ہوئے
رَأَى	دیکھا	تَرَاءَى	آپس میں ایک نے دوسرے کو دیکھا۔

(۲) باب ''مُفَاعَلَةٌ'' کا اثر قبول کرنے کے لئے آتا ہے - اگر ''مفاعَلَة'' میں فاعل و مفعول درکار ہوں تو اس باب (تَفَاعُل) میں صرف فاعل درکار ہوگا:

باب مفاعلہ	معنی	باب تفاعل	معنی
بَاعَدَهُ	اسے دور کیا	تَبَاعَدَ	وہ دور ہوگیا

نوٹ - غور کیجئے ۔ دور ہونے میں دونوں ایک دوسرے سے دور ہوتے ہیں لیکن جب ایک کے متعلق کہا جاتا ہے کہ وہ دور ہو گیا تو اس سے بات واضح ہو جاتی ہے یعنی دونوں کا ذکر ضروری نہیں ہوتا۔

(۳) کبھی یہ باب ثلاثی مجرد کا ہم معنی ہوتا ہے - جیسے :-

ثلاثی مجرد	معنے	ثلاثی مزید فیہ باب تفاعُل	معنے
عَلَا	بلند ہوا	تَعَالیٰ	بلند ہوا

اس باب سے مشتق افعال و اسماء کے مثالی اوزان

فعل ماضی	فعل مضارع	امر	نہی	اسم فاعل	اسم مفعول اور یہی اسم مکان و زمان بھی ہے	مصدر
تَنَافَسَ	يَتَنَافَسُ	تَنَافَسْ	لَا تَتَنَافَسْ	مُتَنَافِسٌ	مُتَنَافَسٌ	تَنَافُسٌ

(۵) باب تَفَعُّل کے خواص

(اس باب سے مصدر تَفَعُّلٌ کے وزن پر آئے گا - جیسے تَقَدُّمٌ)

ثلاثی مجرد کو باب "تَفَعُّل" میں لے جانے سے مندرجہ ذیل فوائد مطلوب ہوتے ہیں :-

(۱) باب تَفْعِیْل میں جس کام کو کیا جائے اس کا اثر قبول کر لینے اور اس کام کے ہو جانے کے لئے یہ باب استعمال ہوتا ہے - جیسے :-

باب تَفْعِیْل	معنے	باب تَفَعُّل	معنے
قَطَّعَ	کاٹ کر ٹکڑے ٹکڑے کیا	تَقَطَّعَ	کٹ کر ٹکڑے ٹکڑے ہوا -
قَدَّمَ	آگے بھیجا ، پیش کیا	تَقَدَّمَ	آگے آیا ، پیش ہوا -

(۲) کسی کام کا یکے بعد دیگرے تھوڑا تھوڑا ہونا یا کرنا - جیسے :-

تَجَرَّعَ (باب تَفَعُّل) گھونٹ گھونٹ پیا -

(۳) کسی کام کو کرنے اور اس کے فوائد سے متمتع ہونے کے لئے زور لگانا اور

جد و جہد کرنا - جیسے :-

تَعَلَّمَ (باب تَفَعُّل) اس نے (کوشش اور کاوش سے) علم حاصل کیا -

تَدَبَّرَ (باب تَفَعُّل) اس نے (سعی و محنت سے) غور کیا، پیچھا کیا -

(۴) کسی کام کو چھوڑنا اور اس سے دور ہونا - مثلاً :-

"ھُجُوْدٌ" کے معنی نیند اور سونا ہیں -

تَہَجَّدَ (باب تَفَعُّلٌ میں اس کے معنی ہوں گے) : اس نے سونا چھوڑا - یعنی جاگا -

(۵) باب تفعیل کے ہم معنی ہوتا ہے - جیسے :-

باب تَفْعِیْلٌ	معنے	باب تَفَعُّلٌ	معنے
فَكَّرَ	اس نے غور و فکر کیا -	تَفَكَّرَ	اس نے غور و فکر کیا -

اس باب کے مشتق افعال و اسماء کے مثالی اوزان

فعل ماضی		فعل مضارع		امر	نہی	اسم فاعل	اسم مفعول (و اسم ظرف)	مصدر
معروف	مجہول	معروف	مجہول					
تَدَبَّرَ	تُدُبِّرَ	يَتَدَبَّرُ	يُتَدَبَّرُ	تَدَبَّرْ	لَا تَتَدَبَّرْ	مُتَدَبِّرٌ	مُتَدَبَّرٌ	تَدَبُّرٌ

(۶) باب اِنْفِعَالٌ کے خواص

(اس باب سے مصدر اِنْفِعَالٌ کے وزن پر آئے گا - جیسے اِنْقِلَابٌ)

ثلاثی مجرد کو باب انفعال میں لے جانے سے مندرجہ ذیل فوائد پیدا ہوتے ہیں :-

(۱) ثلاثی مجرد کے جن افعال میں اثر اندازی اور زور لگا کر کرنے کا مفہوم پایا جاتا ہے، یہ باب ان افعال کا اثر قبول کرنے اور ویسا ہوجانے کے لئے استعمال ہوتا ہے،

نیز متعدی فعل کو لازم کر دیتا ہے - مثلاً :-

ثلاثی مجرد	معنے	ثلاثی مزید فیہ باب اِنْفِعَالٌ	معنی
قَلَبَ	پلٹا ، پھیرا ، الٹا	اِنْقَلَبَ	پلٹ گیا ، پھر گیا ، الٹ گیا -
فَلَقَ	پھاڑا	اِنْفَلَقَ	پھٹ گیا -

اس باب کے مشتق افعال و اسماء کے مثالی اوزان

فعل ماضی	فعل مضارع	امر	نہی	اسم فاعل	ظرف زمان و مکان	مصدر
اِنْقَلَبَ	یَنْقَلِبُ	اِنْقَلِبْ	لَا تَنْقَلِبْ	مُنْقَلِبٌ	مُنْقَلَبٌ	اِنْقِلَابٌ

نوٹ - یہ باب لازم ہی آتا ہے اور کسی لازم فعل سے نہ مجہول بنایا جاتا ہے نہ اسم مفعول -

۷ - باب اِفْتِعَالٌ کے خواص

(اس باب سے مصدر اِفْتِعَالٌ کے وزن پر آئے گا - مثلاً اِکْتِسَابٌ)

ثلاثی مجرد کو باب اِفْتِعَال میں لے جانے سے مندرجہ ذیل فوائد ملحوظ ہوتے ہیں -

(۱) ثلاثی مجرد فعل کا اثر قبول کرنا اور جو کام کیا جائے اس کا ہو جانا ، جیسے :

ثلاثی مجرد	معنے	ثلاثی مزید فیہ باب افتعال	معنے
جَمَعَ	جمع کیا ، اکٹھا کیا -	اِجْتَمَعَ	جمع ہو گیا ، اکٹھا ہوا -
هَدَى	راستہ بتایا ، رہنمائی کی -	اِهْتَدَى	راستہ پر لگا ، رہنمائی ہوئی ، راستہ معلوم ہوا -

(۲) کسی کام میں محنت کرنا اور انتہائی زور لگانا ، مثلاً :

ثلاثی مجرد	معنے	ثلاثی مزید فیہ باب افتعال	معنے
کَسَبَ	اس نے کمایا	اِکْتَسَبَ	اس نے محنت اور انتہائی زور لگا کر کمایا ۔
جَهَدَ	کوشش کی	اِجْتَهَدَ	پوری کوشش اور انتہائی زور لگایا ۔

(۳) اپنے جی سے کسی کام کو بنا لینا اور گھڑ لینا :- جیسے

ثلاثی مجرد	معنے	ثلاثی مزید فیہ باب افتعال	معنے
کَتَبَ	لکھا	اِکْتَتَبَ	اپنی طرف سے لکھ لیا ۔
خَلَقَ	بنایا	اِخْتَلَقَ	اپنے جی سے بنا لیا ، گھڑ لیا ، تراش لیا ۔

(۴) کسی کام کو چاھنا اور اسے طلب کرنا ۔ نیز کسی چیز کو پیش کرنا اور اظہار کرنا ۔ مثلاً :-

ثلاثی مجرد	معنی	ثلاثی مزید فیہ باب افتعال	معنی
عَذَرَ	اس نے معاف کیا ۔ عذر قبول کیا	اِعْتَذَرَ	اس نے معافی چاھی ۔ عذر پیش کیا ۔

(۵) باب تَفَاعُل کی طرح اس باب میں بھی باھمی اشتراک کا مفہوم پایا جاتا ہے - مثلاً :

ثلاثی مجرد	معنی	ثلاثی مزید فیہ باب افتعال	معنی
قَتَلَ	قتل کیا	اِقْتَتَلَ	باھم قتل کیا
سَبَقَ	آگے بڑھا	اِسْتَبَقَ	آپس میں ایک دوسرے سے سبقت کی -

اس باب کے مشتق اسماء و افعال کے مثالی اوزان

فعل ماضی		فعل مضارع		امر	نہی	اسم فاعل	اسم مفعول	مصدر
معلوم	مجہول	معلوم	مجہول					
اِشْتَمَلَ	اُشْتُمِلَ	يَشْتَمِلُ	يُشْتَمَلُ	اِشْتَمِلْ	لَا تَشْتَمِلْ	مُشْتَمِلٌ	مُشْتَمَلٌ	اِشْتِمَالٌ

(۸) باب اِسْتِفْعَالٌ کے خواص

ثلاثی مجرد کو باب "استفعال" میں منتقل کرنے سے مندرجہ ذیل فوائد مطلوب ہوتے ہیں :

(۱) کسی کام کو چاھنا، اسے طلب کرنا اور مانگنا - مثلاً :

ثلاثی مجرد	معنی	ثلاثی مزید فیہ باب استفعال	معنی
نَصَرَ	اس نے مدد کی	اِسْتَنْصَرَ	اس نے مدد چاھی، مدد مانگی
غَفَرَ	اسنے بچایا، محفوظ رکھا	اِسْتَغْفَرَ	اس نے حفاظت چاھی- بچاؤ کا طالب ھوا -

(۲) مفعول میں فعل کی صفت کو پانا یا سمجھنا۔ جیسے :

ثلاثی مجرد	معنی	ثلاثی مزید فیہ باب استفعال	معنی
ضَعُفَ	کمزور ہوا	اِسْتَضْعَفَہُ	اسے کمزور پایا، یا کمزور سمجھا۔

(۳) کسی کام کا اثر قبول کرنے اور اس کے ساتھ جیسا کیا جائے ویسا ہو جانے کے لئے بھی اس باب کو استعمال کیا جاتا ہے۔ جیسے :

اِسْتَجَابَ (باب استفعال) پکار کا جواب دیا، آواز کو قبول کیا۔

(۴) کبھی یہ باب ثلاثی مجرد کے ہم معنی ہوتا ہے۔ جیسے :

ثلاثی مجرد	معنی	ثلاثی مزید فیہ باب استفعال	معنی
قَرَّ	وہ ٹھہرا	اِسْتَقَرَّ	وہ ٹھہرا

اس باب کے مشتق افعال و اسماء کے مثالی اوزان

فعل ماضی معلوم	فعل ماضی مجہول	فعل مضارع معلوم	فعل مضارع مجہول	امر	نہی	اسم فاعل	اسم مفعول	مصدر
اِسْتَنْصَرَ	اُسْتُنْصِرَ	یَسْتَنْصِرُ	یُسْتَنْصَرُ	اِسْتَنْصِرْ	لَا تَسْتَنْصِرْ	مُسْتَنْصِرٌ	مُسْتَنْصَرٌ	اِسْتِنْصَارٌ

(۹) باب اِفْعِلَال کے خواص

(ابواب نمبر ۹ تا ۱۲ بہت کم استعمال ہوتے ہیں)

(۱) یہ باب کسی رنگ یا عیب کو بتانے کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ جیسے:

اسم	معنے	ثلاثی مزید فیہ باب افعلال	معنے
اَبْیَضُ	سفید	اِبْیَضَّ	سفید ہوا۔
اَسْوَدُ	کالا	اِسْوَدَّ	سیاہ ہوا۔

اس باب کے مشتق افعال و اسماء کے مثالی اوزان

فعل ماضی	فعل مضارع	امر	نہی	اسم فاعل	مصدر
اِبْیَضَّ	یَبْیَضُّ	اِبْیَضَّ	لَا تَبْیَضَّ	مُبْیَضٌّ	اِبْیِضَاضٌ

(۱۰) باب اِفْعِیْلَال کے خواص

باب اِفْعِیْلَال در اصل باب افعلال (نمبر ۹) کی ایک قسم ہے اس لئے اسی کے خواص رکھتا ہے۔ نیز حرف ”ی“ کے اضافہ کی وجہ سے معنی میں زور ومبالغہ پایا جاتا ہے۔ مثلاً:

اِدْھَامَّ (باب افعیلال) سخت سیاہ ہوا۔

اس باب کے مشتق افعال و اسماء کے مثالی اوزان

فعل ماضی	فعل مضارع	امر	نہی	اسم فاعل	مصدر
اِدْھَامَّ	یَدْھَامُّ	اِدْھَامَّ	لَا تَدْھَامَّ	مُدْھَامٌّ	اِدْھِیْمَامٌ

۱۱، ۱۲۔ باب اِفَّعَّلَ اور باب اِفَّاعَلَ کے خواص

یہ ابواب در اصل باب تَفَعَّلَ اور باب تَفَاعَلَ کی بدلی ہوئی شکلیں ہیں، اور انہی ابواب کے خواص اپنے اندر رکھتے ہیں ۔ مثالیں :

باب اِفَّعَّلَ	معنے	باب اِفَّاعَلَ	معنے
اِزَّمَّلَ	(۱) اس نے چادر اوڑھی ۔ (۲) اس نے ساتھی بنایا ۔	اِثَّاقَلَ	وہ بوجھل اور بھاری ہوا ۔
اِطَّهَّرَ	اس نے پاکی اختیار کی، پاک ہوا ۔	اِدَّارَكَ	ایک دوسرے کو ملا ۔ ایک نے دوسرے کو پایا ۔

رُباعی مجرّد اور مزید فیہ کے ابواب

جیسا کہ پہلے بتایا گیا ہے، ثلاثی وہ فعل ہے جس میں مادّہ یعنی اصلی حروف کی تعداد تین ہو۔ اس کی دو قسمیں ہوتی ہیں۔ (۱) مجرّد (۲) مزید فیہ ۔ "مجرد" وہ جس کی ماضی کی پہلی شکل میں صرف تین حروف ہوتے ہیں ۔ "مزید فیہ" وہ جس کی ماضی کی پہلی شکل میں تین سے زیادہ حروف ہوں لیکن بہر حال اصلی حروف تین ہی ہوں ۔ مثال کے طور پر "نَصَرَ" فعل ماضی کی پہلی شکل ہے۔ اس میں تین حروف ہیں ۔ یہ ثلاثی مجرّد ہے۔ لیکن "اِسْتَنْصَرَ" جو اگرچہ نَصَرَ میں ہی کچھ حرفوں کے اضافہ سے بنا ہے، ثلاثی مجرد نہیں بلکہ ثلاثی مزید فیہ ہے ۔

رُباعی
مجرّد ۔ مزید فیه

وہ فعل جس کی ماضی کی پہلی شکل میں چار حروف ہوں اور وہ چاروں اصلی ہوں اور ان میں کوئی بھی زائد نہ ہو فعل رباعی کہلاتا ہے ۔ اگر ماضی کی پہلی شکل میں صرف چار حرف ہوں تو وہ فعل رباعی مجرّد کہلائے گا' لیکن جب اصلی حروف تو چار ہی ہوں لیکن ماضی کی پہلی شکل میں چار سے زیادہ حروف ہوں تو اسے رباعی مزید فیہ کہینگے ۔

عربی میں عموماً ثلاثی افعال زیادہ استعمال ہوتے ہیں' رباعی کم استعمال ہوتے ہیں' اور اسی لئے رباعی کے ابواب بھی کم ہیں ۔ رباعی مجرد کا تو صرف ایک باب ہے ۔

(۱) باب فَعْلَلَةٌ

رباعی مجرد

وہ فعل جس کا مادہ (اصلی حروف) چار حرفوں پر مشتمل ہو اور ماضی کی پہلی شکل میں بھی صرف چار حرف ہوں' رباعی مجرد کہلاتا ہے ۔ اور اس کا ایک باب ہے ۔ یہ باب عموماً متعدی ہوتا ہے ۔ مثالیں :

وَسْوَسَ : اس نے خیال یا وسوسہ ڈالا۔

زَلْزَلَ : اس نے ہلایا ۔

اس باب کے مشتق افعال و اسماء کے مثالی اوزان

فعل ماضی		فعل مضارع		امر	نہی	اسم فاعل	اسم مفعول	مصدر
معلوم	مجہول	معلوم	مجہول					
زَلْزَلَ	زُلْزِلَ	يُزَلْزِلُ	يُزَلْزَلُ	زَلْزِلْ	لَا تُزَلْزِلْ	مُزَلْزِلٌ	مُزَلْزَلٌ	(۱) زَلْزَلَةٌ (۲) زِلْزَالٌ

نوٹ ۔ مصدر میں دوسرا وزن کم مستعمل ہے ۔

رباعی مزید فیه اور اس کے ابواب

جب فعل ماضی کی پہلی شکل میں اصلی چار حروف کے ساتھ ساتھ کچھ زائد حروف بھی ہوں تو وہ فعل "رُبَاعِی مَزِیْد فِیْہ" کہلاتا ہے۔ اس کے ابواب یہ ہیں۔

(۱) باب اِفْعِلَّالٌ

اس باب میں ماضی کی پہلی شکل اِطْمَأَنَّ ہے، یہ طَمْأَنَ سے بنی ہے۔ اِطْمَأَنَّ میں شروع کا الف اور آخر میں ن پر تشدید زیادہ ہے۔ اسی طرح اِقْشَعَرَّ اور اِشْمَأَزَّ۔

اس باب کے مشتق افعال و اسماء کے مثالی اوزان

مصدر	اسم فاعل	نہی	امر	فعل مضارع	فعل ماضی
اِطْمِئْنَانٌ	مُطْمَئِنٌّ	لَا تَطْمَئِنَّ	اِطْمَئِنَّ	يَطْمَئِنُّ	اِطْمَأَنَّ

(۲) باب تَفَعْلُلٌ

رباعی مزید کا ایک باب جو رباعی مجرد کے باب کا اثر قبول کرنے کے لئے استعمال ہوتا ہے، اس کی ماضی کی پہلی شکل تَفَعْلَلَ کے وزن پر آتی ہے۔ جیسے:

تَزَحْزَحَ ، تَزَلْزَلَ۔

اس باب کے مشتق افعال و اسماء کے مثالی اوزان

مصدر	اسم فاعل	نہی	امر	فعل مضارع	فعل ماضی
تَدَحْرُجٌ	مُتَدَحْرِجٌ	لَا تَتَدَحْرَجْ	تَدَحْرَجْ	يَتَدَحْرَجُ	تَدَحْرَجَ

امید ہے کہ عربی گرامر کے ان مختصر سے نکات سے (عربی نہ جاننے والے) قارئین اتنا سمجھ گئے ہونگے کہ عربی الفاظ کے مادے کیا ہوتے ہیں۔ ان مادوں سے الفاظ کی مختلف شکلیں کیسے بنتی ہیں اور ان شکلوں سے الفاظ کے معنوں میں کیا فرق پڑتا ہے۔ یہ معلومات نہ صرف زیر نظر لغت سے استفادہ میں بڑی مدد دینگی بلکہ عربی زبان کے سمجھنے میں بھی ممد و معاون ثابت ہونگی۔

آئندہ باب میں قارئین کے سامنے ایک فہرست آئیگی جس میں قرآن کریم کے تمام الفاظ ان کی اصلی شکل میں (یعنی جس شکل میں وہ قرآن میں آئے ہیں) دئے گئے ہیں اور ہر لفظ کے سامنے اس کا مادہ دیا گیا ہے تاکہ لغت سے الفاظ کے معنی معلوم کرنے مین دقت نہ ہو۔

لغات القرآن

باب دوم

جیسا که سابقه باب میں لکھا جا چکا ھے، عربی زبان کے ھر لفظ کا (بجز حروف کے) ایک ماده ھوتا ھے اور لغت میں وہ لفظ اپنے ماده کے تحت لکھا جاتا ھے۔ عربی جاننے والوں کے لئے تو یه معلوم کر لینا مشکل نہیں ھوتا که فلاں لفظ کا ماده کیا ھے، لکن جو لوگ عربی زبان سے واقف نہیں ان کے لئے الفاظ کے مادے معلوم کرنا مشکل (بلکه بعض اوقات ناممکن) ھوتا ھے۔ اور یه ظاھر ھے که جب کسی کو ایک لفظ کا ماده ھی معلوم نہیں ھوگا تو وہ اسے لغت میں تلاش کیسے کریگا؟ مثلاً ایک لفظ ھے "مُتَّقِیْنَ"۔ عربی نه جاننے والا اسے "م ت" کے نیچے تلاش کرے گا، اور اس کا ذھن کبھی اس طرف منتقل نہیں ھوگا که یه لفظ "و ق ی" کے تحت ملے گا جو اس کا ماده ھے۔ چونکه ھماری کوشش یه ھے که اس لغت کی مدد سے عربی نه

جاننے والے حضرات قرآنی مطالب کو براہ راست سمجھ سکیں اس لئے ان کی سہولت کے لئے قرآنی الفاظ کی ایک فہرست مرتب کر دی گئی ہے۔ اس فہرست میں قرآن کا ہر لفظ اسی شکل میں دیا گیا ہے جس میں وہ قرآن کے اندر موجود ہے اور اس کے سامنے وہ مادہ دیا گیا ہے جس کے تحت وہ لفظ لغت میں ملے گا۔ آپ قرآن کے جس لفظ کے معانی معلوم کرنا چاہیں، اسے فہرست میں، عام ڈکشنریوں کے قاعدے کے مطابق، تلاش کرلیں۔ پھر، اس کے سامنے جو مادہ دیا گیا ہو اسے زیر نظر لغت میں (ڈکشنری کے قاعدے کے مطابق) اس کے مقام میں دیکھ لیں۔ مطلوبہ لفظ اس مادہ کے تحت مل جائیگا۔

اس فہرست میں:

(۱) عام طور پر قرآنی الفاظ پر اعراب (زبر۔ زیر۔ پیش۔ جزم وغیرہ) نہیں دئے گئے۔ ایسا کیا جاتا تو فہرست (بلا ضرورت) طویل ہو جاتی۔ مثلاً اَسْتَغْفَرَ۔ اُسْتَغْفِرَ۔ اَسْتَغْفِرُ۔ اِسْتَغْفِرْ کو الگ الگ لکھنے کی بجائے، ایک ہی جگہ (استغفر کی شکل میں بلا اعراب) لکھ دیا گیا ہے اور اس کے سامنے اس کا مادہ (غ ف ر) دیدیا گیا ہے۔ البتہ جہاں اعراب کے بدل جانے سے مادہ بدل جاتا ہے وہاں الفاظ پر اعراب لگا دئے گئے ہیں۔ مثلاً صَفًّا کا مادہ (ص ف ف) ہے اور صَفَا کا مادہ (ص ف و)۔ ان پر اعراب دیدئے گئے ہیں۔

اسی طرح عربی میں، مختلف وجوہ کی بنا پر، اسم کے آخری حرف پر زبر (ـَ یا ـً) زیر (ـِ یا ـٍ) پیش (ـُ یا ـٌ) آتے ہیں۔ فہرست میں ایسے الفاظ کی بھی صرف ایک شکل دی گئی ہے۔ مثلاً قرآن میں کہیں عِلْمًا ہے۔ کہیں الْعِلْمَ، عِلْمٌ الْعِلْمُ، عِلْمٍ اور الْعِلْمِ۔ فہرست میں آپ کو صرف (عِلْم) ملے گا۔

(۲) عربی زبان میں بعض اوقات اصل لفظ سے پہلے (ال) یا (ف) وغیرہ کے حروف آجاتے ہیں۔ مثلاً اَلْبَيْتُ۔ یا فَذَكِّرْ۔ زیر نظر فہرست میں ایسے الفاظ اپنی اصل شکل میں ملینگے۔ یعنی (اَلْبَيْت) آپ کو (اَلْ) کے نیچے نہیں ملے گا بلکہ

بَیۡت کے مقام پر ملے گا۔ لیکن جہاں (اَلۡ) کسی لفظ کا جزو ہے تو وہ لفظ (اَلۡ) ہی کے تحت ملے گا۔ مثلاً (اَلۡوَاح)۔ ہمیں اس کا احساس ہے کہ عربی زبان نہ جاننے والوں کے لئے بعض اوقات یہ متعین کرنا بھی مشکل ہوگا کہ (اَلۡ) اس لفظ کا اصلی جزو ہے یا نہیں۔ لیکن اس دشواری کا اس کے سوا کوئی حل نہیں کہ ایسے الفاظ کو آپ (اَلۡ) کے تحت بھی دیکھ لیں اور (اَلۡ) کے بغیر اصل لفظ کے تحت بھی۔

اسی طرح عربی میں متعدد حروف، اسم اور فعل سے پہلے، اور مختلف ضمیریں اسم اور فعل کے بعد، اس طرح ملا کر لکھدی جاتی ہیں کہ عربی نہ جاننے والوں کے لئے انہیں الگ الگ کر کے الفاظ کی اصلی شکلیں جاننا مشکل ہو جاتا ہے۔ مثلاً أَفَتُمَارُوۡنَهُ مجموعہ ہے أَ+فَ+تُمَارُوۡنَ+هُ کا۔ اور فَقَنَا مجموعہ ہے فَ+ق+نَا، کا۔ اور فَأَلۡهَمَهَا مجموعہ ہے ف+أَلۡهَمَ+هَا کا۔ اور أَلۡهٰكُمۡ مجموعہ ہے أَلۡهٰى+كُمۡ کا۔ لہٰذا ان میں سے جس لفظ (یا حرف) کے معنی دیکھنے مقصود ہوں اسے الگ کر کے لغت میں دیکھئے۔

(۳) بعض اوقات لفظ کے مادہ میں بھی تھوڑی سی دقت پیش آجاتی ہے۔ ایسا ان مادوں میں ہوتا ہے جن میں (ی) یا (و) آئے۔ مثلاً (تَـرَاقی) کا مادہ (رق ی) بھی ہو سکتا ہے اور (ر ق و) بھی۔ ایسے الفاظ کی صورت میں فہرست میں دونوں مادے دیدئے گئے ہیں۔ لیکن اگر کسی جگہ ایسا نہ کیا جا سکا ہو تو ان مادوں کو (ی) میں بھی دیکھ لینا چاہئے اور (و) میں بھی۔

(۴) فہرست میں حروف مقطعات مثلاً الٓرٰ۔ کٓھٰیٰعٓصٓ۔ وغیرہ نہیں دئے گئے۔

آخر میں اتنا واضح کر دینا بھی ضروری ہے کہ اگرچہ کوشش کی گئی ہے کہ یہ فہرست ہر لحاظ سے مکمل ہو لیکن اس کے باوجود ہو سکتا ہے کہ اس میں بعض قرآنی الفاظ نہ آسکے ہوں یا کوئی اور غلطی رہ گئی ہو۔ قارئین سے درخواست ہے کہ اگر انہیں کہیں اس قسم کا سہو یا غلطی نظر آئے تو اس سے مطلع فرمائیں تاکہ آئندہ اس کی تصحیح کر دی جائے۔

اب فہرست الفاظ ملاحظہ فرمائیے۔ ہر صفحہ پر تین خانے ہیں۔ اور ہر خانے میں "لفظ" کے نیچے قرآنی الفاظ ہیں اور "مادہ" کے نیچے وہ مقام جہاں وہ الفاظ لغت میں ملیں گے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

قرآنی الفاظ کی فہرست

لفظ	مادہ	لفظ	مادہ	لفظ	مادہ
اَ	أ	آخذین	ا خ ذ	آسفوا	ا س ف
آباء	ا ب و	آخر	ا خ ر	آسن	ا س ن
آت	ا ت ی	آخران	,,	آصال	ا ص ل
آتی	,,	آخرة	,,	آفاق	ا ف ق
آتوا	,,	آخرون	,,	آفلین	ا ف ل
آتی	,,	آخرین	,,	آکلون	ا ک ل
آتیت	,,	آدم	ا د م	آل	ا و ل
آتیة	,,	آذان	ا ذ ن	آلاء	ا ل و (الی)
آتیتم	,,	آذن	,,	آلآن	أ+ا و ن
آتیتموا	,,	آذنا	,,	آلاف	ا ل ف
آتین	,,	آذنت	,,	آلھة	ا ل ہ
آتینا	,,	آذوا	ا ذ ی	آمر	ا م ر
آثار	ا ث ر	آذیتمو	,,	آمرون	,,
آثر	,,	آزر	ا ز ر	آمن	ا م ن
آثم	ا ث م	آزفة	ا ز ف	آمنا	,,
آثمین	,,	آسی	ا س و	آمنت	,,

لفظ	ماده
آمنة	ا م ن
آمنتم	,,
آمنوا	,,
آمنون	,,
آمنين	,,
آمين	ا م م
آنٍ	ا و ن
آن	ا ن ی
آناءَ	,,
آنس	ن س
آنستم	,,
آنف	ا ن ف
آنية	ا ن ی
آوى	ا و ی
آووا	,,
آوى	,,
آوينا	,,
آيات	ا ی ی
آية	,,
آيتين	,,
ائت	ا ت ی
ائتمروا	ا م ر
ائتمن	ا م ن
ائتوا	ا ت ی

لفظ	ماده
ائتيا	ا ت ی
ائذن	ا ذ ن
ائذنوا	,,
ائمة	ا م م
اءمر	ا م ر
اَبٌ	ا ب و
اَبٌّ	ا ب ب
ابى	ا ب ی
ابابيل	ا ب ل
اباريق	ب ر ق
ابت	ا ب و
ابتدعوا	ب د ع
ابتر	ب ت ر
ابتغ	ب غ ی
ابتغى	,,
ابتغاء	,,
ابتغوا	,,
ابتغي	,,
ابتغيت	,,
ابتلى	ب ل و
ابتلوا	,,
ابحر	ب ح ر
ابدا	ا ب د
ابدل	ب د ل

لفظ	ماده
ابرئ	ب ر أ
ابرار	ب ر ر
ابراهيم	ابراهيم
ابرح	ب ر ح
ابرص	ب ر ص
ابرموا	ب ر م
ابسلوا	ب س ل
ابشروا	ب ش ر
ابصار	ب ص ر
ابصر	,,
ابصرنا	,,
ابعث	ب ع ث
ابعثوا	,,
ابغي	ب غ ی
ابق	ا ب ق
ابقى	ب ق ی
ابكى	ب ک ی
ابكار	ب ک ر
ابكم	ب ک م
ابل	ا ب ل
ابلعي	ب ل ع
ابلغ	ب ل غ
ابلغت	,,
ابلغوا	,,

لفظ	ماده
ابلیس	ب ل س
ابن	ب ن ی
ابنَ	ب ن و(بنی)
ابن السبیل	ب ن و+س ب ل
ابناء	ب ن و(بنی)
ابنة	,,
ابنتی	,,
ابنوا	ب ن ی
ابنی	ب ن و
ابو	ا ب و
ابوا	ا ب ی
ابواب	ب و ب
ابوین	ا ب و
ابی	,,
ابی لهب	اب و+ل ه ب
ابیض	ب ی ض
ابیضت	,,
ابین	ا ب ی
اُبین	ب ی ن
اتی	ا ت ی
اتباع	ت ب ع
اتبع	,,
اتبعت	,,
اتبعتم	ت ب ع
اتبعنا	,,
اتبعوا	,,
اتت	ا ت ی
اتخاذ	ا خ ذ
اتخذ	,,
اتخذت	,,
اتخذتم	,,
اتخذتموا	,,
اتخذنا	,,
اتخذوا	,,
اتخذی	,,
اتراب	ت ر ب
اترفتم	ت ر ف
اترفنا	,,
اترفوا	,,
اترك	ت ر ك
اتسق	و س ق
اتق	و ق ی
اتقی	,,
اتقن	ت ق ن
اتقوا	و ق ی
اتقیتن	,,
اتقین	,,
اتل	ت ل و
اتلوا	,,
اتم	ت م م
اتمم	,,
اتممت	,,
اتممنا	,,
اتموا	,,
اتوا	ا ت ی
اتوب	ت و ب
اتوکأ	و ک أ
اتیا	ا ت ی
اتیت	,,
اتین	,,
اتینا	,,
اثاب	ث و ب
اثاث	ا ث ث
اثارة	ا ث ر
اثاروا	ث و ر
اثاقلتم	ث ق ل
اثبتوا	ث ب ت
اثخنتموا	ث خ ن
اثر	ا ث ر
اثرن	ث و ر
اثقال	ث ق ل

لفظ	مادہ
اثقلت	ث ق ل
اثل	ا ث ل
اثم	ا ث م
اثمر	ث م ر
اثنان	ث ن ی
اثنتین	,,
اثیم	ا ث م
اجاء	ج ی ء
اجاج	ا ج ج
اجتبی	ج ب ی
اجبتم	ج و ب
اجتبیت	ج ب ی
اجتبینا	,,
اجتثت	ج ث ث
اجترحوا	ج ر ح
اجتمعت	ج م ع
اجتمعوا	,,
اجتنبوا	ج ن ب
اجد	و ج د
اجداث	ج د ث
اجدر	ج د ر
اَجر	ا ج ر
اَجر	ج و ر
اجرام	ج ر م

لفظ	مادہ
اجرمنا	ج ر م
اجرموا	,,
اجسام	ج س م
اجعل	ج ع ل
اجعلوا	,,
اجل	ا ج ل
اجلب	ج ل ب
اجلت	ا ج ل
اجلدوا	ج ل د
اجلین	ا ج ل
اجمعوا	ج م ع
اجمعون	,,
اجمعین	,,
اجنب	ج ن ب
اجنة	ج ن ن
اجنح	ج ن ح
اجنحة	,,
اجور	ا ج ر
اجیب	ج و ب
اجیبت	,,
اجیبوا	,,
احادیث	ح د ث
احاط	ح و ط
احاطت	,,

لفظ	مادہ
احب	ح ب ب
احباء	,,
احبار	ح ب ر
احببت	ح ب ب
احبط	ح ب ط
احترقت	ح ر ق
احتمل	ح م ل
احتملوا	,,
احتنکن	ح ن ک
احد	ا ح د
احدی	,,
احدث	ح د ث
احذر	ح ذ ر
احذروا	,,
احرص	ح ر ص
احزاب	ح ز ب
احس	ح س س
احسان	ح س ن
احسن	,,
احسنتم	,,
احسنوا	,,
احسوا	ح س س
احشروا	ح ش ر
احصی	ح ص ی

لفظ	مادہ	لفظ	مادہ	لفظ	مادہ
احصرتم	حِ ص ر	احمی	ح م ی	اختین	ا خ و
احصروا	,,	احیي	ح ی ی	اخدانَ	خ د ن
احصن	ح ص ن	احیاء	,,	اخدود	خ د د
احصنت	ح ص ن	احیط	ح و ط	اخذ	ا خ ذ
احصوا	ح ص ی	احوی	ح و و	اخذة	ا خ ذ
احصینا	,,	احیي	ح ی ی	اخذت	,,
احضرت	ح ض ر	احییت	,,	اخذتم	,,
احطت	ح و ط	احیینا	,,	اخذن	,,
احطنا	,,	اخ	ا خ و	اخذنا	,,
احفظوا	ح ف ظ	اخاف	خ و ف	اخذوا	,,
احق	ح ق ق	اخالف	خ ل ف	اخر	ا خ ر
احقاب	ح ق ب	اخبار	خ ب ر	اخری	,,
احقاف	ح ق ف	اخبتوا	خ ب ت	اخراج	خ ر ج
احکم	ح ک م	اخت	ا خ و	اخرت	ا خ ر
احکمت	,,	اختار	خ ی ر	اخرج	خ ر ج
احل	ح ل ل	اخترت	,,	اخرجت	,,
احلام	ح ل م	اخترنا	,,	اخرجتم	,,
احلت	ح ل ل	اختصموا	خ ص م	اخرجنا	,,
احلل	,,	اختلاف	خ ل ف	اخرجوا	,,
احللنا	,,	اختلاق	خ ل ق	اخرنا	ا خ ر
احلوا	,,	اختلط	خ ل ط	اخزی	خ ز ی
احمال	ح م ل	اختلف	خ ل ف	اخزیت	,,
احمد	ح م د	اختلفتم	,,	اخسئوا	خ س أ
احمل	ح م ل	اختلفوا	,,	اخسرون	خ س ر

لفظ	ماده
اخشوا	خ ش ی
اخضر	خ ض ر
اخطأتم	خ ط أ
اخطانا	خ ط أ
اخفی	خ ف ی
اخفض	خ ف ض
اخفي	خ ف ی
اخفیتم	,,
اخلاء	خ ل ل
اخلاص	خ ل ص
اخلد	خ ل د
اخلصنا	خ ل ص
اخلصوا	,,
اخلع	خ ل ع
اخلف	خ ل ف
اخلفت	,,
اخلفتم	,,
اخلفنا	,,
اخلفوا	,,
اخلق	خ ل ق
اخن	خ و ن
اخوات	ا خ و
اخوال	خ و ل
اخوان	ا خ و
اخوة	ا خ و
اخيار	خ ی ر
اخيه	ا خ و
اد	ا د د
ادآء	ا د ی
ادارأتم	د ر أ
ادارك	د ر ك
اداركوا	د ر ك
ادبار	د ب ر
ادبر	,,
ادخل	د خ ل
ادخلا	,,
ادخلنا	,,
ادخلوا	,,
ادخلي	,,
ادری	د ر ی
ادرءوا	د ر أ
ادرك	د ر ك
ادري	د ر ی
ادریس	ادریس
ادع	د ع و
ادعوا	,,
ادعياء	,,
ادفع	د ف ع
ادفعوا	د ف ع
ادکر	ذ ک ر
ادل	د ل ل
ادلٰی	د ل و
ادنی	د ن و
ادوا	ا د ی
ادھی	د ه ی
اذْ	ا ذ
اذًا	ا ذ ن
اذَا	ا ذ ا
اذاعوا	ذ ی ع
اذاق	ذ و ق
اذان	ا ذ ن
اذبح	ذ ب ح
اذکر	ذ ک ر
اذکروا	,,
اذقان	ذ ق ن
اذقنا	ذ و ق
اذل	ذ ل ل
اذلة	,,
اذلین	,,
اذن	ا ذ ن
اذنت	,,

لفظ	مادہ	لفظ	مادہ	لفظ	مادہ
اذنین	ا ذ ن	ارتدوا	ر د د	ارسل	ر س ل
اذہب	ذ ہ ب	ارتضی	ر ض ی	ارسلت	,,
اذہبا	,,	ارتقب	ر ق ب	ارسلتم	,,
اذہبتم	,,	ارتقبوا	,,	ارسلنا	ر س ل
اذہبوا	,,	ارجاء	ر ج و	ارسلوا	,,
اذی	ا ذ ی	ارجع	ر ج ع	ارصاد	ر ص د
ار	ر أ ی	ارجعوا	,,	ارض	ا ر ض
ارائک	ا ر ک	ارجعي	,,	ارضعت	ر ض ع
اراد	ر و د	ارجل	ر ج ل	ارضعن	,,
ارادا	,,	ارجم	ر ج م	ارضعي	,,
ارادوا	,,	ارجوا	ر ج و	ارعوا	ر ع ی
اراذل	ر ذ ل	ارجه	,,	ارغب	ر غ ب
اربی	ر ب و	ارحام	ر ح م	ارکب	ر ک ب
ارباب	ر ب ب	ارحم	,,	ارکبوا	,,
اربة	ا ر ب	اردی	ر د ی	ارکس	ر ک س
اربع	ر ب ع	اردت	ر و د	ارکسوا	,,
اربعه	,,	اردتم	,,	ارکض	ر ک ض
اربعین	,,	اردن	,,	ارکعوا	ر ک ع
ارتاب	ر ی ب	اردنا	,,	ارکعی	,,
ارتابت	,,	ارذل	ر ذ ل	ارم	ا ر م
ارتابوا	,,	ارذلون	,,	اروا	ر أ ی
ارتبتم	,,	ارزق	ر ز ق	ارہبوا	ر ہ ب
ارتد	ر د د	ارزقوا	,,	ارہق	ر ہ ق
ارتدا	,,	ارسی	ر س و	اری	ر أ ی

لفظ	ماده
ارید	ر و د
ارینا	ر أ ی
از	ا ز ز
ازاغ	ز ی غ
ازدادو	ز ی د
ازدجر	ز ج ر
ازر	ا ز ر
ازفت	ا ز ف
ازکی	ز ک و
ازل	ز ل ل
ازلام	ز ل م
ازلفت	ز ل ف
ازلفنا	,,
ازواج	ز و ج
ازید	ز ی د
ازین	ز ی ن
ازینت	,,
اساء	س و ء
اسأتم	,,
اساء وا	,,
اساری	ا س ر
اساطیر	س ط ر
اسأل	س أ ل
اسألوا	,,
اساور	س و ر
اسباب	س ب ب
اسباط	س ب ط
اسبغ	س ب غ
استاجر	ا ج ر
استاجرت	,,
استاذن	ا ذ ن
استاذنوا	,,
استبدال	ب د ل
استبرق	استبرق
استبشروا	ب ش ر
استبقا	س ب ق
استبقوا	,,
استجاب	ج و ب
استجابوا	,,
استجار	ج و ر
استجب	ج و ب
استجبتم	,,
استجیب	,,
استجیبوا	,,
استحبوا	ح ب ب
استحفظوا	ح ف ظ
استحق	ح ق ق
استحقا	,,
استحوذ	ح و ذ
استحیاء	ح ی ی
استحیوا	,,
استحیي	ح ی ی
استخرج	خ ر ج
استخف	خ ف ف
استخلص	خ ل ص
استخلف	خ ل ف
استرق	س ر ق
استرهبوا	ر ه ب
استزل	ز ل ل
استسقی	س ق ی
استشهدوا	ش ه د
استضعفوا	ض ع ف
استطاع	ط و ع
استطاعوا	,,
استطعت	,,
استطعتم	,,
استطعما	ط ع م
استطعنا	ط و ع
استعجال	ع ج ل
استعجلتم	,,
استعذ	ع و ذ
استعصم	ع ص م

لفظ	ماده	لفظ	ماده	لفظ	ماده
استعلی	ع ل و	استکبرتم	ک ب ر	استیقنت	ی ق ن
استعمر	ع م ر	استکبروا	,,	اسجد	س ج د
استعینوا	ع و ن	استکثرت	ک ث ر	اسجدوا	,,
استغاث	غ و ث	استکثرتم	,,	اسجدی	,,
استغشوا	غ ش ی	استمتعتم	م ت ع	اسحار	س ح ر
استغفار	غ ف ر	استمتعوا	,,	اسحق	اسحق
استغفر	,,	استمسك	م س ك	اسخط	س خ ط
استغفرت	,,	استمع	س م ع	أسر	ا س ر
استغفروا	,,	استمعوا	,,	أسر	س ر ی
استغفری	,,	استنصر	ن ص ر	أسرّ	س ر ر
استغلظ	غ ل ظ	استمتع	م ت ع	أسری (فعل)	س ر ی
استغنی	غ ن ی	استنصروا	ن ص ر	أسری (اسم)	ا س ر
استفت	ف ت ی	استنکفوا	ن ک ف	اسرائیل	اسرائیل
استفتحوا	ف ت ح	استوی	س و ی	اسرار	س ر ر
استفزز	ف ز ز	استوت	,,	اسراف	س ر ف
استقاموا	,,	استوقد	و ق د	اسرح	س ر ح
استقر	ق ر ر	استویت	س و ی	اسررت	س ر ر
استقم	ق و م	استویتم	,,	اسرع	س ر ع
استقیما	,,	استهزئ	ه ز أ	اسرف	س ر ف
استقیموا	,,	استهزءوا	,,	اسرفوا	,,
استکانوا	ک و ن	استهوت	ه و ی	اسروا	س ر ر
استکبار	ک ب ر	استیأس	ی أ س	اسس	ا س س
استکبر	,,	استیأسوا	,,	استطاعوا	ط و ع
استکبرت	,,	استیسر	ی س ر	اسعوا	س ع ی

لفظ	ماده
اسفا	ا س ف
اسفی	,,
اسفار	س ف ر
اسفر	,,
اسفل	س ف ل
اسفلین	,,
اسقط	س ق ط
اسقي	س ق ی
اسقینا	,,
اسکن	س ک ن
اسکنا	,,
اسکنت	,,
اسکنوا	,,
اسلام	س ل م
اسلحة	س ل ح
اسلفت	س ل ف
اسلفتم	,,
اسلك	س ل ك
اسلکوا	,,
اسلکي	,,
اسلم	س ل م
اسلما	,,
اسلمت	,,
اسلمتم	,,

لفظ	ماده
اسلمنا	س ل م
اسلموا	,,
اسلنا	س ی ل
اسم	س م و
اسماء	,,
اسمع	س م ع
اسمعوا	,,
اسمعیل	اسمعیل
اسوأ	س و ء
اسواق	س و ق
اسوة	ا س و
اسود	س و د
اسودت	,,
اسورة	س و ر
اسیر	ا س ر
اشاء	ش ی ء
اشارت	ش و ر
اشتات	ش ت ت
اشتدت	ش د د
اشتری	ش ر ی
اشتروا	,,
اشتعل	ش ع ل
اشتملت	ش م ل
اشتهت	ش ه و

لفظ	ماده
اشحة	ش ح ح
اشد	ش د د
اشداء	,,
اشدد	,,
اشر	ا ش ر
اشرار	ش ر ر
اشراط	ش ر ط
اشراق	ش ر ق
اشربوا	ش ر ب
اشربي	,,
اشرح	ش ر ح
اشرقت	ش ر ق
اشرك	ش ر ك
اشرکت	,,
اشرکتم	,,
اشرکتموا	,,
اشرکنا	,,
اشرکوا	,,
اشعار	ش ع ر
اشفقتم	ش ف ق
اشفقن	,,
اشق	ش ق ق
اشقی	ش ق ی
اشکر	ش ک ر

لفظ	مادہ
اشکروا	ش ک ر
اشکوا	ش ک و
اشمأزت	ش م ز
اشهاد	ش ه د
اشهد	,,
اشهدت	,,
اشهدوا	,,
اشهر	ش ه ر
اشیاء	ش ی ء
اشیاع	ش ی ع
اصاب	ص و ب
اصابت	,,
اصابع	ص ب ع
اصب	ص ب و
اصباح	ص ب ح
اصبتم	ص و ب
اصبح	ص ب ح
اصبحت	,,
اصبحتم	,,
اصبحوا	,,
اصبر	ص ب ر
اصبروا	,,
اصبنا	ص و ب
اصحاب	ص ح ب

لفظ	مادہ
اصحاب الیمین	ص ح ب ی م ن
اصحاب الفیل	ص ح ب ف ی ل
اصحاب الکهف	ص ح ب ک ه ف
اصدع	ص د ع
اصدق	ص د ق
اصر	ا ص ر
اصرف	ص ر ف
اصروا	ص ر ر
اصطادوا	ص ی د
اصطبر	ص ب ر
اصطفی	ص ف و
اصطفیت	,,
اصطفینا	,,
اصطنعت	ص ن ع
اصغر	ص غ ر
اصفی	ص ف و
اصفاد	ص ف د
اصفح	ص ف ح
اصفحوا	,,
اصل	ا ص ل
اصلاب	ص ل ب
اصلاح	ص ل ح

لفظ	مادہ
اصلب	ص ل ب
اصلح	ص ل ح
اصلحا	,,
اصلحنا	,,
اصلوا	ص ل ی
اصلی	,,
اصم	ص م م
اصنام	ص ن م
اصنع	ص ن ع
اصوات	ص و ت
اصواف	ص و ف
اصول	ا ص ل
اصیب	ص و ب
اصیل	ا ص ل
اضاء	ض و ء
اضاءت	,,
اضاعوا	ض ی ع
اضحك	ض ح ك
اضرب	ض ر ب
اضربوا	,,
اضطر	ض ر ر
اضطررتم	,,
اضعاف	ض ع ف
اضعف	,,

لفظ	ماده
اضغاث	ض غ ث
اضغاث }	ض غ ث
احلام }	ح ل م
اضغان	ض غ ن
اضل	ض ل ل
اضلا	,,
اضللتم	,,
اضلان	,,
اضلوا	,,
اضمم	ض م م
اضیع	ض ی ع
اطاع	ط و ع
اطاعوا	,,
اطراف	ط ر ف
اطرحوا	ط ر ح
اطعام	ط ع م
اطعتم	ط و ع
اطعتموا	,,
اطعم	ط ع م
اطعموا	,,
اطعن	ط و ع
اطعنا	,,
اطغی	ط غ ی
اطغیت	,,

لفظ	ماده
اطفا	ط ف أ
اطفال	ط ف ل
اطلع	ط ل ع
اطلعت	,,
اطمان	ط م ن (طمأن)
اطماننتم	,,
اطمانوا	,,
اطمس	ط م س
اطمع	ط م ع
اطوار	ط و ر
اطهر	ط ه ر
اطهروا	,,
اطیرنا	ط ی ر
اطیروا	,,
اطیعوا	ط و ع
اظفر	ظ ف ر
اظلم	ظ ل م
اظن	ظ ن ن
اظهر	ظ ه ر
اعادة	ع و د
اعان	ع و ن
اعبد	ع ب د
اعبدوا	,,
اعتبروا	ع ب ر

لفظ	ماده
اعتدی	ع د و
اعتدت	,,
اعتدنا	,,
اعتدوا	,,
اعتدینا	,,
اعتری	ع ر ی
اعترفنا	ع ر ف
اعترفوا	,,
اعتزل	ع ز ل
اعتزلتموا	,,
اعتزلوا	,,
اعتصموا	ع ص م
اعتلوا	ع ت ل
اعتمر	ع م ر
اعثرنا	ع ث ر
اعجاز	ع ج ز
اعجب	ع ج ب
اعجبت	,,
اعجل	ع ج ل
اعجمی	ع ج م
اعجمین	,,
اعد	ع د د
اعداء	ع د و
اعدت	ع د د

لفظ	ماده	لفظ	ماده	لفظ	ماده
اعدل	ع د ل	اعقاب	ع ق ب	اغترف	غ ر ف
اعدلوا	,,	اعقب	,,	اغدوا	غ د و
اعدوا	ع د د	اعلی	ع ل و	اغرقنا	غ ر ق
اعذب	ع ذ ب	اعلام	ع ل م	اغرقوا	,,
اعراب	ع ر ب	اعلم	,,	اغرینا	غ ر و
اعراض	ع ر ض	اعلموا	,,	اغسلوا	غ س ل
اعراف	ع ر ف	اعلنت	ع ل ن	اغشیت	غ ش ی
اعرج	ع ر ج	اعلنتم	,,	اغشینا	,,
اعرض	ع ر ض	اعلون	ع ل و	اغضض	غ ض ض
اعرضتم	,,	اعمی	ع م ی	اغطش	غ ط ش
اعرضوا	,,	اعمال	ع م ل	اغفر	غ ف ر
اعز	ع ز ز	اعمام	ع م م	اغفلنا	غ ف ل
اعزة	,,	اعمل	ع م ل	اغلال	غ ل ل
اعصار	ع ص ر	اعملوا	,,	اغلب	غ ل ب
اعصر	ع ص ر	اعناب	ع ن ب	اغلظ	غ ل ظ
اعصي	ع ص ی	اعناق	ع ن ق	اغنی	غ ن ی
اعط	ع ط و	اعنت	ع ن ت	اغنت	,,
اعطی	,,	اعوذ	ع و ذ	اغنیاء	,,
اعطوا	,,	اعهد	ع ه د	اغوی	غ و ی
اعطینا	,,	اعیب	ع ی ب	اغویت	,,
اعظ	و ع ظ	اعیدوا	ع و د	اغوینا	,,
اعظم	ع ظ م	اعیذ	ع و ذ	اف	ا ف ف
اعف	ع ف و	اعین	ع ی ن	افاء	ف ی أ
اعفوا	,,	اعینوا	ع و ن	افاض	ف ی ض

لفظ	ماده
افاق	ف و ق
افاك	أ ف ك
افئدة	ف أ د
افت	ف ت ی
افتح	ف ت ح
افتدی	ف د ی
افتدت	,,
افتدوا	,,
افتراء	ف ر ی
افتری	,,
افتریت	,,
افترینا	,,
افتوا	ف ت ی
افرغ	ف ر غ
افرق	ف ر ق
افسحوا	ف س ح
افسدوا	ف س د
افصح	ف ص ح
افضی	ف ض و
افضتم	ف ی ض
افعل	ف ع ل
افعلوا	,,
افق	ا ف ق
افاك	ا ف ك

لفظ	ماده
افل	ا ف ل
افلت	,,
افلح	ف ل ح
افنان	ف ن ن
افواج	ف و ج
افواه	ف و ه
افوز	ف و ز
افوض	ف و ض
افیضوا	ف ی ض
اقام	ق و م
اقاموا	,,
اقاویل	ق و ل
اقبر	ق ب ر
اقبل	ق ب ل
اقبلت	,,
اقبلنا	,,
اقبلوا	,,
اقتت	و ق ت
اقتتل	ق ت ل
اقتتلوا	,,
اقتحم	ق ح م
اقتد	ق د و
اقترب	ق ر ب
اقتربت	,,

لفظ	ماده
اقترفتموا	ق ر ف
اقتل	ق ت ل
اقتلوا	,,
اقدام	ق د م
اقدمون	,,
اقذفی	ق ذ ف
اقرأ	ق و أ
اقرءوا	,,
اقرب	ق ر ب
اقربون	,,
اقررتم	ق ر ر
اقررنا	,,
اقرضتم	ق ر ض
اقرضوا	,,
اقسط	ق س ط
اقسطوا	,,
اقسم	ق س م
اقسمتم	,,
اقسموا	,,
اقصی	ق ص و
اقصد	ق ص د
اقصص	ق ص ص
اقض	ق ض ی
اقضوا	,,

لفظ	ماده
اقطار	ق ط ر
اقطع	ق ط ع
اقطعوا	,,
اقعد	ق ع د
اقعدوا	,,
اقفال	ق ف ل
اَقُلْ	ق و ل
اَقَلَّ	ق ل ل
اقلام	ق ل م
اقلت	ق ل ل
اقلعي	ق ل ع
اقم	ق و م
اقمت	,,
اقمتم	,,
اقمن	,,
اقنى	ق ن ی
اقنتي	ق ن ت
اقوات	ق و ت
اقول	ق و ل
اقوم	ق و م
اقيموا	,,
الك	ک و ن
اكابر	ک ب ر
اكاد	ک و د
اكالون	ا ک ل
اكبر	ک ب ر
اكبرن	,,
اكتالوا	ک ی ل
اكتب	ک ت ب
اكتبوا	,,
اكتتب	,,
اكتسب	ک س ب
اكتسبت	,,
اكتسبن	,,
اكتسبوا	,,
اكثر	ک ث ر
اكثرت	,,
اكثروا	,,
اكدى	ک د ی
اكرام	ک ر م
اكراه	ک ر ه
اكرم	ک ر م
اكرمن	,,
اكرمي	,,
اكره	ک ر ه
اكرهت	,,
اكسوا	ک س و
اكشف	ک ش ف
اكفر	ک ف ر
اكفرن	,,
اكفروا	,,
اكفل	ک ف ل
اكل	ا ک ل
اكلا	,,
اكلم	ک ل م
اكلوا	ا ک ل
اكمام	ک م م
اكملت	ک م ل
اكمه	ک م ه
اكن	ک و ن
اكنان	ک ن ن
اكنة	,,
اكنتم	,,
اكواب	ک و ب
اكون	ک و ن
اكيد	ک ی د
اَلْ	ا ل
اِلٌّ	ا ل ل
اَلَّا	الَّا
اَلَّا	اَلَّا
اَلَا	اَلَا-اَ+لا

لفظ	ماده
الی	الی
الآن	ا و ن
الٰہ	ا ل ہ
اللہ	,,
الٰہین	,,
لباب	ل ب ب
التفت	ل ف ف
التقی	ل ق ی
التقتا	,,
التقط	ل ق ط
التقم	ل ق م
التقیتم	ل ق ی
التمسوا	ل م س
التنا	و ل ت
التي	الذی
الحاد	ل ح د
الحاف	ل ح ف
الحق	ل ح ق
الحقتم	,,
الحقنا	,,
اَلَدُّ	ل د د
اَلِدُ	و ل د
اللذان	الذی

لفظ	ماده
الذی	الذی
الذین	,,
الزم	ل ز م
الزمنا	,,
السنة	ل س ن
العن	ل ع ن
الغوا	ل غ و
الف	ا ل ف
الفاف	ل ف ف
الفت	ا ل ف
الفوا	ل ف ی
الفیا	,,
الفین	ا ل ف
الفینا	ل ف ی
الق	ل ق ی
القی	,,
القاب	ل ق ب
القت	ل ق ی
القوا	,,
القي	,,
القیا	,,
القیت	,,
القینا	,,
اللائی	الذی

لفظ	ماده
اللاتی	الذی
اللہ	ا ل ہ
اللّٰھُمَّ	,,
الواح	ل و ح
الوان	ل و ن
الوف	ا ل ف
الھی	ل ھ و
الھم	ل ھ و
اَلَّ	الی+ی
اِلیاس	الیاس
الیاسین	الیاس
الیسع	الیسع
الیم	ا ل م
اَمْ	اَمْ
اُمّ	ا م م
اِمّا	اِمّا
اَمّا	اَمّا
اماء	ا م و
امات	م و ت
امارة	ا م ر
امام	ا م م
امانة	ا م ن
امانات	,,

لفظ	ماده
امانی	م ن ی
أمت	ا م ت
أمت	م و ت
أمة	ا م و
أمة	ا م م
امتازوا	م ی ز
امتحن	م ح ن
امتحنوا	,,
امتع	م ت ع
امتعة	,,
امتلئت	م ل أ
امثال	م ث ل
امثل	,,
أمد	ا م د
أمد	م د د
امددنا	,,
أمر	ا م ر
أمر	م ر ر
أمر	ا م ر
امرؤ	م ر أ
امراة	,,
امرءتان	,,
امرت	ا م ر
امرنا	,,

لفظ	ماده
امروا	ا م ر
امس	ا م س
امساك	م س ك
امسحوا	م س ح
امسك	م س ك
امسكتم	,,
امسكن	,,
امسكوا	,,
امشاج	مشج
امشوا	م ش ی
امضوا	م ض ی
امطر	م ط ر
امطرت	,,
امطرنا	,,
امعاء	م ع ی
امكثوا	م ک ث
امكن	م ک ن
امل	ا م ل
املأ	م ل أ
املی	م ل و
املاق	م ل ق
املك	م ل ك
املي	م ل و
امليت	,,

لفظ	ماده
امم	ا م م
امن	ا م ن
امنت	,,
امنة	,,
امنتم	,,
امنن	م ن ن
امني	م ن ی
امنية	,,
اموات	م و ت
اموال	م و ل
اموت	م و ت
امور	ا م ر
امهات	ا م م
امهل	م ه ل
امي	ا م م
اميت	م و ت
امين	ا م ن
اميون	ا م م
امين	,,
انّ	انّ
أنّ	أنّ
أنْ	أنْ
إنْ	إنْ

لفظ	مادہ
أَنّىٰ	أَنّىٰ
أَنَا	أَنَا
انَا	ا ن ى
اَنّا	انّ+نَا
اناب	نَ و ب
انابوا	,,
اناث	ا ن ث
اناس	ا ن س
اناسي	,,
انام	ا ن م
انامل	ن م ل
انباء	ن ب أ
انبأ	,,
انبئى	,,
انبئوا	,,
انبت	ن ب ت
انبتت	,,
انبتنا	,,
انبجست	ب ج س
انبذ	ن ب ذ
انبعاث	ب ع ث
انبعث	,,
انبنا	ن و ب

لفظ	مادہ
انبياء	ن ب أ-ن ب و
أَنْتَ	أَنْتَ
أَنْتِ	أَنْتِ
انتبذت	نَ ب ذ
انتشرت	ن ش ر
انتشروا	,,
انتصر	ن ص ر
انتصروا	ن ص ر
انتظر	ن ظ ر
انتظروا	,,
انتقام	ن ق م
انتقمنا	,,
أَنْتُمْ	أَنْتُمْ
أَنْتُمَا	أَنْتُمَا
انتهى	ن ه ى
انتهوا	,,
انثى	ا ن ث
انثيين	,,
انجى	ن ج و
انجيت	,,
اِنْجِيْل	اِنْجِيْل
انجينا	ن ج و
انحر	ن ح ر

لفظ	مادہ
انداد	ن د د
انذر	ن ذ ر
انذرت	,,
انذرنا	,,
انذروا	,,
انزل	ن ز ل
انزلت	,,
انزلتموا	,,
انزلنا	,,
انس	ا ن س
انسىٰ	ن س ى
انساب	ن س ب
انسان	ا ن س
انسلخ	س ل خ
انسوا	ن س ى
انسى	ا ن س
انشأ	ن ش أ
انشاء	,,
انشأتم	,,
انشأنا	,,
انشر	ن ش ر
انشرنا	,,
انشزوا	ن ش ز
انشق	ش ق ق

لفظ	مادہ
انشقت	ش ق ق
انصاب	ن ص ب
انصار	ن ص ر
انصب	ن ص ب
انصتو	ن ص ت
انصح	ن ص ح
انصر	ن ص ر
انصرفوا	ص ر ف
انصروا	ن ص ر
انطق	ن ط ق
انطلق	ط ل ق
انطلقا	,,
انطلقتم	,,
انطلقوا	,,
انظر	ن ظ ر
انظروا	,,
نظری	,,
انعام	ن ع م
انعم	,,
انعمت	,,
انعمنا	,,
انف	ا ن ف
انفاق	ن ف ق
انفال	ن ف ل

لفظ	مادہ
انفجرت	ف ج ر
انفخ	ن ف خ
انفخوا	,,
انفذوا	ن ف ذ
انفروا	ن ف ر
انفس	ن ف س
انفصام	ف ص م
انفضو	ف ض ض
انفطرت	ف ط ر
انفق	ن ف ق
انفقت	,,
انفقتم	,,
انفقوا	,,
انفلق	ف ل ق
انقذ	ن ق ذ
انقص	ن ق ص
انقض	ن ق ض
انقلب	ق ل ب
انقلبتم	,,
انقلبوا	,,
انکاث	ن ک ث
انکال	ن ک ل
انکحوا	ن ک ح
انکدرت	ک د ر

لفظ	مادہ
انکر	ن ک ر
اَنَّمَا	ان+ما
اِنَّه	ن ہ ی
انہی	,,
اَنْہَارٌ	ن ہ ر
اَنْہَارَ	ہ و ر
اَنّٰی	اَنّٰی
انیب	ن و ب
انیبوا	,,
اَوْ	اَوْ
اواب	ا و ب
اوابین	,,
اواری	و ر ی
اواه	ا و ه
اوبار	و ب ر
اوبی	ا و ب
اوتی	ا ت ی
اوتین	,,
اوتاد	و ت د
اوتوا	ا ت ی
اوتي	,,
اوتیت	,,

لفظ	ماده
اوتیتم	,,
اوتینا	,,
اوثان	و ث ن
اوجس	و ج س
اوجفتم	و ج ف
اوحی	و ح ی
اوحي	,,
اوحیت	,,
اوحینا	,,
اودیة	و د ی
اوذوا	ا ذ ی
اوذي	,,
اوذینا	,,
اورث	و ر ث
اورثتمو	,,
اورثنا	,,
اورثوا	,,
اورد	و ر د
اوزار	و ز ر
اوزع	و ز ع
اوسط	و س ط
اوصی	و ص ی
اوضعوا	و ض ع
اوعی	و ع ی

لفظ	ماده
اوعیة	و ع ی
اوف	و ف ی
اوفی	,,
اوفوا	,,
اوقد	و ق د
اوقدوا	,,
اول	ا و ل
أُولَىٰ	,,
أَوْلَىٰ	و ل ی
أُولَآء	أُولَآء
أُولٰئِكَ	أُولٰئِكَ
اولات	أُولُوْ
اولات الاحمال	أُولُوْ +ح م ل
اولاد	و ل د
اولی لك	و ل ی
اولو	أُولُوْ
اولی النعمة	أُولُوْ+ن ع م
اولون	ا و ل
اولیاء	و ل ی
اولیان	,,
اولین	ا و ل
اوهن	و ه ن
اهان	ه و ن

لفظ	ماده
اهانن	ه و ن
اهب	و ه ب
اهبط	ه ب ط
اهبطا	,,
اهبطوا	,,
اهتدی	ه د ی
اهتدوا	,,
اهتدیت	,,
اهتدیتم	,,
اهتزت	ه ز ز
اهجر	ه ج ر
اهجروا	,,
اهد	ه د ی
اهدی	,,
اهدوا	,,
اهدي	,,
اهش	ه ش ش
أُهِلَّ	ه ل ل
أَهْلٌ	ا ه ل
اهلة	ه ل ل
اهلك	ه ل ك
اهلكت	,,
اهلكنا	,,
اهلكوا	,,

لفظ	مادہ	لفظ	مادہ	لفظ	مادہ
اهلون	ا ه ل	ايام	ی و م	ايدنا	ا ی د
اهمت	ه م م	اياى	ا ی م	ايدى	ی د ی
اهواء	ه و ی	ايان	أَيَّانَ	ايقاظ	ی ق ظ
اهوى	,,	ايانا	اِيَّا + نَا	ايكة	ا ی ك
اهون	ه و ن	اياه	,, + هُ	ايلاف	ا ل ف
اَيْ	اَيْ	اياها	,, + هَا	اَيْمَانْ	ی م ن
اَيُّ	اَيُّ	اياهم	,, + هُمْ	اِيمَان	ا م ن
اياب	ا و ب	اياي	,, + ی	اَيمن	ی م ن
اياك	اِيَّا + كَ	اية	ا ی ی	اَيْنَ	اَيْنَ
اياكما	اِيَّا + كُمَا	ايتاء	ا ت ی	اَيْنَمَا	اَيْنَ + مَا
اياكم	اِيَّا + كُمْ	ايد	ا ی د	ايوب	اَيُّوب
		ايدت	,,	ايها	ای + ها

ب

لفظ	مادہ	لفظ	مادہ	لفظ	مادہ
ب	ب	باخع	ب خ ع	بازغة	ب ز غ
باء	ب و ء	بادون	ب د و	باس	ب أ س
بائس	ب أ س	بادي	,,	باساء	,,
بئر	ب أ ر	بارد	ب ر د	باسرة	ب س ر
بئس	ب أ س	بارزة	ب ر ز	باسط	ب س ط
بائع	ب ی ع	بارزون	,,	باسطون	,,
باءوا	ب و ء	بارك	ب ر ك	باسقات	ب س ق
بئيس	ب أ س	باركنا	,,	باشروا	ب ش ر
باب	ب و ب	بارئ	ب ر أ	باطل	ب ط ل
بابل	بابل	بازغ	ب ز غ	باطن	ب ط ن

لفظ	ماده
باطنة	ب ط ن
باعد	ب ع د
باغ	ب غ ی
باق	ب ق ی
باقون	,,
باقیات	,,
باقية	,,
بال	ب و ل
بالغ	ب ل غ
بالغة	,,
بالغون	,,
بايع	ب ی ع
بايعتم	,,
بث	ب ث ث
بحار	ب ح ر
بحر	,,
بحرين	,,
بحيرة	,,
بخس	ب خ س
بخل	ب خ ل
بخلوا	,,
بدا	ب د و
بدأ	ب د أ
بدار	ب د ر

لفظ	ماده
بدءوا	ب د أ
بدأنا	,,
بدت	ب د و
بدر	ب د ر
بدع	ب د ع
بدعة	,,
بدل	ب د ل
بدلنا	,,
بدلوا	,,
بدن	ب د ن
بدو	ب د و
بديع	ب د ع
بر	ب ر ر
برا	ب ر أ
براء	,,
براءة	,,
برد	ب ر د
بررة	ب ر ر
برز	ب ر ز
برزت	,,
برزخ	ب ر ز خ
برزوا	ب ر ز
برق	ب ر ق
بركات	ب ر ك

لفظ	ماده
بروج	ب ر ج
برهان	ب ر ه
برهانان	,,
بريء	ب ر أ
بريئون	,,
برية	,, - ب ر ی
بس	ب س س
بساط	ب س ط
بست	ب س س
بسر	ب س ر
بسط	ب س ط
بسطة	,,
بسطت	,,
بشر	ب ش ر
بشری	,,
بشرتموا	,,
بشرنا	,,
بشروا	,,
بشرين	,,
بشير	,,
بصائر	ب ص ر
بصر	,,
بصرت	,,

لفظ	ماده
بصل	ب ص ل
بصیر	ب ص ر
بصیرة	،،
بضاعة	ب ض ع
بضع	،،
بطائن	ب ط ن
بطانة	،،
بطر	ب ط ر
بطرت	،،
بطش	ب ط ش
بطشة	،،
بطشتم	،،
بطل	ب ط ل
بطن	ب ط ن
بطون	،،
بعث	ب ع ث
بعثر	ب ع ث ر
بعثرت	،،
بعثنا	ب ع ث
بعد	ب ع د
بعدت	،،
بعض	ب ع ض
بعل	ب ع ل
بعوضة	ب ع ض

لفظ	ماده
بعولة	ب ع ل
بعید	ب ع د
بعیر	ب ع ر
بغی	ب غ ی
بغاء	،،
بغال	ب غ ل
بغت	ب غ ت
بغتة	،،
بغضاء	ب غ ض
بغوا	ب غ ی
بغی	،،
بقر	ب ق ر
بقرات	،،
بقرة	،،
بقعة	ب ق ع
بقل	ب ق ل
بقی	ب ق ی
بقیة	،،
بکة	ب ك ك
بکت	ب ك ی
بکر	ب ک ر
بکرة	،،
بکم	ب ک م
بکی	ب ک ی

لفظ	ماده
بَلْ	بَلْ
بَلٰی	بَلٰی
بلاء	ب ل و
بلاد	ب ل د
بلاغ	بلغ
بلد	ب ل د
بلدة	،،
بلغ	ب ل غ
بلغا	،،
بلغت	،،
بلغن	،،
بلغنا	،،
بلغوا	،،
بلونا	ب ل و
بَلِّغْ	ب ل غ
بنی	ب ن ی
بناء	،،
بنات	ب ن و- ی
بنان	ب ن ن
بنوا	ب ن ی
بنون	ب ن و
بنی	ب ن و
بنی اسرائیل	بنی‌اسرائیل

لفظ	ماده
بنیان	ب ن ی
بنی	,,
بنینا	,,
بوأ	ب و أ
بوانا	,,
بوار	ب و ر
بور	,,
بورك	ب ر ك
بهت	ب ه ت
بهتان	ب ه ت
بهجة	ب ه ج
بهیج	,,
بهیمة	ب ه م
بیات	ب ی ت
بیان	ب ی ن
بیت	ب ی ت
بیض	ب ی ض
بیضاء	,,
بیع	ب ی ع
بین	ب ی ن
بین ایدی	,, + ی د ی
بینا	,,
بینات	,,
بینة	ب ی ن
بینوا	,,
بیوت	ب ی ت

ت

لفظ	ماده
ت	ت
تائب	ت و ب
تائبات	,,
تائبون	,,
تاب	,,
تابا	,,
تأبی	أ ب ی
تابع	ت ب ع
تابعین	,,
تابوا	ت و ب
تابوت	تابوت
تاتنی	ا ت ی
تاتوا	,,
تاتون	ا ت ی
تاتی	,,
توثرون	ا ث ر
تاثیم	ا ث م
تاجر	ا ج ر
تاجیل	ا ج ل
تاخذ	ا خ ذ
تاخذون	,,
تاخر	ا خ ر
تودوا	ا د ی
تاذن	ا ذ ن
تارة	ت و ر
تارك	ت ر ك
تارکوا	ت ر ك
تؤز	أ ز ز
تاس	ا س و
تاسرون	ا س ر
تاسوا	ا س و
تافك	ا ف ك
تاكل	ا ك ل
تاكلوا	,,
تاكلون	,,
تالمون	ا ل م
تالیات	ت ل و
تامر	ا م ر
تامرون	,,

لفظ	ماده
تامرين	ا م ر
تامن	ا م ن
تاويل	ا و ل
تب	ت و ب
تَبَّ	ت ب ب
تباب	,,
تبار	ت ب ر
تباشروا	ب ش ر
تبايعتم	ب ى ع
تبت	ت و ب
تبت	ت ب ب
تبتئس	ب أ س
تبتم	ت و ب
تبتغون	ب غ ى
تبتغي	,,
تبتل	,,
تبتيل	ب ت ل
تبخسوا	ب خ س
تبخلوا	ب خ ل
تبد	ب د و
تبدل	ب د ل
تبدون	ب د و
تبدى	,,
تبديل	ب د ل

لفظ	ماده
تبذر	ب ذ ر
تبذير	,,
تبرأ	ب ر أ
تبرئ	,,
تبرانا	,,
تبرءوا	,,
تبرج	ب ر ج
تبرجن	,,
تبرنا	ت ب ر
تبروا	ب ر ر
تبسط	ب س ط
تبسل	ب س ل
تبسم	ب س م
تبشر	ب ش ر
تبشرون	,,
تبصر	ب ص ر
تبصرة	,,
تبصرون	,,
تبطلوا	ب ط ل
تبع	ت ب ع
تبعثون	ب ع ث
تبعوا	ت ب ع
تبغ	ب غ ى
تبغون	,,

لفظ	ماده
تبغي	ب ع ى
تبقي	ب ق ى
تبكون	ب ك ى
تبلى	ب ل و
تبلغ	ب ل غ
تبلغوا	,,
تبلوا	ب ل و
تبلون	,,
تبنون	ب ن ى
تبوء	ب و ء
تبوءا	,,
تبوءوا	,,
تبور	ب و ر
تبهت	ب ه ت
تبيان	ب ى ن
تبيد	ب ى د
تبيض	ب ى ض
تبيع	ت ب ع
تبين	ب ى ن
تبينت	,,
تبينوا	,,
تتبدلوا	ب د ل
تتبع	ت ب ع
تتبعان	ت ب ع

لفظ	ماده
تحزنی	ح ز ن
تحس	ح س س
تحسب	ح س ب
تحسبون	,,
تحسدون	ح س د
تحسسوا	ح س س
تحسنوا	ح س ن
تحسون	ح س س
تحشرون	ح ش ر
تحصن	ح ص ن
تحصنون	,,
تحصوا	ح ص ی
تحط	ح و ط
تحکم	,,
تحکمون	,,
تحل	ح ل ل
تحلوا	,,
تحلة	,,
تحلقوا	حلق
تحمل	ح م ل
تحملون	,,
تحنث	ح ن ث
تحویل	ح و ل
تحیة	ح ی ی
تحید	ح ی د
تحیطوا	ح و ط
تحیون	ح ی ی
تحیی	ح ی ی
تخاصم	خ ص م
تخاطب	خ ط ب
تخاف	خ و ف
تخافا	,,
تخافت	خ ف ت
تخافون	خ و ف
تخافی	,,
تخالطوا	خ ل ط
تخبت	خ ب ت
تختانون	خ و ن
تختصموا	خ ص م
تختصمون	,,
تختلفون	خ ل ف
تخر	خ ر ر
تخرج	خ ر ج
تخرجون	,,
تخرصون	خ ر ص
تخرق	خ ر ق
تخزون	خ ز ی
تخز	,,
تخسروا	خ س ر
تخسیر	خ س ر
تخشی	خ ش ی
تخشع	خ ش ع
تخشوا	خ ش ی
تخضعن	خ ض ع
تخط	خ ط ط
تخطف	خ ط ف
تخفی	خ ف ی
تخفوا	,,
تخفون	,,
تخفی	,,
تخفیف	خ ف ف
تخلت	خ ل و
تخلدون	خ ل د
تخلف	خ ل ف
تخلق	خ ل ق
تخلقون	,,
تخوف	خ و ف
تخونون	خ و ن
تخویف	خ و ف
تخیرون	خ ی ر
تدارك	د ر ك
تداینتم	د ی ن

لفظ	مادہ	لفظ	مادہ	لفظ	مادہ
تدخرون	ذ خ ر	تذكرة	ذ ک ر	تربصتم	ر ب ص
تدخل	د خ ل	تذكرون	,,	تربصوا	,,
تدخلوا	,,	تذكروا	,,	تربصون	,,
تدرسون	د ر س	تذكير	,,	ترتابوا	ر ی ب
تدرك	د ر ك	تذل	ذ ل ل	ترتدوا	ر د د
تدرون	د ر ی	تذليل	,,	ترتيل	ر ت ل
تدري	,,	تذودان	ذ و د	ترثوا	و ر ث
تدع	د ع و	تذوقوا	ذ و ق	ترجع	ر ج ع
تدعى	,,	تذهب	ذ ه ب	ترجعون	,,
تدعوا	,,	تذهبوا	,,	ترجف	ر ج ف
تدعون	,,	تذهبون	,,	ترجمون	ر ج م
تدلى	د ل و	تذهل	ذ ه ل	ترجو	ر ج و
تدلوا	,,	ترى	ر أ ی	ترجون	,,
تدمر	د م ر	تراءى	,,	ترجى	,,
تدمير	,,	ترائب	ت ر ب	ترحم	ر ح م
تدور	د و ر	ترآءت	ر أ ی	ترحمون	,,
تدهن	د ه ن	تراب	ت ر ب	ترد	ر د د
تديرون	د و ر	تراث	و ر ث	تردى	ر د ی
تذبحوا	ذ ب ح	تراض	ر ض ی	تردن	ر و د
تذر	و ذ ر	تراضوا	,,	تردون	ر د د
تذرن	,,	تراضيتم	,,	تردين	ر د ی
تذروا	ذ ر و	تراقي	رق ی-رق و	ترزق	ر ز ق
تذرون	و ذ ر	تراود	ر و د	ترزقان	,,
تذكر	ذ ک ر	تربص	ر ب ص	ترضى	ر ض ی

لفظ	مادہ
ترضع	ر ض ع
ترضون	ر ض ی
ترغبون	ر غ ب
ترفع	ر ف ع
ترفعوا	,,
ترق	ر ق ی
ترقب	ر ق ب
ترک	ت ر ک
ترکب	ر ک ب
ترکبون	,,
ترکبوا	,,
ترکت	ت ر ک
ترکتم	,,
ترکتموا	,,
ترکضوا	ر ک ض
ترکن	ت ر ک
ترکن	ر ک ن
ترکنا	ت ر ک
ترکنوا	ر ک ن
ترکوا	ت ر ک
ترمی	ر م ی
ترون	ر أ ی
ترهبون	ر ه ب

لفظ	مادہ
ترهق	ر ه ق
تری	ر أ ی
تریحون	ر و ح
ترید	ر و د
تریدون	,,
ترین	ر أ ی
تزال	ز و ل
تزاور	ز و ر
تزد	ز ی د
تزداد	,,
تزدری	ز ر ی
تزر	و ز ر
تزرعون	ز ر ع
تزعمون	ز ع م
تزغ	ز ی غ
تزکی	ز ک و
تزکو	,,
تزل	ز ل ل
تزودوا	ز و د
تزول	ز و ل
تزولا	,,
تزهق	ز ه ق
تزیدون	ز ی د
تزیلوا	ز ی ل

لفظ	مادہ
تساءلون	س أ ل
تساقط	س ق ط
تسأل	س أ ل
تسالون	,,
تسأموا	س أ م
تسبح	س ب ح
تسبحون	,,
تسبق	س ب ق
تسبوا	س ب ب
تسبیح	س ب ح
تستاخرون	ا خ ر
تستانسوا	ا ن س
تستبدلون	ب د ل
تستبین	ب ی ن
تسترون	س ت ر
تستجیبون	ج و ب
تستخرجون	خ ر ج
تستخفون	خ ف ف
تسترضعوا	ر ض ع
تستطع	ط و ع
تستطیع	,,
تستطیعون	,,
تستعجل	ع ج ل
تستعجلون	,,

لفظ	مادہ
تستعجلوا	ع ج ل
تستغفر	غ ف ر
تستغفرون	,,
تستغیثون	غ و ث
تستفت	ف ت ی
تستفتحوا	ف ت ح
تستفتیان	ف ت ی
تستقدمون	ق د م
تستقسموا	ق س م
تستکبرون	ک ب ر
تستکثر	کثر
تستمعون	س م ع
تستووا	س و ی
تستوی	,,
تستهزءون	ه ز أ
تسجد	س ج د
تسجدوا	,,
تسحر	س ح ر
تسحرون	,,
تسخرون	س خ ر
تسر	س ر ر
تسرحون	س ر ح
تسرفوا	س ر ف
تسرون	س ر ر

لفظ	مادہ
تسریح	س ر ح
تسع	ت س ع
تسعة	,,
تسعة عشر	,,+ع ش ر
تسعون	,,
تسعی	س ع ی
تسفکون	س ف ک
تسقط	س ق ط
تسقی	س ق ی
تسکن	س ک ن
تسکنون	,,
تسلکوا	س ل ک
تسلموا	س ل م
تسلیم	,,
تسمع	س م ع
تسمعون	,,
تسمی	س م و
تسمیة	,,
تسنیم	س ن م
تسوء	س و ء
تسوی	س و ی
تسود	س و د
تسوروا	س و ر
تسیر	س ی ر

لفظ	مادہ
تسیمون	س و م
تشاء	ش ی أ
تشاؤن	,,
تشابه	ش ب ه
تشابهت	,,
تشاقون	ش ق ق
تشاور	ش و ر
تشتروا	ش ر ی
تشتکی	ش ک و
تشتهی	ش ه و
تشخص	ش خ ص
تشربون	ش ر ب
تشرک	ش ر ك
تشرکون	,,
تشطط	ش ط ط
تشعرون	ش ع ر
تشقی	ش ق ی
تشقق	ش ق ق
تشکرون	ش ک ر
تشمت	ش م ت
تشهد	ش ه د
تشهدون	,,
تشیع	ش ی ع
تصاحب	ص ح ب

لفظ	ماده	لفظ	ماده	لفظ	ماده
تصبح	ص ب ح	تصلیة	ص ل ی	تطع	ط و ع
تصبحون	,,	تصنع	ص ن ع	تطعمون	ط ع م
تصیر	ص ی ر	تصنعون	,,	تطغوا	ط غ ی
تصبرون	ص ب ر	تصوموا	ص و م	تطلع	ط ل ع
تصدی	ص د ی	تصیب	ص و ب	تطمئن	ط م ن
تصدق	ص د ق	تصیبوا	,,	تطمعون	ط م ع
تصدقوا	,,	تصیر	ص ی ر	تطوع	ط و ع
تصدقون	,,	تضار	ض ر ر	تطهر	ط ه ر
تصدون	ص د د	تضاروا	,,	تطهرن	,,
تصدیة	ص د ی	تضحی	ض ح و	تطهیر	,,
تصدیق	ص د ق	تضحکون	ض ح ك	تطیرنا	ط ی ر
تصرف	ص ر ف	تضربوا	ض ر ب	تطیعوا	ط و ع
تصرفون	,,	تضرع	ض ر ع	تظاهرا	ظ ه ر
تصریف	,,	تضرعوا	,,	تظاهرون	,,
تصطلون	ص ل ی	تضرون	ض ر ر	تظلم	ظ ل م
تصعدون	ص ع د	تضع	و ض ع	تظلمون	,,
تصعر	ص ع ر	تضعون	,,	تظما	ظ م ا
تصغی	ص غ و	تضل	ض ل ل	تظن	ظ ن ن
تصف	و ص ف	تضلوا	,,	تظنون	,,
تصفحوا	ص ف ح	تضلیل	,,	تظهرون	ظ ه ر
تصفون	و ص ف	تضیقوا	ض ی ق	تعارفو	ع ر ف
تصلی	ص ل ی	تطئوا	و ط أ	تعاسرتم	ع س ر
تصلحون	ص ل ح	تطاول	ط و ل	تعاطی	ع ط و
تصل	ص ل و	تطرد	ط ر د	تعالیٰ	ع ل و

لفظ	ماده
تعالوا	ع ل و
تعالین	,,
تعاونوا	ع و ن
تعبثون	ع ب ث
تعبد	ع ب د
تعبدون	,,
تعبد	,,
تعبرون	ع ب ر
تعتدوا	ع د و
تعتدون	ع د د
تعتذرو	ع ذ ر
تعثو	ع ث ی
تعجب	ع ج ب
تعجبون	,,
تعجبین	,,
تعجل	ع ج ل
تُعْدُ	ع د و
تَعِدُ	و ع د
تعدان	,,
تعدل	ع د ل
تعدلوا	,,
تعدوا	ع د و
تعدون	ع د د
تعذب	ع ذ ب
تعری	ع ر ی
تعرج	ع ر ج
تعرض	ع ر ض
تعرضوا	,,
تعرضون	,,
تعرف	ع ر ف
تعرفون	,,
تعریف	,,
تعز	ع ز ز
تعزروا	عز ر
تعزموا	ع ز م
تعس	ت ع س
تعضلوا	ع ض ل
تعظون	و ع ظ
تعفف	ع ف ف
تعفوا	ع ف و
تعقلون	ع ق ل
تعلم	ع ل م
تعلمون	,,
تعلنون	ع ل ن
تعلوا	ع ل و
تعمی	ع م ی
تعمدت	ع م د
تعمل	ع م ل
تعملون	ع م ل
تعودوا	ع و د
تعولوا	ع و ل
تعی	و ع ی
تغابن	غ ب ن
تغتسلوا	غ س ل
تغر	غ ر ر
تغرب	غ ر ب
تغرق	غ ر ق
تغشی	غ ش ی
تغفر	غ ف ر
تغفروا	,,
تغفلون	غ ف ل
تغلبون	غ ل ب
تغلوا	غ ل و
تغمضوا	غ م ض
تغن	غ ن ی
تغنی	,,
تغیض	غ ی ض
تغیظ	غ ی ظ
تفاخر	ف خ ر
تفادون	ف د ی
تفاوت	ف و ت
تفتئو	ف ت أ

لفظ	مادہ	لفظ	مادہ	لفظ	مادہ
تفتح	ف ت ح	تفعل	ف ع ل	تقدموا	ق د م
تفترون	ف ر ی	تفعلون	,,	تقر	ق ر ر
تفتری	,,	تفقد	ف ق د	تقرأ	ق ر أ
تفتن	ف ت ن	تفقدون	,,	تقرب	ق ر ب
تفتنون	,,	تفقهون	ف ق ہ	تقربا	,,
تفث	ت ف ث	تفکهون	ف ک ہ	تقربوا	,,
تفجر	ف ج ر	تفلحون	ف ل ح	تقربون	,,
تفجیر	,,	تفندوا	ف ن د	تقرض	ق ر ض
تفرح	ف ر ح	تفور	ف و ر	تقرضوا	,,
تفرحوا	,,	تفيءُ	ف ی أ	تقسطوا	ق س ط
تفرضوا	ف ر ض	تفیض	ف ی ض	تقسموا	ق س م
تفرق	ف ر ق	تفیضون	,,	تقشعر	ق ش ع ر
تفرقوا	,,	تقاة	و ق ی	تقصروا	ق ص ر
تفرون	ف ر ر	تقاتل	ق ت ل	تقصص	ق ص ص
تفریق	ف ر ق	تقاتلون	,,	تقضي	ق ض ی
تفسحوا	ف س ح	تقاسموا	ق س م	تقطع	ق ط ع
تفسدون	ف س د	تقبل	ق ب ل	تقطعت	,,
تفسقون	ف س ق	تقبلوا	,,	تقطعوا	,,
تفسیر	ف س ر	تقتل	ق ت ل	تقطعون	,,
تفشلا	ف ش ل	تقتلون	,,	تقع	و ق ع
تفشلوا	,,	تقتیل	,,	تقعد	ق ع د
تفصیل	ف ص ل	تقدروا	ق د ر	تقعدوا	,,
تفضحوا	ف ض ح	تقدیر	,,	تقف	ق ف و
تفضیل	ف ض ل	تقدم	ق د م	تقلب	ق ل ب

لفظ	مادہ	لفظ	مادہ	لفظ	مادہ
تقلبون	ق ل ب	تکرمون	ک ر م	تلذ	ل ذ ذ
تقم	ق و م	تکرہ	ک ر ہ	تلظی	ل ظ ی
تقنطوا	ق ن ط	تکرہون	,,	تلفت	ل ف ت
تقوی	و ق ی	تکسب	ک س ب	تلفح	ل ف ح
تقول	ق و ل	تکسبون	,,	تلقاء	ل ق ی
تقولون	,,	تکفر	ک ف ر	تلقی	,,
تقوم	ق و م	تکفرون	,,	تلقف	ل ق ف
تقوموا	,,	تکلف	ک ل ف	تلقوا	ل ق ی
تقویم	,,	تکلم	ک ل م	تلقون	,,
تقہر	ق ہ ر	تکلمون	,,	تلک	ذلك
تقي	و ق ی	تکلیم	,,	تلکما	,,
تقیموا	ق و م	تکملوا	ک م ل	تلکم	,,
تَكُ	ک و ن	تکن	کن ن-ک و ن	تلمزو	ل م ز
تکاثر	ک ث ر	تکنزون	ک ن ز	تلوت	ت ل و
تکاد	ک و د	تکوی	ک و ی	تلومون	ل و م
تکبروا	ک ب ر	تکون	ک و ن	تلوون	ل و ی
تکبیر	,,	تکونا	,,	تلہی	ل ہ و
تکتب	ک ت ب	تکونون	,,	تلیت	ت ل و
تکتبوا	,,	تل	ت ل ل	تلین	ل ی ن
تکتموا	ک ت م	تلی	ت ل و	تم	ت م م
تکتمون	,,	تلاق	ل ق ی	تماثیل	م ث ل
تکذبان	ک ذ ب	تلاوۃ	ت ل و	تمار	م ر ی
تکذبون	,,	تلبثوا	ل ب ث	تماروا	,,
تکذیب	,,	تلبسون	ل ب س	تمارون	,,

لفظ	ماده
تمام	ت م م
تمت	,,
تمترون	م ر ی
تمترن	,,
تمتع	م ت ع
تمتعوا	,,
تمتعون	,,
تمثل	م ث ل
تمد	م د د
تمدون	,,
تمر	م ر ر
تمرحون	م ر ح
تمرون	م ر ر
تمس	م س س
تمسس	,,
تمسکوا	م س ک
تمسوا	م س س
تمسون	م س و
تمشون	م ش ی
تمشی	,,
تمکرون	م ک ر
تملی	م ل و
تملک	م ل ک
تملکون	,,

لفظ	ماده
تمنی	م ن ی
تمن	م ن ن
تمنع	م ن ع
تمنن	م ن ن
تمنوا	م ن ی
تمنّون	م ن ن
تمنَون	م ن ی
تموت	م و ت
تموتون	,,
تمور	م و ر
تمهید	م ه د
تمید	م ی د
تمیز	م ی ز
تمیلوا	م ی ل
تنابزوا	ن ب ز
تناجوا	ن ج و
تناجیتم	,,
تناد	ن د و
تنادوا	,,
تنازعتم	ن ز ع
تنازعوا	,,
تناصرون	ن ص ر
تنال	ن ی ل
تنالوا	,,

لفظ	ماده
تناوش	ن و ش
تنبیٔ	ن ب أ
تنبئون	,,
تنبت	ن ب ت
تنبتون	,,
تنتشرون	ن ش ر
تنتصران	ن ص ر
تنته	ن ه ی
تنتهوا	,,
تنجی	ن ج و
تنحتون	ن ح ت
تنذر	ن ذ ر
تنزع	ن ز ع
تنزل	ن ز ل
تنزلت	,,
تنزیل	,,
تنسی	ن س ی
تنسون	,,
تنشق	ش ق ق
تنصر	ن ص ر
تنصروا	,,
تنصرون	,,
تنطقون	ن ط ق
تنظر	ن ظ ر

لفظ	مادہ
تنظرون	ن ظ ر
تنفخ	ن ف خ
تنفد	ن ف د
تنفذون	ن ف ذ
تنفروا	ن ف ر
تنفس	ن ف س
تنفع	ن ف ع
تنفقون	ن ف ق
تنقذ	ن ق ذ
تنقص	ن ق ص
تنقصوا	,,
تنقضوا	ن ق ض
تنقلبوا	ق ل ب
تنقم	ن ق م
تنقمون	,,
تنکح	ن ک ح
تنکحوا	,,
تنکرون	ن ک ر
تنکصون	ن ک ص
تنکیل	ن ک ل
تنوء	ن و ء
تنور	ت ن و ر
تنہر	ن ہ ر
تنہون	ن ہ ی

لفظ	مادہ
تنہی	ن ہ ی
تنیا	و ن ی
تواب	ت و ب
توابین	,,
تؤاخذ	أ خ ذ
توارت	و ر ی
تواصوا	و ص ی
تواعدتم	و ع د
تواعدون	,,
توب	ت و ب
توبة	,,
توبوا	,,
توتون	ا ت ی
توتی	,,
توثرون	ا ث ر
توجل	و ج ل
توجہ	و ج ہ
تود	و د د
تودون	,,
تؤذون	ا ذ ی
تورون	و ر ی
توریہ	تورات
توسوس	و س و س
توصون	و ص ی

لفظ	مادہ
توصیة	و ص ی
توعدون	و ع د
توعظون	و ع ظ
توف	و ف ی
توفی	,,
توفت	,,
توفکون	ا ف ك
توفون	و ف ی
توفیت	,,
توفیق	و ف ق
توقدون	و ق د
توقروا	و ق ر
توقنون	ی ق ن
توکل	و ک ل
توکلت	,,
توکلنا	,,
توکلوا	,,
توکید	و ک د
تول	و ل ی
تولی	,,
تولوا	,,
تولون	,,
تولیتم	,,
تومر	ا م ر

لفظ	ماده
تومرون	ا م ر
تومن	ا م ن
تومنون	,,
تووی	ا و ی
تهاجروا	ه ج ر
تهتدون	ه د ی
تهتدی	,,
تهتز	ه ز ز
تهجد	ه ج د
تهجرون	ه ج ر
تهدوا	ه د ی
تهدی	,,
تهلک	ه ل ک
تهلکة	,,
تهنوا	و ه ن
تهوی	ه و ی
تیئسوا	ی أ س
تیسر	ی س ر
تیمموا	ی م م
تین	ت ی ن

ث

لفظ	ماده
ثابت	ث ب ت
ثاقب	ث ق ب
ثالث	ث ل ث
ثالثة	,,
ثامن	ث م ن
ثانی	ث ن ی
ثاوی	ث و ی
ثبات	ث ب ی
ثبت	ث ب ت
ثبتنا	,,
ثبتوا	,,
ثبط	ث ب ط
ثبوت	ث ب ت
ثبور	ث ب ر
ثجاج	ث ج ج
ثری	ث ر ی
ثعبان	ث ع ب
ثقل	ث ق ل
ثقفتموا	ث ق ف
ثقفوا	,,
ثقلان	ث ق ل
ثقلت	,,
ثقیل	,,
ثلاث	ث ل ث
ثلثون	,,
ثلة	ث ل ل
ثلث	ث ل ث
ثلثان	,,
ثلثی	ث ل ث
ثُمّ	ثُمّ
ثَمّ	ثَمّ
ثمانی	ث م ن
ثمانیة	,,
ثمانین	,,
ثمر	ث م ر
ثمرة	,,
ثمن	ث م ن
ثمود	ث م د
ثواب	ث و ب
ثوب	,,
تثریب	ث ر ب
ثیاب	ث و ب
ثیبات	ث ی ب

ج

لفظ	ماده
جاء	ج ی أ
جاءت	,,
جآئر	ج و ر
جاءوا	ج ی أ
جئت	,,
جئتم	,,
جئتموا	,,
جابوا	جوب
جاثية	ج ث و
جاثمین	ج ث م
جادل	ج د ل
جادلت	,,
جادلتم	,,
جادلوا	,,
جار	ج و ر
جاریات	ج ر ی
جارية	,,
جاز	ج ز ی
جاسوا	ج و س
جاعل	ج ع ل
جاعلون	,,

لفظ	ماده
جالوت	جالوت
جامدة	ج م د
جامع	ج م ع
جان	ج ن ن
جئنا	ج ی أ
جانب	ج ن ب
جاوز	ج و ز
جاوزا	,,
جاوزنا	,,
جاهد	ج ه د
جاهدا	,,
جاهدوا	,,
جاهل	ج ه ل
جاهلون	,,
جاهلية	,,
جب	ج ب ب
جبار	ج ب ر
جبارین	,,
جبال	ج ب ل
جباه	ج ب ه
جبت	ج ب ت
جبریل	جبریل

لفظ	ماده
جبل	ج ب ل
جبلة	,,
جبین	ج ب ن
جثی	ج ث و
جحدوا	ج ح د
جحیم	ج ح م
جد	ج د د
جدار	ج د ر
جدال	ج د ل
جدد	ج د د
جدر	ج د ر
جدلا	ج د ل
جدل	,,
جدید	ج د د
جذاذ	ج ذ ذ
جذع	ج ذ ع
جذوة	ج ذ و
جذوع	ج ذ ع
جراد	ج ر د
جرحتم	ج ر ح
جرز	ج ر ز
جرف	ج ر ف

لفظ	مادہ
جرم	ج ر م
جروح	ج ر ح
جرين	ج ر ی
جزء	ج ز أ
جزاء	,,
جزعنا	ج ز ع
جزوع	,,
جزيت	ج ز ی
جزية	,,
جسد	ج س د
جسم	ج س م
جعل	ج ع ل
جعلا	,,
جعلت	,,
جعلتم	,,
جعلنا	,,
جعلوا	,,
جفاء	ج ف و
جفان	ج ف ن
جلاء	ج ل و
جلی	,,
جلابيب	ج ل ب
جلال	ج ل ل
جلدة	ج ل د
جم	ج م م
جمال	ج م ل
جمالة	,,
جمع	ج م ع
جمعان	,,
جمعة	,,
جمعنا	,,
جمعوا	,,
جمل	ج م ل
جملة	,,
جميع	ج م ع
جميل	ج م ل
جن	ج ن ن
جنا	ج ن ی
جنات	ج ن ن
جناح	ج ن ح
جناحی	,,
جنب	ج ن ب
جنة	ج ن ن
جنتان	,,
جنحوا	ج ن ح
جند	ج ن د
جنف	ج ن ف
جنوب	ج ن ب
جنود	ج ن د
جنی	ج ن ی
جو	ج و و
جواب	ج و ب-ج ب ی
جوار	ج و ر
جوارح	ج ر ح
جودی	ج و د
جوع	ج و ع
جوف	ج و ف
جهاد	ج ه د
جهار	ج ه ر
جهاز	ج ه ز
جهالة	ج ه ل
جهد	ج ه د
جهر	ج ه ر
جهرة	,,
جهز	ج ه ز
جهنم	جهنم
جهول	ج ه ل
جياد	ج و د
جيب	ج ی ب
جيد	ج ی د
جيوب	ج ی ب
جيء	ج ی أ

ح

لفظ	ماده
حاج	ح ج ج
حاجة	ح و ج
حاججتم	ح ج ج
حاجز	ح ج ز
حاجزین	”
حاجوا	ح ج ج
حاد	ح د د
حاذرون	ح ذ ر
حارب	ح ر ب
حاسبنا	ح س ب
حاسبین	”
حاسد	ح س د
حاش	ح ا ش
حاشرین	ح ش ر
حاصب	ح ص ب
حاضرة	ح ض ر
حاضری	”
حافرة	ح ف ر
حافظ	ح ف ظ
حافظات	”
حافظوا	”
حافظون	”

لفظ	ماده
حافین	ح ف ف
حاق	ح ی ق
حاقة	ح ق ق
حاکمین	ح ک م
حال	ح و ل
حام	ح م ی
حامدون	ح م د
حاملات	ح م ل
حاملین	”
حامیة	ح م ی
حب	ح ب ب
حبال	ح ب ل
حبب	ح ب ب
حبة	”
حبط	ح ب ط
حبطت	”
حبك	ح ب ك
حبل	ح ب ل
حتی	حتّٰی
حتم	ح ت م
حثیثا	ح ث ث
حج	ح ج ج

لفظ	ماده
حجاب	ح ج ب
حجارة	ح ج ر
حجة	ح ج ج
حجج	”
حجر	ح ج ر
حجرات	”
حجور	”
حدائق	ح د ق
حداد	ح د د
حدب	ح د ب
حدث	ح د ث
حدود	ح د د
حدیث	ح د ث
حدید	ح د د
حذر	ح ذ ر
حر	ح ر ر
حرام	ح ر م
حرب	ح ر ب
حرث	ح ر ث
حرج	ح ر ج
حرد	ح ر د
حرس	ح ر س

لفظ	مادہ
حرصت	ح ر ص
حرصتم	,,
حرض	ح ر ض
حرف	ح ر ف
حرقوا	ح ر ق
حرم	ح ر م
حرمات	,,
حرمت	,,
حرمنا	,,
حرموا	,,
حرور	ح ر ر
حریر	,,
حریص	ح ر ص
حریق	ح ر ق
حزب	ح ز ب
حزبین	,,
حزن	ح ز ن
حساب	ح س ب
حسابیه	,,
حسان	ح س ن
حسب	ح س ب
حسبان	,,
حسبت	,,
حسبتم	,,
حسبوا	ح س ب
حسد	ح س د
حسرات	ح س ر
حسرة	,,
حسرتی	,,
حسن	ح س ن
حسنی	,,
حسنات	,,
حسنة	,,
حسنت	,,
حسنیین	,,
حسوم	ح س م
حسیب	ح س ب
حسیر	ح س ر
حسیس	ح س س
حشر	ح ش ر
حشرت	,,
حشرنا	,,
حصاد	ح ص د
حصب	ح ص ب
حصحص	ح ص ص (حصحص)
حصدتم	ح ص د
حصرت	ح ص ر
حصل	ح ص ل
حصور	ح ص ر
حصون	ح ص ن
حصید	ح ص د
حصیر	ح ص ر
حضر	ح ض ر
حضروا	,,
حطام	ح ط م
حطب	ح ط ب
حطة	ح ط ط
حطمة	ح ط م
حظ	ح ظ ظ
حفدة	ح ف د
حفرة	ح ف ر
حفظ	ح ف ظ
حفظة	,,
حفظنا	,,
حففنا	ح ف ف
حفي	ح ف ی
حفیظ	ح ف ظ
حق	ح ق ق
حق الیقین	ح ق ق + ی ق ن
حقب	ح ق ب
حقت	ح ق ق
حقیق	,,

لفظ	ماده
حکام	ح ک م
حکم	,,
حکمة	,,
حکمت	,,
حکمتم	,,
حکیم	,,
حل	ح ل ل
حلائل	,,
حلاف	ح ل ف
حلال	ح ل ل
حلفتم	ح ل ف
حلقوم	ح ل ق
حللتم	ح ل ل
حلم	ح ل م
حلوا	ح ل ی
حلي	,,
حلیة	,,
حلیم	ح ل م
حمأ	ح م أ
حمار	ح م ر
حمالة	ح م ل

لفظ	ماده
حمئة	ح م أ
حمد	ح م د
حمر	ح م ر
حمل	ح م ل
حملت	,,
حملتم	,,
حملنا	,,
حملوا	,,
حمولة	,,
حمیة	ح م ی
حمید	ح م د
حمیر	ح م ر
حمیم	ح م م
حناجر	ح ن ج ر
حنان	ح ن ن
حنث	ح ن ث
حنفاء	ح ن ف
حنیذ	ح ن ذ
حنیف	ح ن ف
حنین	ح ن ن
حواري	ح و ر

لفظ	ماده
حوایا	ح و ی
حوب	ح و ب
حوت	ح و ت
حور	ح و ر
حول	ح و ل
حولین	,,
حي	ح ی ی
حیوة	,,
حیة	,,
حیتان	ح و ت
حیث	حَیْثُ
حیثما	,,
حیران	ح ی ر
حیل	ح و ل
حیلة	,,
حین	ح ی ن
حینئذ	حین+اذ
حیوا	ح ی ی
حیوان	,,
حیوك	,,
حییتم	,,

خ

لفظ	ماده
خائبین	خ ی ب
خائضین	خ و ض
خائف	خ و ف
خائفین	,,
خائنة	خ و ن
خائنین	,,

لفظ	مادہ
خاب	خ ی ب
خاتم	خ ت م
خادع	خ د ع
خارج	خ ر ج
خارجین	,,
خازنین	خ ز ن
خاسیٔ	خ س أ
خاسئین	,,
خاسرة	خ س ر
خاسرون	,,
خاشع	خ ش ع
خاشعات	,,
خاشعة	,,
خاشعون	,,
خاصة	خ ص ص
خاضعین	خ ض ع
خاضوا	خ و ض
خاطئة	خ ط أ
خاطئون	,,
خاطب	خ ط ب
خاف	خ و ف
خافت	,,
خافضة	خ ف ض
خافوا	خ و ف
خافیة	خ ف ی
خال	خ و ل
خالات	,,
خالد	خ ل د
خالدین	,,
خالص	خ ل ص
خالصة	,,
خالفین	خ ل ف
خالق	خ ل ق
خالقون	,,
خالقین	,,
خالیة	خ ل و
خامدون	خ م د
خامسة	خ م س
خانتا	خ و ن
خانوا	,,
خاویة	خ و ی
خبأ	خ ب أ
خبائث	خ ب ث
خبال	خ ب ل
خبت	خ ب و
خبث	خ ب ث
خبر	خ ب ر
خبز	خ ب ز
خبیث	خ ب ث
خبیثة	,,
خبیثون	,,
خبیر	خ ب ر
ختار	خ ت ر
ختام	خ ت م
ختم	,,
خد	خ د د
خذ	ا خ ذ
خذوا	,,
خذول	خ ذ ل
خر	خ ر ر
خراب	خ ر ب
خراج	خ ر ج
خراصون	خ ر ص
خرج	خ ر ج
خرجت	,,
خرجتم	,,
خرجن	,,
خرجنا	,,
خرجوا	,,
خردل	خ ر د ل
خرطوم	خ ر ط م
خرق	خ ر ق

لفظ	ماده	لفظ	ماده	لفظ	ماده
خرقت	خ ر ق	خصم	خ ص م	خلاف	خ ل ف
خرقوا	,,	خصم	,,	خلاق	خ ل ق
خروا	خ ر ر	خصمون	,,	خلال	خ ل ل
خروج	خ ر ج	خصيم	,,	خلت	خ ل و
خزآئن	خ ز ن	خضتم	خ و ض	خلة	خ ل ل
خزنة	,,	خضر	خ ض ر	خلد	خ ل د
خزی	خ ز ی	خطأ	خ ط أ	خلصوا	خ ل ص
خسار	خ س ر	خطاب	خ ط ب	خلطاء	خ ل ط
خسر	,,	خطايا	خ ط أ	خلطوا	,,
خسران	,,	خطب	خ ط ب	خلف	خ ل ف
خسروا	,,	خطبة	,,	خلفاء	,,
خسف	خ س ف	خطف	خ ط ف	خلفة	,,
خسفنا	,,	خطفة	,,	خلفتموا	,,
خسوف	,,	خطوات	خ ط و	خلفوا	,,
خشب	خ ش ب	خطيئة	خ ط أ	خلق	خ ل ق
خشع	خ ش ع	خفاف	خ ف ف	خلقت	,,
خشعت	,,	خِفَت	خ و ف	خلقنا	,,
خشوع	,,	خَفَّتْ	خ ف ف	خلقوا	,,
خشی	خ ش ی	خفتم	خ و ف	خلوا	خ ل و
خشيت	,,	خفی	خ ف ی	خلود	خ ل د
خشية	,,	خفية	,,	خليفة	خ ل ف
خشينا	,,	خفيف	خ ف ف	خليل	خ ل ل
خصاصة	خ ص ص	خلا	خ ل و	خمر	خ م ر
خصام	خ ص م	خلائف	خ ل ف	خمس	خ م س

د

لفظ	ماده
درک	د ر ک
دری	د ر ر
دسی	دس س(دس و)
دسر	د س ر
دعْ	و د ع
دَعّ	د ع ع
دعا	د ع و
دعاء	,,
دعائی	,,
دعوا	,,
دعوی	,,
دعوة	,,
دعوت	,,
دعوتم	,,
دعوتموا	,,
دعي	,,
دعيتم	,,

لفظ	ماده
دفء	د ف أ
دفع	د ف ع
دفعتم	,,
دك	د ك ك
دكاء	,,
دكت	,,
دكة	,,
دكتا	,,
دل	د ل ل
دلی	د ل و
دلو	,,
دلوك	د ل ك
دليل	د ل ل
دم	د م و
دماء	,,
دمت	د و م
دمتم	,,

لفظ	ماده
دمدم	د م د م
دمر	د م ر
دمع	د م ع
دنی	د ن و
دنيا	,,
دوآئر	د و ر
دواب	د ب ب
دولة	د و ل
دون	د و ن
دهاق	د ه ق
دهان	د ه ن
دهر	د ه ر
دهن	د ه ن
ديار	د و ر
دية	و د ی
دين	د ی ن
دينار	د ن ر

ذ

لفظ	ماده
ذا	ذ ا
ذا	ذ و
ذا النون	ذا النون
ذائقة	ذ و ق
ذآئقون	,,

لفظ	ماده
ذئب	ذ أ ب
ذات	ذ و
ذاريات	ذ ر و
ذاقا	ذ و ق
ذاقت	,,

لفظ	ماده
ذاقوا	ذ و ق
ذاك	ذ ا
ذاكرات	ذ كر
ذاكرين	,,
ذالک	ذا

لفظ	ماده
ذلکم	ذ ا
ذلکما	,,
ذلکن	,,
ذان	,,
ذانک	,,
ذاهب	ذ ه ب
ذباب	ذ ب ب
ذبح	ذ ب ح
ذبحوا	,,
ذر	و ذ ر
ذرنی	,,
ذرأ	ذ ر أ
ذرأنا	,,
ذراع	ذ ر ع
ذراعی	,,
ذرة	ذ ر ر
ذرع	ذ ر ع
ذَرْواً	ذ ر و
ذَرُوا	و ذ ر

لفظ	ماده
ذرية	ذ ر ر (ذری)
ذريات	,,
ذق	ذ و ق
ذكر	ذ ك ر
ذكرى	,,
ذكران	,,
ذكرت	,,
ذكرتم	,,
ذكروا	,,
ذكرين	,,
ذكور	,,
ذكيتم	ذ ک و
ذل	ذ ل ل
ذلة	,,
ذلل	,,
ذللت	,,
ذللنا	,,
ذلول	,,

لفظ	ماده
ذمة	ذ م م
ذنب	ذ ن ب
ذنوب	,,
ذو	ذ و
ذوالكفل	ذوالكفل
ذوالقرنين	ذوالقرنين
ذوا	ذ و
ذواتا	,,
ذواتى	,,
ذوقوا	ذ و ق
ذوى	ذ و
ذه	ذ ا
ذهاب	ذهب
ذهب	,,
ذهبت	,,
ذهبنا	,,
ذهبوا	,,
ذي	ذ و

ر

لفظ	ماده	لفظ	ماده	لفظ	ماده
رابطوا	ر ب ط	رابية	ر ب و	راجفة	ر ج ف
رابع	ر ب ع	رأت	ر أ ى	راحمين	ر ح م
رابيا	ر ب و	راجعون	ر ج ع	راد	ر د د

لفظ	ماده
رادفة	ر د ف
رادو	ر د د
رادي	,,
رازقين	ر ز ق
رأس	ر أ س
رءوس	,,
راسخون	ر س خ
راسيات	ر س و
راشدون	ر ش د
راضية	ر ض ى
راعنا	رعن(رعى)
راعون	ر ع ى
راغ	ر و غ
راغب	ر غ ب
راغبون	,,
رافة	ر أ ف
رافع	ر ف ع
رافعة	,,
راق	ر ق ى
راكع	ر ک ع
راكعون	,,
ران	ر ى ن
رأوا	ر أ ى
راودت	ر و د
راودتن	ر و د
راودوا	,,
رؤس	ر أ س
رءوف	ر أ ف
راى	ر أ ى
رئى	,,
رويا	,,
رايت	,,
رايتم	,,
رايتموا	,,
راين	,,
رب	ر ب ب
ربو	ر ب و
ربائب	ر ب ب
رباط	ر ب ط
رباع	ر ب ع
ربانيون	ر ب ب
ربانيين	,,
ربت	ر ب و
ربحت	ر ب ح
ربطنا	ر ب ط
ربع	ر ب ع
ربما	رُبَّ
ربوة	ر ب و
ربيا	ر ب و
ربيون	ر ب ب
رتق	ر ت ق
رتل	ر ت ل
رتلنا	,,
رج	ر ج ج
رجال	ر ج ل
رجت	ر ج ج
رجز	ر ج ز
رجس	ر ج س
رجع	ر ج ع
رجعى	,,
رجعت	,,
رجعتم	,,
رجعنا	,,
رجعوا	,,
رجفة	ر ج ف
رجل	ر ج ل
رجلان	,,
رجلين	,,
رجم	ر ج م
رجمنا	,,
رجوع	ر ج ع
رجوم	ر ج م

لفظ	ماده
رکز	ر ک ز
رکع	ر ک ع
رکن	ر ک ن
رکوب	ر ک ب
رمی	ر م ی
رماح	ر م ح
رماد	ر م د
رمان	ر م ن
رمز	ر م ز
رمضان	ر م ض
رمیت	ر م ی
رمیم	ر م م
رواح	ر و ح

لفظ	ماده
رواسی	ر س و
رواکد	ر ک د
روح	ر و ح
روضات	ر و ض
روضة	,,
روع	ر و ع
روم	ر و م
رویدا	ر و د
رهان	ر ه ن
رهب	ر ه ب
رهبان	,,
رهبانیة	,,
رهبة	,,

لفظ	ماده
رهط	ر ه ط
رهق	ر ه ق
رهوا	ر ه و
رهین	ر ه ن
رهینة	,,
رئاء	ر أ ی
ریاح	ر و ح
ریب	ر ی ب
ریبة	,,
ریحان	ر و ح
ریش	ر ی ش
ریع	ر ی ع

ز

لفظ	ماده
زاجرات	ز ج ر
زاد	ز ی د
زادت	,,
زادوا	,,
زارعون	ز ر ع
زاغ	ز ی غ
زاغت	,,
زاغوا	,,
زالت	ز و ل

لفظ	ماده
زالتا	ر و ل
زانی	ز ن ی
زانیة	,,
زاهدین	ز ه د
زاهق	ز ه ق
زبانیة	ز ب ن
زبد	ز ب د
زبر	ز ب ر
زبور	,,

لفظ	ماده
زجاجة	ز ج ج
زجر	ز ج ر
زجرة	,,
زحزح	ز ح ز ح
زحف	ز ح ف
زخرف	ز خ ر ف
زد	ز ی د
زدنا	,,
زرابی	ز ر ب

لفظ	ماده	لفظ	ماده	لفظ	ماده
زراع	ز ر ع	زلزلت	زل‌ل (زلزل)	زوجت	ز و ج
زرتم	ز و ر	زلزلة	,,	زوجنا	,,
زرق	ز ر ق	زلزلوا	,,	زوجين	,,
زرع	ز ر ع	زلف	ز ل ف	زور	ز و ر
زعم	ز ع م	زلفی	,,	زهرة	ز ه ر
زعمت	,,	زلفة	,,	زهق	ز ه ق
زعمتم	,,	زلق	ز ل ق	زهوق	,,
زعيم	,,	زللتم	ز ل ل	زيت	ز ی ت
زفير	ز ف ر	زمرا	ز م ر	زيتون	,,
زقوم	ز ق م	زمهرير	ز م ه ر	زيتونة	,,
زکی	ز ک و	زنا	ز ن ی	زيد	زيد
زکوٰة	,,	زنجبيل	زنجبيل	زيغ	ز ی غ
زکريا	زکريا	زنوا	و ز ن	زيلنا	ز و ل
زکی	ز ک و	زنيم	ز ن م	زين	ز ی ن
زکية	,,	زوال	ز و ل	زينا	,,
زلتم	ز و ل	زوج	ز و ج	زينت	,,
زلزال	زل‌ل (زلزل)	زوجان	,,	زينة	,,
				زينوا	,,

س

لفظ	ماده	لفظ	ماده	لفظ	ماده
س	س	سائحون	س ی ح	سابحات	س ب ح
ساء	س و ء	سائغ	س و غ	سابغات	س ب غ
سائبة	س ی ب	سائق	س و ق	سابق	س ب ق
ساءت	س و ء	سائل	س أ ل	سابقات	,,
سائحات	س ی ح	سائلين	,,	سابقوا	,,

لفظ	ماده	لفظ	ماده	لفظ	ماده
سابقون	س ب ق	سال	س أ ل	سبحوا	س ب ح
ساجد	س ج د	سئل	,,	سبع	س ب ع
ساجدون	,,	سألت	,,	سبعة	,,
ساحة	س ی ح	سالت	س ی ل	سبق	س ب ق
ساحر	س ح ر	سئلت	س أ ل	سبقت	س ب ق
ساحران	,,	سالتم	,,	سبقوا	,,
ساحرون	,,	سالتموا	,,	سبل	س ب ل
ساحل	س ح ل	سالمون	س ل م	سبيل	,,
ساخرين	س خ ر	سالوا	س أ ل	ستة	س ت ت
سادة	س و د	سئلوا	,,	ستر	س ت ر
سادس	س د س	سامدون	س م د	ستين	س ت ت
سار	س ی ر	سامر	س م ر	سجی	س ج و
سارب	س ر ب	سامری	,,	سجد	س ج د
سارعوا	س ر ع	سؤل	س أ ل	سجدا	,,
سارق	س ر ق	ساوی	س و ی	سجدوا	,,
سارقة	,,	ساهرة	س ه ر	سجرت	س ج ر
سارقون	,,	ساهم	س ه م	سجل	س ج ل
ساعة	س و ع، س ی ع	ساهون	س ه و	سجن	س ج ن
سافل	س ف ل	سبا	سبأ	سجود	س ج د
سافلين	,,	سبات	س ب ت	سجيل	س ج ل
ساق	س و ق	سبب	س ب ب	سجين	س ج ن
ساقط	س ق ط	سبت	س ب ت	سحاب	س ح ب
ساقی	س و ق	سبح	س ب ح	سحابة	,,
ساكن	س ک ن	سبحان	,,	سحار	س ح ر

لفظ	مادہ
سحت	س ح ت
سحر	س ح ر
سُحران	,,
سحرة	,,
سحروا	,,
سحق	س ح ق
سحیق	,,
سخر	س خ ر
سخرنا	,,
سخروا	,,
سخری	,,
سخط	س خ ط
سد	س د د
سدی	س د ی
سدر	س د ر
سدرة	,,
سدس	س د س
سدید	س د د
سدین	,,
سر	س ر ر
سراء	,,
سرائر	,,
سراب	س ر ب
سرابیل	س ر ب ل

لفظ	مادہ
سراج	س ر ج
سراح	س ر ح
سرادق	س ر د ق
سراع	س ر ع
سرب	س ر ب
سرحوا	س ر ح
سرد	س ر د
سرر	س ر ر
سرق	س ر ق
سرمد	س ر م د
سرور	س ر ر
سری	س ر ی - و
سریر	س ر ر
سریع	س ر ع
سطحت	س ط ح
سعیٰ	س ع ی
سعة	و س ع
سعدوا	س ع د
سعر	س ع ر
سعرت	,,
سعوا	س ع ی
سعي	,,
سعید	س ع د
سعیر	س ع ر

لفظ	مادہ
سفاهة	س ف ه
سفر	س ف ر
سفرة	,,
سفلیٰ	س ف ل
سفه	س ف ه
سفهاء	,,
سفینة	س ف ن
سفیه	س ف ه
سقی	س ق ی
سقایة	,,
سقر	س ق ر
سقط	س ق ط
سقطوا	,,
سقف	س ق ف
سقنا	س و ق
سقوا	س ق ی
سقیا	,,
سقیت	,,
سقیم	س ق م
سکاری	س ک ر
سکت	س ک ت
سکر	س ک ر
سکرة	,,
سکرت	,,

ش

لفظ	ماده
شريعة	ش ر ع
شريك	ش ر ك
شطأ	ش ط أ
شطر	ش ط ر
شطط	ش ط ط
شعائر	ش ع ر
شعب	ش ع ب
شعر	ش ع ر
شعراء	ش ع ر
شعرى	,,
شعوب	ش ع ب
شعيب	شُعَيْب
شغف	ش غ ف
شغل	ش غ ل
شغلت	,,
شَفَا	ش ف و
شِفَاء	ش ف ى
شَفاعة	ش ف ع
شفة	ش ف ه (شفو)
شفتين	,,
شفع	ش ف ع
شفعاء	,,
شفق	ش ف ق
شفيع	ش ف ع

لفظ	ماده
شق	ش ق ق
شقاق	,,
شقة	,,
شققنا	,,
شقوا	ش ق ى
شقوة	,,
شقي	,,
شك	ش ك ك
شكر	ش ک ر
شكرتم	,,
شكل	ش ک ل
شكور	ش ک ر
شمال	ش م ل
شمائل	,,
شمس	ش م س
شنْان	ش ن أ
شوى	ش و ى
شواظ	ش و ظ
شوب	ش و ب
شورى	ش و ر
شوكة	ش و ك
شهاب	ش ه ب
شهب	,,
شهادة	ش ه د

لفظ	ماده
شهادات	ش ه د
شهد	,,
شهداء	,,
شهدتم	,,
شهدنا	,,
شهدوا	,,
شهر	ش ه ر
شهرين	,,
شهوة	ش ه و
شهوات	,,
شهود	ش ه د
شهور	ش ه ر
شهيد	ش ه د
شهيدين	,,
شهيق	ش ه ق
شيء	ش ى أ
شياطين	ش ط ن
شيب	ش ى ب
شيبة	,,
شيخ	ش ى خ
شيطان	ش ط ن
شيع	ش ى ع
شيعة	,,
شيوخ	ش ى خ
شية	و ش ى

ص

لفظ	ماده
صائم	ص و م
صائمات	,,
صابئون	ص ب أ
صابر	ص ب ر
صابرة	,,
صابروا	,,
صابرون	,,
صاحب	ص ح ب
صاحب الحوت	ص ح ب / ح و ت
صاحبة	,,
صاحبي	,,
صاخة	ص خ خ
صادق	ص د ق
صادقات	,,
صادقون	,,
صارمين	ص ر م
صاعقة	ص ع ق
صاغرون	ص غ ر
صافات	ص ف ف
صافنات	ص ف ن
صافون	ص ف ف

لفظ	ماده
صال	ص ل ی
صَالِحٌ	صَالِحٌ
صالح	ص ل ح
صالحات	,,
صالحون	,,
صالحين	,,
صالوا	ص ل ی
صامتون	ص م ت
صب	ص ب ب
صباح	ص ب ح
صبار	ص ب ر
صببنا	ص ب ب
صبح	ص ب ح
صبر	ص ب ر
صبرتم	,,
صبرنا	,,
صبروا	,,
صبغ	ص ب غ
صبغة	,,
صبوا	ص ب ب
صبي	ص ب و
صحاف	ص ح ف

لفظ	ماده
صحف	ص ح ف
صخر	ص خ ر
صخرة	,,
صد	ص د د
صددتم	,,
صددنا	,,
صدر	ص د ر
صدع	ص د ع
صدف	ص د ف
صدفين	,,
صدق	ص د ق
صدقات	,,
صدقة	,,
صدقت	,,
صدقنا	,,
صدقوا	,,
صدوا	ص د د
صدود	,,
صدور	ص د ر
صديد	ص د د
صديق	ص د ق
صديقة	,,

لفظ	ماده
صدیقون	ص د ق
صُرْهُنَّ	ص و ر
صِر	ص ر ر
صَراط	ص ر ط
صرة	ص ر ر
صرح	ص ر ح
صرصر	ص ر ر
صرعیٰ	ص ر ع
صرف	ص ر ف
صرفت	,,
صرفنا	,,
صریخ	ص ر خ
صریم	ص ر م
صعد	ص ع د
صعق	ص ع ق
صعقا	,,
صعود	ص ع د
صعید	,,
صغار	ص غ ر
صغت	ص غ و
صغیر	ص غ ر
صغیرة	,,
صف	ص ف ف

لفظ	ماده
صَفًّا	ص ف ف
صَفَا	ص ف و
صفح	ص ف ح
صفر	ص ف ر
صفراء	,,
صفصف	ص ف ف
صفوان	ص ف و
صکت	ص ك ك
صل	ص ل و
صلی	,,
صلوٰة	,,
صلب	ص ل ب
صلبوا	,,
صلح	ص ل ح
صلد	ص ل د
صلصال	ص ل ص ل
صلوا	ص ل و
صلوات	,,
صلي	ص ل ی
صم	ص م م
صمد	ص م د
صموا	ص م م

لفظ	ماده
صنع	ص ن ع
صنعة	,,
صنعوا	,,
صنوان	ص ن و
صواب	ص و ب
صواع	ص و ع
صواعق	ص ع ق
صواف	ص ف ف
صوامع	ص م ع
صوت	ص و ت
صور	ص و ر
صورة	,,
صورنا	,,
صوم	ص و م
صهر	ص ه ر
صیاصي	ص ی ص
صیام	ص و م
صیب	ص و ب
صیحة	ص ی ح
صید	ص ی د
صیف	ص ی ف

ض

لفظ	ماده	لفظ	ماده	لفظ	ماده
ضائق	ض ی ق	ضراء	ض ر ر	ضغث	ض غ ث
ضاحك	ض ح ك	ضرار	,,	ضفادع	ض ف د ع
ضاحكة	,,	ضرب	ض ر ب	ضل	ض ل ل
ضار	ض ر ر	ضربت	,,	ضلال	,,
ضاق	ض ی ق	ضربتم	,,	ضلالة	,,
ضاقت	,,	ضربنا	,,	ضلت	,,
ضال	ض ل ل	ضربوا	,,	ضللنا	,,
ضالين	,,	ضرر	ض ر ر	ضلوا	,,
ضامر	ض م ر	ضريع	ض ر ع	ضنك	ض ن ك
ضان	ض أ ن	ضعاف	ض ع ف	ضنين	ض ن ن
ضبح	ض ب ح	ضعف	,,	ضياء	ض و ء
ضحى	ض ح و	ضعفاء	,,	ضير	ض ی ر
ضحكت	ض ح ك	ضعفوا	,,	ضيزى	ض و ز
ضد	ض د د	ضعفين	,,	ضيف	ض ی ف
ضر	ض ر ر	ضعيف	,,	ضيق	ض ی ق

ط

لفظ	ماده	لفظ	ماده	لفظ	ماده
طائر	ط ی ر	طائفتين	ط و ف	طاعة	ط و ع
طائعين	ط و ع	طائفين	,,	طاعم	ط ع م
طائف •	ط و ف	طاب	ط ی ب	طاغوت	ط غ ی
طائفة	,,	طارد	ط ر د	طاغون	,,
طائفتان	,,	طارق	ط ر ق	طاغية	,,

لفظ	ماده
طاغين	ط غ ی
طاف	ط و ف
طاقة	ط و ق
طال	ط و ل
طالب	ط ل ب
طالوت	طَالُوت [۸۹و]
طامة	ط م م
طباق	ط ب ق
طبتم	ط ی ب
طبع	ط ب ع
طبق	ط ب ق
طبن	ط ی ب
طحی	ط ح ی
طرائق	ط ر ق
طردت	ط ر د
طرف	ط ر ف
طرفي	,,
طري	ط ر ی
طريق	ط ر ق
طريقة	,,
طعام	ط ع م
طعم	,,
طعمتم	,,

لفظ	ماده
طعموا	ط ع م
طعن	ط ع ن
طعنوا	,,
طغی	ط غ ی
طغوا	,,
طغوی	,,
طغيان	,,
طفق	ط ف ق
طفقا	,,
طفل	ط ف ل
طل	ط ل ل
طلاق	ط ل ق
طلب	ط ل ب
طلح	ط ل ح
طلع	ط ل ع
طلعت	,,
طلق	ط ل ق
طلقتم	,,
طلقتمو	,,
طلقوا	,,
طلوع	ط ل ع
طمست	ط م س
طمسنا	,,

لفظ	ماده
طمع	ط م ع
طوی	ط و ی
طوافون	ط و ف
طوبٰی	ط ی ب
طود	ط و د
طور	طور [۸۹و]
طوع	ط و ع
طوعت	,,
طوفان	ط و ف
طول	ط و ل
طويل	,,
طهر	ط ه ر
طهرا	,,
طهور	,,
طي	ط و ی
طيب	ط ی ب
طيبات	,,
طيبة	,,
طيبون	,,
طير	ط ی ر
طين	ط ی ن

ظ

لفظ	ماده	لفظ	ماده	لفظ	ماده
ظالم	ظ ل م	ظلتم	ظ ل ل	ظمآن	ظ م أ
ظالمة	,,	ظلل	,,	ظن	ظ ن ن
ظالمون	,,	ظللنا	,,	ظنا	,,
ظانين	ظ ن ن	ظلم	ظ ل م	ظننا	,,
ظاهر	ظ ه ر	ظلمات	,,	ظننت	,,
ظاهرة	,,	ظلمة	,,	ظننتم	,,
ظاهروا	,,	ظلمت	,,	ظنوا	,,
ظاهرين	,,	ظلمتم	,,	ظنون	,,
ظعن	ظ ع ن	ظلمنا	,,	ظهر	ظ ه ر
ظفر	ظ ف ر	ظلموا	,,	ظهور	,,
ظل	ظ ل ل	ظلوا	ظ ل ل	ظهري	,,
ظلال	,,	ظلوم	ظ ل م	ظهير	,,
ظلام	ظ ل م	ظليل	ظ ل ل	ظهيرة	,,
ظلة	ظ ل ل	ظماء	ظ م أ		
ظلت	,,				

ع

لفظ	ماده	لفظ	ماده	لفظ	ماده
عائدون	ع و د	عابري	ع ب ر	عَادٌ	عَادٌ
عائل	ع ی ل (عول)	عابر	,,	عَادَ	ع و د
عابد	ع ب د	عاتية	ع ت و	عادوا	,,
عابدات	,,	عاجلة	ع ج ل	عادون	ع د و
عابدون	,,	عَادٍ	ع د و	عاديات	,,

لفظ	ماده
عادیتم	ع د و
عادین	ع د د
عارض	ع ر ض
عاشروا	ع ش ر
عاصف	ع ص ف
عاصفات	,,
عاصفة	,,
عاصم	ع ص م
عافین	ع ف و
عاقب	ع ق ب
عاقبة	,,
عاقبتم	,,
عاقبوا	,,
عاقر	ع ق ر
عاکف	ع ک ف
عال	ع ل و
عالم	ع ل م
عالمون	,,
عالمین	,,
عالي	ع ل و
عالیة	,,
عالیهم	,,
عالین	,,
عام	ع و م
عامل	ع م ل
عاملة	,,
عاملون	,,
عامین	ع و م
عاهد	ع ه د
عاهدا	,,
عاهدت	,,
عاهدتم	,,
عاهدوا	,,
عباد	ع ب د
عبادة	,,
عبث	ع ب ث
عبد	ع ب د
عبدت	,,
عبدتم	,,
عبدنا	,,
عبدین	,,
عبرة	ع ب ر
عبس	ع ب س
عبقری	ع ب ق ر
عبوس	ع ب س
عبید	ع ب د
عتت	ع ت و
عتل	ع ت ل
عتو	ع ت و
عتوا	,,
عتي	,,
عتید	ع ت د
عتیق	ع ت ق
عثر	ع ث ر
عجاب	ع ج ب
عجاف	ع ج ف
عجب	ع ج ب
عجبت	,,
عجبتم	,,
عجبوا	,,
عجزت	ع ج ز
عجل	ع ج ل
عجلت	,,
عجلتم	,,
عجلنا	,,
عجوز	ع ج ز
عجول	ع ج ل
عجیب	ع ج ب
عد	ع د د
عداوة	ع د و
عدة	ع د د
عدتم	ع و د

لفظ	ماده
عدد	ع د د
عدس	ع د س
عدل	ع د ل
عدن	ع د ن
عدنا	ع و د
عدو	ع د و
عدوان	,,
عدوة	,,
عذاب	ع ذ ب
عذب	,,
عذبنا	,,
عذت	ع و ذ
عذر	ع ذ ر
عراء	ع ر ی
عرب	ع ر ب
عربی	,,
عرجون	ع ر ج ن
عرش	ع ر ش
عرض	ع ر ض
عرضة	,,
عرضتم	,,
عرضنا	,,
عرضوا	,,
عرف	ع ر ف
عرفات	ع ر ف
عرفت	,,
عرفوا	,,
عرم	ع ر م
عروة	ع ر و
عروش	ع ر ش
عريض	ع ر ض
عز	ع ز ز
عزة	,,
عزرتموا	ع ز ر
عزروا	,,
عززنا	ع ز ز
عزلت	ع ز ل
عزم	ع ز م
عزمت	,,
عزموا	,,
عزی	ع ز ز
عزیر	عزیر
عزیز	ع ز ز
عزین	ع ز و
عسی	ع س ی
عسر	ع س ر
عسری	,,
عسرة	,,
عسعس	ع س ع س
عسل	ع س ل
عسیتم	ع س ی
عسر	ع س ر
عشاء	ع ش و
عشار	ع ش ر
عشر	,,
عشرة	,,
عشرون	,
عشي	ع ش ی
عشية	,,
عشير	ع ش ر
عشيرة	,,
عصا	ع ص و
عصی	ع ص ی
عصبة	ع ص ب
عصر	ع ص ر
عصف	ع ص ف
عصم	ع ص م
عصوا	ع ص ی
عِصِيّ	ع ص و
عَصِيّ	ع ص ی
عصيان	,,
عصيب	ع ص ب

لفظ	ماده
عصيت	ع ص ی
عصيتم	,,
عصينا	,,
عضد	ع ض د
عضوا	ع ض ض
عضين	ع ض و
عطاء	ع ط و
عطف	ع ط ف
عطلت	ع ط ل
عظ	و ع ظ
عظام	ع ظ م
عظم	,,
عظوا	و ع ظ
عظيم	ع ظ م
عفا	ع ف و
عفريت	عفريت
عفو	ع ف و
عفونا	,,
عفي	,,
عقاب	ع ق ب
عقب	,,
عقبى	,,
عقبة	,,
عقبي	,,

لفظ	ماده
عقد	ع ق د
عقدة	,,
عقدت	,,
عقدتم	,,
عقر	ع ق ر
عقروا	,,
عقلوا	ع ق ل
عقود	ع ق د
عقيم	ع ق م
علا	ع ل و
علی	علی
علام	ع ل م
علامات	,,
علانية	ع ل ن
علق	ع ل ق
علقة	,,
علم	ع ل م
علماء	,,
علمت	,,
علمتم	,,
علمتموا	,,
علمنا	,,
علموا	,,
عُلُوًّا	ع ل و

لفظ	ماده
عَلَوْا	ع ل و
علي	,,
عليا	,,
عليم	ع ل م
عليون	ع ل و
عليهم	علی + هم
عَمَّ	عن + ما
عَمٌّ	ع م م
عمات	,,
عماد	ع م د
عمارة	ع م ر
عمد	ع م د
عمر	ع م ر
عمران	,,
عمرة	,,
عمروا	,,
عمل	ع م ل
عملت	,,
عملتم	,,
عملوا	,,
عموا	ع م ی
عمون	,,
عمي	,,
عميان	,,

لفظ	مادہ
عميت	ع م ی
عميق	ع م ق
عمين	ع م ی
عن	عن
عنب	ع ن ب
عَنَتٌ	ع ن ت
عَنَتِ	ع ن و
عنتم	ع ن ت
عند	عند
عنق	ع ن ق
عنكبوت	ع ن ك ب
عنيد	ع ن د
عوان	ع و ن
عوج	ع و ج
عورات	ع و ر
عورة	,,
عوقب	ع ق ب
عوقبتم	,,
عهد	ع ه د
عهدنا	,,
عهن	ع ه ن
عيد	ع و د
عير	ع ی ر
عيسیٰ	عيسیٰ
عيشة	ع ی ش
عيلة	ع ی ل (عول)
عين	ع ی ن
عينان	,,
عينين	,,
عيون	,,
عيينا	ع ی ی

غ

لفظ	مادہ
غائبة	غ ی ب
غائبون	,,
غائبين	,,
غائط	غ و ط
غائظون	غ ی ظ
غابرين	غ ب ر
غار	غ و ر
غارمين	غ ر م
غاسق	غ س ق
غاشية	غ ش ی
غافر	غ ف ر
غافرين	غ ف ر
غافل	غ ف ل
غافلات	,,
غالب	غ ل ب
غاوون	غ و ی
غبرة	غ ب ر
غثاء	غ ث و
غد	غ د و
غداء	,,
غداة	,,
غدق	غ د ق
غدو	غ د و
غدوا	,,
غدوت	,,
غر	غ ر ر
غراب	غ ر ب
غرابيب	,,
غرام	غ ر م
غربت	غ ر ب
غربي	,,
غربية	,,
غرت	غ ر ر

لفظ	مادہ	لفظ	مادہ	لفظ	مادہ
غرف	غ ر ف	غفران	غ ف ر	غمرات	غ م ر
غرفات	,,	غفرنا	,,	غمة	غ م م
غرفة	,,	غفلة	غ ف ل	غمام	,,
غرق	غ ر ق	غفور	غ ف ر	غنم	غ ن م
غروب	غ ر ب	غل	غ ل ل	غنمتم	,,
غرور	غ ر ر	غلاظ	غ ل ظ	غني	غ ن ی
غزی	غ ز و	غلام	غ ل م	غوی	غ و ی
غزل	غ ز ل	غلامین	,,	غواش	غ ش ی
غساق	غ س ق	غلب	غ ل ب	غواص	غ و ص
غسق	,,	غلبت	,,	غور	غ و ر
غسلین	غ س ل	غلبوا	,,	غول	غ و ل
غشی	غ ش ی	غلت	غ ل ل	غوي	غ و ی
غشاوة	,,	غلظة	غ ل ظ	غوینا	,,
غصب	غ ص ب	غلف	غ ل ف	غي	,,
غصة	غ ص ص	غلقت	غ ل ق	غیابت	غ ی ب
غضب	غ ض ب	غلمان	غ ل م	غیب	,,
غضبان	,,	غلوا	غ ل ل	غیث	غ ی ث
غضبوا	,,	غلي	غ ل و-ی	غیر	غ ی ر
غطاء	غ ط و	غلیظ	غ ل ظ	غیض	غ ی ض
غفار	غ ف ر	غم	غ م م	غیظ	غ ی ظ
غفر	,,	غمرة	غ م ر	غیوب	غ ی ب

ف

لفظ	مادہ	لفظ	مادہ	لفظ	مادہ
ف	ف	فاءت	ف ی أ	فائزون	ف و ز

لفظ	ماده	لفظ	ماده	لفظ	ماده
فآءوا	ف ی أ	فالق	ف ل ق	فجرة	ف ج ر
فات	ف و ت	فان	ف ن ی	فجرت	,,
فئة	ف أ و	فاه	ف و ه	فجرنا	,,
فئتان	,,	فتی	ف ت ی	فجوة	ف ج و
فئتين	,,	فتاح	ف ت ح	فجور	ف ج ر
فاتحين	ف ت ح	فتح	,,	فحشاء	ف ح ش
فاتنين	ف ت ن	فتحت	,,	فخار	ف خ ر
فاجر	ف ج ر	فتحنا	,,	فخور	,,
فاحشة	ف ح ش	فتحوا	,,	فدآء	ف د ی
فار	ف و ر	فترة	ف ت ر	فدية	,,
فارض	ف ر ض	فتقنا	ف ت ق	فدينا	,,
فارغ	ف ر غ	فتنا	ف ت ن	فرات	ف ر ت
فارقات	ف ر ق	فتنة	,,	فرادیٰ	ف ر د
فارقوا	,,	فتنتم	,,	فرار	ف ر ر
فارهين	ف ر ه	فتنوا	,,	فراش	ف ر ش
فاز	ف و ز	فتون	,,	فراق	ف ر ق
فاسق	ف س ق	فتيات	ف ت ی	فرت	ف ر ر
فاصلين	ف ص ل	فتيان	,,	فرث	ف ر ث
فاطر	ف ط ر	فتية	,,	فرج	ف ر ج
فاعل	ف ع ل	فتيل	ف ت ل	فرجت	,,
فاقرة	ف ق ر	فج	ف ج ج	فرح	ف ر ح
فاقع	ف ق ع	فجاج	,,	فرحوا	,,
فاكهة	ف ک ه	فجار	ف ج ر	فرحون	,,
فاكهون	,,	فجر	,,	فرد	ف ر د

لفظ	مادہ
فردوس	ف ر د س
فررت	ف ر ر
فررتم	,,
فرش	ف ر ش
فرشنا	,,
فرض	ف ر ض
فرضتم	,,
فرضنا	,,
فرط	ف ر ط
فرطت	,,
فرطتم	,,
فرطنا	,,
فرع	ف ر ع
فرعون	فرعون
فرغت	ف ر غ
فرق	ف ر ق
فرقان	,,
فرقة	,,
فرقت	,,
فرقنا	,,
فرقوا	,,
فروا	ف ر ر
فروج	ف ر ج
فري	ف ر ی

لفظ	مادہ
فريضة	ف ر ض
فريق	ف ر ق
فريقان	,,
فريقين	,,
فزع	ف ز ع
فزعوا	,,
فساد	ف س د
فسدت	,,
فسدتا	,,
فسق	ف س ق
فسقوا	,,
فسنيسره	ی س ر
فسوق	ف س ق
فشلتم	ف ش ل
فصال	ف ص ل
فصل	,,
فصلت	,,
فصلنا	,,
فصيلته	,,
فضة	ف ض ض
فضل	ف ض ل
فضلت	,,
فضلنا	,,
فضلوا	,,

لفظ	مادہ
فطر	ف ط ر
فطرة	,,
فطور	,,
فظ	ف ظ ظ
فعال	ف ع ل
فعل	,,
فعلة	,,
فعلت	,,
فعلتم	,,
فعلن	,,
فعلنا	,,
فعلوا	,,
فقر	ف ق ر
فقرآء	,,
فقير	,,
فلك	ف ک ک
فكر	ف ک ر
فكهين	ف ک ہ
فلان	ف ل ن
فلق	ف ل ق
فلك	ف ل ک
فواحش	ف ح ش
فؤاد	ف أ د
فواق	ف و ق

لفظ	مادہ	لفظ	مادہ	لفظ	مادہ
فواكه	ف ک ه	فوز	ف و ز	فهمنا	ف ه م
فوت	ف و ت	فوق	ف و ق	في	فی
فوج	ف و ج	فوم	ف و م	فيل	ف ی ل
فور	ف و ر				

ق

لفظ	مادہ	لفظ	مادہ	لفظ	مادہ
ق	و ق ی	قاسية	ق س و	قام	ق و م
قَآئِلٌ	ق و ل	قاصد	ق ص د	قاموا	,,
قَآئِلُوْنَ	ق ی ل	قاصرات	ق ص ر	قانت	ق ن ت
قائم	ق و م	قاصرات الطرف	ق ص ر + ط ر ف	قانتات	,,
قائمة	,,	قاصف	ق ص ف	قانتون	,,
قائمون	,,	قاض	ق ض ی	قانطين	ق ن ط
قاب	ق و ب	قاضية	,,	قانع	ق ن ع
قاب قوسين	ق و ب + ق و س	قاطعة	ق ط ع	قاهر	ق ه ر
قابل	ق ب ل	قاع	ق ی ع	قبائل	ق ب ل
قاتل	ق ت ل	قاعد	ق ع د	قبر	ق ب ر
قاتلا	,,	قاعدون	,,	قبس	ق ب س
قاتلوا	,,	قال	ق و ل	قبض	ق ب ض
قادر	ق د ر	قالا	,,	قبضة	,,
قارعة	ق ر ع	قالت	,,	قبضت	,,
قارون	قَارُوْنُ	قالتا	,,	قبضنا	,,
قاسطون	ق س ط	قالوا	,,	قبل	ق ب ل
قاسم	ق س م	قالين	ق ل ی - و	قبلة	,,
				قبور	ق ب ر

لفظ	مادہ	لفظ	مادہ	لفظ	مادہ
قبول	ق ب ل	قدمت	ق د م	قربان	ق ر ب
قبيل	,,	قدمتم	,,	قربنا	,,
قتال	ق ت ل	قدمتموا	,,	قرة	ق ر ر
قتر	ق ت ر	قدمنا	,,	قرح	ق ر ح
قترة	,,	قدموا	,,	قردة	ق ر د
قتل	ق ت ل	قدور	ق د ر	قرض	ق ر ض
قتلى	,,	قدوس	ق د س	قرطاس	ق ر ط س
قتلت	,,	قدير	ق د ر	قَرْنَ	و ق ر
قتلتم	,,	قديم	ق د م	قَرْنٌ	ق ر ن
قتلتموا	,,	قذف	ق ذ ف	قرناء	,,
قتلنا	,,	قذفنا	,,	قرنين	,,
قتلوا	,,	قرى	ق ر ى	قروء	ق ر أ
قتور	ق ت ر	قرأ	ق ر أ	قرون	ق ر ن
قثاء	ق ث أ	قرئ	,,	قرِي	ق ر ر
قَدْ	قَدْ	قرأت	,,	قريب	ق ر ب
قُدَّ	ق د د	قرار	ق ر ر	قرية	ق ر ى
قدت	,,	قراطيس	ق ر ط س	قريتين	,,
قدح	ق د ح	قرآن	ق ر أ	قريش	قريش
قدد	ق د د	قرآنا	,,	قرين	ق ر ن
قدر	ق د ر	قرب	ق ر ب	قست	ق س و
قدرنا	,,	قربا	,,	قسط	ق س ط
قدروا	,,	قربى	,,	قسطاس	,,
قدس	ق د س	قربات	,,	قسم	ق س م
قدم	ق د م	قربة	,,	قسمة	,,

لفظ	ماده	لفظ	ماده	لفظ	ماده
قوتلتم	ق ت ل	قولي	ق و ل	قيضنا	ق ى ض
قوتلوا	,,	قوم	ق و م	قيعة	ق ى ع
قوس	ق و س	قوموا	,,	قيل	ق و ل
وسين	,,	قوي	ق و ى	قيله	,,
قول	ق و ل	قهار	ق ه ر	قيم	ق و م
قولا	,,	قيام	ق و م	قيمة	,,
قولوا	,,	قيامة	,,	قيوم	,,

ك

لفظ	ماده	لفظ	ماده	لفظ	ماده
ک	ک	کارهون	ک ر ه	کالوا	ک ی ل
کَ	کَ	کارهين	,,	کامله	ک م ل
کِ	کِ	کاس	ک أ س	کاملين	,,
کاتِب	ک ت ب	کاشف	ک ش ف	کَأَنَّ	کَأَنَّ
کاتبوا	,,	کاشفة	,,	کانما	,,
کاتبون	,,	کاشفوا	,,	کَانَ	ك و ن
کاتبين	,,	کاظمين	ک ظ م	کانا	,,
کاد	ک و د	کاف	ک ف ی	کانت	,,
کادت	,,	کافة	ک ف ف	کانتا	,,
کادح	ک د ح	کافر	ک ف ر	کانوا	,,
کادوا	ک و د	کافرة	,,	کاهن	ک ه ن
کاذب	ک ذ ب	کافرون	,,	کاين	کاين
کاذبة	,,	کافرين	,,	کبائر	کَ ب ر
کاذبون	,,	کافور	,,	کبار	,,
کاذبين	,,	کالحون	ک ل ح	کبت	ك ب ب

لفظ	مادہ
كُبِتَ	ک ب ت
كبتوا	,,
كبد	ک ب د
كبر	ک ب ر
كبرىٰ	,,
كبراء	,,
كبرت	,,
كبكبوا	ک ب ب
كبرياء	ک ب ر
كبيرة	,,
كتاب	ک ت ب
كتابيه	,,
كتب	,,
كتبت	,,
كتبنا	,,
كتم	ک ت م
كثر	ک ث ر
كثرة	,,
كثرت	,,
كثيب	ک ث ب
كثير	ک ث ر
كثيرة	,,
كدت	ک و د
كدح	ک د ح
كدنا	ک ی د
كذاب	ک ذ ب
كذالك	ک + ذ ا
كذالكم	,,
كذب	ک ذ ب
كذبت	ک ذ ب
كذبتم	,,
كذبنا	,,
كذبوا	,,
كرام	ک ر م
كراما كاتبين	ک ر م ک ت ب
كرب	ک ر ب
كرة	ک ر ر
كرتين	,,
كرسي	ک ر س
كرمت	ک ر م
كرمنا	,,
كره	ک ر ه
كرهتموا	,,
كرهوا	,,
كريم	ک ر م
كساد	ک س د
كسالىٰ	ک س ل
كسب	ک س ب
كسبا	ک س ب
كسبت	,,
كسبتم	,,
كسبوا	,,
كسف	ک س ف
كسوة	ک س و
كسونا	,,
كشطت	ک ش ط
كشف	ک ش ف
كشفت	,,
كشفنا	,,
كظيم	ک ظ م
كعبة	ک ع ب
كعبين	,,
كف	ک ف ف
كفا	,,
كفىٰ	ک ف ی
كفات	ک ف ت
كفار	ک ف ر
كفارة	,,
كفر	,,
كفران	,,
كفرة	,,
كفرت	,,

لفظ	ماده
كفرتم	ک ف ر
كفرنا	,,
كفروا	,,
كففت	ک ف ف
كفل	ک ف ل
كفلين	,,
كفؤ	ک ف أ - و
كفوا	ک ف ف
كفور	ک ف ر
كفي	ک ف ف
كفيل	ک ف ل
كفينا	ک ف ی
كُلّ	ک ل ل
كُلّ	كُلّ (حرف)
كَلَا	كَلَا (حرف)
كَلَّا	كَلَّا ,,
كُلَا	أ ک ل
كلالة	ک ل ل

لفظ	ماده
كلام	ک ل م
كلاب	ک ل ب
كلتا	كلا
كلتم	ک ی ل
كلم	ک ل م
كلما	ک ل ل
كلمات	ک ل م
كلمة	,,
كلوا	ا ک ل
كلي	,,
كَمْ	كَمْ (حرف)
كُمْ	كُمْ (ضمير)
كُمَا	كُمَا ,,
كُمُوْا	كُمْ ,,
كُنْ	ک و ن
كُنَّ	ک ن ن
كُنَّ	ك و ن + كُنَّ (ضمير)

لفظ	ماده
كُنَّا	ك و ن
كُنْتُ	,,
كُنْتُمْ	,,
كُنْتُنَّ	,,
كنز	ک ن ز
كنزتم	,,
كنس	ک ن س
كنود	ک ن د
كونوا	ک و ن
كوني	,,
كهف	ک ه ف
كهل	ک ه ل
كيف	كَيْفَ (حرف)
كي	كَيْ ,,
كيد	ک ی د
كيدوا	,,
كيل	ک ی ل

ل

لفظ	ماده
ل	لَ (حرف جر)
ل	لَ (حرف تاكيد)
لا	لَا (حرف)
لائم	ل و م

لفظ	ماده
لابثين	ل ب ث
لَاتَ	لَاتَ
لَاتُ	لَاتُ
لازب	ل ز ب

لفظ	ماده
لاعبين	ل ع ب
لاعنون	ل ع ن
لاغية	ل غ و
لاقي	ل ق ی

لفظ	ماده
لَوْ	لَوْ
لواحة	ل و ح
لواذ	ل و ذ
لواقح	ل ق ح
لوامة	ل و م
لوح	ل و ح
لوط	ل و ط
لَوْلَا	لَوْ+لَا
لَوْمَا	لَوْ+مَا
لومة	ل و م

لفظ	ماده
لوموا	ل و م
لون	ل و ن
لووا	ل و ی
لَہٗ	لَ+ہٗ
لهب	ل ه ب
لهو	ل ه و
لي	ل و ی
ليال	ل ی ل
ليالي	,,

لفظ	ماده
لَيْتَ	لَيْتَ
ليس	لَيْسَ
ليست	,,
ليسوا	,,
ليل	ل ی ل
ليلة	,,
لين	ل ی ن
لينبذن	ن ب ذ
لينة	ل ی ن

م

لفظ	ماده
ما	مَا
ماء	م و ه
مائة	م ء ی
مائتين	,,
مائدة	م ی د
مآب	ا و ب
مات	م و ت
ماتوا	,,
ماتي	ا ت ی
ماجوج	أ ج ج
مَادُمْتَ	د و م
مَادُمْتُمْ	,,

لفظ	ماده
مَاذَا	ماذا
مأرب	ا ر ب
مارج	م ر ج
مارد	م ر د
ماروت	ماروت
ماعون	م ع ن
ماكثون	م ک ث
ماكرين	م ک ر
ماكول	ا ک ل
مال	م و ل
مالئون	م ل أ
مالک	م ل ک

لفظ	ماده
مالكون	م ل ک
مامن	ا م ن
مامون	,,
مانعة	م ن ع
ماوی	ا و ی
ماهدون	م ه د
ماهيه	ما+ هی
مبارک	ب ر ک
مباركة	,,
مبتلي	ب ل و
مبتلين	,,
مبثوث	ب ث ث

لفظ	مادہ	لفظ	مادہ	لفظ	مادہ
مبثوثة	ب ث ث	متاب	ت و ب	متصدقة	ص د ق
مبدل	ب د ل	متاع	م ت ع	متصدقين	،،
مبدي	ب د و	متبر	ت ب ر	مطهرة	ط ھ ر
مبذرين	ب ذ ر	متبرجات	ب ر ج	متطهرين	،،
مبرءون	ب ر أ	متبعون	ت ب ع	متعال	ع ل و
مبرمون	ب ر م	متتابعين	،،	متعت	م ت ع
مبسوطتان	ب س ط	متجاورات	ج و ر	متعت	،،
مبشر	ب ش ر	متجانف	ج ن ف	متعتم	،،
مبشرات	،،	متحرف	ح ر ف	متعمدا	ع م د
مبشرون	،،	متحيز	ح ی ز	متعنا	م ت ع
مبصر	ب ص ر	متخذ	أ خ ذ	متعوا	،،
مبصرات	،،	متخذات	،،	متفرقة	ف ر ق
مبصرون	،،	متراكب	ر ک ب	متفرقون	،،
مبطلون	ب ط ل	متربة	ت ر ب	متقابلين	ق ب ل
مبعدون	ب ع د	متربص	ر ب ص	متقلب	ق ل ب
مبعوثون	ب ع ث	متربصون	،،	متقلبان	،،
مبلسون	ب ل س	متردية	ر د ی	متقون	و ق ی
مبلغ	ب ل غ	مترفوا	ت ر ف	متقين	،،
مبوأ	ب و أ	مترفين	،،	متكأ	و ک أ
مبين	ب ی ن	متشابه	ش ب ہ	متكئون	،،
مبينات	،،	متشابهات	،،	متكئين	،،
مبينة	،،	متشاكسون	ش ک س	متكبر	ک ب ر
مت	م و ت	متصدع	ص د ع	متكبرين	،،
متى	مَتَی	متصدقات	ص د ق	متكلفين	ک ل ف

لفظ	مادہ
محله	ح ل ل
محمد	ح م د
محمود	,,
محونا	م ح و
محي	ح ی ی
محيا	,,
محيص	ح ی ص
محيض	ح ی ض
محيط	ح و ط
محيطة	,,
مخاض	م خ ض
مخبتين	خ ب ت
مختال	خ ی ل
مختلف	خ ل ف
مختوم	خ ت م
مخذول	خ ذ ل
مخرج	خ ر ج
مخرجون	,,
مخرجين	,,
مخسرين	خ س ر
مخضرة	خ ض ر
مخضود	خ ض د
مخلدون	خ ل د
مخلص	خ ل ص

لفظ	مادہ
مخلصون	خ ل ص
مخلصين	,,
مخلف	خ ل ف
مخلفون	,,
مخلقة	خ ل ق
مخمصة	خ م ص
مد	م د د
مدآئن	م د ن
مداد	م د د
مدبر	د ب ر
مدبرات	,,
مدبرين	د ب ر
مدة	م د د
مدت	,,
مدثر	د ث ر
مدحضين	د ح ض
مدحور	د ح ر
مدخل	د خ ل
مدد	م د د
مددنا	,,
مدرار	د ر ر
مدركون	د ر ک
مدكر	ذ ک ر
مدهامتان	د ه م

لفظ	مادہ
مدهنون	د ه ن
مدين	مدين
مدينة	م د ن
مدينون	د ی ن
مدينين	,,
مذءوم	ذ ا م
مذبذبين	ذ ب ب
مذعنين	ذ ع ن
مذكر	ذ ک ر
مذكور	,,
مذموم	ذ م م
مر	م ر ر
مرء	م ر أ
مرآء	م ر ی
مرات	م ر ر
مراضع	ر ض ع
مراغم	ر غ م
مرافق	ر ف ق
مرة	م ر ر
مرت	,,
مرتاب	ر ی ب
مرتان	م ر ر
مرتفق	ر ف ق
مرتقبون	ر ق ب

لفظ	ماده
مستبشرة	ب ش ر
مستبصرين	ب ص ر
مستبين	ب ی ن
مستخف	خ ف ی
مستخلفين	خ ل ف
مستسلمون	س ل م
مستضعفون	ض ع ف
مستطر	س ط ر
مستطير	ط ی ر
مستعان	ع و ن
مستغفرين	غ ف ر
مستقبل	ق ب ل
مستقدمين	ق د م
مستقر	ق ر ر
مستقيم	ق و م
مستكبر	ک ب ر
مستكبرون	,,
مستمر	م ر ر
مستمسكون	م س ك
مستمع	س م ع
مستمعون	,,
مستنفرة	ن ف ر
مستودع	و د ع
مستور	س ت ر
مستهزؤن	ه ز أ
مستيقنين	ی ق ن
مسجد	س ج د
مسجور	س ج ر
مسجونين	س ج ن
مسح	م س ح
مسحرين	س ح ر
مسحور	,,
مسحورون	,,
مسخر	س خ ر
مسخرات	,,
مسخنا	مسخ
مسد	م س د
مسرف	س ر ف
مسرفون	,,
مسرفين	,,
مسرور	س ر ر
مسطور	س ط ر
مسغبة	س غ ب
مسفرة	س ف ر
مسفوح	س ف ح
مسک	م س ک
مسكن	س ک ن
مسكنة	,,
مسكوب	س ک ب
مسكونة	س ک ن
مسكين	,,
مسلم	س ل م
مسلمات	,,
مسلمة	,,
مسلمون	,,
مسلمين	,,
مسمى	س م و
مسمع	س م ع
مسنا	م س س
مسندة	س ن د
مسنون	س ن ن
مسود	س و د
مسودة	,,
مسومة	س و م
مسومين	,,
مسیءُ	س و ء
مسيح	م س ح
مسيطر	س ط ر
مسيطرون	,,
مشاء	م ش ی
مشارب	ش ر ب
مشارق	ش ر ق

لفظ	ماده
مشئمة	ش أ م
مشتبه	ش ب ہ
مشترکون	ش ر ک
مشحون	ش ح ن
مشرب	ش ر ب
مشرق	ش ر ق
مشرقین	,,
مشرك	ش ر ك
مشرکات	,,
مشرکة	,,
مشرکون	,,
مشرکین	,,
مشعر	ش ع ر
مشفقون	ش ف ق
مشکوة	ش ک و
مشکور	ش ک ر
مشوا	م ش ی
مشهد	ش ه د
مشهود	,,
مشي	م ش ی
مشید	ش ی د
مشیدة	,,
مصابیح	ص ب ح
مصانع	ص ن ع

لفظ	ماده
مصباح	ص ب ح
مصبحین	ص ب ح
مصدق	ص د ق
مصدقات	ص د ق
مصدقین	,,
مصر	م ص ر
مصرخ	ص ر خ
مصروف	ص ر ف
مصطفین	ص ف و
مصفی	,,
مصفر	ص ف ر
مصفوفة	ص ف ف
مصلی	ص ل و
مصلح	ص ل ح
مصلحون	,,
مصلین	ص ل و
مصور	ص و ر
مصیب	ص و ب
مصیبة	,,
مصیر	ص ی ر
مصیطر	س ط ر
مضی	م ض ی
مضاجع	ض ج ع
مضار	ض ر ر

لفظ	ماده
مضاعفة	ض ع ف
مضت	م ض ی
مضطر	ض ر ر
مضعفون	ض ع ف
مضغة	م ض غ
مضل	ض ل ل
مضلین	,,
مطاع	ط و ع
مطر	م ط ر
مطففین	ط ف ف
مطلع	ط ل ع
مطلعون	,,
مطلقات	ط ل ق
مطلوب	ط ل ب
مطمئن	ط م ن
مطمئنة	,,
مطمئنین	,,
مطوعین	ط و ع
مطویات	ط و ی
مطهر	ط ه ر
مطهرة	,,
مطهرون	,,
مظلم	ظ ل م
مظلمون	,,

لفظ	ماده
مظلوم	ظ ل م
مَعَ	مع
معاجزين	ع ج ز
معاد	ع و د
معاذ	ع و ذ
معاذير	ع ذ ر
معارج	ع ر ج
معاش	ع ی ش
معايش	,,
معتبين	ع ت ب
معتد	ع د و
معتدون	,,
معتر	ع ر ر
معجز	ع ج ز
معجزين	,,
معدود	ع د د
معدودات	,,
معدودة	,,
معذب	ع ذ ب
معذبون	,,
معذبين	,,
معذرة	ع ذ ر
معذرون	,,
معرة	ع ر ر

لفظ	ماده
معرضون	ع ر ض
معرضين	,,
معروشات	ع ر ش
معروف	ع ر ف
معروفة	,,
معز	م ع ز
معزل	ع ز ل
معزولون	,,
معشار	ع ش ر
معشر	,,
معصرات	ع ص ر
معصية	ع ص ی
معطلة	ع ط ل
معقب	ع ق ب
معقبات	,,
معكوف	ع ک ف
معلقة	ع ل ق
معلم	ع ل م
معلوم	,,
معلومات	,,
معمر	ع م ر
معمور	,,
معوقين	ع و ق
معيشة	ع ی ش

لفظ	ماده
معين	ع ی ن-م ع ن
مغارات	غ و ر
مغارب	غ ر ب
مغاضب	غ ض ب
مغانم	غ ن م
مغتسل	غ س ل
مغرب	غ ر ب
مغربين	,,
مغرقون	غ ر ق
مغرم	غ ر م
مغرمون	,,
مغشي	غ ش ی
مغضوب	غ ض ب
مغفرة	غ ف ر
مغلوب	غ ل ب
مغلولة	غ ل ل
مغنم	غ ن م
مغنون	غ ن ی
مغير	غ ی ر
مغيرات	غ و ر
مفاتح	ف ت ح
مفاتيح	,,
مفاز	ف و ز
مفازة	,,

لفظ	مادہ	لفظ	مادہ	لفظ	مادہ
مفتحة	ف ت ح	مقتحم	ق ح م	مقطوعة	ق ط ع
مفتر	ف ر ی	مقتدر	ق د ر	مقعد	ق ع د
مفتری	,,	مقتدرون	,,	مقمحون	ق م ح
مفترون	,,	مقتدون	ق د و	مقنطرة	ق ن ط ر
مفتریات	,,	مقتر	ق ت ر	مقنعي	ق ن ع
مفتون	ف ت ن	مقترفون	ق ر ف	مقوین	ق و ی
مفر	ف ر ر	مقترنین	ق ر ن	مقیت	ق و ت
مفرطون	ف ر ط	مقتسمین	ق س م	مقیل	ق ی ل
مفروض	ف ر ض	مقتصد	ق ص د	مقیم	ق و م
مفسد	ف س د	مقتصرة	ق ص ر	مقیمین	,,
مفسدون	,,	مقدار	ق د ر	مکاء	م ک و
مفصل	ف ص ل	مقدس	ق د س	مکان	ک و ن
مفصلات	,,	مقدسة	,,	مکانة	م ك ن
مفعول	ف ع ل	مقدور	ق د ر	مکب	ک ب ب
مفلحون	ف ل ح	مقربة	ق ر ب	مکة	م ک ك
مقابر	ق ب ر	مقربون	,,	مکتوب	ک ت ب
مقاعد	ق ع د	مقرنین	ق ر ن	مکث	م ک ث
مقالید	ق ل د	مقسطین	ق س ط	مکذبون	ک ذ ب
مقام	ق و م	مقسمات	ق س م	مکذوب	,,
مقامة	,,	مقسوم	,,	مکر	م ک ر
مقامع	ق م ع	مقصرین	ق ص ر	مکرتموا	,,
مقبوحین	ق ب ح	مقصورات	,,	مکرم	ک ر م
مقبوضة	ق ب ض	مقضی	ق ض ی	مکرمة	,,
مقت	م ق ت	مقطوع	ق ط ع	مکرمون	,,

لفظ	ماده
منتشر	ن ش ر
منتصر	ن ص ر
منتظرون	ن ظ ر
منتقمون	ن ق م
منتهی	ن ه ی
منتهون	,,
منثور	ن ث ر
منجوا	ن ج و
منخنقة	خ ن ق
من ذا	من+ذا
منذر	ن ذ ر
منذرون	,,
منذرين	,,
منزل	ن ز ل
منزلون	,,
منزلين	,,
منسأة	ن س أ
منسک	ن س ك
منسی	ن س ی
منشآت	ن ش أ
منشئون	,,
منشرة	ن ش ر
منشرين	,,
منشور	,,
منصور	ن ص ر
منضود	ن ض د
منطق	ن ط ق
منظرون	ن ظ ر
منع	م ن ع
منفطر	ف ط ر
منفقون	ن ف ق
منفكين	ف ك ك
منفوش	ن ف ش
منقعر	ق ع ر
منقلب	ق ل ب
منقلبون	,,
منقوص	ن ق ص
منكر	ن ك ر
منكرة	,,
منكرون	,,
مننا	م ن ن
منوع	م ن ع
منون	م ن ن
منهاج	ن ه ج
منهمر	ه م ر
مني	م ن ی
منيب	ن و ب
منيبين	,,
منير	ن و ر
مواخر	م خ ر
موازين	و ز ن
مواضع	و ض ع
مواطن	و ط ن
مواقع	و ق ع
مواقعوا	,,
مواقيت	و ق ت
موئل	و أ ل
موالی	و ل ی
موؤدة	و أ د
موبق	و ب ق
موت	م و ت
موتی	,,
مؤتفكات	أ ف ك
مؤتفكة	,,
موتوا	م و ت
مؤتون	أ ت ی
موثق	و ث ق
موج	م و ج
موجل	أ ج ل
مودة	و د د
مؤذن	أ ذ ن
مور	م و ر

لفظ	ماده
مورود	و ر د
موریات	و ر ی
موزون	و ز ن
موسیٰ	موسیٰ
موسعون	و س ع
موص	و ص ی
مؤصدة	أ ص د
موضوعة	و ض ع
موضونة	و ض ن
موطا	و ط أ
موعد	و ع د
موعدة	,,
موعظة	و ع ظ
موعود	و ع د
موفوا	و ف ی
موفور	و ف ر
موفون	و ف ی
موقدة	و ق د
موقنون	ی ق ن
موقوت	و ق ت
موقوذة	و ق ذ
موقوفون	و ق ف
مولیٰ	و ل ی
مؤلفة	أ ل ف

لفظ	ماده
مولود	و ل د
مولي	و ل ی
مومن	ا م ن
مؤمنة	,,
مؤمنون	,,
مومنین	,,
موهن	و ه ن
مهاجر	ه ج ر
مهاجرات	,,
مهاجرین	,,
مهاد	م ه د
مهان	ه و ن
مهتد	ه د ی
مهتدون	,,
مهتدین	,,
مهجور	ه ج ر
مهد	م ه د
مهدت	,,
مهزوم	ه ز م
مهطعین	ه ط ع
مهل	م ه ل
مهلک	ه ل ک
مهلکون	,,
مهلکوا	,,

لفظ	ماده
مهلکی	ه ل ک
مهلکین	,,
مهما	مهما
مهیل	ه ی ل
مهیمن	ه ی م ن
مُهِین	ه و ن
مَهِین	م ه ن
میت	م و ت
میتة	,,
میتون	,,
میثاق	و ث ق
میراث	و ر ث
میزان	و ز ن
میسر	ی س ر
میسرة	,,
میسور	,,
میعاد	و ع د
میقات	و ق ت
میکال	میکال
میل	م ی ل
میلة	,,
میمنة	ی م ن

ن

لفظ	ماده	لفظ	ماده	لفظ	ماده
نبيت	ب ی ت	نجب	ج و ب	نحن	١٨٠و نحن
نبيون	ن ب أ	نجد	و ج د	نحي	ح ی ی
نبين	ب ی ن	نجدين	ن ج د	نخاف	خ و ف
نبيين	ن ب أ	نجزی	ج ز ی	نختم	خ ت م
نتبراء	ب ر أ	نجس	ن ج س	نخرة	ن خ ر
نتبع	ت ب ع	نجعل	ج ع ل	نخرج	خ ر ج
نتبوأ	ب و أ	نجم	ن ج م	نخزی	خ ز ی
نتجاوز	ج و ز	نجمع	ج م ع	نخسف	خ س ف
نتخذ	ا خ ذ	نجني	ن ج و	نخشی	خ ش ی
نتخطف	خ ط ف	نجوی	,,	نخفی	خ ف ی
نتربص	ر ب ص	نجوت	,,	نخل	ن خ ل
نترك	ت ر ك	نجوم	ن ج م	نخلة	,,
نتقبل	ق ب ل	نجي	ن ج و	نخلف	خ ل ف
نتقنا	ن ت ق	نجينا	ن ج و	نخلق	خ ل ق
نتكلم	ك ل م	نحاس	ن ح س	نخوض	خ و ض
نتلو	ت ل و	نحب	ن ح ب	نخوف	خ و ف
نتنزل	ن ز ل	نحرق	ح ر ق	نخيل	ن خ ل
نتوفی	و ف ی	نحس	ن ح س	نداء	ن د و - ی
نتوكل	و ك ل	نحسات	,,	ندامة	ن د م
نثبت	ث ب ت	نحضر	ح ض ر	نداول	د و ل
نج	ن ج و	نحفظ	ح ف ظ	ندخل	د خ ل
نجی	,,	نحل	ن ح ل	ندری	د ر ی
نجاة	,,	نحلة	,,	ندعوا	د ع و
نجازی	ج ز ی	نحمل	ح م ل	ندل	د ل ل

لفظ	ماده
نشاء	ش ی أ
نشأة	ن ش أ
نشتری	ش ر ی
نشد	ش د د
نشر	ن ش ر
نشرت	,,
نشرح	ش ر ح
نشرك	ش ر ك
نشط	ن ش ط
نشور	ن ش ر
نشوز	ن ش ز
نشهد	ش هـ د
نصاری	نصاری
نصب	ن ص ب
نصبت	,,
نصبر	ص ب ر
نصح	ن ص ح
نصحت	,,
نصحوا	,,
نصدق	ص د ق
نصر	ن ص ر
نصرانی	نصاری
نصرف	ص ر ف
نصرنا	ن ص ر

لفظ	ماده
نصروا	ن ص ر
نصف	ن ص ف
نصلي	ص ل ی
نصوح	ن ص ح
نَصِيبٌ	ن ص ب
نُصِيبُ	ص و ب
نصير	ن ص ر
نضاختان	ن ض خ
نضجت	ن ض ج
نضرب	ض ر ب
نضرة	ن ض ر
نضطر	ض ر ر
نضع	و ض ع
نضيد	ن ض د
نضيع	ض ی ع
نطبع	ط ب ع
نطعم	ط ع م
نطفة	ن ط ف
نطق	ن ط ق
نطمس	ط م س
نطمع	ط م ع
نطوي	ط و ی
نطيحة	ن ط ح

لفظ	ماده
نطيع	ط و ع
نظر	ن ظ ر
نظرة	,,
نظل	ظ ل ل
نظن	ظ ن ن
نعاج	ن ع ج
نعاس	ن ع س
نعبد	ع ب د
نعجة	ن ع ج
نعجز	ع ج ز
نُعِدُ	ع و د
نَعِدُ	و ع د
نُعِدُّ	ع د د
نعذب	ع ذ ب
نعف	ع ف و
نعقل	ع ق ل
نعلم	ع ل م
نعلن	ع ل ن
نعلي	ن ع ل
نعم	ن ع م
نعماء	,,
نعما	نعم+ما
نعمة	ن ع م

لفظ	ماده	لفظ	ماده	لفظ	ماده
نعمر	ع م ر	نفسد	ف س د	نُقِرُّ	ق ر ر
نعمل	ع م ل	نفشت	ن ف ش	نقرء	ق ر أ
نعود	ع و د	نفصل	ف ص ل	نقرب	ق ر ب
نعيد	,,	نفضل	ف ض ل	نَنقُصُ	ن ق ص
نعيم	ن ع م	نفع	ن ف ع	نَقُصُّ	ق ص ص
نغادر	غ د ر	نفعت	,,	نقصص	,,
نغرق	غ ر ق	نفعل	ف ع ل	نقض	ن ق ض
نغرين	غ ر و	نفق	ن ف ق	نقضت	,,
نغفر	غ ف ر	نفقات	,,	نقع	ن ق ع
نفاثات	ن ف ث	نفقة	,,	نقعد	ق ع د
نفاد	ن ف د	نفقد	ف ق د	نقلب	ق ل ب
نفاق	ن ف ق	نفقه	ف ق ه	نقموا	ن ق م
نفتن	ف ت ن	نفور	ن ف ر	نقول	ق و ل
نفحة	ن ف ح	نفوس	ن ف س	نقيب	ن ق ب
نفخ	ن ف خ	نفير	ن ف ر	نقير	ن ق ر
نفخة	,,	نقاتل	ق ت ل	نقيض	ق ی ض
نفخت	,,	نقب	ن ق ب	نقيم	ق و م
نفخنا	,,	نقبوا	,,	نَكُ	ک و ن
نفد	ن ف د	نقتبس	ق ب س	نكاح	ن ک ح
نفدت	,,	نقتل	ق ت ل	نكال	ن ک ل
نفر	ن ف ر	نقدر	ق د ر	نكتب	ک ت ب
نفرغ	ف ر غ	نقدس	ق د س	نكتل	ک ی ل
نفرق	ف ر ق	نقذف	ق ذ ف	نكتم	ک ت م
نفس	ن ف س	نُقِرَ	ن ق ر	نكث	ن ک ث

لفظ	ماده	لفظ	ماده	لفظ	ماده
نکثوا	ن ک ث	نمل	ن م ل	نواصي	ن ص و
نکح	ن ک ح	نملة	,,	نؤت	ا ت ی
نکحتم	,,	نملي	م ل و	نؤثر	ا ث ر
نکد	ن ک د	نمن	م ن ن	نوح	نوح
نکذب	ک ذ ب	نمنع	م ن ع	نوحي	و ح ی
نکر	ن ک ر	نموت	م و ت	نوخر	ا خ ر
نکروا	,,	نمیت	,,	نودوا	ن د و - ی
نَکَسُوا	ک س و	نمیر	م ی ر	نودي	,,
نُکِسُوا	ن ک س	نمیم	ن م م	نور	ن و ر
نکص	ن ک ص	ننبئ	ن ب أ	نورث	و ر ث
نکفر	ک ف ر	ننجي	ن ج و	نوف	و ف ی
نکلف	ک ل ف	ننزع	ن ز ع	نولي	و ل ی
نکلم	ک ل م	ننزل	ن ز ل	نوم	ن و م
نکن	ک و ن	ننس	ن س ی	نومن	ا م ن
نکون	,,	ننسها ۰	,,	نون	ن و ن
نکیر	ن ک ر	ننسخ	ن س خ	نهیٰ	ن ه ی
نلزم	ل ز م	ننسف	ن س ف	نهار	ن ه ر
نلعب	ل ع ب	ننشئ	ن ش أ	نهتدي	ه د ی
نلعن	ل ع ن	ننشز	ن ش ز	نهدي	,,
نلقي	ل ق ی	ننصر	ن ص ر	نهر	ن ه ر
نمارق	ن م ر ق	ننظر	ن ظ ر	نهلك	ه ل ك
نمتع	م ت ع	ننقص	ن ق ص	نهوا	ن ه ی
نمد	م د د	ننکس	ن ک س	نهیت	,,
نمکن	م ک ن	ننهیٰ	ن ه ی	نیسر	ی س ر
		نوی	ن و ی	نیل	ن و ل

و

لفظ	ماده
و	و
وایل	و ب ل
واثق	و ث ق
واجفة	و ج ف
واحد	و ح د
واحدة	,,
واد	و د ی
وادی المقدس	,,+ق دس
وارث	و ر ث
وارثون	و ر ث
وارد	و ر د
واردون	,,
وازرة	و ز ر
واسع	و س ع
واسعة	,,
واصب	و ص ب
واعدنا	و ع د
واعظ	و ع ظ
واعظين	,,
واعية	و ع ی
واق	و ق ی
واقع	و ق ع

لفظ	ماده
واقعة	و ق ع
وال	و ل ی
والد	و ل د
والدات	,,
والدة	,,
والدين	,,
واهية	و ه ی
وبال	و ب ل
وبيل	,,
وتر	و ت ر
وتين	و ت ن
وثاق	و ث ق
وثقی	,,
وجبت	و ج ب
وجد	و ج د
وجدا	,,
وجدت	,,
وجدتم	,,
وجدنا	,,
وجدوا	,,
وجلة	و ج ل
وجلت	,,

لفظ	ماده
وجلون	و ج ل
وجوه	و ج ه
وجه	,,
وجهة	,,
وجهت	,,
وجيه	,,
وحد	و ح د
وحده	,,
وحوش	و ح ش
وحي	و ح ی
وحيد	و ح د
وَدٌّ	وَدّ
وُدٌّ	و د د
وَدًّ	,,
ودت	,,
ودع	و د ع
ودق	و د ق
ودوا	و د د
ودود	,,
وراء	و ر ی
ورث	و ر ث

لفظ	ماده	لفظ	ماده	لفظ	ماده
ورثوا	و ر ث	وصيد	و ص د	وقع	و ق ع
ورد	و ر د	وصيلة	و ص ل	وقعة	,,
وردة	,,	وصينا	و ص ى	وقعت	,,
وردوا	,,	وضع	و ض ع	وقفوا	و ق ف
ورق	ورق	وضعت	,,	وقود	و ق د
ورقة	,,	وضعنا	,,	وكز	و ك ز
وريد	و ر د	وطأ	و ط أ	وكل	و ك ل
وزر	و ز ر	وطر	و ط ر	وكلنا	,,
وزن	و ز ن	وعاء	و ع ى	وكيل	,,
وزنوا	,,	وعد	و ع د	ولِ	و ل ى
وزير	و ز ر	وعدت	,,	ولي	,,
وسط	و س ط	وعدنا	,,	ولاية	,,
وسطى	,,	وعدوا	,,	ولد	و ل د
وسطن	,,	وعظت	و ع ظ	ولدان	,,
وسع	و س ع	وعيد	و ع د	ولدت	,,
وسعت	,,	وفى	و ف ى	ولدن	,,
وسق	و س ق	وفاق	و ف ق	ولوا	و ل ى
وسواس	و س و س	وفد	و ف د	ولي	,,
وسوس	,,	وفيت	و ف ى	وليت	,,
وسوسة	,,	وقى	و ق ى	وليتم	,,
وسيلة	و س ل	وقار	و ق ر	وليجة	و ل ج
وصى	و ص ى	وقب	و ق ب	وليد	و ل د
وصف	و ص ف	وقت	و ق ت	وورى	و ر ى
وصلنا	و ص ل	وقر	و ق ر	وهاب	و ه ب
وصية	و ص ى				

لفظ	ماده
وهاج	و ه ج
وهب	و ه ب
وهبت	,,

لفظ	ماده
وهبنا	و ه ب
وهن	و ه ن
وهنوا	,,

لفظ	ماده
وَيْكَأَنَّ	وی+کأن
ويل	و ی ل
ويلتی	,,

ه

لفظ	ماده
ه	ه (ضمیر)
ه	ه (سکته)
ه	ه (وقف)
ها	ها (ضمیر)
ها	ها(حرف تنبیه)
هَـٰٓؤُلَآءِ	هؤلاء
هاؤم	هاؤم(اسم فعل)
هاتوا	ه ی ت
هاتين	هذا
هاجر	ه ج ر
هاجرن	,,
هاجروا	,,
هادوا	ه و د
هادي	ه د ی
هٰذا	هٰذا
هٰذان	,,
هٰذه	,,
هار	ه و ر
هاروت	هاروت

لفظ	ماده
هارون	هارون
هكذا	ها+ك+ذا
هالك	ه ل ك
هالكين	,,
هامان	هامان
هامدة	ه م د
هاوية	ه و ی
هٰهنا	هنا
هب	و ه ب
هباء	ه ب و
هجر	ه ج ر
هد	ه د د
هدی	ه د ی
هداية	,,
هدمت	ه د م
هدنا	ه و د
هدوا	ه د ی
هد هد	هد هد
هدي	ه د ی

لفظ	ماده
هديت	ه د ی
هدية	,,
هدينا	,,
هرب	ه ر ب
هزل	ه ز ل
هزموا	ه ز م
هزؤ	ه ز أ
هزي	ه ز ز
هشيم	ه ش م
هضم	ه ض م
هضيم	,,
هل	هل
هلك	ه ل ك
هلم	هَلُمَّ
هلوع	ه ل ع
هُمْ	هُمْ
هَمَّ	ه م م
هما	هُمَا
هماز	ه م ز

لفظ	ماده
همت	ه م م
همزات	ه م ز
همزة	,,
همس	ه م س
هموا	ه م م
هنّ	هنّ
هنالك	هُنا
هنيئا	ه ن أ
هو	هُوَ
هوى	ه و ى
هواء	,,
هود	ه و د
هون	ه و ن
هِي	هِيَ
هيئ	ه ى أ
هيئة	,,
هيت	هيت
هيم	ه ى م
هين	ه و ن
هَيَهْ	هى+ه
هَيهات	هيهات

ی

لفظ	ماده
يِ	ي (ضمير)
يا	يا (حرف ندا)
ياايها	,,
ياب	أ ب ى
يابس	ى ب س
يابسات	,,
ياتل	أ ل و
ياتمرون	أ م ر
ياتون	أ ت ى
ياتي	,,
ياتيان	,,
ياتين	,,
ياجوج	ياجوج(اج ج)
ياخذ	أ خ ذ
ياخذون	أ خ ذ
يوخر	أ خ ر
يودي	أ د ى
ياذن	أ ذ ن
يبعث	ب ع ث
يئس	ى أ س
يئسن	,,
يئسوا	,,
يافكون	أ ف ك
ياقوت	ياقوت
ياكل	أ ك ل
ياكلان	,,
ياكان	,,
ياكلون	,,
يالمون	أ ل م
يالون	أ ل و
يَا لَيتَهَا	يا+ليت+ها
يامر	أ م ر
يامرون	,,
يامن	أ م ن
يامنوا	,,
يان	أ ن ى
يَؤُدْ	أ و د
يُؤَدّ	أ د ى
يؤَس	ى أ س
يؤيد	أ ى د
يبايعن	ب ى ع
يبايعون	,,

لفظ	مادہ	لفظ	مادہ	لفظ	مادہ
یجارون	ج أ ر	یجیب	ج و ب	یجرمون	ج ر م
یجاورون	ج و ر	یجیر	ج و ر	یحزن	ح ز ن
یجاھد	ج ہ د	یحاجون	ح ج ج	یحزنون	,,
یجاھدون	,,	یحادون	ح د د	یحسب	ح س ب
یجبٰی	ج ب ی-و	یحاربون	ح ر ب	یحسبون	,,
یجتبی	,,	یحاسب	ح س ب	یحسدون	ح س د
یجتنبون	ج ن ب	یحاط	ح و ط	یحسنون	ح س ن
یجحد	ج ح د	یحافظون	ح ف ظ	یحشر	ح ش ر
یجحدون	,,	یحاور	ح و ر	یحشرون	,,
یجد	و ج د	یحب	ح ب ب	یحض	ح ض ض
یجدون	,,	یحبب	,,	یحضرون	ح ض ر
یجر	ج ر ر	یحبرون	ح ب ر	یحضن	ح ی ض
یجرم	ج ر م	یحبس	ح ب س	یحطم	ح ط م
یجری	ج ر ی	یحبط	ح ب ط	یحف	ح ف ی-و
یجزی	ج ز ی	یحبطن	,,	یحفظن	ح ف ظ
یجزون	,,	یحبون	ح ب ب	یحفظون	,,
یجعل	ج ع ل	یحتسب	ح س ب	یحق	ح ق ق
یجعلون	,,	یحتسبون	,,	یحکم	ح ک م
یجلي	ج ل و	یحتسبوا	,,	یحکمان	,,
یجمحون	ج م ح	یحدث	ح د ث	یحکمون	,,
یجمع	ج م ع	یحذر	ح ذ ر	یحل	ح ل ل
یجمعون	,,	یحذرون	,,	یحلفون	ح ل ف
یجنب	ج ن ب	یحرفون	ح ر ف	یحلل	ح ل ل
یجھلون	ج ہ ل	یحرم	ح ر م	یحلون	,,

لفظ	مادہ
يحلون	ح ل ى
يحمىٰ	ح م ى
يحمدوا	ح م د
يحمل	ح م ل
يحملن	,,
يحملون	,,
يحموم	ح م م
يحور	ح و ر
يحول	ح و ل
يحيى	ح ى ى
يحيىٰ	يحيىٰ
يحيطون	ح و ط
يحيق	ح ى ق
يخادعون	خ د ع
يخاف	خ و ف
يخافون	,,
يخافا	,,
يخالفون	خ ل ف
يختار	خ ى ر
يختانون	خ و ن
يختص	خ ص ص
يختلفون	خ ل ف
يختم	خ ت م
يخدعون	خ د ع

لفظ	مادہ
يخذل	خ ذ ل
يخربون	خ ر ب
يخرج	خ ر ج
يخرجا	,,
يخرجن	,,
يخرجون	,,
يخرصون	خ ر ص
يخرون	خ ر ر
يخزى	خ ز ى
يخسر	خ س ر
يخسرون	,,
يخسف	خ س ف
يخشى	خ ش ى
يخشون	,,
يخصفان	خ ص ف
يخصمون	خ ص م
يخطف	خ ط ف
يخفى	خ ف ى
يخفف	خ ف ف
يخفون	خ ف ى
يخفين	,,
يخل	خ ل و
يخلد	خ ل د
يخلف	خ ل ف

لفظ	مادہ
يخلفون	خ ل ف
يخلق	خ ل ق
يخلقون	,,
يخوضون	خ و ض
يخوف	خ و ف
يخوفون	,,
يخيل	خ ى ل
يد	ى د ى
يدا	,,
يدافع	د ف ع
يدبر	د ب ر
يدبروا	,,
يدحضوا	د ح ض
يدخل	د خ ل
يدخلون	,,
يدرؤن	د ر أ
يدرسون	د ر س
يدرك	د ر ك
يدرى	د ر ى
يدس	د س س
يدع	د ع و
يدع	د ع ع
يدعىٰ	د ع و
يدعو	,,

لفظ	ماده	لفظ	ماده	لفظ	ماده
یدعون	د ع و	یربوا	ر ب و	یرزقون	ر ز ق
یُدَعُّونَ	د ع ع	یربی	,,	یرسل	ر س ل
یدمغ	د م غ	یرتاب	ر ی ب	یرشدون	ر ش د
یدنین	د ن و	یرتابوا	,,	یرضی	ر ض ی
یدهنون	د ه ن	یرتد	ر د د	یرضعن	ر ض ع
یدی	ی د ی	یرتدد	,,	یرضون	ر ض ی
یدینون	د ی ن	یرتع	ر ت ع	یرضین	,,
یذبح	ذ ب ح	یرتقوا	ر ق ی	یرغب	ر غ ب
یذبحون	,,	یرث	و ر ث	یرغبون	,,
یذر	و ذ ر	یرثون	,,	یرغبوا	,,
یذرون	,,	یرجع	ر ج ع	یرفع	ر ف ع
یذکر	ذ ک ر	یرجعون	,,	یرقبون	ر ق ب
یذکرون	,,	یرجموا	ر ج م	یرکبون	ر ک ب
یذوق	ذ و ق	یرجوا	ر ج و	یرکضون	ر ک ض
یذوقون	,,	یرجون	,,	یرکعون	ر ک ع
یذهب	ذ ه ب	یرحم	ر ح م	یرکم	ر ک م
یذهبا	,,	یُرَدُّ	ر د د	یرمون	ر م ی
یذهبن	,,	یُرِدْ	ر و د	یرمی	,,
یذهبوا	,,			یروا	ر أ ی
یذیق	ذ و ق	یَرُدُّوا	ر د د	یرون	,,
یری	ر أ ی	یردون	,,	یرهبون	ر ه ب
یراءون	,,	یردن	ر و د	یرهق	ر ه ق
یراد	ر و د	یُرْدُوا	ر د ی	یری	ر أ ی
یربط	ر ب ط	یرزق	ر ز ق	یرید	ر و د

لفظ	ماده
یریدان	ر و د
یریدون	,,
یریکموا	ر أ ی + کم
یزال	ز و ل
یزالون	,,
یزجي	ز ج و
یزداد	ز ی د
یزدادوا	,,
یزرون	و ز ر
یزعمون	ز ع م
یزفون	ز ف ف
یزکی	ز ک و
یزکون	,,
یزلقون	ز ل ق
یزنون	ز ن ی
یزنین	,,
یزوج	ز و ج
یزید	ز ی د
یزیدون	,,
یزیغ	ز ی غ
یسارعون	س ر ع
یساقون	س و ق
یسئل	س أ ل
یسئلون	,,

لفظ	ماده
یسام	س أ م
یسامون	,,
یسبتون	س ب ت
یسبح	س ب ح
یسبحن	,,
یسبحون	,,
یسبق	س ب ق
یسبقون	,,
یسبوا	س ب ب
یستاخرون	أ خ ر
یستاذن	أ ذ ن
یستاذنون	,,
یستبدل	ب د ل
یستبدلون	,,
یستبشرون	ب ش ر
یستثنون	ث ن ی
یستجیب	ج و ب
یستجیبون	,,
یستحبون	ح ب ب
یستحسرون	ح س ر
یستحیون	ح ی ی
یستحیي	,,
یستخرجا	خ ر ج
یستخف	خ ف ف

لفظ	ماده
یستخفون	خ ف ی
یستخلف	خ ل ف
یستسخرو	س خ ر
یستصرخ	ص ر خ
یستضعف	ض ع ف
یستضعفون	,,
یستطع	ط و ع
یستطیع	,,
یستطیعون	,,
یستعتبوا	ع ت ب
یستعتبون	,,
یستعجل	ع ج ل
یستعجلون	,,
یستعفف	ع ف ف
یستعففن	,,
یستغشون	غ ش ی
یستغفر	غ ف ر
یستغفرون	,,
یستغیثان	غ و ث
یستغیثوا	,,
یستفتحون	ف ت ح
یستفتون	ف ت ی
یستفز	ف ز ز
یستفزون	,,

لفظ	ماده	لفظ	ماده	لفظ	ماده
يشاقق	ش ق ق	يشهدون	ش ه د	يصرون	ص ر ر
يشترون	ش ر ی	يصب	ص ب ب	يصطرخون	ص ر خ
يشتري	,,	يصبح	ص ب ح	يصطفي	ص ف و
يشتهون	ش ه و	يصبحوا	,,	يصعد	ص ع د
يشرب	ش ر ب	يصبر	ص ب ر	يصعقون	ص ع ق
يشربون	,,	يصبروا	,,	يصفحوا	ص ف ح
يشرح	ش ر ح	يصحبون	ص ح ب	يصفون	و ص ف
يشرك	ش ر ك	يصد	ص د د	يصلىٰ	ص ل ی
يشركن	,,	يصدر	ص د ر	يصلب	ص ل ب
يشركون	,,	يصدعون	ص د ع	يصلبوا	,,
يشرون	ش ر ی	يصدفون	ص د ف	يصلح	ص ل ح
يشري	,,	يصدق	ص د ق	يصلحا	,,
يشعر	ش ع ر	يصدقوا	,,	يصلحون	,,
يشعرون	,,	يصدقون	,,	يَصْلَوْنَ	ص ل ی
يشفع	ش ف ع	يصد	ص د د	يَصِلُونَ	و ص ل
يشفعون	,,	يصدوا	,,	يُصَلُّونَ	ص ل و
يشفي	ش ف ی	يصدون	,,	يصلي	,,
يشقىٰ	ش ق ی-و	يصدن	,,	يصم	ص و م
يشقق	ش ق ق	يصر	ص ر ر	يصنع	ص ن ع
يشقي	ش ق ی-و	يصرف	ص ر ف	يصنعون	,,
يشكر	ش ک ر	يصرفون	,,	يصور	ص و ر
يشكرون	,,	يصرمون	ص ر م	يصهر	ص ه ر
يشوي	ش و ی	يصرمن	,,	يصيب	ص و ب
يشهند	د ه ش	يصروا	ص ر ر	يضار	ض ر ر

لفظ	ماده	لفظ	ماده	لفظ	ماده
یفترون	ف ر ی	یفلح	ف ل ح	یقرض	ق ر ض
یفتری	،،	یفلحون	،،	یقسم	ق س م
یفترین	،،	یقاتل	ق ت ل	یقسمان	،،
یفتن	ف ت ن	یقاتلون	،،	یقسمون	،،
یفتنون	،،	یقال	ق و ل	یقص	ق ص ص
یفتنن	،،	یقبض	ق ب ض	یقصرون	ق ص ر
یفتي	ف ت ی	یقبضن	،،	یقصون	ق ص ص
یفجر	ف ج ر	یقبضون	،،	یقضی	ق ض ی
یفجرون	،،	یقبل	ق ب ل	یقضون	،،
یفر	ف ر ر	یقتتلان	ق ت ل	یقطع	ق ط ع
یفرح	ف ر ح	یقترف	ق ر ف	یقطعون	،،
یفرحون	،،	یقترفون	،،	یَقْطِیْن	یقطین
یفرط	ف ر ط	یقتروا	ق ت ر	یقلبَ	ق ل ب
یفرطون	،،	یقتل	ق ت ل	یقلل	ق ل ل
یفرق	ف ر ق	یقتلن	،،	یقنت	ق ن ت
یفرقون	،،	یقتلوا	،،	یقنط	ق ن ط
یفسح	ف س ح	یقتلون	،،	یقنطون	،،
یفسد	ف س د	یقدر	ق د ر	یقول	ق و ل
یفسدون	،،	یقدرون	،،	یقولا	،،
یفسقون	ف س ق	یقدم	ق د م	یقولون	،،
یفصل	ف ص ل	یقذف	ق ذ ف	یقوم	ق و م
یفعل	ف ع ل	یقذفون	،،	یقومان	،،
یفعلون	،،	یقرءون	ق ر أ	یقیما	،،
یفقهون	ف ق ه	یقربوا	ق ر ب	یقیموا	،،

لفظ	مادہ
یقیمون	ق و م
یقین	ی ق ن
یَکُ	ک و ن
یکاد	ک و د
یکادون	,,
یکبت	ک ب ت
یکبر	ک ب ر
یکبروا	,,
یکتب	ک ت ب
یکتبون	,,
یکتم	ک ت م
یکتمن	,,
یکتمون	,,
یکد	ک و د
یکذب	ک ذ ب
یکذبون	,,
یکره	ک ر ه
یکرهون	,,
یکسب	ک س ب
یکسبون	,,
یکشف	ک ش ف
یکف	ک ف ف
یکفر	ک ف ر
یکفروا	,,

لفظ	مادہ
یکفرون	ک ف ر
یکفل	ک ف ل
یکفلون	,,
یکفون	ک ف ف
یکفي	ک ف ی
یکلؤ	ک ل أ
یکلف	ک ل ف
یکلم	ک ل م
یَکُنْ	ک و ن
یکنزون	ک ن ز
یکور	ک و ر
یکون	ک و ن
یکونا	,,
یکونون	,,
یکیدون	ک ی د
یلاقوا	ل ق ی
یلبثون	ل ب ث
یلبس	ل ب س
یلبسوا	,,
یلبسون	,,
یلت	و ل ت
یلتفت	ل ف ت
یلتقط	ل ق ط
یلتقیان	ل ق ی

لفظ	مادہ
یلج	و ل ج
یلحدون	ل ح د
یلحقوا	ل ح ق
یلد	و ل د
یلدوا	,,
یلعب	ل ع ب
یلعبون	,,
یلعن	ل ع ن
یلفظ	ل ف ظ
یلق	ل ق ی
یلقیٰ	,,
یلقوا	,,
یلقون	,,
یلمز	ل م ز
یلمزون	,,
یلون	و ل ی
یلوون	ل و ی
یله	ل ه و
یلهث	ل ه ث
یم	ی م م
یمارون	م ر ی
یمت	م و ت
یمترون	م ر ی
یمتع	م ت ع

لفظ	ماده
يمتعون	م ت ع
يمح	م ح و
يمحص	م ح ص
يمحق	م ح ق
يمحو	م ح و
يمد	م د د
يمدد	,,
يمدون	,,
يمرون	م ر ر
يمس	م س س
يمسس	,,
يمسك	م س ك
يمسكون	,,
يمشون	م ش ى
يمشي	,,
يمكث	م ك ث
يمكر	م ك ر
يمكرون	,,
يمكن	م ك ن
يمكنن	,,
يمل	م ل ل
يملك	م ل ك
يملكون	,,
يملل	م ل ل

لفظ	ماده
يمن	م ن ن
يمنٰى	م ن ى
يمنعون	م ن ع
يمنون	م ن ن
يمني	م ن ى
يموت	م و ت
يموتون	,,
يموتوا	,,
يموج	م و ج
يمهدون	م ه د
يميت	م و ت
يميز	م ى ز
يميلون	م ى ل
يمين	ى م ن
ينابيع	ن ب ع
ينادون	ن د ى-و
ينادي	,,
ينازع	ن ز ع
ينال	ن و ل
ينالون	,,
ينئون	ن أ ى
ينبئ	ن ب أ
ينبأ	,,
ينبت	ن ب ت

لفظ	ماده
ينبذ	ن ب ذ
ينبغي	ب غ ى
ينبوع	ن ب ع
ينتصرون	ن ص ر
ينتظر	ن ظ ر
ينتظرون	,,
ينتقم	ن ق م
ينته	ن ه ى
ينتهون	,,
ينجي	ن ج و
ينحتون	ن ح ت
ينذر	ن ذ ر
ينذرون	,,
ينزع	ن ز ع
ينزغ	ن ز غ
ينزغنك	,,
ينزفون	ن ز ف
ينزل	ن ز ل
ينسى	ن س ى
ينسخ	ن س خ
ينسف	ن س ف
ينسلون	ن س ل
ينسي	ن س ى

لفظ	ماده
ينشؤا	ن ش أ
ينشئ	,,
ينشر	ن ش ر
ينشرون	,,
ينصر	ن ص ر
ينصرون	,,
ينطق	ن ط ق
ينطقون	,,
ينطلق	ط ل ق
ينظر	ن ظ ر
ينظرون	,,
ينع	ی ن ع
ينعق	ن ع ق
ينغضون	ن غ ض
ينفخ	ن ف خ
ينفد	ن ف د
ينفروا	ن ف ر
ينفضوا	ف ض ض
ينفع	ن ف ع
ينفعون	,,
ينفق	ن ف ق
ينفقون	,,
ينفوا	ن ف ی
ينقذون	ن ق ذ

لفظ	ماده
ينقص	ن ق ص
ينقصوا	,,
ينقض	ق ض ض
ينقضون	ن ق ض
ينقلب	ق ل ب
ينقلبون	,,
ينكث	ن ک ث
ينكثون	,,
ينكح	ن ک ح
ينكحن	,,
ينكر	ن ک ر
ينكرون	,,
ينكسون	ن ک س
ينهی	ن ه ی
ينهون	,,
ينيب	ن و ب
يواخذ	أ خ ذ
يوادون	و د د
يواری	و ر ی
يواطئوا	و ط أ
يوبق	و ب ق
يؤت	أ ت ی
يوتی	,,
يوتون	,,

لفظ	ماده
يوثر	أ ث ر
يوثرون	,,
يوثق	و ث ق
يوجه	و ج ه
يوح	و ح ی
يوحی	,,
يوحون	,,
يوحي	,,
يوخذ	أ خ ذ
يؤخر	أ خ ر
يُؤَدِّ	أ د ی
يَوَدُّ	و د د
يودون	,,
يوذن	أ ذ ن
يؤذون	أ ذ ن
يؤذي	أ ذ ی
يؤذين	,,
يورث	و ر ث
يوزعون	و ز ع
يُوسُفُ	يوسف
يوسوس	و س و س
يوصی	و ص ی
يوصل	و ص ل

لفظ	ماده	لفظ	ماده	لفظ	ماده
یوصین	و ص ی	یوقنون	ی ق ن	یهبط	ه ب ط
یوعدون	و ع د	یول	و ل ی	یهتدون	ه د ی
یوعظ	و ع ظ	یولج	و ل ج	یهجعون	ه ج ع
یوعظون	,,	یولد	و ل د	یهد	ه د ی
یوعون	و ع ی	یولف	ا ل ف	یهدی	,,
یوف	و ف ی	یولون	و ل ی	یهدون	ه د ی
یوفی	,,	یولون	ا ل و	یهرعون	ه ر ع
یوفضون	و ف ض	یوم	ی و م	یهزم	ه ز م
یوفق	و ف ق	یومئذ	,,+اذا	یهلك	ه ل ك
یوفک	أ ف ك	یومرون	ا م ر	یهلکون	,,
یوفکون	,,	یومن	ا م ن	یهن	ه و ن
یوفون	و ف ی	یومنون	,,	یهود	یهود
یوفي	,,	یومین	ی و م	یهودي	یهود
یوق	و ق ی	یونس	یونس	یهیء	ه ی أ
یوقد	و ق د	یهاجر	ه ج ر	یهیج	ه ی ج
یوقدون	و ق د	یهاجروا	,,	یهیمون	ه ی م
یوقع	و ق ع	یهب	و ه ب	ییئس	ی أ س

اغــــلاط نــامہ مبادیات و فہرست

کوشش کے باوجود طباعت میں غلطیاں رہ جاتی ہیں۔ بہتر ہو کہ آپ ان غلطیوں کی تصحیح ابھی کر لیں۔ ان میں بعض مقامات پر تو صرف حروف اڑ گئے ہیں۔ مثلاً صفحہ ۷ سطر ۱۰- کام کرنے والا۔ صفحہ ۱۴- نہی کے صیغے۔ صفحہ ۳۷- مر بجائے امر۔ صفحہ ۳۴ سطر ۱۲- مضارع۔ صفحہ ۴۸۔ وزان بجائے اوزان۔ لیکن ذیل کی غلطیاں ایسی ہیں جن کا اثر معانی پر پڑتا ہے اس لئے ان کی تصحیح بہت ضروری ہے۔

صفحہ	سطر	تصحیح
۲۲	۵	فَعلَ کی جگہ فَعلَ
۳۵	۱	اِفتعالَ کی جگہ اِفتعالَ
۳۵	۵	یتواعدُ کی جگہ یتواعدُ
۳۹	۶	استتبعَ کی جگہ استتبع
۷۵		آنَسَ کے سامنے ا ن س
۷۶		بوا کی جگہ ابوا
۸۸		اقطار کے سامنے ق ط ر
۸۹		الھم کے سامنے ل ھ م
۱۰۴		تصبر کے سامنے ص ب ر
۱۱۳		حصل کے سامنے ح ص ل
۱۲۳		زالتا کے سامنے ز و ل

صفحہ سطر	تصحیح
۱۲۵	ساھرۃ کے سامنے س ھ ر
۱۳۱	صلی کی جگہ صلیٰ
۱۵۱	مُستَتِم کے سامنے ت م م
	متوکل کے سامنے و ك ل
۱۶۱	نا کے سامنے نا
۱۶۲	نتبراء کی جگہ نتبرأ
۱۶۳	نذھب کے سامنے ذ ھ ب
۱۷۳	یحکم کے سامنے ح ک م
۱۷۷	یسمی کے بجائے یسقی
۱۷۸	پہلا کالم آخری سطر کے بجائے یشھد ۔ ش ھ د
۱۸۴	یؤذون کے سامنے ا ذ ی

لغات القرآن

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

لغات لقرآن کی تدوین، ترتیب اور طریق استفادہ کے متعلق ''پیش لفظ'' میں تفصیل سے لکھا جاچکا ہے۔ لیکن چونکہ ''پیش لفظ'' بہت پیچھے رہ گیا ہے اس لئے ہوسکتا ہے کہ اس ضمن میں ضروری نکات آپ کے ذہن میں مستحضر نہ ہوں۔ بنابریں مناسب سمجھا گیا ہے کہ ان میں سے اہم نکات کو دوبارہ پیش کر دیا جائے۔ مثلاً:

۱۔ قرآن کریم کے جس لفظ کے معانی معلوم کرنے ہوں، اس لفظ کو ''فہرست الفاظ قرآنی'' میں دیکھئے جو صفحہ ۴۷ تا ۱۸۵ پر چھپی ہے۔ فہرست میں اس لفظ کے سامنے جو ''مادہ'' دیا گیا ہے، لغات میں وہ لفظ اس ''مادہ'' کے تحت ملیگا۔

۲۔ عربی زبان میں الفاظ مختلف شکلیں بدلتے رہتے ہیں۔ یہ ضروری نہیں کہ لغات میں ہر لفظ کی تمام شکلیں دی گئی ہوں۔ اگر کسی لفظ کی کوئی خاص شکل لغات میں نہ ملے تو، باب اول ''مبادیات'' میں دیکھئے کہ اس شکل میں پہنچکر لفظ کے معنی کیا ہو جاتے ہیں۔ اس کے مطابق معنی متعین کرلیجئے۔

۳۔ قرآنی حوالوں کی صورت یہ ہے کہ اوپر سورت کا نمبر ہے اور نیچے آیت کا۔ مثلاً $(\frac{۳}{۷۸})$ سے مراد ہے سورۂ آلِ عمران (تیسری سورت) کی آیت ۷۸۔

۴۔ قرآن کریم کے مختلف نسخوں میں آیات کے نمبروں میں تھوڑا بہت فرق ہوتا ہے۔ اگر آپ کے نسخے میں کوئی آیت اس نمبر کے سامنے نہ ملے جو لغات میں دیا گیا ہے، تو ایک دو نمبر اوپر یا نیچے دیکھ لیجئے۔ وہاں آیت مل جائیگی۔

۵۔ لغات میں جہاں آیت درج نہیں کی گئی بلکہ اسکا صرف حوالہ دیا گیا ہے، اس آیت کو قرآن سے نکال کر دیکھ لیجئے۔ یہ ضروری ہے۔ اس سے بات صاف ہو جائیگی۔

۶۔ لغات میں جن کتابوں کے حوالے دئے گئے ہیں ان کا تعارف ''پیش لفظ'' میں کرایا جا چکا ہے۔ اگر آپ ان میں سے کسی کتاب کو خود دیکھنا چاہیں تو ''پیش لفظ'' سے اس کی تفصیل معلوم کرلیں۔

۷۔ اپنی طرف سے انتہائی کوشش کی گئی ہے کہ لغات میں طباعت کی غلطی نہ رہے۔ لیکن اسکے باوجود غلطیاں رہ جانے کا امکان ہے۔ اگر آپ کو کوئی غلطی نظر آئے تو اس سے مطلع فرمائیں۔

خدا کرے یہ لغات، قرآن کریم کو براہ راست سمجھنے میں آپ کی ممدو معاون ثابت ہو۔ اس سے یہی مقصود ہے۔ والسلام۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

أ

أَ (حرف)

أَ۔ یہ حرف استفہام بھی ہے اور حرف ندا بھی۔ یعنی کسی بات کے دریافت کرنے کے لئے بھی آتا ہے اور کسی کو پکارنے کے لئے بھی۔ ذیل کی مثالوں سے اس کے استعمال کے مختلف انداز واضح ہو جائیں گے۔

۱۔ کسی سے کوئی بات دریافت کرنے کے لئے۔ جیسے أَزَيْدٌ قَائِمٌ؟ (کیا زید کھڑا ہے)۔ اسکا جواب ہاں (نَعَمْ) یا نہ (لاَ) میں آئیگا۔ یا أَزَيْدٌ قَائِمٌ أَمْ عَمْرٌو (کیا زید کھڑا ہے یا عمرو)۔ قرآن میں حضرت ابراہیم (علیہ السلام) کے قصہ میں ہے۔ أَأَنْتَ فَعَلْتَ هٰذَا بِآلِهَتِنَا (۲۱/۶۲)۔ کیا ہمارے معبودوں کے ساتھ یہ کچھ تو نے کیا ہے؟ دوسری قسم کی مثال أَأَنْتُمْ أَشَدُّ خَلْقاً أَمِ السَّمَاءُ (۷۹/۲۷)۔ کیا تخلیق میں تم زیادہ سخت ہو یا آسمان؟

۲۔ ایسا استفہام جس کے بعد نفی آئے اور اس نفی سے اقرار میں تاکید اور زور مقصود ہو۔ أَلَيْسَ اللّٰهُ بِأَحْكَمِ الْحَاكِمِيْنَ (۹۵/۸)۔ کیا اللہ سب حاکموں سے بڑھ کر حاکم نہیں؟ یعنی وہ سب حاکموں سے بڑھ کر حاکم ہے۔ یہاں أ۔ استفہام کے بعد لَيْسَ (نفی) ہے، لیکن اس نفی سے مراد اس بات کا انکار نہیں جو آگے کہی جا رہی ہے بلکہ اس کا اقرار مقصود ہے۔ اور اقرار بھی تاکید اور شدت کے ساتھ۔

۳۔ ایسا استفہام جس میں توبیخ (ڈانٹنے) کا مفہوم پایا جائے۔ جیسے۔ أَفَغَيْرَ دِيْنِ اللّٰهِ يَبْغُوْنَ (۳/۸۲)! کیا یہ لوگ اللہ کے دین کے علاوہ کوئی اور دین چاہتے ہیں؟ یعنی۔ ہیں! کیا یہ ایسا چاہتے ہیں۔

۴ - ایسا استفہام جس میں استحقار آمیز تعجب اور طنز کا پہلو ہو۔ مثلاً قوم شعیب کا حضرت شعیب (علیہ السلام) سے کہنا کہ : أَصَلٰوتُكَ تَأْمُرُكَ أَنْ نَتْرُكَ مَا يَعْبُدُ آبَاؤُنَا (۱۱/۸۷)۔ کیا تیری صلٰوۃ تجھے یہ حکم دیتی ہے کہ ہم اپنے آباء و اجداد کے معبودوں کو چھوڑ دیں؟ اس میں حقارت، طنز اور تعجب کی تمام کیفیات موجود ہیں۔

۵ - تعجب کے لئے۔ مثلاً۔ أَلَمْ تَرَ إِلٰى رَبِّكَ كَيْفَ مَدَّ الظِّلَّ (۲۵/۴۵)۔ کیا تو نے اس پر غور نہیں کیا کہ تیرا رب کسطرح سایہ کو لمبا کرتا ہے؟

۶ - کسی بات میں تاخیر ہو جانے پر تنبیہ کرنے کے لئے - مثلاً۔ أَلَمْ يَأْنِ لِلَّذِينَ آمَنُوا ..... (۵۷/۱۶)۔ کیا ایمان والوں کے لئے ابھی تک وہ وقت نہیں آیا کہ .... یعنی وہ وقت آ چکا ہے۔

۷ - ایسا استفہام جس میں در حقیقت حکم دیا جانا مقصود ہو۔ جیسے ہم کہتے ہیں کہ بتاؤ! تم ایسا کرتے ہو یا نہیں؟ اس کا مطلب یہی ہوتا ہے کہ تمہیں ایسا کرنا ہوگا۔ اگر ایسا نہ کروگے تو..... حضرت ابراهیم (ع) کے والد نے اُن سے کہا أَرَاغِبٌ أَنْتَ عَنْ آلِهَتِي (۱۹/۴۶)۔ کیا تو میرے معبودوں سے کنارہ کشی کرتا ہے؟ اس کا مطلب یہ ہے کہ میں تمہیں حکم دیتا ہوں کہ ایسا مت کرو۔ اگر تم نے ایسا کیا تو لَأَرْجُمَنَّكَ۔ میں تجھے ذلت آمیز سزا دونگا۔

۸ - دو باتوں کو برابر قرار دینا - لیکن یہ اس صورت میں ہوتا ہے جب یہ سَوَاءٌ۔ کے بعد آئے۔ مثلاً۔ سَوَاءٌ عَلَيْهِمْ ءَأَنْذَرْتَهُمْ أَمْ لَمْ تُنْذِرْهُمْ (۲/۶)۔ تم اُنہیں (ان کی روش کے تباہ کن نتائج سے) متنبہ کرو یا نہ کرو۔ اُن کے لئے یکساں ہے۔

۹ - ندا (پکارنے) کے لئے کہتے ہیں أَزَيْدُ أَقْبِلْ (اے زید آگے بڑھو) قرآن میں اس کا استعمال نہیں آیا۔

۱۰ - أ ہمیشہ جملہ کے شروع میں آتا ہے۔ حتی کہ واؤ عطف سے بھی پہلے۔ أَوَلَمْ يَنْظُرُوا۔ أَفَلَمْ يَسِيرُوا۔ بعض اوقات اسے حذف بھی کر دیا جاتا ہے۔ خواہ اس سے پہلے۔ أَمْ۔ آ رہا ہو یا نہ آ رہا ہو*۔ جیسے حضرت ابراهیم (علیہ السلام) کے قصہ میں ہے کہ جب رات کے وقت ستارہ نمودار ہوا تو حضرت ابراهیم (علیہ السلام) نے اپنی قوم سے پوچھا۔

* محیط۔

قَالَ هٰذَا رَبِّی (۶/۷۷)۔ کیا یہ میرا رب ہے؟ یعنی تم کہتے ہو کہ میں اس کی پرستش کروں؟ یہاں حرف استفہام (أ) محذوف ہے۔

بعض لوگوں کا خیال ہے کہ یہ (هٰذَا رَبِّی؟) حضرت ابراھیم علیہ السلام کا قول نہیں بلکہ ان کے باپ (آزر) کا قول ہے اور اس کے بعد کا ٹکڑا (فَلَمَّا أَفَلَ قَالَ لَا أُحِبُّ الْآفِلِيْنَ (۶/۷۷) حضرت ابراھیم (علیہ السلام) کا جواب ہے۔ (یعنی یہ سب باہمی مکالمہ ہے) اس صورت میں قَالَ هٰذَا رَبِّی میں (أ) کو محذوف ماننے کی ضرورت نہیں رہتی۔

نوٹ:۔ جب اس ہمزہ کے بعد کوئی ایسا لفظ آئے جس کے شروع میں بھی ہمزہ ہو تو یہ دونوں ہمزہ مل کر "آ" بن جاتے ہیں جیسے آلْآنَ (۱۰/۹۱) جو دراصل أ أَلْآنَ (کیا اب؟) ہے۔

اب ب

اَلْأَبُّ۔ گھاس خواہ خشک ہو یا تر۔ چراگاہ۔ یہ لفظ ہر اس گھاس کیلئے استعمال ہوتا ہے جسے جانور کھاتے ہیں*۔ قرآن میں ہے۔ فَاكِهَةً وَّأَبًّا (۸۰/۳۱) مجاھد نے کہا ہے کہ فَوَاكِهُ وہ میوے اور پھل ہیں جنہیں آدمی کھاتے ہیں اور أَبٌّ۔ جانوروں کے کھانے کی چیزیں ہیں۔ اس میں سبز گھاس۔ چارہ۔ بھوسہ سب شامل ہیں*۔ ابن فارس نے کہا ہے کہ اس کے بنیادی معنی (۱) چراگاہ اور (۲) قصد و ارادہ کے ہیں۔ غالباً اس لئے کہ جانور چراگاہ کی طرف قصد و ارادہ سے جاتا ہے۔

صاحب مفردات نے کہا ہے کہ مویشیوں کے لئے أَبٌّ کی وہی حیثیت ہے جو انسانوں کے لئے فَاكِهَةٌ کی ہے۔ فَاكِهَةٌ اس کھانے کی چیز کو کہتے ہیں جسے لذت کے لئے کھایا جائے۔ اس لئے أَبٌّ ان کھانے کی چیزوں کو کہینگے جنہیں مویشی خوشی سے کھائیں۔

اب د

اَلْأَبَدُ۔ غیر محدود زمانہ۔ ہمیشہ۔ ابن فارس نے کہا ہے کہ اس کے بنیادی معنے طولِ مدت اور توحش کے ہوتے ہیں۔ راغب نے لکھا ہے کہ أَبَدٌ سے مراد وہ طویل زمانہ ہے جسکا تجزیہ نہ کیا جاسکے۔ یعنی جسے حصوں میں تقسیم نہ کیا جا سکے۔ اس کے برعکس زَمَانٌ اس مدت کو کہتے ہیں جس کا تجزیہ کیا جا سکے۔ اس اعتبار سے أَبَدٌ کا تثنیہ یا جمع نہیں آنی چاہئے تھی

* تاج

لیکن اس کے باوجود اس کی جمع آبَادٌ آتی ہے۔ بعض لوگوں نے کہا ہے کہ یہہ لفظ (آبَادٌ) عرب عرباء کے کلام میں کہیں نہیں آیا*۔

اَلْاَوَابِدُ۔ وحشی جانوروں کو کہتے ہیں۔ کیونکہ (عربوں کا خیال تھا کہ) وہ اپنی موت نہیں مرتے، ہمیشہ کسی آفت سے مرتے ہیں۔ غیر مانوس قوافی کو بھی اَوَابِدُ کہتے ہیں اور مصائب کو بھی۔* نواب صدیق حسن خاں نے لکھا ہے کہ جن الفاظ میں باء اور ہمزہ ساتھ آئیں ان میں توحش، نفرت، بُعد اور جدائی کا مفہوم ہوتا ہے۔ اَبَدَ التَّوَحُّشُ کے معنی ہیں جنگلی جانور بدک کر بھاگ اٹھے۔

قرآن میں اَبَدٌ کا لفظ یا تو اس معنی میں آیا ہے جس معنی میں ہم کہتے ہیں کہ وہ کبھی ایسا نہ کریگا۔ مثلاً وَلَنْ يَّتَمَنَّوْهُ اَبَدًا (۲/۹۵) وہ کبھی اس کی آرزو نہیں کرینگے۔ اور یا جنت وغیرہ کے لئے خَالِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا (۴/۵۷) میں۔ ''وہ اس میں ابدی طور پر رہینگے،،۔ ابدی اور ازلی اصطلاحات قرآنی نہیں۔ (اَزَلٌ کا تو لفظ ہی قرآن میں نہیں آیا) لہذا اَبَدٌ کے معنے زمانہ دراز کے ہونگے۔ چنانچہ اہل جہنم کے متعلق جہاں یہ آیا ہے کہ خَالِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا (۴/۱۶۹) وہاں ان کے متعلق لَابِثِيْنَ فِيْهَآ اَحْقَابًا (۷۸/۲۳) بھی آیا ہے جس کے معنے زمانہ دراز کے ہیں (دیکھئے عنوان ح۔ق۔ب) اس کی تشریح مَا دَامَتِ السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ (۱۱/۱۰۹) سے بھی کردی گئی ہے۔ یعنی جب تک آسمان اور زمین ہے۔ اس سے ظاہر ہے کہ اَبَدٌ سے مراد غیر مختتم (نہ ختم ہونے والا) زمانہ نہیں۔

زمان (TIME) کی فلسفیانہ بحث بڑی عمیق اور فنّیی ہے اسلئے ہم اس میں نہیں الجھنا چاہتے۔ اس مقام پر ہم صرف اتنا کہنا چاہتے ہیں کہ جن معنوں میں ہم خدا کے لئے ازلی اور ابدی بولتے ہیں وہ مفہوم صرف خدا کے لئے مخصوص ہے۔ کسی اور کے لئے نہیں۔

ابراھیم (علیہ السلام)

حضرت ابراھیم (علیہ السلام)، ترتیب زمانی کے اعتبار سے حضرت نوح (علیہ السلام)۔ حضرت ہود (علیہ السلام) اور حضرت صالح (علیہ السلام) کے بعد آتے ہیں (ان حضرات کے تذکار جلیلہ کے لئے متعلقہ عنوانات دیکھئے) لیکن ملتِ ابراھیمی کے مؤسس اور معمار کعبہ کی حیثیت سے قرآن میں آپ کا ذکر بڑی شرح و بسط سے آیا ہے۔ تورات کا بیان ہے کہ حضرت نوح (علیہ

* العلم الخفاق

السلام) کی آٹھویں پشت میں نحور پیدا ہوئے۔ ان کے بیٹے تارح (آزر) اور آزر کے بیٹے حضرت ابراھیم (علیہ السلام) - آزر کا خاندان کلدانیوں کے شہر اُور میں آباد تھا - اس زمانے میں کلدانیوں (بابل) کا تمدن اپنے اوجِ کمال پر تھا - اس تاریخی قیاس کے مطابق آپ کا زمانہ قریب ۲۲۰۰ ق - م قرار دیا جا سکتا ھے - آپ کی قوم بت پرستی اور ستارہ پرستی میں مشہور تھی - خود آپ کے والد ایک بہت بڑے پجاری (آدار) تھے - آپ نے اپنی دعوت توحید کا آغاز خود اپنے گھر (والد) سے شروع کیا (۶/۷۵) - باپ نے اس کی سخت مخالفت کی (۱۹/۴۶) - پھر آپ نے قوم کو مخاطب کیا اور واضح الفاظ میں انہیں بتایا کہ وہ کس ضلالت میں مبتلا ھیں (۲۱/۵۴) یہ کشمکش اس حد تک بڑھی کہ آپ نے ایک دن اُن کے مندر میں جا کر بتوں کو توڑ دیا (۲۱/۵۸) اس دوران میں خود بادشاہ کے ساتھ بھی آپ کا مکالمہ ھوا جس میں آپ نے اُسے دلائل و براھین سے لاجواب کر دیا (۲/۲۵۸) -

ان پے در پے شکستوں سے قوم کے دل میں آتش انتقام بھڑک اُٹھی اور وہ آپ کی جان کے لاگو ھو گئے - لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کی تمام تدابیر کو ناکام کر دیا اور آپ (اپنے بھتیجے حضرت لوطؑ کے ساتھ) اس مقام سے شام کی طرف ھجرت کر گئے (۲۱/۷۱-۶۸) اور فلسطین میں اقامت پذیر ھو گئے -

آپ نے اپنے بیٹے (حضرت) اسحٰق (علیہ السلام) کو فلسطین میں بسایا اور دوسرے بیٹے (حضرت اسمٰعیل علیہ السلام) کو ساتھ لیکر خدا کے حکم سے وادی غیرذی زرع (حجاز) میں خانہ کعبہ کو تعمیر کیا (۲/۱۲۵)- اور حضرت اسماعیل (علیہ السلام) کے سپرد اس کی تولیت کی -

حضرت اسحاق (علیہ السلام) کی شاخ میں تمام انبیائے بنی اسرائیل مبعوث ھوئے اور شاخ اسماعیل (علیہ السلام) کے گلِ سرسبد نبی اکرمؐ وجہ شادابی عالم ھوئے -

یہ تھے حضرت ابراھیم (علیہ السلام) جن کے متعلق اللہ تعالیٰ کا ارشاد ھے کہ اِنَّ اِبْرَاهِيْمَ كَانَ اُمَّةً قَانِتاً لِلّٰهِ حَنِيْفًا - وَلَمْ يَكُ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ (۱۶/۱۲۰) "بلا شبہ - ابراھیم (اپنی شخصیت میں ایک فرد نہیں بلکہ) پوری امت تھا - اللہ کے حضور جھکا ھوا - اور وہ مشرکین میں سے نہیں تھا"

ا ب ق

اَبَقَ الْعَبْدُ اَبْقًا وَ اِبَاقًا - غلام کا (اپنے فرائض کو چھوڑ کر) بھاگ جانا - یعنی نہ اس سے کوئی سخت کام لیا جا رھا ھو اور نہ ھی اسے کسی قسم

* تاج - راغب - محیط -

کا خوف ہو۔ اس کے باوجود اس کا چپکے سے بھاگ جانا* ۔ نواب صدیق حسن خان نے لکھا ہے کہ جن الفاظ میں بَا اور ہمزہ ساتھ آئیں ان میں توحش۔ نفرت۔ بُعد اور جدائی کا مفہوم ہوتا ہے۔ اَبَقَ میں یہی کیفیت ہے۔ ابن فارس نے کہا ہے کہ اس کے بنیادی معنی غلام کا بھاگ جانا نیز کسی معاملہ میں تشد د برتنا ہیں۔

آلْاٰبِقُ۔ اپنے فرائض منصبی سے احترا ز کرکے بھاگ جانے والا یا چھپ جانے والا۔ تَاَبَّقَ الشَّیْ ۔وہ کسی شے کو نا گوار سمجھتے ہوئے اس سے کنارہ کش ہوگیا۔ عَبْدٌ اٰبِقٌ۔ بھاگ جانے والا غلام* ۔

قرآن نے حضرت یونس[۴] کے متعلق اَبَقَ کا لفظ استعمال کیا ہے (اِذْ اَبَقَ اِلَى الْفُلْكِ الْمَشْحُوْنِ ۔ جب وہ بھری ہوئی کشتی کی طرف بھاگا (۳۷/۱۴۰) رسول کو خاص مشن دیکر اس کی قوم کی طرف بھیجا جاتا تھا ۔ اُسے اس مشن کی تکمیل میں ہزار مشقتیں اٹھانی پڑتیں، وہ کسی حالت میں بھی اپنی جگہ نہیں چھوڑتا تھا ۔ لیکن جب مشیت خود دیکھتی کہ اس کا اس جگہ زیادہ عرصہ کیلئے رہنا اس مشن کیلئے مفید نہیں تو اسے اس مقام کو چھوڑ کر دوسری جگہ چلے جانے کا حکم مل جاتا ۔ اسے ہجرت کہتے ہیں ۔ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت یونس (علیہ السلام) نے جب دیکھا کہ ان کی قوم سرکشی سے باز نہیں آتی تو انہوں نے خود ہی فیصلہ کر لیا کہ یہ ماحول پیغام خداوندی کے لئے سازگار نہیں رہا ۔ اسلئے وہ قوم کو چھوڑ کر چلے گئے۔ چونکہ ان کا یہ فیصلہ مشیت کے پروگرام سے قبل از وقت تھا (اور انہوں نے خدا کے حکم کا انتظار کئے بغیر اپنی جگہ چھوڑ دی تھی) اسلئے ان کے اس عمل کیلئے اَبَقَ کہا گیا ۔ یعنی اپنے فریضہ منصبی کو چھوڑ کر چلا گیا ۔ واضح رہے کہ یہ خدا کے کسی حکم کی خلاف ورزی نہیں تھی ۔ اپنا اجتہادی فیصلہ تھا ۔ لیکن چونکہ یہ فیصلہ مشیت کے پروگرام کی رُو سے ذرا قبل از وقت تھا اس لئے خدا نے اسے پسند نہیں کیا ۔ اس سے اندازہ لگائیے کہ ایک رسول کی زندگی کسقدر احکام خداوندی کے تابع ہوتی تھی اور جن معاملات میں فیصلہ خدا کے ہاتھ میں ہوتا تھا ان میں رسول اپنی طرف سے ایک قدم بھی نہیں اٹھا سکتا تھا ۔ دوسرے معاملات میں البتہ اسے آزادی ہوتی تھی کہ وہ وحی کے دئے ہوئے اصولوں کی روشنی میں اپنا پروگرام آپ مرتب کرتا جائے۔

تاج - راغب - محیط -

ا ب ل

اَلْاِبِلُ و اَلْاِبْلُ - اونٹ - یہ کثیر تعداد میں اونٹوں کیلئے آتا ہے اور اس کا واحد اس لفظ سے نہیں آتا (۱۳۵/۶) - بادل کو بھی اونٹ سے تشبیہ دیتے ہیں - چنانچہ قرآن میں جو ہے اَفَلَا یَنْظُرُوْنَ اِلَی الْاِبِلِ کَیْفَ خُلِقَتْ (۱۷/۸۸) "کیا یہ لوگ ابل کی طرف نہیں دیکھتے کہ انہیں کسطرح پیدا کیا گیا؟"، اس میں اَلْاِبِلِ کے معنے بادل بھی ہو سکتے ہیں* -

اِبِلٌ اَبَابِیْلُ - گلہ در گلہ اونٹ - طَیْرًا اَبَابِیْلَ (۳/۱۰۵) جھنڈ در جھنڈ پرندے** - اَلْاِبَّالَۃُ - اَلْاِبِّیْلُ - اَلْاَبُّوْلُ - اَلْاِیْبَالُ - پرندوں، گھوڑوں اور اونٹوں کی ٹکڑی جو پے در پے یکے بعد دیگرے آتی ہے* -

اَبَلَ - وہ متوحش ہو گیا - جن الفاظ میں با اور ہمزہ ساتھ آئیں ان میں توحش، نفرت، بُعد اور جدائی کا مفہوم مضمر ہوتا ہے* - ابن فارس نے کہا ہے کہ اس کے بنیادی معنی تین ہیں - اونٹ - کافی ہو جانا - اور بوجھ اور غلبہ -

ا ب و

اَبَاءٌ - اَبٌ کی جمع ہے - اَبٌ اصل میں اَبَوٌ تھا - اَلْاَبُ - باپ - وہ شخص جس سے اس کی نوع کا کوئی دوسرا شخص پیدا ہو یا وہ شخص جو کسی شے کی ایجاد، اصلاح یا ظہور کا موجب ہو - مربی - وصی - چچا وغیرہ کے لئے بھی یہ لفظ بولا جاتا ہے - نیز عمر اور مرتبہ کے لحاظ سے ہر بڑے آدمی کو بھی اَبٌ کہدیتے ہیں - اَبَوْتُہٗ اَبْوًا - میں نے اس کی تربیت کی - تَاَبَّاہُ اس کو باپ بنا لیا***

قرآن میں اَبَاءٌ کا لفظ آبا و اجداد (اسلاف) کے لئے آیا ہے - مَا اَلْفَیْنَا عَلَیْہِ اٰبَاءَنَا (۱۷۰/۲) "جس پر ہم نے اپنے اسلاف کو پایا"، - اور باپ چچا اور دادا کیلئے بھی - چنانچہ سورۂ بقرہ میں ہے کہ جب حضرت یعقوبؑ نے اپنے بیٹوں سے پوچھا کہ میرے بعد تم کس کی عبودیت اختیار کروگے، تو انہوں نے کہا کہ نَعْبُدُ اِلٰـھَکَ وَاِلٰہَ اٰبَائِکَ اِبْرٰھِیْمَ وَ اِسْمٰعِیْلَ وَاِسْحٰقَ (۱۳۳/۲) "ہم تیرے الٰہ - اور تیرے آباء ابراہیم - اسماعیل اور اسحٰق کے الٰہ کی عبودیت اختیار کرینگے"- حضرت اسحاقؑ حضرت یعقوبؑ کے والد تھے - حضرت اسماعیلؑ ان کے چچا اور حضرت ابراہیمؑ ان

* تاج - راغب ** اس کے قرآنی مفہوم کیلئے دیکھئے عنوان ف ی ل -
*" العلم الخفاق *** محیط -

کے دادا تھے۔ ان سب کے لئے آباء کا لفظ آیا ہے۔ سورۂ یوسف میں اَبَوَیْهِ آیا ہے جس کے معنی ماں باپ (والدین) ہیں (۱۲/۹۹)۔ باپ کو پکارتے وقت یَا اَبِیْ کی بجائے یَٓااَبَتِ بھی کہتے ہیں* (مثلاً ۱۲/۴ میں)۔ اَلْاَبَا - اَلْاَبُ کی ایک لغت ہے۔ اس کے معنی ہیں باپ۔

ا ب ی

اَبَی الشَّیْءَ یَأْبَاهُ۔ کسی چیز کو ناپسند کرنا۔ کسی چیز سے رکنا۔ باز رهنا۔ شدت سے انکار کرنا۔ ابن فارس نے کہا ہے کہ یہی اس کے بنیادی معنی ہیں۔ اَخَذَهُ اُبَاءٌ مِنَ الطَّعَامِ۔ اسے کھانے سے کراہت ہوگئی۔ رَجُلٌ آبَیَانٌ۔ وہ شخص جو کھانا کھانے سے باز رہے۔ اَلْاِبَاءُ۔ اَلْاُبَاءُ کراہت۔ نفرت۔ امتناع۔ تکبر۔ نخوت کو کہتے ہیں۔ یعنی کسی بات کو اپنے شایانِ شان نہ سمجھتے ہوئے اسے پائے استحقار سے ٹھکرا دینا اور پھر اپنی اس روش پر بضد قائم رهنا۔ اَلْاٰبِی شیر کو کہتے ہیں کیونکہ وہ اپنی مرضی کرتا ہے اور کسی کے کہنے پر نہیں چلتا**۔ نواب صدیق حسن خاں نے لکھا ہے کہ جن الفاظ میں باء اور همزه ساتھ آئیں ان میں توحش۔ نفرت۔ بُعد اور جدائی کا مفہوم مضمر ہوتا ہے۔ آبٰی میں یہی کیفیت ہے۔ قرآن میں سجدہ (اطاعت) کے مقابلہ میں آبٰی وَاسْتَکْبَرَ (۲/۳۴) آیا ہے۔ یعنی ابلیس حکم خداوندی کی اطاعت سے رکا اور اس نے اس سے سرکشی برتی۔ دوسرے مقام پر ہے وَلَا یَاْبَ الشُّهَدَاءُ اِذَا مَادُعُوْا (۲/۲۸۲)۔ ''جب گواہ بلائے جائیں تو وہ گواهی دینے سے انکار نہ کریں۔ رکیں نہیں'' قرآن میں اس کا استعمال ایک اور انداز سے بھی ہوا ہے۔ سورۃ بنی اسرائیل میں ہے کہ ہم نے قرآنی حقائق کو مختلف انداز سے پیش کیا ہے لیکن فَاَبٰی اَکْثَرُ النَّاسِ اِلَّا کُفُوْرًا (۱۷/۸۹ نیز ۲۵/۵۰) ''اکثر لوگ ایسے ہیں جو کفر و انکار کے سوا ہر چیز سے اباء کرتے ہیں۔ یعنی وہ اس پر غور و فکر کرنے اور اسطرح اس سے راہ نمائی حاصل کرنے سے رکے رہتے ہیں اور اس کے حقائق سے انکار کئے چلے جاتے ہیں۔ اسی طرح سورۃ توبہ میں ہے وَیَاْبَی اللّٰهُ اِلَّآ اَنْ یُّتِمَّ نُوْرَهٗ (۹/۳۲) '' اللہ کسی بات کو قبول نہیں کرتا بجز اس کے کہ وہ اپنے نور کو مکمل کرکے رہے،،۔ ان مثالوں سے واضح ہے کہ اِلَّا کے ساتھ اس لفظ کے معنی یہ ہوتے ہیں کہ اس کے سوا اور کچھ مقصود و مطلوب نہیں۔ سورۃ کہف میں حضرت

* محیط ** تاج۔

موسیٰ اور ان کے رفیق سفر کے قصہ میں ہے فَاَبَوْا اَنْ یُّضَیِّفُوْہُمَا (۱۸/۷۷) ''بستی والوں نے (انہیں حقیر سمجھتے ہوئے) ان کی مہمانداری کرنے سے انکار کر دیا،،۔

ا ت ی

آتیٰ - یَاْتِیْ - کے معنے ہیں آنا*۔ راغب کے نزدیک اِتْیَانٌ - سہولت کے ساتھ آنے کو کہتے ہیں*۔ صاحب محیط نے آتیَ الْماءُ کی مثال دی ہے جس کے معنے ہیں پانی کا راستہ آسان کر دیا**۔ مَاْتِیًّا - ضرور آنے والا (گویا آچکا ہے) (۱۹/۶۱)۔ مَاْتِیًّا اصل میں مفعول کا صیغہ ہے جس کے معنی اس چیز کے ہیں جس کے پاس آیا جاتا ہے یا وہ چیز جو آئی ہوئی ہو۔ اس اعتبار سے اس کا صحیح مفہوم یہ ہوگا کہ خدا نے جو قانون مقرر کر دیا ہے ہر شے اس تک پہنچ کر رہتی ہے۔

آتیٰ اِلَیْہِ الشَّیْیءَ کے معنی ہیں اس کی طرف کوئی چیز بھیج دی۔ آتیٰ فُلَاناً شَیْئاً - اس نے اسے وہ چیز دیدی*۔ زمخشری نے کشاف میں لکھا ہے کہ اِیْتَاءٌ - اِعْطَاءٌ کے معنوں میں بکثرت آتا ہے مگر اِیْتَاءٌ کے معنے در حقیقت حاضر کرنے کے ہیں۔ راغب نے اسی لئے کہا ہے کہ قرآن میں صدقات وغیرہ کے لئے اِیْتاءٌ ہی کا لفظ آیا ہے۔ اِعْطَاءٌ کا لفظ نہیں آیا۔ اس کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ صدقات سہولت سے دیے جا سکیں اور اس کی ضرورت نہ پڑے کہ اس کی تفتیش کی جائے کہ فلاں آدمی نے کیا دیا ہے*۔ (اس کی وضاحت کے لئے دیکھئے صَدَقَاتٌ - عنوان ص - د - ق)۔ صاحب تاج العروس نے مختلف اقوال سے بتایا ہے کہ اِعْطَاءٌ اور اِیْتَاءٌ میں فرق یہ ہے کہ اِعْطَاءٌ میں دینے والے کی پوزیشن اس سے ذرا بلند ہوتی ہے جسے دیا جائے لیکن اِیْتَاءٌ میں یہ بات نہیں ہوتی۔ بلکہ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ جسے دیا جائے اس کی پوزیشن دینے والے سے ذرا بلند ہی ہو۔ یا کم از کم برابر ہو* (لیکن اسے ہم قاعدہ کلیہ نہیں کہ سکتے کیونکہ قرآن میں بعض جگہ اِیْتَاءٌ اور اِعْطَاءٌ کے الفاظ مرادف معنوں میں بھی استعمال ہوئے ہیں۔ مثلاً سورۃ توبہ میں ہے فَاِنْ اُعْطُوا مِنْہَا رَضُوْا.......... وَلَوْ اَنَّهُمْ رَضُوْا مَا آتٰـهُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ.... (۹/۵۸-۵۹)۔ ''سو اگر انہیں ان (صدقات) میں سے دیا جائے تو راضی ہو جاتے ہیں۔...... اور (کیا اچھا ہوتا) اگر وہ اس پر راضی ہو جاتے جو کچھ اللہ اور اس کے رسول نے انہیں دیا تھا،،۔

* تاج - ** محیط -

قرآن میں مالِ فئے کی تقسیم کے ضمن میں ہے کہ وَمَا اٰتٰکُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَهٰکُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا (۵۹/۷)۔ - جو کچھ تمہیں رسول دے اسے لے لو اور جس کے لینے سے روک دے اس سے رک جاؤ۔ اس کی تشریح (۹/۵۹) میں ہے جہاں فرمایا۔ وَلَوْ اَنَّهُمْ رَضُوْا مَآ اٰتٰهُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ مال فئے اور مال غنیمت کے متعلق اصول یہ نہیں کہ جس نے جو لوٹ لیا وہ اس کی ملکیت ہو گیا - یہ سارا مال نظام خداوندی کی ملکیت ہوتا ہے اور اس کی تقسیم مرکز نظام کی طرف سے ہوتی ہے -

سورۃ اٰلِ عمران میں یہ لفظ نزع کے مقابلے میں آیا ہے جس کے معنی ہے لینے کے ہیں - تُؤْتِي الْمُلْكَ مَنْ تَشَاءُ وَتَنْزِعُ الْمُلْكَ مِمَّنْ تَشَاءُ (۳/۲۵)۔ "تو جسے چاہتا ہے ملک دے دیتا ہے اور جس سے چاہتا ہے ملک لے لیتا ہے"۔ (اس کی تفصیل "مشیت" کے ماتحت عنوان ش - ی - أ میں دیکھئے)۔ اَتَى الرَّجُلُ۔ اس نے کوئی کام کیا۔ عمل کیا*۔ قرآن میں ہے لَا يُفْلِحُ السَّاحِرُ حَيْثُ اَتٰى (۲۰/۶۹)۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ ساحر خواہ کچھ ہی کیوں نہ کرے کبھی کامیاب نہیں ہوسکتا۔ یا مثلاً سورۃ الشعراء میں ہے اَتَاْتُوْنَ الذُّكْرَانَ مِنَ الْعٰلَمِيْنَ۔ (۲۶/۱۶۵) ** "تم دنیا جہان سے الگ مردوں کے ساتھ بد فعلی کرتے ہو"۔

صاحب تاج العروس نے یہ بھی لکھا ہے کہ اِیْتَاءٌ اور اِعْطَاءٌ میں ایک فرق یہ بھی ہے کہ اِیْتَاءٌ کے معنی یہ ہیں کہ جسے کچھ دیا جائے وہ اس تک پہنچ جائے اور وہ اسے قبول بھی کرے - بر عکس اس کے اِعْطَاءٌ کے معنی یہ ہیں کہ جو کچھ کسی کو دیا جائے ضروری نہیں کہ وہ اس تک پہنچ بھی جائے یا وہ اسے حاصل بھی کرے - اس اعتبار سے قرآن میں جو کہا گیا ہے کہ كُلًّا نُمِدُّ هٰؤُلَاءِ وَهٰؤُلَاءِ مِنْ عَطَاءِ رَبِّكَ وَمَا كَانَ عَطَاءُ رَبِّكَ مَحْظُوْرًا (۱۷/۲۰)۔ تو اس کے معنی یہ ہیں کہ خدا کی طرف سے جو کچھ عطا ہوا ہے وہ عام ہے - لیکن خدا اسے ہر ایک تک براہ راست نہیں پہنچاتا - اسے حاصل کر لینے کے لئے خود جد و جہد کرنی پڑتی ہے - نیز یہ کہ کسی کو اس کا حق نہیں پہنچتا کہ وہ ان بخشائشوں کو عام انسانوں تک نہ پہنچنے دے اور راستے میں روک بن کر کھڑا ہو جائے -

تاج العروس نے یہ بھی لکھا ہے کہ اِتْيَانٌ کے معنی ہلاک کر دینے کے بھی ہیں - مثلاً قرآن میں ہے فَاَتٰهُمُ اللّٰهُ مِنْ حَيْثُ لَمْ يَحْتَسِبُوْا

* تاج -

(۵۹/۲) - "اللہ نے انہیں ایسے انداز سے ھلاک کردیا جس کا انہیں وہم و گمان بھی نہ تھا"۔

ا ث ث

اَلاَثَاثُ - ہر چیز کا بڑا حصہ - مال کثیر - گھر کا سامان - ہر قسم کا مال مثلاً - اونٹ - بکریاں - غلام وغیرہ - اَثَاثَۃٌ اس کا واحد ہے - اَثَاثٌ گھر کے نئے سامان کو کہتے ہیں - بعض نے کہا ہے کہ یہ لفظ ہر اس سامان کیلئے استعمال ہوتا ہے جو گھر کی ضروریات کیلئے بنایا جائے - نہ کہ تجارت کی غرض سے* - ابن درید نے لکھا ہے کہ اَثَاثُ الْبَیْتِ سے مراد ہوتی ہے اَلْمَتَاعُ الْجَیِّدُ - گراں قدر سامان* - ابن فارس نے کہا ہے کہ اس کے بنیادی معنی اجتماع اور نرمی کے ہوتے ہیں اور اَثَّ النَّبْتُ اَثًّا کے معنی ہوتے ہیں، پودے بہت کثیر ہوگئے -

قرآن میں اَثَاثًا وَّ مَتَاعًا آیا ہے (۱۶/۸۰) - یعنی ساز و سامان -

ا ث ر

اَلاَثَرُ - کسی کھنڈر وغیرہ کا باقی رہ جانے والا حصہ - اَلاَثَرُ - زخم کا نشان جو اس کے اچھا ہو جانے کے بعد باقی رہ جاتا ہے - اَلاَثِیْرَۃُ - وہ جانور جس کے چلنے سے زمین پر بڑا سا نشان بن جائے - اَلثُّؤْثُوْرُ وَالْمِئْثَرُ - لوہے کا ایک آلہ جس سے اونٹ کے تلوے میں خاص نشان بنا دیتے ہیں کہ اگر وہ کہیں گم ہو جائے تو اس نشان قدم سے اسے تلاش کر لیا جائے -***

صاحب محیط نے لکھا ہے کہ اَثَرٌ کے چار معنی ہوتے ہیں - (۱) نتیجہ جو کسی چیز سے حاصل ہو - (۲) علامت - (۳) خبر - (۴) حکم جو کسی چیز پر مرتب ہو"* -

قرآن میں ہے فَانْظُرْ اِلٰی اٰثَارِ رَحْمَتِ اللّٰہِ (۳۰/۵۰) - یہاں آثار کے معنی نشانیاں یا علامات ہیں - سورۃ فتح میں اَثَرِ السُّجُوْدِ (۴۸/۲۹) آیا ہے - یعنی اطاعتِ خداوندی سے جو قلبی سکون اور اطمینان نصیب ہوتا ہے اس کے آثار ان کے چہروں سے نمایاں ہیں - سورۃ مومن میں ہے اَشَدَّ مِنْهُمْ قُوَّۃً وَّاٰثَارًا فِی الْاَرْضِ (۴۰/۲۱) - دوسری جگہ سورۃ یٰسین میں قَدَّمُوْا کے مقابلہ میں اٰثَارَهُمْ آیا ہے (۳۶/۱۲) یعنی جو وہ آگے بھیجتے ہیں اور جو پیچھے چھوڑتے ہیں - سورۃ کہف میں ہے عَلٰی اٰثَارِهِمْ (۱۸/۶) - ان کے

* تاج و محیط - ** کتاب الاشتقاق - *** تاج *" محیط -

پیچھے - اسی سورۃ میں آگے چل کر ہے - فَارْتَدَّا عَلٰی آثَارِ ھِمَا قَصَصًا (۱۸/۶۴) - اپنے نقوش قدم پر پیچھے کی طرف لوٹے - سورۃ حدید میں ہے۔ ثُمَّ قَفَّیْنَا عَلٰی آثَارِ ھِمْ بِرُسُلِنَا (۵۷/۲۷) - پھر ہم نے ان کے نقش قدم پر ان کے پیچھے اور رسول بھیجے - اس سے اس کے معنے مسلک و مشرب کے آتے ہیں (یعنے کسی کے پیچھے پیچھے چلنے کے) ابن فارس نے کہا ہے کہ اَلْاَثَرُ کے معنے پیچھے چلنے اور پیروی کرنے کے ہوتے ہیں۔ اس میں آثَرٌ اور اِثْرٌ دونوں آتے ہیں۔ سورۃ طہ میں سامری کا قول ہے کہ فَقَبَضْتُ قَبْضَةً مِنْ اَثَرِ الرَّسُوْلِ (۲۰/۹۶) میں نے رسول (حضرت موسیٰؑ) کے مسلک و مشرب سے تھوڑا سا حاصل کیا تھا - اسی طرح حضرت موسیٰؑ کا قول ہے - ھُمْ اُولَاءِ عَلٰی اَثَرِیْ (۲۰/۸۵) - وہ میرے نقش قدم (مسلک) پر ہیں - سورۃ احقاف میں ہے اَثَارَةٍ مِنْ عِلْمٍ (۴۶/۴) - اس کے معنی علمی دلیل کے ہیں - (یعنی جو کچھ علم میں سے باقی رہ جائے)

آثَرَ - نشان زدہ کرکے اپنے لئے مخصوص کر لینا یا کسی دوسرے کے لئے مختص کردینا - اسی سے اِیْثَارٌ ہے جس کے معنی ہیں کسی کو اپنے اوپر ترجیح یا فوقیت دینا۔ ابن فارس نے بھی ان معانی کی تائید کی ہے - پہلے معنوں میں سورۃ اَعْلٰی میں ہے بَلْ تُؤْثِرُوْنَ الْحَیٰوةَ الدُّنْیَا (۸۷/۱۶) - یہ قریبی مفاد - صرف طبعی زندگی کے انفرادی مفاد - کو اپنے لئے ترجیح دیتے ہیں - نیز (۷۹/۳۸)۔ اور دوسرے معنوں میں سورۃ حشر میں ہے یُؤْثِرُوْنَ عَلٰی اَنْفُسِهِمْ (۵۹/۹) - وہ دوسروں کو اپنے آپ پر ترجیح دیتے ہیں - سورۃ یوسف میں ہے لَقَدْ اٰثَرَكَ اللّٰهُ عَلَيْنَا (۱۲/۹۱) - خدا نے تمہیں ہم پر فضیلت دی ہے - سورۃ طہ میں ہے لَنْ نُّؤْثِرَكَ عَلٰی مَا جَاءَنَا (۲۰/۷۲) - جو ہمارے پاس آچکا ہے تجھے ہم اس پر ترجیح نہیں دینگے -

حَدِیْثٌ مَا ثُوْرٌ - ایسی بات جس کی لوگ ایک دوسرے کو خبر دیتے چلے آرہے ہوں * ابن فارس نے لکھا ہے کہ اَلْمَاْثُوْرَةُ اس کنویں کو کہتے ہیں جو پہلے بنا ہوا ہو پھر زمین کے نیچے دب گیا ہو لیکن جب کوئی وہاں پہنچے تو ڈول اور رسی کے نشانات پائے۔

ا ث ل

اَلْاَثْلُ - جھاؤ کا درخت۔ * وہ درخت جسکی جڑ خوب مضبوط ہو ** ابن فارس نے کہا ہے کہ اس کے بنیادی معنی کسی چیز کی اصل اور اس کے

* تاج - ** راغب

مجتمع ہونے کے ہیں - یعنی پختہ بنیاد ہونا - قرآن میں آثْلٍ (۳۴/۱۶) جھاؤ کے معنوں میں آیا ہے -

ا ث م

اَلْاَثِمَۃُ - اس اونٹنی کو کہتے ہیں جو تکان کی وجہ سے مضمحل ہو چکی ہو اور اسلئے بہت آہستہ آہستہ چلے - اَلْمُؤَاثِمُ - وہ اونٹ جو اضمحلال کی وجہ سے چلنے سے جواب دے جائے *- لہذا اِثْمٌ کے بنیادی معنوں میں اضمحلال- افسردگی - توانائی کا کم ہو جانا- سست روی اور شکستگی کا پہلو ہوتا ہے - ابن فارس نے کہا ہے کہ اس کے بنیادی معنی دیر ہونا اور پیچھے رہ جانا ہیں - قرآن میں جرم کیلئے اِثْمٌ اور عُدْوَانٌ کے الفاظ آئے ہیں - ان کے صحیح مفہوم کیلئے (ع-د-و) کا عنوان دیکھئے جہاں عُدْوَانٌ کے مقابلہ میں اِثْمٌ کے مفہوم کی وضاحت کی گئی ہے - مقصد اس سے وہ تمام اعمال ہیں جن سے انسانی ذات میں ضعف و اضمحلال پیدا ہو جائے - جن سے اسکی قوت عمل میں کمزوری واقع ہوجائے - جن سے وہ سفر حیات طے کرنے میں سست گام ہو جائے - جن سے وہ دوسروں کے مقابلہ میں پیچھے رہ جائے - اس کے لئے قرآن نے خَمْرٌ اور مَیْسِرٌ کی مثال دی ہے جہاں کہا ہے کہ ان میں فائدہ تو ضرور ہے لیکن ان سے انسان کے قوائے عملیہ میں جو اضمحلال پیدا ہوتا ہے اسکے نقصانات اس فائدہ کے مقابلہ میں بہت زیادہ ہیں- وَ اِثْمُهُمَا اَكْبَرُ مِنْ نَّفْعِهِمَا (۲/۲۱۹)- خَمْرٌ (نشہ آور اشیاء) کے ان اثرات سے کون نا واقف ہے جن سے انسان کی قوتیں آہستہ آہستہ مضمحل ہو جاتی ہیں - اسی لئے "جنت کی شراب" کے متعلق کہا ہے کہ اس میں تَاْثِیْمٌ نہیں ہوگی (لَا لَغْوٌ فِیْهَا وَلَا تَاْثِیْمٌ ۵۲/۲۳)- یعنی اس سے قویٰ مضمحل نہیں ہونگے بلکہ ان کی کمی پوری ہو جائیگی- لَا یَسْمَعُوْنَ فِیْهَا لَغْوًا وَّلَا تَاْثِیْمًا - اِلَّا قِیْلًا سَلٰمًا سَلٰمًا (۵۶/۲۵-۲۶) باقی رہا مَیْسِرٌ- سو یہ لفظ یُسْرٌ سے ہے (دیکھئے عنوان ی-س-ر) یسر کے معنی ہیں آسانی (بائیں ہاتھ کا کھیل) لہذا یُسْرٌ ہر اس آمدنی اور دولت کو کہینگے جو بغیر محنت کئے حاصل ہو جائے - اس قسم کی دولت سے جسطرح انسان کے قوائے عملیہ میں اضمحلال پیدا ہوتا ہے اور انسان محنت کرکے کمانے کے قابل نہیں رہتا وہ بھی کسی سے مخفی نہیں - اس لئے سود خوار کو بھی اَثِیْمٌ کہا گیا ہے - (۲/۲۷۶) -

(ع-د-و) کے عنوان میں عُدْوَانٌ کے معنے یہ بھی بتائے گئے ہیں کہ ان سے مراد ایسے جرائم ہیں جن کے اثرات متعدی ہوں - یعنی ان سے معاشرہ کے دوسرے افراد بھی اثر پذیر ہوتے ہوں - اس بنا پر اِثْمٌ کے معنی ہونگے ایسے جرائم جن کا اثر انسان کی اپنی ذات تک ہی محدود رہتا ہو - مثلاً ایک

* تاج -

شخص افیون کھا کر چپکے سے لیٹے رہتا ہے - ظاہر ہے کہ اسکے اس عمل کا اثر اسکی اپنی ذات تک محدود ہے - لیکن قرآن کی رو سے یہ بھی جرم ہے - اسلئے کہ اسکے نزدیک زندگی کا مقصود انسانی ذات کا نشو و نما ہے لہذا ہر وہ کام جس سے انسانی ذات میں ضعف و اضمحلال پیدا ہو جرم ہوگا خواہ وہ انسان کے اپنے ہاتھوں سے ہی پیدا کیوں نہ ہو - قرآن کی رو سے انسان کا خود اپنے آپکو نقصان پہنچانا بھی جرم ہے - خود کشی بھی قتل نفس میں شامل ہے اور اسلئے اِثْمٌ میں داخل - اور زنا کے وجہ اثم ہونے کے لئے تو کسی ثبوت اور شہادت کی بھی ضرورت نہیں - اسلئے قتل نفس اور زنا کے لئے کہا گیا ہے کہ مَنْ يَفْعَلْ ذَالِكَ يَلْقَ أَثَامًا - (۲۵/۶۸) - اسی طرح اگر کسی شخص کو بغیر محنت کئے مفت میں دولت حاصل ہو جائے (خواہ وہ کسی طریق سے ملے) اور وہ کسی کو نقصان بھی نہ پہنچائے - تو وہ بھی اِثْمٌ ہے - اسلئے کہ محنت نہ کرنے سے اسکے قوائے عملیہ مضمحل ہو جائیں گے اور یہ چیز قرآن کی رو سے جرم ہے -

یہ ہیں اِثْمٌ کے بنیادی معنی - اسکے بعد یہ لفظ عمومی حیثیت سے عام جرائم (گناہوں) کے لئے بھی استعمال ہونے لگا - قرآن کے متعدد مقامات میں یہ لفظ ان معنی میں آیا ہے - بعض نے کہا ہے کہ اس سے بالخصوص ایسے افعال مراد ہوتے ہیں جو اپنے نتائج مرتب کرنے میں دیر لگائیں* (یہ چیز بھی اسکے بنیادی معنوں میں داخل ہے - یعنی سست روی - نتائج پیدا کرنے میں تاخیر - آہستہ آہستہ نتائج مرتب کرنے والے - جیسے خمر یعنی نشہ آور چیزوں کا استعمال) - راغب کے نزدیک اِثْمٌ اور ذَنْبٌ میں فرق یہ ہے کہ ذَنْبٌ عَمْدًا اور سہواً دونوں طریق پر ہو سکتا ہے لیکن اِثْمٌ صرف ارادۃً ہوتا ہے - لیکن اس لفظ کے مفہوم میں بُطْؤٌ (دیر لگانے) کے معنی ضرور شامل ہوتے ہیں**

اِثْمٌ کیلئے (ب-ر-ر) کا عنوان بھی دیکھئے کیونکہ قرآن میں یہ لفظ بِرٌّ کے مقابلہ میں بھی آیا ہے جہاں کہا گیا ہے کہ تَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ (۵/۲) بر اور تقوی کے کاموں میں ایک دوسرے سے تعاون کرو اور اثم و عدوان میں تعاون مت کرو۔

اج ج

اَلْاَجَّةُ - اَلْاَجِيْجُ - آگ کا بھڑکنا - مشتعل ہونا - آگ کی آواز کو بھی کہتے ہیں - اَجَّ - يَؤُجُّ - اَجًّا - وہ تیز چلا - سَمِعْتُ اَجَّتَهُمْ - میں نے انکے چلنے کی آواز یا مخلوط سا شور سنا - ابن فارس نے کہا ہے کہ اس کے بنیادی

* تاج - ** راغب -

معنی آہٹ اور شدت کے ہیں۔ اَلْاَجَّةُ۔ اختلاط و اضطراب۔ گرمی کی شدت۔ مَاءٌ اُجَاجٌ۔ سخت کڑوا پانی* وَهٰذَا مِلْحٌ اُجَاجٌ اور یہ سخت کھاری پانی ہے۔ (۳۵/۱۲ و ۲۵/۵۳)۔ اَجَّجَ فُلَانٌ۔ اس نے دشمن پر حملہ کیا*۔

قرآن میں یَاْجُوْجُ۔ مَاْجُوْجُ کے الفاظ دو مقام پر آئے ہیں۔ (۱۸/۹۴) اور (۲۱/۹۶) میں۔ اول الذکر ذوالقرنین کے قصہ کے ضمن میں ہے جہاں ایک قوم نے اس سے فریاد کی کہ یَاْجُوْجُ وَمَاْجُوْجُ آکر تباہ کاریاں مچا دیتے ہیں اسلئے آپ ہمارے لئے ایک ایسی دیوار بنا دیں جو انکے حملوں کے لئے روک ثابت ہو۔ چنانچہ ذوالقرنین نے وہ دیوار تعمیر کردی جسکا ذکر سورۃ کہف میں (۱۸/۹۶) آتا ہے۔ دوسرا حوالہ سورۃ انبیاء کا ہے جس میں کہا گیا ہے کہ وَحَرَامٌ عَلٰى قَرْيَةٍ اَهْلَكْنٰهَا اَنَّهُمْ لَا يَرْجِعُوْنَ۔ حَتّٰى اِذَا فُتِحَتْ يَاْجُوْجُ وَمَاْجُوْجُ وَهُمْ مِّنْ كُلِّ حَدَبٍ يَّنْسِلُوْنَ (۲۱/۹۵-۹۶)۔

یاجوج و ماجوج کا نام تورات میں ملتا ہے۔ چنانچہ حزقیل نبی کی پیشگوئی میں ہے (واضح رہے کہ حزقیل نبی کو بخت نصر بیت المقدس کی تباہی کے بعد گرفتار کرکے بابل لے گیا تھا جہاں وہ ایران کے بادشاہ سائرس۔ جسے قرآن میں ذوالقرنین کہا گیا ہے۔ کے زمانہ تک زندہ تھے) ”اور خداوند کا کلام مجھ تک پہنچا۔ اس نے کہا اے آدم زاد تو جوج کی طرف منہہ کرکے اسکے خلاف نبوت کر۔ جوج کی طرف جو ماجوج کی سرزمین کا ہے اور ارس۔ مسک۔ اور توبال۔ کا سردار ہے“۔ اسکے بعد یہ الفاظ عہد نامہ جدید (یوحنا کے مکاشفات) میں ملتے ہیں جہاں لکھا ہے ”جب ہزار سال پورے ہو چکینگے تو شیطان قید سے چھوڑ دیا جائیگا اور وہ ان قوموں کو جو زمین کے چاروں طرف ہونگی یعنے یاجوج و ماجوج کو گمراہ کرنے اور لڑانے کیلئے جمع کرکے نکلیگا۔ انکا شمار سمندر کی ریت کے برابر ہوگا اور وہ تمام زمین کی وسعتوں پر چڑھ جائینگی“۔ یاجوج و ماجوج یورپ کی زبانوں میں گاگ (Gog) میگاگ (Magag) کے نام سے متعارف ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ یہ یونانی زبان کے نام ہیں اور وہیں سے یورپ کی دیگر زبانوں میں آئے۔ یاجوج و ماجوج کونسی قومیں تھیں، اس کے متعلق محققین کی آراء مختلف ہیں۔ لیکن اکثریت کا رخ جس سمت کو گیا ہے وہ یہی ہے کہ یہ منگولیا کے علاقہ کے وحشی اور صحرا نورد قبائل تھے جن کا کام لوٹ مار تھا۔ یہ آندھی کے طوفان کی طرح اٹھتے اور اس سیلاب بلا کے سامنے جو کچھ آتا اسے خس و خاشاک کی طرح بہا کر لے جاتے۔ چنگیز خاں

* تاج۔ محیط و راغب

اور ھلاکو خاں کے بلاخیز جھگڑوں سے کون واقف نہیں - منگولیا کا قدیم نام ''موگ''، تھا جو یونان میں میگاگ اور عبرانی میں ما جوج ھوگیا - اس علاقہ میں دوسراقبیلہ ''یواچی''، کےنام سےمشہور تھا جس نے عبرانی میں یا جوج کی شکل اختیار کرلی* - انہی کے حملوں سے بچنے کیلئے قومیں اپنے ملکوں کے گرد دیواریں تعمیر کیا کرتی تھیں - یہی وہ سطح مرتفع تھی جہاں سے یہ وحشی قبائل بپھرے ہوئے دریاؤں کی پر شور طغیانیوں اور تلا طم انگیزیوں کی طرح ملحقہ اقوام کو تباہ و برباد کر دیتے (مِنْ كُلِّ حَدَبٍ يَنْسِلُوْنَ) - اگر ان الفاظ کو أجّ سے مشتق مانا جائے تو انکی خصوصیات میں آگ کی شعلہ انگیزیاں، طوفانی دریاؤں کی تلا طم خیزیاں اور تند و تیز ھواؤں کی تباہ کاریاں سب آ جاتی ھیں - اشتقاق کی رو سے دیکھا جائے تو ذھن اس طرف منتقل ھو جاتا ھے کہ سورۃ انبیاء میں اگرچہ نام یا جوج و ما جوج ھی کا لیا گیا ھے لیکن اس سے مفہوم ''یا جوجیت و ماجوجیت''، ھے خواہ وہ کسی قوم میں پائی جائے۔ قرآن نے کہا یہ ھے کہ جو اقوام قعر مذلت میں گر جائینگی ان کے دوبارہ ابھرنے کی کوئی صورت نہیں ھوگی - بجز ایک صورت کے - اور وہ یہ ھے کہ جب دنیا کی ایسی قومیں جن میں اپنے ملک سے نکل کر دوسرے ممالک پر چھا جانے کی صلاحیت ھوگی ان پسماندہ اقوام کے ملکوں میں پہنچینگی تاکہ وھاں اپنی استعماریت قائم کریں تو ان کے اس تصادم سے ان کمزور قوموں کی قوتیں بیدار ھو جائینگی اور انہیں دوبارہ زندگی حاصل ھو جا ئیگی - ھمارا دور اس پر شاھد ھے کہ یورپ کی اقوام کس طرح کمزور اقوام (بالخصوص مسلمانوں کے ممالک) میں پہنچیں تاکہ ان کا خون پیا جائے - لیکن آھستہ آھستہ یہ کمزور اقوام انہی سے سبق سیکھکر ان کے مقابلہ میں اٹھ کھڑی ھوئیں اور اس طرح دوبارہ زندگی سے متمتع ھو گئیں - اس حقیقت کو اقبال نے ان الفاظ میں بیان کیا ھے کہ -

مسلماں کو مسلماں کر دیا طوفان مغرب نے
تلا طمہائے دریا ھی سے ھے گوھر کی سیرابی

اسی طرح ان ''یا جوج و ما جوج''، اقوام کی تلا طم انگیزیاں ان مردہ اقوام کیلئے حیات نو کا باعث بن گئیں اور یہ حقیقت سامنے آ گئی کہ وَحَرَامٌ عَلٰى قَرْيَةٍ اَهْلَكْنٰهَا اَنَّهُمْ لَا يَرْجِعُوْنَ حَتّٰى اِذَا فُتِحَتْ يَاْجُوْجُ وَمَاْجُوْجُ وَهُمْ مِنْ كُلِّ حَدَبٍ يَنْسِلُوْنَ (۲۱/۹۵-۹۶) لیکن اگر ھم یا جوج و ما جوج کو ان کے علاقہ کے ساتھ مخصوص سمجھیں تو اس سے یہ بھی اشارہ نکل سکتا ھے کہ روس کا موجودہ سیلاب

* بحوالہ ترجمان القرآن - ابوالکلام آزاد - جلد دوم -

جس کی رو سے وہ ساری دنیا پر چھا جانا چاھتا ھے۔مسلمانوں کے ممالک کی بیداری کا باعث بن سکتا ھے۔ لیکن یہ اسی صورت میں ممکن ھوگا جب مسلمانوں کے ممالک قرآن کا معاشی نظام اپنے ھاں رائج کر لیں۔

نوٹ :۔سورۃ انبیاء کی مندرجہ بالا آیات (۲۱/۹۵-۹۶) میں حتٰی کا ترجمہ '' یہاں تک ،، کیا گیا ھے۔ لیکن بعض اوقات یہ حرف محض ابتدائے کلام کے لئے بھی آتا ھے اور اس کے کچھ معنی نہیں ھوتے۔ دیکھئے حرف حتٰی۔

ا ج ر

اَلْاَجْرُ ۔ کام کا بدلا ۔ اَلْاُجْرَۃُ ۔جو کچھ کام کا معاوضہ دیا جائے۔ کرایہ * ۔ اِسْتِئْجَارٌ ۔کسی کو اجرت پر ملازم رکھنا ۔ جیسے سورۃ قصص میں ھے۔یٰاَبَتِ اسْتَاجِرْہُ (۲۸/۲۶) '' اے میرے باپ۔ اسے اجرت پر ملازم رکھ لے،،۔

اَجْرٌ ۔کنایۃً اس تحفے کو بھی کہتے ھیں جو بیوی کو شادی کے وقت دیا جاتا ھے (جسے عرف عام میں مہر کہتے ھیں) قرآن میں ھے اٰتَیْتَ اُجُوْرَھُنَّ (۳۳/۵۰)

قرآن کریم نے اس قانونِ محکم کو بیان کیا ھے کہ انسان کو جو کچھ ملتا ھے (اس دنیا میں یا اس کے بعد کی زندگی میں) وہ اس کے اعمال (کاموں) کا بدلہ ھوتا ھے۔ جو کام نہیں کرتا اسےمعاوضہ بھی کچھ نہیں ملتا۔ یہ جہانِ سعی و عمل ھے جس میں مفت خوروں کا کوئی مقام نہیں۔ جس معاشرہ میں کسی شخص کو بغیر کام کئے کچھ مل جاتا ھے (بجز اس کے کہ وہ کام کرنے کے قابل ھی نہ رھا ھو) وہ معاشرہ خدائی قوانین کے مطابق متشکل نہیں ھوتا۔

ابن فارس نے کہا ھے کہ اس کے بنیادی معنی اجرت (مزدوری) اور ٹوٹی ھوئی ھڈی کے جوڑنے کے ھیں۔ مزدور کی اجرت کو بھی اس لئے اَجْرٌ کہتے ھیں کہ اس سے اس کی مشقت کے زخم مندمل ھو جاتے ھیں۔ اس کی چٹخ جانے والی ھڈیاں جڑ جاتی ھیں۔

[آیت لَا اَسْئَلُکُمْ عَلَیْہِ اَجْرًا اِلَّا الْمَوَدَّۃَ فِی الْقُرْبٰی (۴۲/۲۳) کے سلسلہ میں دیکھئے عنوان (ا ۔ ل ۔ ل) اور (ق ۔ ر ۔ ب) بالخصوص (ق ۔ ر ۔ ب)]۔

* تاج۔

ا ج ل

اَلْاَجَلُ ۔ کسی بات کی مدت مقررہ ۔ اَلتَّاْجِیْلُ ۔ مدت کا تعین کرنا ۔ مدت مقرر کرنا ۔ مُؤَجَّلٌ ۔ وہ جس کے لئے مدت مقرر کی گئی ہو ۔ تَاَجَّلَ اس نے تاخیر کی ۔ اَجِلَ اَجْلاً ۔ وہ پیچھے ہوا ، موخر ہوا ۔ اَلْاٰجِلُ ۔ عاجل کی ضد ہے* ۔ اَجْلٌ ۔ باعث ۔ وجہ ۔ مِنْ اَجْلِ ذَالِکَ (۵/۳۲) اسی وجہ سے ....

قرآن میں ہے لِکُلِّ اُمَّةٍ اَجَلٌ (۷/۳۴) ۔ ہر ایک قوم کیلئے (عروج و ترقی کی) ایک مدت ہوتی ہے ۔ لیکن یہ اَجَلٌ (مدت) ایک قانون کے مطابق مقرر ہوتی ہے ۔ لِکُلِّ اَجَلٍ کِتَابٌ (۱۳/۳۸) ”ہر مدت کے لئے ایک قانون ہے“ اور وہ قانون یہ ہے کہ مَا یَنْفَعُ النَّاسَ فَیَمْکُثُ فِی الْاَرْضِ (۱۳/۱۷) یعنی جو قوم جسقدر نوع انسانی کے لئے منفعت بخش کام کریگی اسی قدر اسے بقا نصیب ہوگی ۔

قرآن نے اقوام عالم کے استخلاف و استبدال کے متعلق تفصیلی پروگرام دیا ہے جس کا مفہوم یہ ہے کہ یہاں قوموں کا عروج و زوال محض اتفاقیہ نہیں ہو جاتا بلکہ ایک محکم قانون کے مطابق ہوتا ہے ۔ وہ کہتا ہے کہ ہر ایک عمل کا نتیجہ تو اسی وقت مرتب ہونا شروع ہو جاتا ہے لیکن وہ محسوس شکل میں ایک مدتِ معینہ کے بعد سامنے آتا ہے ۔ عمل اور اس کے نتیجہ کے اسطرح محسوس شکل میں سامنے آنے کے درمیانی وقفہ کو بھی اجل سے تعبیر کیا جاتا ہے ۔ اسے مہلت کا وقفہ بھی کہا جائیگا ۔ یہ وقفہ بھی قانونِ خداوندی کے مطابق متعین ہوتا ہے جیسے بیج کے درخت بننے تک کی مدت ۔

موت کے متعلق سورۃ آل عمران میں ہے کہ یہ خدا کے قانون کے مطابق وارد ہوتی ہے اور یہی قانون اس کے لئے مدت مقرر کرتا ہے ۔ وَمَا کَانَ لِنَفْسٍ اَنْ تَمُوْتَ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰہِ کِتَابًا مُّؤَجَّلاً (۳/۱۴۴) کوئی ذی حیات خدا کے قانون کے بغیر نہیں مرتا (موت اس کے قانون طبعی کے مطابق واقع ہوتی ہے) ۔ اور یہی قانون انسان کی عمر کی مدت کا تعین کرتا ہے ۔ یہ قانون، قانون طبعی ہے جس کے مطابق (مثلاً صحت خراب کر لینے سے) عمر کم ہو جاتی ہے اور (صحت کا خیال رکھنے اور ہلاکتوں سے بچنے سے) عمر بڑھ جاتی ہے ۔ وَمَا یُعَمَّرُ مِنْ مُّعَمَّرٍ وَّلَا یُنْقَصُ مِنْ عُمُرِہٖ اِلَّا فِیْ کِتَابٍ (۳۵/۱۱) ”کسی بڑی عمر والے کو عمر نہیں دی جاتی اور نہ

---

* تاج ۔

ھی کسی کی عمر میں سے کمی کی جاتی ھے مگر (یہ سب کچھ) ایک قانون کے مطابق ھوتا ھے،، ۔ یعنی عمر کا بڑھنا اور گھٹنا سب خدا کے قانون طبعی کے مطابق ھوتا ھے ۔

عورت کی عدت کی میعاد کو بھی اَجَلٌ کہا گیا ھے (۲/۲۳۱)۔ وَاِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ فَبَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ ۔۔ (۲/۲۳۱) جب تم عورتوں کو طلاق دو اور وہ اپنی مدت (عدت) کے قریب پہنچنے لگیں ....

ا ح د

اَلْاَحَدُ ۔ ایک ۔ پہلا عدد ۔ اَحَدٌ کوئی ایک ۔ اس کا مؤنث اِحْدٰی ھوتا ھے ۔ اَلْاَحَدُ اللہ کی صفت ھے اور اس معنی میں کسی اور کیلئے یہ لفظ نہیں بولا جاتا *۔ (اَحَدٌ اور وَاحِدٌ میں فرق کیلئے دیکھئے عنوان و ح د)۔ اَحَدٌ میں دراصل یگانہ ھونے (Uniqueness) کا پہلو نمایاں ھوتا ھے ۔ چنانچہ کہتے ھیں فُلَانٌ اَحَدُ الْاَحَدِیْنَ ۔ اسکی کوئی مثل و نظیر نہیں ۔ یہ کسی کی بلیغ ترین تعریف ھو سکتی ھے * ۔ اِتَّحَدَ ۔ مجتمع ھؤا ۔ متفق ھؤا ۔ اِتِّحَادٌ اسی کا مصدر ھے ۔ اِسْتَاْحَدَ ۔ منفرد اور تنہا ھوا ۔**

قرآن میں ھے ۔ وَمَا یُعَلِّمٰنِ مِنْ اَحَدٍ (۲/۱۰۲) اس کے معنی ھیں ،، کسی کو بھی ،، ۔ اور قُلْ ھُوَ اللہُ اَحَدٌ (۱۱۲/۱) میں ، اَحَدٌ کے معنی یگانہ ۔ بے مثل و بے نظیر (Unique) ھیں ۔ ذات (Personality) کی بنیادی خصوصیت اسکی انفرادیت (Uniqueness) ھوتی ھے اور چونکہ خدا کی ذات ، مکمل ترین ھے اس لئے اس میں یہ صفت بھی اپنے انتہائی کمال تک پہنچی ھوئی ھے (نیز دیکھئے عنوان و ح د)

ا خ ذ

اَلْاَخْذُ ۔ یہ عطا (دینا) کی ضد ھے ۔ یعنی لینا ۔ کسی شے کا احاطہ کر لینا ۔ بعض علمائے لغت نے کہا کہ اَخْذٌ کے معنوں میں دراصل قہر اور غلبہ کا مفہوم ھوتا ھے اور ھلاک کر دینے اور استئصال (بیخکنی کر دینے) کے معنوں میں یہ لفظ استعمال ھوتا ھے ۔ نیز سزا دینے (مُؤَاخَذَةٌ) کے معنوں میں بھی ۔ * ابن فارس نے کہا ھے کہ اس کے بنیادی معنی کسی چیز کو احاطہ میں لے لینا ۔ وصول کرنا اور جمع کرنا ھیں ۔ ابو عبیدہ نے کہا ھے (بحوالہ ابن فارس) کہ اَلْاِخَاذُ حوض جیسی جگہ کو کہتے ھیں جہاں پانی جمع ھو

* تاج ۔ ** محیط ۔

جائے۔ اَلْاَخِیْذُ۔ قیدی کو کہتے ہیں۔ اَلْاَخِیْذَۃُ۔ غصب کی ہوئی چیز کو۔* مَاْخَذٌ۔ مسلک و منہاج کو۔**

قرآن میں یہ لفظ متعدد معانی میں استعمال ہوا ہے۔ مثلاً سورۃ آل عمران میں ہے اَخَذْتُمْ عَلٰی ذَالِکُمْ اِصْرِیْ (۳/۸۰)۔ یہاں اسکے معنی "قبول کرنا" ہیں۔ سورۃ یوسف میں یہ لفظ روک لینے یا گرفتار کرلینے کے معنوں میں آیا ہے۔ فَخُذْ اَحَدَنَا مَکَانَہٗ (۱۲/۷۸)۔ "تو ہم میں سے ایک کو اسکی جگہ روک لیے"، سورۃ ھود میں یہ لفظ اس گرفت کے معنوں میں آیا ہے جو اعمال کے نتیجہ میں خدا کے قانون مکافات کی رو سے ہوتی ہے۔ وَکَذَالِکَ اَخْذُ رَبِّکَ اِذَا اَخَذَ الْقُرٰی وَھِیَ ظَالِمَۃٌ اِنَّ اَخْذَہٗ اَلِیْمٌ شَدِیْدٌ (۱۱/۱۰۲) "اور اسی طرح تیرے رب کی پکڑ ہؤا کرتی ہے جب وہ ان بستیوں کو پکڑتا ہے جو ظالم ہوں۔ یقیناً اسکی گرفت الم انگیز اور شدید ہوتی ہے"۔ سورۃ المؤمن میں ہے وَھَمَّتْ کُلُّ اُمَّۃٍ بِرَسُوْلِھِمْ لِیَاْخُذُوْہُ (۴۰/۵)۔ یہاں اَخْذٌ کے معنی ہر قسم کی مخالفت کے ہیں جس سے اس رسول کا مشن آگے نہ بڑھنے پائے۔ سورۂ انفال میں ہے فِیْمَا اَخَذْتُمْ (۸/۶۸)۔ اس کے معنی ہیں جو کچھ تم نے کیا تھا یا جو کچھ لیا تھا۔*** سورۂ کہف میں تَتَّخِذَ فِیْھِمْ حُسْنًا (۱۸/۸۶) میں اسکے معنی اچھے سلوک کرنے کے ہیں۔ یعنی حسن کا رانہ روش اختیار کرنا۔

ا خ ر

آخِرٌ (اس کا مونث آخِرَۃٌ ہے)۔ آخِرٌ۔ اَوَّلٌ کا مقابل ہے۔ ھُوَ الْاَوَّلُ وَالْاٰخِرُ (۵۷/۳)۔ صاحب محیط کے الفاظ میں یہ ایسی چیز کے لئے بولا جاتا ہے جو کسی پہلے آنے والی چیز کے بعد آ رہی ہو لیکن اس کے بعد پھر اس جیسی کوئی اور چیز نہ آ رہی ہو۔ اس سے معلوم ہؤا کہ آخِرٌ ایک سلسلہ کی آخری کڑی ہوتا ہے۔ یعنے اس کے بعد پھر اس جیسی اور کڑیاں نہیں آتیں۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن نے اس زندگی کے بعد دوسری زندگی (آخِرَۃٌ) کو خَلْقٌ جَدِیْدٌ سے تعبیر کیا ہے۔ (۱۷/۹۸؛ ۲۹، ۳۲/۱۰) یعنی وہ زندگی، اس موجودہ زندگی کے تسلسل میں (اس سے ملے ہوئے) آئیگی، اس لئے اس لحاظ سے وہ اس کی آخری کڑی ہوگی۔ لیکن اس سے موجودہ طبعی زندگی کی کڑیوں کا خاتمہ ہو جائیگا اور ایک نئے انداز کی زندگی کا آغاز ہوگا۔ اس اعتبار سے وہ ایک نئی زندگی کی پہلی کڑی ہوگی۔

---

* تاج۔ ** محیط۔ *** لسان العرب۔

اسی طرح قرآنی انقلاب کے بعد انسانوں کی جو تمدنی زندگی شروع ہوتی ہے وہ بھی اگرچہ سابقہ تمدن سے متصل ہی ہوتی ہے لیکن وہ اس تمدن کی آخری کڑی ہوتی ہے۔اس سے ایک نئے انداز کا انسانی تمدن شروع ہوتا ہے۔

لہذا آخِرَةٌ کسی سلسلہ کی آخری کڑی کو کہتے ہیں جس کے بعد نئے سلسلہ کا آغاز ہو۔ آخِرَةُ الرَّحْلِ کجاوہ کے پچھلے حصے کو کہتے ہیں جو قَادِمَةُ الرَّحْلِ کی ضد ہے۔ آخِرَةُ الْعَيْنِ آنکھ کے اس کوئے کو کہتے ہیں جو رخسار سے متصل ہوتا ہے اور قَادِمَةُ الْعَيْنِ اس حصے کو جو ناک سے متصل ہوتا ہے۔

اُخُرٌ قُدُمٌ کی ضد ہے**۔ قُدُمٌ کے معنے ہیں آگے ہونا۔ لہذا اُخُرٌ کے معنے ہیں پیچھے ہونا۔ تَأَخَّرَ، تَقَدَّمَ کی ضد ہوتا ہے۔ مُتَقَدِّمٌ اور مُتَأَخِّرٌ کے معنے اس سے واضح ہیں۔ قرآن میں مَا تَسْبِقُ کے مقابلہ میں مَا يَسْتَأْخِرُونَ (۱۵/۵) بھی آیا ہے۔ مُسْتَقْدِمِيْنَ کے مقابلہ میں مُسْتَأْخِرِيْنَ بھی (۱۵/۲۴)۔

آخَرُ (خا کی زبر کے ساتھ) غیر کے معنے میں مستعمل ہوتا ہے۔ یعنے جو دوسرے سے مختلف ہو۔ جیسے رَجُلٌ آخَرُ۔دوسرا آدمی۔ [دوسرے کے معنے (Second) نہیں بلکہ (Another) یا (Other Than) ہیں] اسی طرح اگر ایک لائن میں کچھ آدمی کھڑے ہوں تو پہلے کے بعد دوسرا آدمی آخَرُ ہوگا۔ اور دوسرے کے بعد تیسرا آخَرُ ہوگا۔ اسی طرح یہ سلسلہ اخیر تک چلا جائیگا۔*

اس کے بعد یہ لفظ آخَرُ مغایرت کے معنوں میں استعمال ہونے لگا***مغایرت کے معنے ہیں جو اپنی پہلی کڑیوں سے مختلف ہو۔ سورۃ المؤمنون میں اس لفظ کے یہ معانی بڑی عمدگی سے سامنے آتے ہیں۔اس میں انسانی پیدائش کے سلسلہ میں کہا گیا ہے کہ اس کی ابتدا مٹی کے خلاصے سے ہوئی۔ پھر نطفہ بنا اس سے حمل قرار پایا۔ پھر نطفہ سے لوتھڑا بنا۔ لوتھڑا گوشت کے ٹکڑے میں تبدیل ہوا۔ پھر اس میں ہڈیاں بنیں۔ ہڈیوں پر گوشت چڑھا۔ یہاں تک پیدائش کے وہ مراحل ہیں جو قانون طبعی کے مطابق سلسلہ وار چلے آتے ہیں۔ اس میں کوئی ایسی کڑی نہیں آتی جو اس قانون کی رو سے سابقہ کڑی سے الگ ہو۔

* آخَرُ کی تانیث اُخْرٰی ہے جس کی جمع اُخَرُ ہے (۲/۶)۔
** ابن فارس نے اس کے بنیادی معنی یہی لکھے ہیں۔
*** تاج

(حتی کہ اس منزل تک حیوان کے بچے اور انسانی جنین میں بھی کوئی فرق نہیں ہوتا) ۔اس کے بعد ہے ثُمَّ اَنْشَاْنٰهُ خَلْقًا آخَرَ (۲۳/۱۴) " پھر ہم نے انسان کو ایک بالکل نئی تخلیق میں اٹھا کھڑا کیا "۔ یہاں خَلْقًا آخَرَ کے معنی یہ ہیں کہ سلسلہ تخلیق کی یہ کڑی سابقہ کڑیوں سے یکسر مختلف ہے ۔ اس میں انسانی ذات کی طرف اشارہ ہے جو طبعی قوانین کی پیداوار نہیں ہوتی ۔ اسے دور حاضر کی اصطلاح میں فجائی ارتقاء (Emergent Evolution) کہتے ہیں ۔ یعنے جس میں اچانک ، غیر متوقع طور پر ایک ایسی تخلیق سامنے آجاتی ہے جو اپنی سابقہ کڑیوں سے بالکل مختلف ہوتی ہے ۔

لہذا آخَرُ اور آخِرَۃٌ کے معانی کے اعتبار سے انسانی زندگی کا یہ تصور سامنے آیا کہ انسانی پیکر میں آکر زندگی نے اپنی سابقہ کڑیوں سے ایک بالکل مختلف شکل اختیار کر لی ۔ اب یہ سلسلہ اس کی طبعی موت تک جاری رہیگا ۔ اس کے بعد ایک دوسری زندگی ہوگی جو اگرچہ اس زندگی سے بالکل متصل ہوگی لیکن اس سے موجودہ کڑیوں کا خاتمہ ہو جائیگا اور اس کے بعد زندگی ایک نیا اسلوب اختیار کریگی ۔ جو لوگ اس زندگی کے متعلق موجودہ زندگی کے قوانین (Physical Laws) کے مطابق سوچتے ہیں انہیں اس پر یقین پیدا نہیں ہو سکتا ۔ لیکن جو دل و دماغ ، قدرت کے اچانک انقلابات کی تخلیقی کارفرمائیوں پر نگاہ رکھتے ہیں وہ آخرت پر ایمان لائے بغیر نہیں رہ سکتے ۔ آخرت ، اس مستقبل کا نام ہے جو انقلاب آفرینی کے ذریعے ظہور میں آتا ہے ، نہ کہ گردش دولابی (کولہو کے بیل کی حرکت) کے ذریعے ۔ یہ انقلاب اِس زندگی میں (قرآن کے ذریعے) پیدا ہوتا ہے اور موت کے بعد کی زندگی بھی ایک نئے انقلاب سے ظہور میں آتی ہے ۔

قرآن ، اَلْحَيٰوةُ الدُّنْيَا کے مقابل قِيَامَةٌ اور اَلْآخِرَةُ کے الفاظ لاتا ہے ۔ مثلاً خِزْيٌ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ يُرَدُّوْنَ .... (۲/۸۵) ۔ اور اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ اشْتَرَوُا الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا بِالْاٰخِرَةِ (۲/۸۶) ۔ دنیا کے معنی ہیں قریبی (دیکھئے عنوان د ۔ ن ۔ و) اسی طرح وہ عَاجِلَةٌ کے مقابلہ میں آخِرَۃٌ بھی لاتا ہے ۔ مثلاً (۱۷/۱۸:۱۹) ؛ (۷۵/۲۰-۲۱) ہیں ۔ یعنے پیش پا افتادہ بمقابلہ مستقبل ۔ آخرالامر ۔ اسی طرح تَعَجَّلَ اور تَاَخَّرَ بھی ایک دوسرے کے مقابلہ میں استعمال ہوئے ہیں (۲/۲۰۳) ۔ نیز آخِرَۃٌ بمقابلہ اُوْلیٰ (۹۳/۴) بھی ۔ جیسا کہ پہلے بھی لکھا جا چکا ہے ، سورۃ حجر میں مُسْتَقْدِمِيْنَ کے مقابل مُسْتَاْخِرِيْنَ کا لفظ آیا ہے (۱۵/۲۴) ۔ یعنی پہلے چلے جانے والے اور بعد میں آنے والے ۔ اسی

کی تشریح دوسری جگہ مَا تَسْبِقُ مِنْ اُمَّةٍ اَجَلَهَا وَمَا يَسْتَأْخِرُوْنَ (۱۵/۵) نے کر دی ہے - سورۃ شعراء میں فِي الْاٰخِرِيْنَ (۲۶/۸۴) کے معنے آنے والی نسلیں ہیں -

لہٰذا ''آخرت'' کے مفہوم میں، پیش پا افتادہ مفاد کے بجائے مستقبل کی خوشگواریاں، موجودہ نسل کے بجائے آنے والی نسلیں (انسانیت عامہ)، انقلاب آفرینی کے ذریعہ ایک نئی زندگی کی نمود، اور اس طبعی زندگی کے بعد ایک دوسری زندگی کے تصورات، سب شامل ہیں -

اَخَّرَ - يُؤَخِّرُ - کسی کام کو بعد میں کرنا - ملتوی کرنا - موقوف کرنا (عن) - مہلت دینا (الیٰ)- تَاَخَّرَ پیچھے رہ جانا - دوسرے کے بعد آنا- وَمَنْ تَعَجَّلَ فِي يَوْمَيْنِ........ وَمَنْ تَاَخَّرَ...... (۲/۲۰۳) - '' اور جو جلدی کر کے دو دن میں (چلا جائے) .... اور جو پیچھے رہ جائے ''

قرآن کریم نے جماعت مومنین کے متعلق کہا ہے کہ وہ آخرت (مستقبل) پر یقین رکھتے ہیں - یعنے وہ مفاد عاجلہ (پیش پا افتادہ مفاد) پر گر نہیں پڑتے بلکہ ہمیشہ اپنے سامنے مستقبل کا مفاد رکھتے ہیں - جو کسان بیج کے لئے رکھے ہوئے گیہوں کو چکی میں پسوا کر اس کی نرم نرم روٹیاں کھا لیتا ہے اس کی آج کی بھوک تو مٹ جاتی ہے - لیکن مستقبل (آخرت) میں اس کے لئے مستقل بھوک ہوتی ہے - لیکن جو کسان اس بیج کو زمین میں ڈال کر چھ سات ماہ تک برابر محنت کرتا ہے اور نہایت ثبات و تحمل سے فصل پکنے کا انتظار کرتا ہے اس کا مستقبل روشن ہو جاتا ہے اور جب یہ سلسلہ ایک چکر باندھ لیتا ہے تو اس کا حال بھی خوشگوار ہو جاتا ہے اور مستقبل بھی - یہ اس لئے کہ اسے مستقبل (آخرت) پر یقین تھا اس لئے وہ مفاد عاجلہ پر لپک نہیں پڑا - غور کیجئے - دنیا میں وہی قوم زندہ رہتی اور آگے بڑھتی ہے جس کے سامنے مستقبل کی بہبودی ہو - مومن کو مستقبل پر یقین رکھنے والا کہا گیا تھا - لیکن آج اس آسمان کے نیچے جماعت مومنین (مسلمان) سب سے زیادہ عاقبت فراموش (مستقبل سے بے نیاز) ہے اور اس لئے سب سے پیچھے - حالانکہ اس کا مستقبل اس قدر حدود فراموش تھا کہ اس کا احاطہ اس دنیا کی چار دیواریوں تک محدود نہیں تھا - وہ موت کے بعد بھی برابر آگے چلتا تھا -

واضح رہے کہ ایک فرد کی زندگی میں ہر آنے والا سانس مستقبل ہے - ایک قوم کی زندگی میں آنے والی نسل اس کا مستقبل ہے - نوعِ انسانی کے

لئے آنے والے زمانے کی انسانیت (Humanity) اس کا مستقبل ہے، اور ان سب کے لئے اس دنیا کی طبعی زندگی کے بعد، اگلی زندگی (حیاتِ آخرت) مستقبل ہے ۔ اس کے بعد سوچئے کہ جب قرآن کریم نے مفادِ عاجلہ کے مقابلے میں آخرت پر یقین رکھنے کی تاکید کی تھی تو اس کا مفہوم کیا تھا ؟ یہی کہ فرد ہو یا قوم ۔ وہ

(۱) صرف اپنے حال ہی کو نہ دیکھے ۔ مستقبل پر بھی نگاہ رکھے ۔
(۲) مرجودہ نسل کی بہبود ہی پر قناعت نہ کرے ۔ آنے والی نسلوں کی خوش حالی کو بھی پیش نظر رکھے ۔ اور
(۳) زندگی اس دنیا کی طبیعی زندگی کو نہ سمجھ لے ۔ موت کے بعد کی زندگی پر بھی یقین رکھے ۔
(اس کے ساتھ (د ۔ ن ۔ و) کا عنوان بھی دیکھئے) ۔

ا خ و

اَلْاَخُ ۔ یہ لفظ آخِیَّۃٌ سے مشتق ہے ۔ رسّی یا آہنی تار کے دونوں سرے زمین میں دبا کر باقی حصے کا جو حلقہ بن جاتا تھا اسے آخِیَّۃٌ کہتے تھے ۔ اس کے ساتھ جانوروں کو باندھ دیا جاتا تھا ۔ لہذا آخ کے معنے ہوئے ایک حلقہ میں بندھے ہوئے یا ایک کھونٹے کے ساتھ بندھے ہوئے ۔ یہ لفظ بھائی اور ہر اس شخص کیلئے بولا جاتا ہے جو کسی دوسرے شخص سے قبیلہ یا دین یا صفت یا معاملہ یا محبت میں مشترک ہو* ۔ بعض کے نزدیک اس کا مادہ وَخیٰ ہے جس کے معنے قصد کے ہیں ۔ لہذا آخٌ کے معنے ہونگے ہم مقصد** ۔ اس کا مؤنث اُخْتٌ ہے ۔

قرآن کریم میں اِخوَانٌ بمقابلہ اَعْدَاءٌ آیا ہے ۔ اِذْ کُنْتُمْ اَعْدَاءً .... فَاَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِہٖ اِخْوَاناً ۔ "تم ایک دوسرے کے دشمن تھے پھر اس نے اپنی نعمت سے تمہیں بھائی بھائی بنا دیا" ($\frac{۳}{۱۰۲}$) ۔ اَعْدَاءٌ انہیں کہتے ہیں جن کے درمیان پچر (Wedge) لگ رہی ہو ۔ لہذا اِخْوَانٌ وہ ہونگے جن کے مابین کوئی چیز حائل نہ ہو ۔ قرآن کے الفاظ میں فَاَلَّفَ بَیْنَ قُلُوْبِکُمْ ($\frac{۳}{۱۰۲}$) ۔ "اس نے تمہارے دلوں میں الفت ڈال دی" ۔ اس اعتبار سے مومن وہ ہیں جن کے قلوب ایک دوسرے کے ساتھ اس طرح مل چکے ہوں جس طرح بادل کا ایک ٹکڑا دوسرے ٹکڑے کے ساتھ گھل مل جاتا ہے *** ۔ قرآن نے تمام مومنین کو اِخْوَۃٌ

* محیط ** تاج *** (دیکھئے عنوان ا ۔ ل ۔ ف)

قرار دیا ہے۔ اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ۔ ”یقیناً سب مومن آپس میں بھائی ہیں،، (۴۹/۱۰) جو قرآن کی رسی کے ساتھ بندھے ہوئے ہیں۔ وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللهِ جَمِیْعًا (۳/۱۰۲) ”تم سب کے سب اللہ کی رسی کو مضبوطی سے تھامے رکھو،،۔ یہ ہے جماعت مومنین کے افراد کا باہمد گر صحیح رشتہ۔

قرآن میں ہم قبیلہ افراد کیلئے بھی یہ لفظ آیا ہے۔ وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا اِلٰی ثَمُوْدَ اَخَاهُمْ صَالِحًا (۲۷/۴۵)۔ ”ہم نے ثمود کی طرف ان کے بھائی صالح کو بھیجا،، اور ہم مشرب لوگوں کے لئے بھی۔ جیسے مُبَذِّرِیْنَ کو اِخْوَانَ الشَّیَاطِیْنِ کہا گیا ہے (۱۷/۲۷)۔ اسی طرح اُخْتٌ ہم قبیلہ عورت کو کہا گیا ہے۔ جیسے حضرت مریم کو یَا اُخْتَ هَارُوْنَ کہا گیا ہے (۱۹/۲۸)۔ اور مثیل اور ہم مشرب کے لئے بھی یہ لفظ آیا ہے، جیسے (۷/۳۸) میں ہم مشرب اقوام کو ایک دوسرے کی اُخْتٌ کہکر پکارا گیا ہے۔

ا د د

اَلْاِدُّ۔ تعجب۔ گھبرا دینے والا معاملہ۔ اچنبھا*۔ اَلْاَدِیْدُ چیخنے چلانے اور پانی گرنے کی آواز کو کہتے ہیں**۔ ہر ناخوشگوار بات جس میں شور و غوغا ہو***۔ یعنی ایسی بات جو لوگوں کو اسقدر ناگوار گذرے کہ اس سے اختلافی خلفشار پیدا ہو جائے اور لوگ طرح طرح کی باتیں کرنے لگ جائیں۔ اَدَّ الْبَعِیْرُ۔ اونٹ بڑ بڑایا۔ اَدَّتِ النَّاقَةُ۔ اونٹنی کا آھین بھرنا اور رونے کی آواز بلند کرنا۔ اَدَّتْهُ الدَّاهِیَةُ۔ مصیبت نے اسے پریشانی میں ڈال دیا*۔ تَادَّدَ الْاَمْرُ۔ معاملہ سنگین ہو گیا** قرآن کریم نے عیسائیوں سے کہا ہے کہ تم نے یہ عقیدہ وضع کرکے کہ حضرت عیسیٰؑ خدا کے بیٹے ہیں۔ جِئْتُمْ شَیْئًا اِدًّا (۱۹/۸۹)۔ ایک نہایت افسوس ناک اور کرب انگیز بات کردی۔ تم نے ایک بڑا ہی خطرناک اور حقیقت سوز عقیدہ ایجاد کر لیا۔

ابن فارس نے کہا ہے کہ اس مادہ کے بنیادی معنی کسی چیز کا بڑا ہونا (امرِ عظیم) شدید ہونا اور بار بار ہونا۔ نیز بدک کر بھاگ جانا ہیں۔

اِدْرِیْس علیہ السلام

قرآن کریم نے حضرت ادریسؑ کا ذکر انبیاء کرامؑ کے زمرہ میں کیا ہے۔ وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ اِدْرِیْسَ۔ اِنَّهٗ كَانَ صِدِّیْقًا نَّبِیًّا (۱۹/۵۶)۔ ”اور تو کتاب میں ادریس کا ذکر کر۔ یقیناً وہ سچا نبی تھا،،۔ نیز (۲۱/۸۵)

---

* تاج۔ ** محیط۔ *** راغب۔

لیکن آپ کا تفصیلی تذکرہ کہیں نہیں آیا - قیاس یہ ہے کہ آپ کا زمانہ حضرت نوحؑ سے بھی پہلے کا ہے - اور آپ کا نام تورات میں حنوک یا اخنوخ ہے - اگر آپ حنوک ہی ہیں تو آپ حضرت نوحؑ کے اجداد میں چوتھی پشت پر آتے ہیں - کیونکہ تورات نے حضرت نوحؑ کا نسب نامہ یوں لکھا ہے - نوح - بن لمک - بن متوسلح - بن حنوک - (پیدائش - ۵/۲۹-۲۱) -

ا د م

اُدْمَۃٌ کے معنے ہیں قرابت - موافقت - مل جل کر رہنے کی صلاحیت - یا خود میل جول - آدَمَۃٌ اور اُدْمَۃٌ کے معنے ہیں مخلوط ہونا - موافق ہونا - ایک دوسرے میں میل محبت ہونا - اَدَمَ اللّٰہُ بَیْنَہُمْ یَاْدِمُ کے معنی ہیں خدا نے ان کے درمیان موافقت سازگاری اور ہم آہنگی پیدا کر دی - اَلْاِدَامُ ہر موافق چیز کو کہتے ہیں* - یعنے جو مل جل کر رہ سکے - اصل میں یہ اُس چیز کو کہتے ہیں جس سے روٹی لگا کر کھائی جائے (مثلاً سالن - ترکاری وغیرہ) ابن فارس نے اس کے بنیادی معنی یہی لکھے ہیں - یعنی موافقت - محبت - مودت -

اَلْاُدْمَۃُ گندم گون رنگ کو کہتے ہیں** - آدَمَۃٌ - اندرونِ جلد کو بھی کہتے ہیں (ابن فارس) - اِدَامٌ - کسی خاندان کا ایسا مثالی فرد جس سے اس کے قبیلہ کو پہچانا جائے* - آدَمِیٌّ - جس کی نسبت آدَمُ کی طرف ہو - انسان* -

ہمارے ہاں عام طور پر یہ سمجھا جاتا ہے کہ وہ "آدم"، جن کے جنت سے نکلنے کا قصہ قرآن کریم کے مختلف مقامات میں آیا ہے (مثلاً ۲/۳) نبی تھے - قرآن سے اس کی تائید نہیں ہوتی - قرآن کریم نے مختلف مقامات پر قصہ آدم کی جو تفاصیل بیان کی ہیں ان سے معلوم ہوتا ہے کہ جنت سے نکلنے والا آدم کوئی خاص فرد نہیں تھا بلکہ انسانیت کا تمثیلی نمائندہ تھا - بالفاظِ دیگر، قصہ آدم کسی خاص فرد (یا جوڑے) کا قصہ نہیں بلکہ خود "آدمی" کی داستان ہے جسے قرآن نے تمثیلی انداز میں بیان کیا ہے - اس داستان کا آغاز انسان کی اس حالت سے ہوتا ہے جب اس نے قدیم (Primitive) انفرادی زندگی کی جگہ پہلے پہل تمدنی زندگی شروع کی - اُدْمَۃٌ کا لفظ خود اس تمدنی زندگی (Social Life) کی طرف اشارہ کر رہا ہے - لہذا "آدمیت"، انسانی زندگی کی اس حالت کا نام ہے جس میں اس نے مل جل کر رہنا شروع کیا - اس طرح مل جل کر رہنے سے باہمی مفادات

---

* تاج - ** محیط -

کا تصادم ہؤا۔ اس تصادم کا حل تنہا عقل انسانی کے بس کی بات نہ تھی۔ اس کا حل وحی کے ذریعے دیا گیا۔ (تفصیل ان امور کی میری کتاب ''ابلیس و آدم،، میں ملیگی)۔

قرآن کریم میں البتہ ایک مقام ایسا ہے جس میں آدم کا لفظ اس انداز سے آیا ہے جس سے مترشح ہوتا ہے کہ وہ کسی فرد کا نام ہے۔ وہ آیت یہ ہے۔ اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰۤى اٰدَمَ وَنُوْحًا وَّاٰلَ اِبْرٰهِيْمَ وَاٰلَ عِمْرٰنَ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ...... (۳/۳۲) ''یقیناً اللہ نے آدم[ؑ] اور نوح[ؑ] اور آلِ ابراهیم[ؑ] اور آلِ عمران کو (ان کی ہم عصر اقوام پر) فضیلت دی تھی .....،،۔ یہاں آدم کا ذکر حضرت نوح[ؑ] کے ساتھ آیا ہے جس سے ذہن اس طرف منتقل ہوتا ہے کہ اس سے مفہوم کوئی خاص فرد ہے اور وہ (حضرت نوح[ؑ] کی طرح) نبی تھے (اگرچہ اصْطَفٰى کا لفظ قرآن میں غیر نبی کے لئے بھی آیا ہے۔ مثلاً حضرت مریم کے متعلق۔ دیکھئے (۲/۴۱)۔ اور خود امتِ محمدیہ[ؑ] کے متعلق۔ دیکھئے (۳۵/۳۲)۔ بہر حال جس آدم کا ذکر سورة آلِ عمران کی مندرجہ بالا آیت (۳/۳۲) میں آیا ہے وہ ''جنت سے نکلنے والے آدم،، سے مختلف تھے۔ ہوسکتا ہے کہ وہ نبی ہوں (اور ان کا نام آدم ہو) قرآن نے ان کا مزید تعارف نہیں کرایا۔ اس نے سلسلہ نبوت کا آغاز عام طور پر حضرت نوح[ؑ] کے ذکر ہی سے کیا ہے۔ مثلاً سورة نساء میں ہے اِنَّآ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ كَمَآ اَوْحَيْنَآ اِلٰى نُوْحٍ وَّالنَّبِيّٖنَ مِنْۢ بَعْدِهٖ (۴/۱۶۳) بے شک ہم نے تیری طرف وحی کی ہے جس طرح ہم نے نوح[ؑ] اور اس کے بعد کے انبیاء پر وحی کی ....،،۔ اگرچہ قرآن کریم سے یہ بھی مترشح ہوتا ہے کہ قوم نوح[ؑ] میں حضرت نوح[ؑ] سے پہلے اور انبیاء بھی آچکے تھے (دیکھئے ۲۵/۳۷۔ وعنوان نوح[ؑ])۔

ادی (ادو)

آدَوْتَ تَفْعَلُ كَذَا۔ تو ایسا کرنے کی تدبیر کرتا رہا *

اسکی اصل آدَاةٌ ہے جس کے معنی ایسی تدبیر یا ذریعہ کے ہیں جس سے کسی تک پہنچا جاسکے۔ ابن فارس نے کہا ہے کہ اس کے بنیادی معنی کسی چیز کو کسی چیز تک پہنچانے یا کسی چیز کے دوسری چیز تک خود بخود پہنچ جانے کے ہیں۔

آدّاهُ۔ تَأْدِيَةً۔ اسکو پہنچا دیا۔ آدّى دَيْنَهُ، اس نے اپنا قرض ادا کر دیا۔ اَلْاَدَاءُ اسم ہے**۔ قرآن میں ہے وَاَدَاءٌ اِلَيْهِ بِاِحْسَانٍ (۲/۱۷۸)۔ ''اور احسان کے ساتھ اسکی ادائیگی کی جائے''۔

---

* راغب ** تاج

نیز اس کے معنی ھیں کسی کے سپرد کر دینا ۔ (جیسے امانت واپس کر دی جاتی ہے۔ حضرت موسیٰؑ نے فرعون سے کہا تھا اَدُّوْا اِلَیَّ عِبَادَ اللّٰہِ (۴۴/۱۸) ''اللہ کے بندوں کو میرے سپرد کر دے ۔'' ادائے امانت کے لئے یہ لفظ (۲/۲۸۳) میں آیا ہے جہاں کہا گیا ہے فَلْيُؤَدِّ الَّذِی اؤْتُمِنَ اَمَانَتَہٗ ۔ ''جس کا اعتبار کیا گیا ہے اسے چاہئیے کہ اپنی امانت ادا کر دے''۔

إِذْ

اِذْ ۔ جب ۔ جسوقت ۔ جس جگہ ۔ کے معنوں میں آتا ہے ۔ یہ عموماً زمانہ ماضی (گذرے ہوئے زمانے) کے لئے آتا ہے ۔ اِذْ قَالَ رَبُّکَ لِلْمَلَا ئِکَۃِ (۲/۳۰)۔ ''جب تیرے رب نے ملائکہ سے کہا'' ۔ یا اِذْ یَرْفَعُ اِبْرَاھِیْمُ الْقَوَاعِدَ (۲/۱۲۷) ۔ '' جب ابراھیمؑ (اس گھر کی) بنیادیں اٹھا رھا تھا'' ۔ بعض اوقات یہ ''کیونکہ'' یا ''اس لئے کہ'' کے معنوں میں بھی آتا ہے ۔ مثلاً لَنْ یَّنْفَعَکُمُ الْیَوْمَ اِذْ ظَلَمْتُمْ (۴۳/۳۹) ''آج یہ تمہیں کچھ فائدہ نہیں دیگا کیونکہ تم زیادتیاں کیا کرتے تھے''۔

لین نے صحاح کے حوالے سے لکھا ہے کہ بعض اوقات (اِذْ) زائد بھی ہوتا ہے ۔ مثلاً وَ اِذْ وَاعَدْنَا مُوْسیٰ اَرْبَعِیْنَ لَیْلَۃً (۲/۵۱) ۔اس کے معنی ھیں، یہ واقعہ ہے کہ ھم نے موسیٰ کو چالیس راتوں کا حکم دیا ۔ایسے مقامات پر اِذْ سابقہ واقعہ میں فصل پیدا کر دیتا ہے ۔ یعنی اس سے ایک نئی بات شروع ھو جاتی ہے ۔

یَوْمَئِذٍ ۔ اُس دن ۔ یَوْمَئِذٍ تُحَدِّثُ اَخْبَارَھَا (۹۹/۴) ۔ ''اس دن وہ اپنی تمام خبریں بیان کردیگی ۔''

حِیْنَئِذٍ ۔ اُس وقت ۔ وَ اَنْتُمْ حِیْنَئِذٍ تَنْظُرُوْنَ ۔(۵۶/۸۴) اورتم اُس وقت دیکھ رھے ھوتے ھو۔

إِذَا

اِذَا ۔ یہ کئی معنوں میں آتا ہے ۔ مثلاً :

(۱) کبھی یہ ''اچانک'' کے معنوں میں مستعمل ہوتا ہے ۔ یعنی اس وقت بولا جاتا ہے جب کوئی واقعہ دفعتاً ظہور میں آجائے ۔ خَرَجْتُ فَاِذَا الْاَسَدُ بِالْبَابِ ۔ میں باھر نکلا تو اچانک کیا دیکھتا ھوں کہ دروازے کے سامنے شیر کھڑا ہے ۔ قرآن میں ہے فَاِذَا ھِیَ حَیَّۃٌ تَسْعٰی (۲۰/۲۱)۔ ''تو اس نے یکایک کیا دیکھا کہ وہ سانپ ہے جو دوڑ رھا ہے'' ۔

(۲) کبھی اِذَا کے معنی ''پس،، کے بھی آتے ھیں۔ یعنی کسی بات کے نتیجہ میں کچھ واقعہ ھونا۔ وَ اِنْ تُصِبْهُمْ سَيِّئَةٌ بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْهِمْ اِذَا هُمْ يَقْنَطُوْنَ (۳۰/۳۶)اور جب ان پر خود انکے اپنے ھاتوں کی لائی ھوئی مصیبت پڑتی ھے تو وہ مایوس ھو جاتے ھیں۔

(۳) کبھی یہ شرط کے مفہوم کے ساتھ 'جب، کے معنوں میں زمانۂ ماضی اور زمانۂ مستقبل دونوں کے لئے آتا ھے۔ مثلاً اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰهِ وَالْفَتْحُ (۱۱۰/۱)۔ جب خدا کی مدد اور فتح آگئی (یعنی زمانۂ ماضی)۔ اور زمانہ مستقبل کی مثال فَاِذَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ (۳/۱۵۸) جب تو پختہ ارادہ کرلے تو اللہ (کے قانون) پر پورا پورا بھروسہ رکھ

اِذًا۔ یہ ان معنوں میں استعمال ھوتا ھے جن معنوں میں ھم اپنے ھاں کہتے ھیں کہ اگر یوں ھؤا تو اس صورت میں بات یوں ھوگی۔ سورۂ مومنون میں ھے وَلَئِنْ اَطَعْتُمْ بَشَرًا مِّثْلَكُمْ اِنَّكُمْ اِذًا لَّخٰسِرُوْنَ (۲۳/۳۴) اگر تم اپنے ھی جیسے ایک انسان کی اطاعت کروگے تو (یاد رکھو) اس صورت میں تم یقیناً سخت نقصان اٹھاؤگے۔

اِذَا مَا۔ جب۔ جس وقت۔ سورۂ شوریٰ میں ھے۔ وَاِذَا مَا غَضِبُوْا هُمْ يَغْفِرُوْنَ (۴۲/۳۷) وہ جب کبھی غصہ میں آئیں تو دوسروں کو اپنے غصہ کے نقصان رساں اثرات سے محفوظ رکھتے ھیں۔

اذن

اُذْنٌ۔ اُذُنٌ۔ کے معنے ھیں کان (جسکی جمع اٰذانٌ ھے)۔ اُذُنٌ۔ اس شخص کو کہتے ھیں جسکے کان بڑے بڑے ھوں اور اُذُنٌ اسے کہتے ھیں جو ھر شخص کی بات سن لے اور اسے قبول کرلے*۔ قرآن کریم میں ھے وَیَقُوْلُوْنَ هُوَ اُذُنٌ۔ (۹/۶۱) مخالفین، رسول کے متعلق کہتے ھیں کہ یہ تو کانوں کا کچا ھے۔ اَذَانٌ کے معنے اعلان کے ھیں۔ وَ اَذَانٌ مِّنَ اللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ اِلَى النَّاسِ (۹/۳) میں اس کے معنے اعلان ھی کے ھیں۔ اَذِنَ اِلَيْهِ وَ لَهٗ' کے معنے ھیں کان لگا کر سننا۔ پسندیدگی کے ساتھ۔ لیکن بعض کے نزدیک اسمیں پسندیدگی اور غیر پسندیدگی کی کوئی شرط نہیں۔ خالی سننے کے لئے بھی ایسا کہا جاتا ھے۔* لیکن بعض علمائے لغت کے نزدیک اس میں سننے کے ساتھ اطاعت کرنے کا مفہوم بھی

---

* تاج۔

پایا جاتا ہے۔ چنانچہ ان کے نزدیک وَ اَذِنَتْ لِرَبِّهَا (۸۴/۲) ۔ میں صرف سننا ھی مراد نہیں بلکہ اطاعت کرنا بھی ھے*۔ تَاَذَّنَ کے معنی اعلان کرنے (یا کسی کو خبر دینے) کے ھوتے ھیں۔ لیکن بعض کے نزدیک اسکے معنے قسم کھانے کے بھی ھوتے ھیں۔** در اصل اس میں قسم اور یقین کا پہلو نمایاں ھوتا ہے۔ یعنی کہنے والا کہتا ہے کہ میں یقیناً ایسا کرونگا۔ چنانچہ سورۂ اعراف میں جہاں ہے وَ اِذْ تَاَذَّنَ رَبُّکَ (۷/۱۶۶)۔ تو اسکے معنی یا تو یہ ھیں کہ جب تیرے رب نے اعلان کیا، یا یہ کہ جب تیرے رب نے کہا کہ میں یقیناً ایسا کرونگا۔ (خدا کے اعلان کرنے یا یقینی طور پر کہنے سے مطلب یہ ھوتا ہے کہ خدا نے اس بات کے لئے ایسا قاعدہ یا قانون بنا رکھا ہے۔) اَذِنَ بِالشَّیْءِ کے معنے ھیں کسی بات کا علم حاصل کرلینا۔ اس سے آگاہ ھو جانا۔ چنانچہ فَاْذَنُوْا بِحَرْبٍ مِنَ اللّٰہِ (۲/۲۷۹) کے معنے ھیں تم آگاہ اور خبردار ھو جاؤ کہ تمہارے خلاف خدا نے جنگ کا اعلان کر دیا ہے۔**

اَذِنَ لَهٗ فِی الشَّیْءِ۔ کے معنی ھیں اجازت دیدینا اور اِسْتِئْذَانٌ کے معنے ھیں اجازت طلب کرنا۔**

اِذْنٌ کے معنے ھیں اجازت۔ اعلان اور علم (اجازت و اعلان کا ذکر اوپر آگیا ہے۔ علم کے ضمن میں) فَعَلَهٗ بِاِذْنِیْ کے معنے ھیں اس نے اس کام کو میرے علم سے کیا ہے**۔ ابن فارس نے کہا ہے کہ اس کے بنیادی معنے کان اور علم دونوں ھیں۔ راغب نے لکھا ہے کہ اِذْنٌ اور عِلْمٌ میں فرق یہ ہے کہ اِذْنٌ وھیں بولا جاتا ہے جہاں صاحب علم کا ارادہ اور مشیت بھی اسکے ساتھ شامل ھو لیکن عِلْمٌ میں اسکی شرط نہیں۔ لہذا اِذْنُ اللّٰہِ کے معنی ھوئے اللہ کا علم اور مشیت ***۔ اس چیز کو عام اصطلاح میں "خدا کا قانون" کہتے ھین۔ (اسکی تفصیل "مشیت" عنوان ش۔ی۔أ کے تحت ملیگی)۔ لہذا قرآن کریم میں جہاں اِذْنُ اللّٰہِ آئیگا اسکے معنے سیاق وسباق کے اعتبار سے خدا کے قانون کے ھونگے جسمیں اسکا علم اور مشیت دونوں آجاتے ھیں۔ مثلاً سورۂ اعراف میں ہے وَالْبَلَدُ الطَّیِّبُ یَخْرُجُ نَبَاتُهٗ بِاِذْنِ رَبِّهٖ (۷/۵۸)۔ "اور اچھی زمین سے اسکی پیداوار خدا کے اذن (قانون) کے مطابق نکلتی ہے"۔ ظاھر ہے کہ زراعت کے متعلق خدا نے ایک قانون مقرر کر دیا ہے اور فصلیں اس قانون کے مطابق پیدا ھوتی ھیں۔ اسی طرح سورہ الحج میں ہے۔ یُمْسِکُ السَّمَآءَ اَنْ تَقَعَ عَلَی الْاَرْضِ اِلَّا بِاِذْنِهٖ (۲۲/۶۵)

* لین　** تاج　*** راغب

''وہ بادلوں (بارش) کو تھامے رکھتا ہے کہ اس کے اذن کے بغیر زمین پر نہ گرے''۔ یہاں بھی اذن سے مراد قانون خداوندی ہے جس کے مطابق مینہ برستا ہے۔ سورۂ آل عمران میں ہے وَمَا كَانَ لِنَفْسٍ أَنْ تَمُوتَ إِلَّا بِإِذْنِ اللّٰهِ (۳/۱۴۴) اس کے معنی بھی یہی ہیں کہ ہر ذی حیات کی موت خدا کے قانون کے مطابق ہوتی ہے۔ سورۂ بقرہ کی آیت وَمَا هُمْ بِضَارِّيْنَ بِهٖ مِنْ أَحَدٍ إِلَّا بِإِذْنِ اللّٰهِ (۲/۱۰۲) پر بحث کرتے ہوئے صاحب مفردات نے لکھا ہے کہ اللہ نے انسان کے اندر یہ خصوصیت رکھدی ہے کہ وہ کسی دوسرے کی طرف سے وارد کردہ نقصان سے اثر پذیر ہوسکے۔ پتھر میں یہ خصوصیت نہیں ہے۔ یہی خدا کا إِذْنٌ ہے*۔ اسی کو قانون خداوندی کہا جاتا ہے۔ یعنی مختلف اشیاء میں مختلف قسم کی خصوصیات جن کی رو سے ان کی روش زندگی متعین ہوتی ہے۔ خارجی کائنات میں اللہ کا یہ إِذْنٌ قانون کائنات کی شکل میں کارفرما ہے۔ اور جہانتک انسانوں کی تمدنی دنیا کا تعلق ہے، یہ إِذْنٌ کتاب اللہ (قرآن) کے اندر ہے۔ چنانچہ سورۂ بقرہ میں فَهَدَى اللّٰهُ الَّذِيْنَ آمَنُوْا لِمَا اخْتَلَفُوْا فِيْهِ مِنَ الْحَقِّ بِإِذْنِهٖ (۲/۲۱۳) کے معنے ہیں اللہ ان لوگوں کو جو ایمان لاتے ہیں ان امور کے بارے میں جن میں انسان اختلاف کرتے ہیں اپنی کتاب (ضابطہ قانون) کے مطابق حق کے ساتھ صحیح راستہ کی طرف راہ نمائی کردیتا ہے۔ یہاں بِإِذْنِهٖ کے معنے ہیں کتاب اللہ (قرآن) کے مطابق یا قرآن کے ذریعے۔ اور اگر اسکے معنی عام قانون لیا جائے تو اسکا مطلب یہ ہوگا کہ اللہ اپنے قانون ہدایت کے مطابق لوگوں کی راہ نمائی کر رہا ہے اور قانون ہدایت یہ ہے کہ ہدایت اسکو ملتی ہے جو ہدایت حاصل کرنا چاہے۔ جو ہدایت حاصل کرنا نہ چاہے وہ گمراہ رہتا ہے (تفصیل اسکی ش-ی-أ کے عنوان میں ''مشیت'' کے تحت ملیگی) بہر کیف ''إِذْنُ اللّٰهِ کے معنی ہیں خدا کا قانون خواہ وہ قانون کائنات ہو یا قانون ہدایت جو قرآن کے اندر ہے۔

أ ذ ی

اَلْأَذِيَّةُ۔ کسی چیز کا طبیعت پر ناگوار گزرنا۔ ناخوشگوار سی بات۔ خفیف سی تکلیف۔ یہ جب ذرا آگے بڑھ جائے تو ضَرَرٌ کہلاتی ہے۔ جس کے معنے سخت تکلیف، نقصان یا مصیبت کے ہیں**۔

آذَى۔ يُؤْذِى۔ ایذا پہنچانا۔ یعنے ایسی باتیں کرنا جو دوسرے کو ناگوار گزریں**۔ صاحب تاج نے لکھا ہے کہ اگرچہ قیاسی طور پر اس کا مصدر إِيْذَاءٌ آسکتا ہے لیکن کلام عرب میں یہ لفظ دیکھا نہیں گیا۔

* راغب **تاج

نَاقَةٌ آذِيَةٌ ۔ اس اونٹنی کو کہتے ہیں جو طبعاً ایسی ہو کہ کسی ایک مقام پر چین سے نہ بیٹھے* ۔

قرآن کریم نے عورت کے حیض آنے کے متعلق کہا ہے کہ قُلْ هُوَ اَذًى (۲۲۲/۲)۔ اس میں گھناؤنا پن ۔ ناگواری ۔ ناخوشگواری اور ذرا سی بے چینی کا پہلو پایا جاتا ہے ۔ اسی لئے اس حالت میں عورتوں سے الگ رہنے کے لئے کہا گیا ہے ۔ اسی سورۃ میں آگے چل کر ہے لَا تُبْطِلُوْا صَدَقٰتِكُمْ بِالْمَنِّ وَالْاَذٰى (۲۶۲/۲) ۔ دوسروں کی ضروریات پورا کرنے کیلئے جو کچھ تم دو اس کے بعد ایسی صورت نہ پیدا کردو کہ تم ان کے سر پر سنگِ گراں بنکر بیٹھ جاؤ یا کوئی ایسی بات کرو جو انہیں ناگوار گزرے ۔ ایسا کروگے تو تمہاری یہ امداد تعمیری نتائج پیدا کرنے کے بجائے تخریبی نتائج پیدا کریگی ۔ یہ عمل، باطل ہو جائیگا ۔

سزا دینے کے معنوں میں یہ لفظ (۱۶/۴) میں آیا ہے ۔ جہاں کہا گیا ہے وَالَّذَانِ يَاْتِيٰنِهَا مِنْكُمْ فَاٰذُوْهُمَا ۔ ” اور تم میں سے جو دو اس کا ارتکاب کریں تو انہیں سزا دو“ ۔

بیماری کی تکلیف کے لئے سورۃ بقرہ میں ہے ۔ فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَرِيْضًا اَوْ بِهٖٓ اَذًى مِّنْ رَّاْسِهٖ (۱۹۶/۲) ۔ ” پھر جو کوئی تم میں سے مریض ہو یا اس کے سر میں کچھ تکلیف ہو“ ۔

ا ر ب

اَلْاِرْبُ ۔ اَلْاِرْبَةُ ۔ اَلْاُرْبَةُ ۔ چالاکی ۔ معاملات کی بصیرت ۔ تیز ذہانت ۔ پورا مکمل عضو جس میں سے کچھ کم نہ ہو ۔ عقل ۔ کشادگی ۔ اَرِبَ بِالشَّيْءِ ۔ کسی چیز کا ماہر ہونا ۔ اَرِبَ اِلَيْهِ ۔ اس نے شدت سے کسی چیز کی ضرورت محسوس کی یا اس کا محتاج ہؤا ۔ اَلْاَرْبُ ۔ وہ فاصلہ (یا کشادگی) جو انسان کی شہادت کی انگلی اور درمیانی انگلی کے مابین ہوتا ہے* ۔ ابن فارس نے کہا ہے کہ اس کے بنیادی معنی چار ہیں (۱) ضرورت ۔ (۲) عقل ۔ (۳) حصہ اور ۔ (۴) گرہ باندھنا اور سخت کرنا ۔

اَرَّبَ الشَّيْءَ ۔ چیز کو مضبوط کر دیا ۔ مکمل کر دیا** ۔ اَلْاَرَبُ ۔ شدتِ احتیاج، ضرورت ۔ اَلْاِرْبَةُ ۔ اَلْمَاْرَبَةُ ۔ حاجت ۔ ضرورت ۔ غرض ۔ آرَابٌ ۔ وہ اعضاء جن کی شدید ضرورت ہوتی ہے*** ۔

سورۃ طٰہٰ میں ہے وَلِيَ فِيْهَا مَاٰرِبُ اُخْرٰى (۱۸/۲۰) ۔ اس سے میری دیگر بہت سی ضرورتیں پوری ہونگی ۔ یا میں اس سے دیگر بہت سے معاملات کو

---

*تاج ۔ نیز ابن فارس ۔ ** محیط *** راغب

سلجھاؤنگا۔ میں اس سے ایسی بصیرت حاصل کرونگا جس سے مشکل معاملات میں میری عقدہ کشائی ہوتی جائے۔ میں مختلف اہم اور ضروری امور میں اس سے مدد لونگا۔

سورۃ نور میں ہے غَیْرُ اُولِی الْاِرْبَةِ مِنَ الرِّجَالِ (۲۴/۳۱)۔ مردوں میں سے ایسے (نوکر) جنہیں نکاح کی ضرورت نہ ہو۔

ا ر ض

اَرْضٌ۔ زمین۔ ہر وہ چیز جو نیچے ہو، اَرْضٌ کہلاتی ہے۔ (برعکس سَمَاءٌ کے)۔ چنانچہ اَرْضُ النَّعْلِ جوتے کے تلے کو کہتے ہیں۔ نیز ٹانگوں کا وہ حصہ جو گھٹنے سے نیچے ہو اَرْضٌ کہلاتا ہے۔ زمین کو بھی اَرْضٌ اس لئے کہتے ہیں کہ وہ پاؤں کے نیچے رہتی ہے*۔

چونکہ انسانی معاش کا بنیادی ذریعہ اَرْضٌ (زمین) ہے اس لئے اَلْاَرَاضَةُ خوش حالی اور شادابی کو کہتے ہیں*۔ اَرُضَتِ الْاَرْضُ کے معنے ہیں زمین عمدہ ہو گئی۔ اس میں بہت پیداوار ہونے لگی اور اس لئے آنکھوں کو بھلی معلوم ہونے لگی*۔ جَدْیٌ اَرِیْضٌ کے معنے ہیں بکری کا موٹا اور فربہ بچہ*۔ اَلْاَرَضُ دیمک کو کہتے ہیں*۔

چونکہ اَرْضٌ نیچلی چیز کو کہتے ہیں اس لئے اِرَاضَةٌ کے معنے ہیں کسی کا منکسرالمزاج یا مطیع و فرمانبردار ہو جانا**۔ اَرِیْضٌ کے معنی ہیں خلیق آدمی۔ یا نرم اور عمدہ زمین۔ اس میں خیر کا پہلو غالب ہوتا ہے (ابن فارس)۔ قرآن میں جِبَالٌ کے ساتھ اَرْضٌ کا لفظ آیا ہے۔ (مثلاً یَوْمَ نُسَیِّرُ الْجِبَالَ وَتَرَی الْاَرْضَ بَارِزَةً (۱۸/۴۷) "جس دور میں ہم جبال کو (اپنے غلبہ اور قوت سے) ان کی جگہ سے ہلا کر الگ کر دینگے اور ارض ابھر کر سامنے آ جائیگی"۔ ان مقامات میں جِبَالٌ کے مجازی معنے ہونگے بڑے بڑے لوگ (قوم کے اکابر) اور اَرْضٌ کے مجازی معنے چھوٹے طبقے کے لوگ۔

اَرْضٌ وَسَمٰوٰتٌ کے معنی کائنات کی پستیاں اور بلندیاں ہونگے۔ اور جہاں ان الفاظ کا تعلق زندگی کے کسی پہلو سے ہوگا تو سَمَاءٌ کے معنی خدا کا کائناتی قانون اور اَرْضٌ کے معنے انسان کی معاشی زندگی ہونگے۔ قرآن نے اَرْضٌ کے متعلق کہا ہے کہ وَجَعَلْنَا لَکُمْ فِیْھَا مَعَایِشَ (۷/۱۰)

---

* تاج۔ ** لین۔ *** راغب۔

"ہم نے تمہارے لئے زمین میں سامانِ معیشت رکھے ہیں"۔ اگر آپ غور کرینگے تو یہ حقیقت واضح ہو جائیگی کہ سامانِ زیست کا اصلی سر چشمہ ارض ہی ہے۔ اس لئے یہ لفظ وسائل و ذرائع رزق کے لئے استعمال ہوا ہے (مزید تفصیل کے لئے دیکھئے عنوان س - م - و)۔ اگر معاشی زندگی کو خدا کے کائناتی قانون (یا قرآن کے ضابطہ حیات) سے الگ کر لیا جائے تو وہ نہایت پست سطح کی (حیوانی) زندگی ہو جاتی ہے جس میں طبعی زندگی سے متعلق مفاد عاجلہ تو حاصل ہو جاتے ہیں لیکن انسانی زندگی کا بلند نصب العین حاصل نہیں ہوتا۔ اس قسم کی معاش کو قرآن نے عَرَضَ هٰذَا الْاَدْنیٰ (۷/۱۶۹)۔ "اس قریبی زندگی کی متاع"، کہکر پکارا ہے۔ اور اسے رفعت (بلندی) کے مقابلہ میں پستی قرار دیا ہے۔ وَلَوْ شِئْنَا لَرَفَعْنٰهُ بِهَا وَلٰكِنَّهٗ اَخْلَدَ اِلَى الْاَرْضِ (۷/۱۷۶) "ہم چاہتے تھے کہ اپنے قانونِ مشیت کے مطابق اسے (انسان کو) بلندی عطا کر دیں لیکن وہ پستی کے ساتھ چمٹ گیا"۔ اسی کو جذبات پرستی - خود غرضی یا نفسانیت اور مفاد پرستی کہا گیا ہے۔ یعنی صرف طبعی زندگی کے مفاد کو مقصدِ حیات قرار دے لینا۔ قرآن کے الفاظ میں وَاتَّبَعَ هَوٰىهُ (۷/۱۷۶) "اس نے اپنی خواہشات کا اتباع کر لیا"۔ توحید یہ ہے کہ خدا کا جو قانون خارجی کائناتی زندگی میں کارفرما ہے اسی قانون کو انسان کی معاشی زندگی کا مدار بنایا جائے۔ (یہ قانون وحی کے ذریعے ملتا ہے اور اب قرآن کریم کے اندر محفوظ ہے)۔ اس توحید کے معنے یہ ہیں کہ اَرْضٌ اور سَمَآءٌ میں ایک ہی قانون کو تسلیم کیا جائے۔ هُوَ الَّذِیْ فِی السَّمَآءِ اِلٰهٌ وَّفِی الْاَرْضِ اِلٰهٌ (۴۳/۸۴) "ارض و سماء میں وہی صاحب اقتدار ہے"۔ اگر انسان اپنی معاشی زندگی کو (قانونِ خداوندی کے بجائے) اپنے خود ساختہ قوانین کے تابع رکھے تو معاشرہ میں ناہمواریوں کا جہنم پیدا ہو جاتا ہے۔ اَمِ اتَّخَذُوْا اٰلِهَةً مِّنَ الْاَرْضِ هُمْ يُنْشِرُوْنَ ـ لَوْ كَانَ فِيْهِمَا اٰلِهَةٌ اِلَّا اللّٰهُ لَفَسَدَتَا (۲۱/۲۱-۲۲) "کیا انہوں نے اپنی معاشی زندگی کے لئے اور قوتوں کو صاحب اقتدار تسلیم کر رکھا ہے جن کے متعلق انکا خیال یہ ہے کہ وہ ان کی معاشی زندگی کو حیات نو عطا کردینگے۔ اگر ارض و سماء میں اللہ کے سوا اور صاحب اقتدار ہستیاں ہوں تو یہ سارا نظام درہم برہم ہو جائے۔

جیسا کہ اوپر لکھا جا چکا ہے اَرْضٌ (زمین) نوع انسانی کے لئے رزق کا سر چشمہ ہے۔ اس سے ظاہر ہے کہ یہ کسی فرد کی ملکیت میں نہیں جا سکتی۔

وَالْاَرْضَ وَضَعَهَا لِلْاَنَامِ (۵۵/۱۰) کے یہی معنی ہیں (یعنی ارض کو مخلوق کے فائدے کے لئے بنایا ہے)۔ دوسری جگہ ہے مَتَاعاً لَّكُمْ وَلِاَنْعَامِكُمْ (۸۰/۳۲) "تمہارے اور تمہارے مویشیوں کے لئے سامان زیست۔ متاعِ حیات"۔ نہ صرف زمین بلکہ دیگر عناصر طبعی جن کے امتزاج و تعاون سے زمین سے رزق پیدا ہوتا ہے، ان سب کے متعلق فرمایا کہ یہ مَتَاعاً لِّلْمُقْوِيْنَ ہیں (۵۶/۷۳) یعنی بھوکوں کے لئے سامان زیست۔ لہذا کوئی نظام جس میں ارض تمام نوع انسانی کے مشترکہ فائدہ کی بجائے کسی خاص گروہ یا افراد کے فائدے کا موجب بن کر رہ جائے، قرآنی تعلیم (یعنی منشائے خداوندی) کے خلاف ہے۔ اس لئے قرآن نے کہا ہے کہ اس رزق کے سر چشمے (یعنی زمین کی پیداوار) کو تمام ضرورت مندوں کے لئے یکساں طور پر کھلا رہنا چاہئیے۔ سَوَاءً لِّلسَّائِلِيْنَ (۴۱/۱۰)۔ وسائل پیداوار اور سامانِ زیست (مثلاً روشنی۔ ہوا۔ پانی۔ زمین، قرآنی معاشرہ کی تحویل میں رہنے چاہئیں تاکہ وہ ایسا انتظام کرے جس سے تمام افراد کی ضروریات پوری ہوتی رہیں۔ یہ وہ انقلاب ہے جسے قرآن چھٹی صدی عیسوی میں اس وقت لایا جب دینا جاگیر داری اور زمینداری کو عین "مطابق فطرت" سمجھے ہوئے تھی۔ دنیا نے اسوقت اس انقلاب کی اہمیت کو نہ سمجھا (اور بعد میں خود مسلمانوں نے بھی اسے پس پشت ڈال دیا) لیکن اب وہی دنیا، زمانے کے تقاضوں سے مجبور ہو کر اس کی طرف کشاں کشاں چلی آ رہی ہے۔ یہی وہ حقیقت ہے جس کی طرف قرآن نے یہ کہکر اشارہ کیا ہے کہ اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّا نَأْتِي الْاَرْضَ نَنْقُصُهَا مِنْ اَطْرَافِهَا .... (۱۳/۴۱)۔ "کیا یہ اس حقیقت پر غور نہیں کرتے کہ ہم کسطرح زمین کو بڑے بڑے سرداروں کے ہاتھ سے چھین کر کم کرتے چلے جا رہے ہیں"۔ اس طرح بتدریج وہ وقت آ جائیگا جب زمین کسی فرد کے ہاتھ میں نہیں رہیگی بلکہ تمام افراد انسانیہ کی پرورش کا ذریعہ بن جائیگی۔ یہ وہ دور ہوگا جس کے متعلق کہا گیا ہے کہ وَاَشْرَقَتِ الْاَرْضُ بِنُوْرِ رَبِّهَا (۳۹/۶۹)۔ "زمین اپنے نشو و نما دینے والے کے نور سے جگمگا اٹھیگی"۔

ا ر ک

اَلْاَرِيْكَةُ۔ (جمع اَرَائِكُ)۔ تخت یا مسہری جس پر پردے پڑے ہوئے ہوں۔ یا ہر وہ چیز جس پر ٹیک لگائی جائے۔ راغب نے کہا ہے کہ چھپر کھٹ کو اَرِيْكَةٌ کہتے ہیں۔ اس لئے کہ وہ بالعموم اَرَاكٌ

(پیلو) کی لکڑی سے بنایا جاتا تھا۔ اَلْاَرَاکُ ایک قسم کے ترش چارہ کو بھی کہتے ہیں*۔ قرآن میں ہے مُتَّکِئِیْنَ فِیْھَا عَلَی الْاَرَائِکِ (۱۸/۳۱) "وہ گدے دار تختوں یا مسہریوں پر تکیہ لگائے ہونگے"۔ ابن فارس نے کہا ہے کہ اس کے بنیادی معنی قیام کرنے کے ہیں۔ نیز اَرَاکٌ (درخت) کے۔ علاوہ بریں، جب زخم مندمل ہو کر باقی جسم کی سطح کے برابر ہو جائے تو اسے بھی اَرَکَ۔ یا اَرِکَ کہتے ہیں۔ اس لئے کہ وہ اپنی اصلی حالت پر قائم ہو جاتا ہے۔

ا ر م

اَلْاَرَامُ۔ (واحد اِرَمٌ) نشاناتِ راہ۔ یا کسی چیز پر کوئی نشان بنا دینا تا کہ وہ پہچانی جا سکے*۔ پتھروں کو اُرَّمٌ کہتے ہیں**۔

قرآن میں قوم عاد کے متعلق ہے اِرَمَ ذَاتِ الْعِمَادِ (۸۹/۷)۔ اِرَمُ اس مقام کا نام ہے جہاں وہ رہتے تھے۔ (ذَاتِ الْعِمَادِ کے لئے دیکھئے عنوان (ع۔م۔د)۔ راغب نے کہا ہے کہ اِرَمَ ذَاتِ العِمادِ سے وہ بلند ستون مراد ہیں جن پر نقش و نگار ہوتے تھے**۔ بعض محققین کا یہ خیال بھی ہے کہ قوم عاد کے مورثِ اعلیٰ کا نام اِرَم تھا جو سام کا بیٹا تھا۔ اس اعتبار سے عاد اور اِرَم ایک ہی قوم کا نام ہے۔ (تفصیل کے لئے دیکھئے عاد)۔

صاحب محیط نے لکھا ہے کہ اَلْاَرُوْمَۃُ درخت کی جڑ یا انسان کے حسب نسب کو کہتے ہیں***۔

ابن فارس نے کہا ہے کہ اس کے بنیادی معنی ہیں چیزوں کا اوپر تلے رکھتے چلے جانا۔ اس میں ترتیب اور بلندی (دونوں) کا مفہوم آ جاتا ہے۔

ا ز ر

اَلْاَزْرُ۔ کمر۔ پشت۔ قوت*۔ قرآن میں ہے۔ اشْدُدْ بِہٖ اَزْرِیْ (۲۰/۳۱)۔ اس سے میری پشت کو مضبوط کر دے۔ میری قوت کو مستحکم کر دے۔ اَلْاِزْرُ۔ اصل و بنیاد۔ اَلْاِزَارُ۔ ہر وہ چیز جو ستر کا کام دے۔ اَلْمُؤَازَرَۃُ۔ آمنے سامنے ہونا۔ ایک دوسرے کی مدد کرنا۔ کھیتی کا ایک دوسرے کے ساتھ گتھ جانا اور اس طرح بڑے پودوں کا چھوٹے پودوں کو تقویت دینا*۔ آزَرَ کے معنی ہیں جڑ اور بنیاد کو مضبوط کرنا۔ سورۃ فتح

* تاج۔ ** راغب۔ *** محیط۔

میں (شجر اسلام کے متعلق) ھے فَآزَرَهٗ فَاسْتَغْلَظَ (۲۸/۲۹)۔ (اس کھیتی کی طرح جو پہلے اپنی سوئی نکالتی ھے) پھر اپنی جڑ کو مضبوط کرتی ھے۔ اسطرح وہ موٹی ھوتی چلی جاتی ھے۔

آزَرُ۔ ایک بت کا نام تھا جس کے محافظ حضرت ابراھیم[ؑ] کے باپ تارخ تھے۔ اس بت کی نسبت سے انکا لقب آزَرُ تھا۔ بعض نے کہا ھے کہ آزر حضرت ابراھیم[ؑ] کے چچا کا نام تھا، یا کسی اور بزرگ کا۔ لیکن قرآن میں لِاَبِیْهِ آزَرَ (۶/۷۵) آیا ھے۔ چونکہ اس مقام پر کوئی اور معنی لینے کا قرینہ نہیں اس لئے یہ حضرت ابراھیم[ؑ] کے باپ ھی تھے۔ بعض کہتے ھیں کہ تارخ ھی کو معرب کرکے آزر بنا لیا گیا*۔ لیکن یہ بڑی ضعیف سی بات ھے۔ بعض لوگوں نے کہا ھے کہ آزَرُ کے معنے ضَالٌّ (گمراہ) کے ھونے ھیں**۔ لیکن قرآن نے اس لفظ کو ان معنوں میں استعمال نہیں کیا۔ (نیز دیکھئے عنوان ابراھیم)۔

ا ز ز

اَلْاَزِیْزُ۔ تیزی اور حدت۔ گرج۔ اَزَّ النَّارَ یَؤُزُّهَا۔ اس نے آگ کو روشن کر دیا اور بھڑکا دیا۔ اَزَّتِ الْقِدْرُ۔ ھانڈی میں سخت ابال آ گیا۔ اَزَّتِ السَّحَابَةُ۔ بادل زور سے گرجا۔ اَلْاَزُّ۔ رگ کا پھڑکنا۔ ہر انگیختہ کرنا۔ بھڑکانا*۔ سورۃ مریم میں ھے تَؤُزُّهُمْ اَزًّا (۱۹/۸۳)۔ وہ (شیاطین) کفار کو اکساتے اور بھڑکاتے ھیں۔ ابن فارس نے کہا ھے کہ اس کے بنیادی معنی تحرک۔ تحریک۔ اور کسی چیز کو اس کی جگہ سے اکھاڑ دینا ھیں۔ نیز اس کے معنی کسی کو کسی دوسرے کے خلاف اسطرح اکسانا ھیں کہ جسے اکسایا جائے اسے محسوس تک نہ ھو کہ اس سے کیا کام لیا جا رھا ھے۔

ا ز ف

اَزِفَ التَّرَحُّلُ۔ روانگی کا وقت قریب آگیا۔ اَزِفَ الرَّجُلُ۔ آدمی نے جلدی کی۔ اَلتَّاَزُّفُ۔ قریب قریب اور یکساں قدم رکھنا۔ اَلْاَزِفُ۔ جلد ھونے والی چیز*۔

قرآن میں ھے اَزِفَتِ الْاٰزِفَةُ (۵۳/۵۷) آنے والی ساعت قریب آ پہنچی۔ یعنے اعمال کے ظہور نتائج کا وقت۔ اسی کو دوسری جگہ یَوْمَ الْاٰزِفَةِ

* تاج۔ ** راغب

(۳۰/۱۸) کہا گیا ہے - یعنی وہ ''آنے والی ساعت،، - انقلاب کی گھڑی - نواب صدیق حسن خان نے لکھا ہے کہ جن الفاظ میں ز آ کے ساتھ ہمزہ آئے ان میں سختی اور تنگی کا مفہوم مضمر ہوتا ہے۔ ابن فارس نے اس کے بنیادی معنی قریب اور نزدیک ہونے کے لکھے ہیں -

استبرق

اِسْتَبْرَقٌ - موٹے ریشمی کپڑے کو کہتے ہیں - بعض نے کہا ہے کہ یہ ایسا دبیز ریشمی کپڑا ہوتا ہے جس پر سونے کا کام کیا گیا ہو* - قرآن میں سُنْدُسٌ اور اِسْتَبْرَقٌ (۱۸/۳۱) - اہل جنت کے عمدہ لباس کے لئے آئے ہیں -

صاحب تاج العروس نے لکھا ہے کہ جوہری نے اس لفظ کا مادہ برق بتایا ہے۔ اگر یہ برق سے ہے تو ممکن ہے اس میں بجلی کی چمک کا استعارہ ہو۔

اسحٰق علیہ السلام

حضرت ابراهیم ؑ کے دو بیٹوں کا ذکر قرآن میں آیا ہے - فرزند اکبر حضرت اسمعیل ؑ حضرت ہاجر کے بطن سے تھے - اور چھوٹے بیٹے (حضرت اسحٰق ؑ) حضرت سارہ کے بطن سے - حضرت اسمعیل ؑ حجاز کی وادی غیر ذی زرع میں بسے اور حضرت اسحٰق ؑ کے حصہ میں فلسطین کی سرداری آئی - اللہ تعالیٰ نے انبیائے کرام ؑ کے زمرہ میں آپ کا ذکر کیا ہے .... مَآ اُنْزِلَ اِلٰٓى اِبْرٰهِيْمَ وَ اِسْمٰعِيْلَ وَ اِسْحٰقَ ..... (۲/۱۳۶) - ''اور جو کچھ نازل کیا گیا ابراهیم - اسماعیل اور اسحٰق کیطرف،، - انبیائے بنی اسرائیل آپ ہی کی اولاد میں سے تھے - (نیز دیکھئے عنوان ابراهیمؑ)

ا س ر

اَلْاِسَارُ - وہ تسمہ یا رسّی وغیرہ جس سے کسی چیز کو باندھ لیا جائے - اَلْاَسْرُ کسی چیز کو رسی وغیرہ سے باندھ لینا - نیز بندش - ساخت اور خلقت - اَلْاَسِيْرُ - قیدی - باندھا ہوا (آدمی) - اسکی جمع اَسَارٰی اور اَسْرٰی آتی ہے*- ابن فارس نے کہا ہے کہ اس کے بنیادی معنی روک دینے اور قید کر دینے کے ہیں -

---

* تاج و محیط -

باندھنے کے مفہوم سے اس کے معنے مضبوط اور مستحکم ہونے کے بھی آتے ہیں* - قرآن میں اَسَارىٰ کا لفظ قیدیوں کے لئے آیا ہے - وَاِنْ يَّاْتُوْكُمْ اُسٰرٰى ''اور اگر وہ قید ہو کر تمہارے پاس آئیں'' - (۲/۸۵)- سورۃ الدّھر میں ہے نَحْنُ خَلَقْنٰهُمْ وَشَدَدْنَآ اَسْرَهُمْ (۷۶/۲۹)- ''ہم نے انہیں (انسانوں کو) پیدا کیا اور ان کے اَسْرٌ کو مضبوطی سے جکڑ دیا'' - اَسْرٌ کے معنے انسانی جسم یا ہیئت (Form) کے ہیں - دور حاضرہ کی علمی تحقیقات کی روشنی میں نظر آتا ہے کہ یہ لفظ حقیقت کے ایک بہت بڑے گوشے کو بے نقاب کرتا ہے - ہم کسی چیز کو محسوس نہیں کر سکتے جب تک اسکی کوئی (Form) نہ ہو - سائنس کی تحقیق نے بتایا ہے کہ مادہ (Matter) در حقیقت کسی ٹھوس چیز کا نام نہیں - یہ (Atoms) کا مجموعہ ہے جو ایک خاص نظام کے ماتحت ایک دوسرے کے ساتھ جکڑے ہوئے ہیں - اگر ان میں یہ باہمی جکڑ بندی نہ رہے تو کسی شے کی (Form) باقی نہیں رہ سکتی - لہذا یہ اَسْرٌ (باہمی جکڑ بندی) ہی ہے جس سے اشیاء کا وجود قائم ہے - سرجیمز جینس نے اسے ''مقیّد لہروں'' (Bottled-up Waves) سے تعبیر کیا ہے - اسی کو قرآن نے شَدَدْنَآ اَسْرَهُمْ کے جامع الفاظ میں بیان کیا ہے -

نواب صدیق حسن خاں نے لکھا ہے کہ جن الفاظ میں سِیْن کے ساتھ ہمزہ آئے ان میں قوت اور شدت کا مفہوم مضمر ہوتا ہے - اس اعتبار سے اس مادہ کا مفہوم واضح ہو جاتا ہے -

اسرائیل علیہ السلام

حضرت یعقوبؑ کا لقب تھا - (۳/۹۲)- تفصیل کے لئے دیکھئے عنوان ''یعقوب''- بنی اسرائیل کیلئے عنوان ''بنی اسرائیل'' دیکھئے -

ا س س

اَلْاُسُّ - اَلْاَسَاسُ - عمارت کی بنیاد جہاں سے تعمیر شروع ہوتی ہے - جمع اَسَاسٌ - اَلْاَسِیْسُ - ہر چیز کی اصل - اَلتَّاْسِیْسُ - عمارت کی بنیادیں ڈال دینا - ** نواب صدیق حسن خان نے لکھا ہے کہ جن الفاظ میں سِیْن اور ہمزہ ساتھ آئیں ان میں قوت اور شدت کا مفہوم مضمر ہوتا ہے - ابن فارس نے کہا ہے کہ اس کے بنیادی معنی ہیں کسی چیز کا اپنی جگہ پر ثابت اور قائم ہونا - سورۃ توبہ میں ہے اُسِّسَ عَلَى التَّقْوٰى (۹/۱۰۸) (وہ مسجد) جس کی بنیاد تقویٰ پر رکھی گئی تھی -

* تاج - **تاج و محیط

اَلْاٰسُّ ۔ انسان کے دل کو بھی کہتے ہیں ۔* اور اس راکھ کو بھی جو کاروان کے منزل سے کوچ کر جانے کے بعد پیچھے رہ جاتی ہے ۔ اس سے اسکے معنے کسی چیز کے اثر یا نشان کے لئے جاتے ہیں ۔ خُذْ اٰسَّ الطَّرِیْقِ کسی سے اس وقت کہتے ہیں جب اس سے صحیح راستہ تک پہنچنے کے لئے دیگر نشانات و قرائن سے رہنمائی حاصل کرنے کے لئے کہا جائے ۔

ا س ف

اَلْاَسَفُ ۔ کسی چیز کے کھو جانے پر شدید ترین حزن کو کہتے ہیں*۔ نواب صدیق حسن خان نے لکھا ہے کہ جن الفاظ میں سین اور ہمزہ ساتھ آئیں ان میں شدت اور قوت کا مفہوم مضمر ہوتا ہے ۔ سورۃ اعراف میں ہے کہ حضرت موسیٰ[ع] اپنی قوم کی طرف آئے غَضْبَانَ اَسِفاً (۷/۱۵۰) ۔ " غصہ میں بھرے ہوئے ۔ افسوس کرتے ہوئے "، ۔ راغب نے کہا ہے کہ اَسَفٌ سے مطلب انتقام کے جذبہ کے ماتحت حزن دل کا جوش کھانا ہے ۔ اگر یہ کیفیت اپنے سے کمتر کے لئے پیش آئے تو غَضَبٌ کہلاتی ہے اور اگر اپنے سے برتر کے لئے پیش آئے تو حُزْنٌ کہلاتی ہے*۔ قرآن میں اللہ تعالیٰ نے خود اپنے متعلق فرمایا ہے فَلَمَّا اٰسَفُوْنَا انْتَقَمْنَا مِنْهُمْ (۴۳/۵۵) ۔ جب انہوں نے ہمیں " ناراض کیا ، تو ہم نے انہیں ان کے جرموں کی سزا دی ۔ (اللہ کے " ناراض ہونے" کے لئے عنوان (غ-ض-ب) دیکھئے)۔

سورۃ یوسف میں حضرت یعقوب[ع] کا قول ہے یٰاَسَفٰی عَلٰی یُوْسُفَ (۱۲/۸۴) ۔ وائے افسوس! یوسف! !۔ لہذا عام حالات میں اس کے معنے حزن و تاسف کے ہونگے ۔ اَرْضٌ اَسِیْفَةٌ اس زمین کو کہتے ہیں جس میں کچھ پیدا نہ ہو ۔ ابن فارس نے اس کے بنیادی معنی فوت (یعنی ہاتھ سے نکل جانا) اور حسرت و تاسف بتائے ہیں ۔ اَلْجَمَلُ الْاَسِیْفُ اس اونٹ کو کہتے ہیں جو فربہ نہ ہوتا ہو (ابن فارس)۔ اَسِیْفٌ غلام کو بھی کہتے ہیں کیونکہ وہ اپنی کھوئی ہوئی آزادی پر ہمیشہ محزون رہتا ہے ۔نیز جلد غمگین ہو جانے والے رقیق القلب آدمی کو بھی*۔

اسمٰعیل علیہ السلام

حضرت ابراہیم[ع] کے دو بیٹوں کا ذکر قرآن میں آیا ہے ۔ حضرت ہاجر کے بطن سے حضرت اسماعیل[ع] ۔اور حضرت سارہ کے بطن سے حضرت اسحٰق[ع] ۔ حضرت اسمٰعیل[ع] بڑے بیٹے تھے ۔ انہی کو حضرت ابراہیم[ع] ، اپنے خواب کو

* تاج ۔

حکم خداوندی سمجھ کرخدا کی راہ میں قربان کرنے کے لئے لے گئے تھے (۳۷/۱۰۲) لیکن خدا نے انہیں وقتی قربانی کے بجائے، عمر بھر کی قربانی کے لئے زندہ رکھا (۳۷/۱۰۷) - یہ بڑی قربانی (ذبح عظیم) تھی ، بیت اللہ کی تولیت۔خانۂ خدا کی پاسبانی۔ چنانچہ ان دونوں باپ بیٹوں (حضرت ابراھیمؑ اور حضرت اسمٰعیلؑ) نے ملکر کعبہ کوتعمیر کیا (۲/۱۲۷) اور اس کے بعد حضرت اسمٰعیلؑ اسکی پاسبانی کے لئے وھیں بس گئے - خدا نے انہیں نبوت سے سرفراز فرمایا (۲/۱۳۶)۔ اور صَادِقَ الْوَعْدِ (۱۹/۵۴) کہکر پکارا - ''اسمٰعیل'' عبرانی لفظ شماع (سماع سننا) اور ایل (خدا) سے مرکب ھے۔چونکہ آپ کی پیدائش حضرت ابراھیمؑ کی دعاؤں کا نتیجہ تھی اس لئے آپ کا نام اسمٰعیل (اللہ کا سننا) رکھا گیا - آپ کی اولاد میں حضور خاتم النبیینؐ پیدا ھوئے۔

ا س ن

آسَنَ الْمَاءُ یَاْسَنُ - پانی کی بو،رنگ یا مزے کا بگڑ جانا ۔اَلْاَسِنُ وہ پانی جو دیر تک ٹھرا رھنے کی وجہ سے متغیر ھوگیا ھو*۔قرآن میں جنت کی انہار کے متعلق ھے مِّنْ مَّاءٍ غَيْرِ اٰسِنٍ (۴۷/۱۵) ''ایسے پانی کی نہریں جو بگڑتا نہیں'' - اسلئے کہ جنتی معاشرہ میں کسی چیز کو روک کر نہیں رکھا جاتا - استعمال کی ھر شے گھومتی پھرتی اور رواں دواں جاری رھتی ھے- یہ تو جہنمی معاشرہ ھے جس میں یَمْنَعُوْنَ الْمَاعُوْنَ (۱۰۷/۷) کی کیفیت پیدا ھوتی ھے - یعنی رزق کے جن چشموں کو بہتے رھنا چاھئیے انہیں ارباب قوت و اقتدار اپنے ذاتی مفاد کے لئے روک رکھتے ھیں اور اسطرح رکنے سے ان میں تغیر واقع ھوجاتا ھے -

[آخرت کی جنت کی کیفیات کو ھم اس دنیا میں نہیں سمجھ سکتے- لیکن قرآن صرف آخرت کی جنت و جہنم ھی کے متعلق گفتگو نہیں کرتا - وہ اس دنیا کی جنت اور جہنم کا بھی ذکر کرتا ھے- تفصیل جنت (ج-ن-ن) اور جہنم کے عنوانوں میں ملیگی]۔ اس دنیا کے جنتی اور جہنمی معاشرہ کو ھم اپنی آنکھوں سے دیکھ سکتے ھیں - آخرت کی جنت اور جہنم پر ھمارا ایمان ھے - قرآن کریم میں ان کا بیان تمثیلی ھے - (۱۳/۳۵ ; ۴۷/۱۵)

ا س ی

آسِیْتُ عَلَیْهِ - میں اس پر غمگین ھوا - رَجُلٌ اٰسٍ وَآسْیَانٌ وَآسْوَانٌ - غم کرنے والا آدمی - اٰسٍ (الآسِی) طبیب و معالج کو کہتے

*تاج و راغب و محیط

هیں)- اِمْرَاَءَۃٌ اٰسِیَۃٌ- غم کرنے والی عورت*- قرآن میں ہے فَلَاَ تَاْسَ عَلَی الْقَوْمِ الْفٰسِقِیْنَ (۵/۲۶) - ''تو قوم فٰسقین (کی تباھی) پر غمگین نہ ھو،، -

اَسَّاہُ بِمُصِیْبَتِہٖ تَاْسِیَۃً - اس کی مصیبت میں اس کو تسلی دی- فَتَاَسّٰی - پس اسے تسلی ھو گئی*- لہذا آسیٰ کے معنے (راغب کے الفاظ میں) غم کے ھوئے اور تَاْسِیَۃٌ کے معنی غم کو دور کرنے کے - چنانچہ اَلْاَسْوُ زخم کی دوا کرنے کو کہتے ھیں - اَلْاٰسِیَۃُ- دوائیں- یہ الاَسُوُّ کی جمع ہے -

اَلْاَسِیُّ - جس کی دوا کی جائے **- ابن فارس نے لکھا ہے کہ اسو کے بنیادی معنی دوا دارو کرنا ھیں اور اسیٰ کے معنی رنج و غم ھیں -

راغب نے کہا ہے کہ اِسْوَۃٌ و اُسْوَۃٌ کے معنے وہ حالت ھیں جس پر کوئی شخص کسی کا اتباع کرتے وقت ھوتا ہے، خواہ وہ اچھی ھو یا بری، مسرت بخش ھو یا تکلیف دہ- نیز وہ چیز جس سے غمگین آدمی تسلی حاصل کرے- جس سے اس کا غم زائل ھو جائے - جس سے اس کے دکھوں کا مداوا ھو جائے**-آسَوْتُہٗ بِہٖ- میں نے اُسے اس کے لئے قابل تقلید نمونہ قرار دیا - جنگ احزاب میں جن لوگوں نے دون ھمتی اور عدم استقلال کا ثبوت دیا تھا ان سے کہا گیا کہ لَقَدْ کَانَ لَکُمْ فِیْ رَسُوْلِ اللّٰہِ اُسْوَۃٌ حَسَنَۃٌ (۳۳/۲۱) تمہیں وھی کچھ کرنا چاھئے تھا جو رسول اللہ نے کیا - جس طرح وہ ھمت و استقلال سے قانون خداوندی سے کامل ھم آھنگی کے ساتھ تمام مصائب کا مقابلہ کرتے رہے تمہیں بھی اسی طرح کرنا چاھئے تھا- ان کی مثال تمہارے لئے نہایت عمدہ نمونہ تھی - اس سے تمہیں اپنی مشکلات میں تسلی حاصل کرنا چاھئے تھی - اسی طرح دوسری جگہ حضرت ابراھیم کا ذکر ہے کہ انہوں نے کس طرح نظام خداوندی کے مخالفین سے علانیہ کہدیا کہ ھمارا اور تمہارا کوئی رشتہ نہیں - اس ضمن میں کہا گیا کہ قَدْ کَانَتْ لَکُمْ اُسْوَۃٌ حَسَنَۃٌ فِیْ اِبْرَاھِیْمَ وَالَّذِیْنَ مَعَہٗ (۶۰/۴) - ابراھیم اور ان کے ساتھیوں کی یہ روش تمہارے لئے قابل تقلید نمونہ ہے - اس سے تمہارے دکھوں کا مداوا ھوگا - چنانچہ قرآن میں کئی مقامات پر مومنین سے کہا گیا ہے کہ تم اس نظام کے مخالفین سے کبھی دوستی کا رشتہ نہ رکھو- انہیں راز دار نہ بناؤ- مثلاً (لَا تَتَّخِذُوْا بِطَانَۃً مِنْ دُوْنِکُمْ (۳/۱۱۷) - ''تم اپنوں کے سوا کسی کو راز دار نہ بناؤ،،

* تاج - ** تاج و راغب *** محیط -

اَلْمُوَاسَاۃُ - کا مفہوم یہ ہے کہ تم دوسرے کو اپنی جگہ پر سمجھو اور جس قدر اپنے لئے نفع حاصل کرنے اور مضرات کو دفع کرنے کی کوشش کرو اتنی ہی اس کے لئے کرو - اور اِیْثَارٌ یہ ہے کہ تم اسے اپنے آپ پر بھی ترجیح دو*** - قرآن کریم اِیْثَارٌ کی تعلیم دیتا ہے یُؤْثِرُوْنَ عَلٰٓی اَنْفُسِهِمْ - ''وہ دوسروں کو اپنے آپ پر ترجیح دیتے ہیں - ،، (۵۹/۹) - اسی اصول پر قرآن کریم کے نظام ربوبیت کی بنیاد ہے* -

ا ش ر

اَشِرَ - یَاْشَرُ - اَشْرًا - بہت زیادہ اترانا اور اکڑنا - خود پسندی کے ساتھ خوش ہونا - در اصل اُشَرُ الْمِنْجَلِ درانتی کے دندانوں کو کہتے ہیں - اور اَلْمِئْشَارُ - آرے کو - اس لئے اَشْرٌ ایسی خود پسندی اور اکڑفوں ہے جو دوسروں کو کاٹتی چلی جائے - یعنے شدت کی خود پسندی اور تکبر جس میں انسان عقل کی حدود سے نکل جائے** -

قرآن کریم میں ہے بَلْ هُوَ كَذَّابٌ اَشِرٌ (۵۴/۲۵) - یہ اَشِرَ - یَاْشَرُ سے ہے اور اس کے معنے انتہائی متکبر اور خود پسند کے ہیں - ''وہ سخت جھوٹا اور بڑا خود پسند ہے،، - ابن فارس نے اس کے بنیادی معنی حدت اور تیزی کے لکھے ہیں -

اَصْحَابُ الْاُخْدُوْد

قوم تُبَّع کے حاکم ذونواس کا وہ لشکر جس نے بڑی بڑی خندقوں میں آگ جلا کر عیسائیوں کو اس میں جھونک دیا تھا - (۸۵/۴-۹) - تفصیل کے لئے دیکھئے عنوان (ت - ب - ع) اور (خ - د - د) -

اَصْحَابُ الْاَیْکَہ

وہ قوم جس کی طرف حضرت شعیبؑ مبعوث ہوئے تھے اَصْحٰبُ الْاَیْکَةِ کے نام سے پکاری گئی ہے - (۱۵/۷۸) - تفصیل کے لئے دیکھئے عنوان ''شعیبؑ،، -

* تفصیل کے لئے دیکھئے میری کتاب ''نظام ربوبیت،، - **تاج و راغب ***محیط

اَصْحَابُ الْحِجْرِ

حضرت اسمٰعیل ؑ کے بڑے بیٹے کا نام نبایط تھا ۔ ان کے خاندان کو نبط (جمع انباط) کہا جاتا ھے ۔ شام و عرب کی حدود پر ان کی حکومت کے آثار ملتے ھیں ۔ تورات میں (حزقیل نبی کے صحیفہ میں) نبط کا ذکر آیا ھے ۔ پہلے ان کا دارالسلطنت رقیم تھا ۔ لیکن جب اس پر رومیوں نے قبضہ کر لیا تو یہ وادی قریٰ میں شہر حجر کیطرف منتقل ھو کر آ گئے ۔ اسی نسبت سے انہیں اَصْحَابُ الْحِجْرِ کہا گیا ھے ۔ قرآن کریم نے کہا ھے کہ انہوں نے خدا کے رسولوں کی تکذیب کی اور عذاب میں ماخوذ ھو گئے (۱۵/۸۰-۸۴) ۔

چونکہ ان سے پہلے قوم ثمود کا مرکز بھی حجر کا شہر رہ چکا تھا اس لئے بعض مورخین کا خیال اسطرف بھی گیا ھے کہ قرآن کریم کی محولہ بالا آیات میں اصحاب الحجر سے مراد قوم ثمود ھی ھے ۔ لیکن قیاس غالب یہی ھے کہ ان سے مراد قوم نبط ھے جس کے عروج و زوال کی داستانیں آج بھی حجر کے کھنڈرات کی اینٹوں پر منقوش ملتی ھیں ۔

اَصْحَابُ الرَّسِّ

حضرت اسمٰعیل ؑ حجاز میں سکونت پذیر ھوئے تھے ۔ آپ کے بارہ بیٹے تھے جو اپنے اپنے خاندانوں کے رئیس تھے ۔ ان میں سے ایک کا نام قیدماہ تھا ۔ اصحاب الرّسّ انہی کی اولاد میں سے قیاس کئے جاتے ھیں ۔ بعض کا خیال ھے کہ یہ قوم ثمود کا ایک قبیلہ تھا ۔ قرآن کریم نے تکذیب رسل کے سلسلہ میں دو مقامات پر ان کا نام لیا ھے ۔ یعنی (۲۵/۳۸) اور (۵۰/۱۲) میں ۔

اَصْحَابُ الْكَهْفِ وَ الرَّقِيْمِ

وہ نوجوان جنہوں نے آسمانی انقلاب کے سلسلہ میں ایک غار میں جا کر پناہ لی اور وھاں اس انقلاب کی تیاریاں کرتے رھے ۔ قرآن کریم میں ان کا ذکر سورۂ کہف میں آیا ھے (۱۸/۹-۲۶) ۔ تفصیل ان امور کی میری کتاب ''شعلہ مستور'' میں ملیگی ۔

زمانۂ قدیم میں نبطی حکومت کا دارالسلطنت رقیم کا شہر تھا ۔ جب رومیوں نے شام اور فلسطین کا علاقہ فتح کیا تو اس شہر کو شہرت حاصل

ہوئی - لیکن رقیم کے نام سے نہیں بلکہ پیٹرا کے نام سے ، جسے عربوں نے اپنے
ہاں بطرا کہکر پکارا - دور حاضر کی اثری تحقیقات نے اس شہر کے کھنڈرات کا
سراغ لگا لیا ہے جہاں سے پرانے غاروں کے اندر خانقاہوں کے آثار ملے ہیں -
یہ شہر اس شاہراہ پر واقع تھا جو حجاز سے شام کیطرف جاتا تھا - اسلئے نزول
قرآن کے وقت عرب، اصحاب کہف (غاروالوں) یا اصحاب الرقیم (بطرہ والوں)
کے قصہ سے آشنا تھے، لیکن انہی تفاصیل کے ساتھ جو لوگوں میں عام طور پر پھیلی
ہوئی تھیں - قرآن کریم نے (جزئیات میں گئے بغیر) اصل حقیقت سے پردہ
اٹھایا اور بتایا کہ ان نوجوانوں کے پیش نظر مقصد کیا تھا اور بعد میں لوگوں
نے کیا سمجھ لیا اورانہیں کیا سے کیا بنا دیا - (مزید تفصیل کے لئے دیکھئے
عنوان ر - ق - م)

ا ص د

اَصَدَ - اس نے بند کیا (دروازہ وغیرہ)- ابن فارس نے لکھا ہے کہ اس
کے بنیادی معنی کسی چیز کا کسی دوسری چیز کے اندر شامل ہو جانا ہیں -
اس سے اَلْاَصِیْدُ باڑے کو کہتے ہیں جس میں جانور بند کئے جاتے ہیں -
قرآن کریم میں مُؤْصَدَۃٌ آیا ہے ($\frac{۱۰۴}{۸}$) - جس کے معنی ہیں بند کی
ہوئی یا مشتمل -

اہل لغت کا کہنا ہے کہ یہ وصد کا ایک لغت ہے * - اس لئے ہم
نے احتیاطاً اسے وہاں (و - ص - د میں) بھی لکھ دیا ہے - اگرچہ ہمارے
نزدیک یہ بھی ایک مستقل مادہ ہے -

ا ص ر

اَلْاَصْرُ - کسی چیز کو باندھ دینا - زبردستی روک دینا ** -

اَلْاَصِرَۃُ - چھوٹی سی رسی جس سے خیمے کا نچلا حصہ باندھ
دیا جائے *** -

اَلْاِصْرُ - محکم عہد جس سے انسان بندھا ہوا ہو - نیز اس کے معنے
بوجھ کے ہیں *** - سورۃ اعراف میں نبی اکرم ؐ کے متعلق ہے وَیَضَعُ
عَنْهُمْ اِصْرَهُمْ ($\frac{۷}{۱۵۷}$) - وہ اس بوجھ کو اتار دیگا جس کے نیچے نوع

*تاج و اقرب الموارد - ** راغب *** محیط -

انسانی دبی چلی آ رہی ہے - اور ان گراں بار پابندیوں کو اٹھا دیگا جو انسانوں کے لئے نا قابل برداشت ہوں - اور اس طرح انسانیت کو صحیح حریت فکر و عمل عطا کر دیگا - یہی وہ اِصْرٌ ہے جس سے آزاد رہنے کی آرزو ہمیں سکھائی گئی ہے وَلاَ تَحْمِلْ عَلَيْنَا اِصْرًا (۲/۲۸۶) - ''اورهم پر وہ بوجھ نہ ڈال،، یہی وہ حقیقی آزادی ہے جسے قرآن عطا کرتا ہے - یعنے اطاعت صرف خدا کے قانون کی ہوگی ، اس کے علاوہ دنیا میں کسی اور کے حکم کی اطاعت نہیں ہوگی، خواہ وہ مذہبی پیشوا ہوں یا دنیاوی ارباب اقتدار (۳/۲۸) - ابن فارس نے اس کے بنیادی معنی روکنے اور جھکانے کے لکھے ہیں - یعنی کسی کو محکوم بنا لینا -

ا ص ل

اَلْاَصْلُ - کسی چیز کا سب سے نچلا حصہ - اَصْلٌ - کسی چیز کی بنیاد یا جڑ * - قرآن کریم میں یہ لفظ فَرْعٌ کے مقابلہ میں آیا ہے - اَصْلُهَا ثَابِتٌ وَفَرْعُهَا فِي السَّمَاءِ (۱۴/۲۴) - جس کے معنی شاخ کے ہیں-

اِسْتَاْصَلَهُ - اس کو جڑ سے اکھیڑ دیا* - یا کاٹ دیا** -

اَلْاَصِيْلُ (جمع آصَالٌ) عصر سے مغرب تک کا وقت* - قرآن کریم میں ہے بِالْغُدُوِّ وَالْاٰصَالِ (۷/۲۰۵) - صبح اور شام - ابن فارس نے لکھا ہے کہ اس کے معنی شام کے بعد کا وقت ہیں - غالباً رات کے نچلے حصے کی جہت سے اسے ایسا کہتے ہیں - راغب نے کہا ہے کہ اَصْلٌ کسی چیز کے اس بنیادی حصے کو کہتے ہیں کہ اگر اسے مٹا دیا جائے تو وہ ساری چیز ختم ہو جائے - اس اعتبار سے عصر اور مغرب کے درمیانی وقت کو اَلْاَصِيْلُ اس لئے کہتے ہیں کہ اس کے چلے جانے سے دن ہی ختم ہو جاتا ہے -

ا ف ف

اَلْاُفُّ - ہر گندی مکروہ اور حقیر چیز کو کہتے ہیں - میل کچیل - ناخن کی کترن - ناخن یا کان کا میل - نیز کپڑے پر پڑی ہوئی مٹی یا راکھ وغیرہ کو پھونک مار کر صاف کرنے کے لئے اُفِّ بولا جاتا ہے - غالباً پھونک مارنے کی آواز کی جہت سے ، اَلْاُفَّةُ بزدل کو کہتے ہیں - یا اُسے جس کے پاس کچھ نہ ہو - جس کے پاس کم مال ہو - گندا آدمی - اَلْاَفَفُ - اُکتا جانا - اَلْاَفُّ - بد بو - اَفَّ - يَؤُفُّ - بے چینی ، اُکتاہٹ یا تکلیف

* تاج - ** محیط -

کی وجہ سے اُفٍّ کہنا۔ کسی سے نفرت و بیزاری یا اُکتاہٹ کے اظہار کے لئے، نیز تحقیر کے موقع پر اُفٍّ لَہٗ کہا کرتے ہیں*۔

قرآن کریم میں والدین کے متعلق ہے فَلَا تَقُلْ لَّهُمَا أُفٍّ وَّلَا تَنْهَرْهُمَا وَقُلْ لَّهُمَا قَوْلًا كَرِيمًا (۱۷/۲۳) ''ان کی تحقیر نہ کرو۔ انہیں جھڑکو نہیں بلکہ نرمی سے بات کرو،،۔

ابن فارس نے کہا ہے کہ اس کے بنیادی معنی کسی چیز کے ناپسندیدہ ہونے کے ہیں۔ (نیز موجودہ وقت کو بھی کہتے ہیں۔ لیکن قرآن میں اس معنی میں یہ لفظ نہیں آیا)۔

ا ف ق

اَلْاُفُقُ۔ اَلْاُفْقُ۔ کنارہ۔ جمع اٰفَاقٌ۔ یعنی جو کچھ زمین اور آسمان کے اطراف سے نظر آتا ہے۔ اُفُقُ الْبَيْتِ خیمے کا اگلا چھجا یا سائبان۔ ابن فارس نے کہا ہے کہ اس کے بنیادی معنی کسی چیز کے اطراف و جوانب کے درمیان وسعت اور انتہائی بُعد کے ہوتے ہیں۔ قرآن کریم میں ہے سَنُرِيْهِمْ اٰيٰتِنَا فِى الْاٰفَاقِ وَفِىْٓ اَنْفُسِهِمْ (۴۱/۵۳)۔ ''ہم انہیں اپنی نشانیاں دنیا کے اطراف و جوانب میں اور خود ان کے اپنے اندر دکھائینگے،،۔ یعنی قومی اور بین الاقوامی حوادث۔ نیز اس کے معنی خارجی کائنات اور انسانی دنیا کے ہو سکتے ہیں۔

فَرَسٌ اُفُقٌ۔ خوشنما اور حیرت انگیز رفتار والا گھوڑا۔ اَفِقَ الرَّجُلُ۔ وہ علم وفضل اور کرم و شرافت اور دیگر فضائل میں انتہا تک پہنچ گیا۔ فَهُوَ اٰفِقٌ و اٰفِيْقٌ*۔

انتہائی وسعت اور بلندی کے اعتبار سے نبی اکرمؐ کے متعلق ہے۔ وَلَقَدْ رَاٰهُ بِالْاُفُقِ الْمُبِيْنِ (۸۱/۲۳)۔ ''اور اس (رسول) نے اپنے آپ کو نہایت بلند مرتبہ پر دیکھا،،۔ (یا خدا نے رسول کو سیرت و کردار کے بلند مقام پر دیکھا)۔ سورۃ نجم میں ہے وَهُوَ بِالْاُفُقِ الْاَعْلٰى (۵۳/۷)۔ ''وہ رسول (شرف انسانیت اور علم و حقائق کے) بلند ترین مقام پر ہے،،۔

ا ف ک

اَفَكَ۔ يَاْفِكُ۔ جھوٹ بولنا۔ جھوٹی بات بنانا**۔ ابن فارس نے کہا ہے کہ اس کے بنیادی معنی کسی چیز کو الٹ دینا اور اسکی جہت سے

---

* تاج۔ محیط۔ راغب۔ ** تاج

پھیر دینا ہوتے ہیں ۔ قرآن کریم میں عصائے کلیمی کے متعلق ہے فَاِذَا هِيَ تَلْقَفُ مَا يَأْفِكُوْنَ (۷/۱۱۷)۔ "اس نے ان سب چیزوں کو نیست و نابود کر دیا (نگل لیا) جنہیں وہ جھوٹ موٹ بناتے تھے"۔ سورۃ صٰفّٰت میں جھوٹے کفار کے متعلق ہے اَئِفْكًا (۳۷/۸۶)۔ "کیا تم صحیح راستہ سے ہٹ کر"، سورۃ شعراء میں ہے اَفَّاكٍ اَثِيْمٍ (۲۶/۲۲۲)۔ قرآن کریم نے اس کی تشریح سورۃ جاثیہ میں ان الفاظ سے بھی کی ہے يَسْمَعُ اٰيٰتِ اللّٰهِ تُتْلٰى عَلَيْهِ ثُمَّ يُصِرُّ مُسْتَكْبِرًا كَاَنْ لَّمْ يَسْمَعْهَا (۴۵/۸)۔ "وہ قوانین خداوندی کو جو اس کے سامنے پیش کئے جاتے ہیں سنتا ہے ۔ پھر تکبر کرتے ہوئے (اپنی ہی بات پر) اڑے رہتا ہے، گویا اس نے قوانین خداوندی کو سنا ہی نہیں"۔

اِفْكٌ ۔ کسی چیز کو پلٹ دینا ۔ الٹ دینا ۔ جس طریق پر کسی چیز کو ہونا چاہئے اسے اس سے پھیر دینا ۔ راغب کے نزدیک بھی اِفْكٌ کا یہی مطلب ہے**۔

پھیر دینے کے معنوں میں سورۃ ذاریٰت میں ہے ۔ يُؤْفَكُ عَنْهُ مَنْ اُفِكَ (۵۱/۹)۔ "اس سے اس کو پھیرا جاتا ہے جو خود اس سے پھر جاتا ہے"۔ یہ آیت ایک بہت بڑی حقیقت کی طرف دلالت کرتی ہے ۔ یعنی خدا کسی کو گمراہ نہیں کرتا ۔ انسان خود ہی گمراہ ہوتا ہے ۔ خدا کا قانون یہ ہے کہ جو گمراہ ہونا چاہے اسے صحیح راستے پر چلنے کے لئے مجبور نہیں کیا جاتا ۔ یہاں ابتداءِ کار (Initiative) انسان کے ہاتھ میں ہے ۔ جو کچھ یہ کرتا ہے اس کے مطابق خدا کا قانون اس پر نافذ ہو جاتا ہے ۔ اگر یہ اپنے اندر پتھر جیسی سختی پیدا کر لے تو ہر شیشہ اس سے ٹکرا کر پاش پاش ہو جائیگا اور اگر یہ شیشے جیسا نازک بن جائے تو پتھر کی چھوٹی سی کنکری بھی اسے پاش پاش کر دیگی ۔ غرضیکہ وہ جدھر اپنا رخ کر لے اسی سمت کی منزل اس کے سامنے آجائیگی ۔ خدا زبردستی کسی انسان کا رخ نہیں پھیرتا ۔ فَلَمَّا زَاغُوْا اَزَاغَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ (۶۱/۵) "جب وہ ٹیڑھے چلے تو خدا (کے قانون مکافات) نے ان کے دل ٹیڑھے کر دئے ۔ ۔ ۔"۔

اَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ (۵/۷۵) "کس طرح یا کدھر الٹے پھیرے جاتے ہیں"۔ اَلْمُؤْتَفِكٰتُ (۶۹/۹)۔ وہ بستیاں جنہیں الٹ دیا گیا تھا ۔

اَلْاَفِكَةُ ۔ قحط والے سال کو کہتے ہیں*** ۔ اَلْمَاْفُوْكُ ۔ جہاں بارش نہ ہوتی ہو اور اس لئے وہاں گھاس وغیرہ کچھ نہ ہو***۔

* تاج ۔ ** راغب ۔ *** تاج و محیط ۔

ا ف ل

اَفَلَ الْقَمَرُ اُفُوْلاً - چاند (نیز اجرام فلکی) کا غائب ہو جانا اور غروب ہو جانا - اَلْمُتَوَفِّلُ - ناقص - ضعیف - رَجُلٌ مَاۂُفُوْلُ الرَّای - ضعیف العقل آدمی - * راغب نے کہا ہے کہ اَلاُفُوْلُ روشن ستاروں کے غروب ہو جانے کو کہتے ہیں - ** ابن فارس نے کہا ہے کہ اس کے بنیادی معنی غروب ہو جانا بھی ہیں اور چھوٹا اور دھندلا ہو جانا بھی -

حضرت ابراہیم[ع] کے متعلق قرآن کریم میں ہے کہ انہوں نے کائناتی نظام پر بڑی دقتِ نظر سے غور و فکر کیا - اسکی قوتوں کا اچھی طرح سے مشاہدہ کیا - وَكَذَٰلِكَ نُرِي إِبْرَاهِيمَ مَلَكُوتَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ - "اور اسطرح ہم نے ابراہیم کو کائنات کی پستیوں اور بلندیوں میں اپنی قدرت دکھائی" - (۶/۷۶) اور ان سے ذات باری تعالیٰ پر ایمان کے دلائل کو علی وجہ البصیرت محکم کیا - چنانچہ انہوں نے ستاروں کو دیکھا - چاند پر غور کیا - سورج کا اچھی طرح مشاہدہ کیا - ان کی قوم ان اجرام سماوی کی پرستش کیا کرتی تھی - لیکن انہوں نے ان پر غور و فکر کے بعد کہا کہ ان کی حالت یہ ہے کہ ایک وقت میں نہایت آب و تاب سے نمودار ہوتے ہیں اور دوسرے وقت میں تاریکی کے پردے میں جا چھپتے ہیں - لہذا اس قسم کی تغیر پذیر چیزیں کبھی معبود نہیں بن سکتیں - صاحب اقتدار خدا وہی ہو سکتا ہے جو تغیرات سے ماوراء ہو - اسلئے لَا أُحِبُّ الْآفِلِينَ (۶/۷۷) "میں تغیر آشنا چیزوں کو معبود ماننے کیلئے تیار نہیں ہوں" *** - میں اس ہستی کو خدا مانتا ہوں جو ان سب کی خالق ہے - (الَّذِي فَطَرَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ ۶/۸۰) -

یہ اعلان کہ ایک تغیر پذیر شے معبود نہیں ہو سکتی، بہت بڑی حقیقت کی طرف راہ نمائی کرتا ہے - ذات (Personality) کی بنیادی خصوصیت یہ ہے کہ وہ خارجی حوادث سے تغیر پذیر نہیں ہوتی - اس کی تعریف، برگسان کے مفہوم کے مطابق، یہ ہے کہ (Changelessness in Change) "تغیرات کی دنیا میں عدم تغیر" - اسلئے خدا جو مکمل ترین ذات (The most complete and Perfect Personality) ہے تغیرات سے یکسر ماوراء ہوگا - لہذا، جو آفل

---

* تاج - ** راغب - *** بعض لوگوں کا خیال ہے کہ آیات (۶/۷۷-۷۹) میں حضرت ابراہیم[ع] کے والد (آزر) اور حضرت ابراہیم[ع] کا مکالمہ ہے - یعنی قال هذا ربی - آزر کا قول ہے اور قال لا احب الافلین - حضرت ابراہیم[ع] کا قول - اسی طرح دوسری آیات میں بھی -

ہے وہ خدا نہیں ہوسکتا۔ ''آفلیت'' ذات (Personality) کی بنیادی خصوصیت کے منافی ہے۔ جس انسان کی ذات کی نشو و نما ہو جائے اس میں بھی یہی کیفیت پیدا ہو جاتی ہے۔ وہ اپنے اصولوں کا پکا ہوتا ہے اور خارجی احوال وظروف کے ساتھ (مرغ باد نما کی طرح) ہر آن بدلتا نہیں رہتا۔ اسی کو ایمان کی پختگی اور عمل کی استقامت کہتے ہیں۔ ایسے ہی انسان ہیں جن کی بات پر اعتماد کیا جاسکتا ہے۔ جن کا خدا ''آفل،، نہیں وہ خود بھی ''افِل'' نہیں ہوتے۔ جیسا کسی انسان یا قوم کا ''خدا،، ویسا ہی وہ انسان یا قوم۔ خدا کے تصور کا انسان کی ذات یا قومی خصوصیات پر بڑا گہرا اثر پڑتا ہے۔ قرآن کریم نے خدائے حقیقی کا جو تصور پیش کیا ہے، اس پر ایمان رکھنے والی قوم کا دنیا میں کوئی مقابلہ نہیں کر سکتا — نہ قوت و ثبات میں۔ نہ شرف و سعادت میں۔

ا ک ل

اَکَلَ - کے معنے ہیں کسی چبانے کی چیز کو چبا کر کھا لینا۔ پینے والی چیز یا جس چیز کو چبائے بغیر نگل لیا جائے اسے مَاْکُوْلٌ نہیں کہا جاتا۔ اَلْمَاْکُوْلُ - وہ جانور جسے کوئی درندہ کہا جائے (سورۃ فیل میں عَصْفٍ مَّاْکُوْلٍ (۱۰۵/۵) کے معنے ہیں کھایا ہوا بُھس یا وہ چارہ اور پتے وغیرہ جنہیں کیڑوں نے کھا لیا ہو۔ کرم خوردہ) اس اعتبار سے اَلْاٰکِل بادشاہ کو کہتے ہیں۔ اور اَلْمَاْکُوْلُ رعیت کو۔ اَلْاُکُلُ - کا استعمال عام طور پر پھلوں کے لئے ہوتا ہے لیکن درحقیقت درختوں اور پودوں سے جو کچھ بھی کھایا جائے اَلْاُکُلُ کہلاتا ہے۔ قرآن کریم میں جنت کے متعلق ہے۔ اُکُلُهَا دَائِمٌ (۱۳/۳۵)۔ ''اس کے پھل ہمیشہ رہینگے،،۔ نیز وسیع رزق۔ عقل اور رائے اور وزنی عقل کو بھی اَلْاُکُلُ کہتے ہیں*۔

اَکَلَ کے حقیقی معنی تو کھانے کے ہیں لیکن اسکے مجازی معنے کسی چیز کے لینے کے بھی آتے ہیں۔ لَا تَاْکُلُوا الرِّبٰوا (۳/۱۲۹) کے معنے ہیں۔ سود مت لو۔ اگرچہ ہمارے ہاں بھی ''سود کھانا،، ہی کہتے ہیں اور سود لینے والے کو سود خوار۔

سورۃ مائدہ میں حرام چیزوں کی فہرست میں وَمَآ اَکَلَ السَّبُعُ (۵/۳) آیا ہے۔ اس کے معنی ہیں وہ جانور جسے درندوں نے پکڑ کر تھوڑا بہت

* تاج۔

کھا لیا ہو اور اس میں جان باقی ہو۔ کیونکہ اس کے بعد ہے اِلاَّ مَا ذَکَّیْتُمْ ۔ ہاں اگر تم اسے ذبح کر لو تو پھر ٹھیک ہے ۔ اگر درندوں نے سارے کا سارا کھا لیا ہو تو پھر اس کی حلت و حرمت کے متعلق کوئی سوال ہی پیدا نہ ہوگا۔ اور اگر وہ مر چکا ہو تو پھر ''مردار،، ہو جائیگا جو حرام ہے ۔

ابن فارس نے کہا ہے کہ اس کے بنیادی معنی ''بتدریج کم ہونا،، ہیں ۔ جس چیز کو کھایا جائے وہ کم ہوتی جاتی ہے ۔

Al-

اَلْ (حرف)

آلْ ۔ یہ اسم کو معرفہ بنانے یعنی متعین کرنے کے لئیے آتا ہے ۔ بالکل اسی طرح جیسے انگریزی زبان میں (The) آتا ہے ۔ رَجُلٌ ۔ کوئی آدمی ۔ اور اَلرَّجُلُ ۔ وہ خاص آدمی ۔ (The Man) ۔ ذیل کی مثالوں سے اس کے استعمال کے اسالیب واضح ہو جائینگے ۔

(۱) پہلے کسی کا عمومی ذکر کرنا ۔ اور اس کے بعد جب پھر اس کا ذکر آئے تو آلْ بڑھا دینا ۔ مثلاً کَمَا اَرْسَلْنَا اِلیٰ فِرْعَوْنَ رَسُوْلاً ۔ فَعَصٰی فِرْعَوْنُ الرَّسُوْلَ (۷۳/۱۵-۱۶) ۔ '' جس طرح ہم نے فرعون کی طرف ایک رسول بھیجا ۔ سو فرعون نے اُس رسول کی نا فرمانی کی ،، ۔ یہاں اَلرَّسُوْلَ کے معنی ہیں وہ رسول جس کا ذکر پہلے آچکا ہے ۔

(۲) کسی ایسی چیز کا ذکر کرنا جس سے سننے والا پہلے ہی متعارف ہو۔ یعنی وہ جانتا ہو کہ یہ کس چیز کا ذکر ہو رہا ہے ۔ مثلاً اِذْهُمَا فِی الْغَارِ (۹/۴۰) ۔ ''جب وہ دونوں غار میں تھے،،۔ یہاں پہلے کسی غار کا ذکر نہیں آیا ۔ پہلی مرتبہ ہی اسے الغار کہا گیا ہے ۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ سننے والوں کو معلوم تھا کہ اس سے کونسا غار مراد ہے ۔

(۳) جب وقت یا زمانہ متعین کیا جائے ۔ مثلاً اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ (۵/۳) ''آج کے دن ۔ یا اس دور میں ۔ ہم نے تمہارا غلبہ (یا دین) مکمل کر دیا ہے،، ۔

(۴) استغراق ۔ جب کسی پوری کی پوری نوع کا ذکر ہو ۔ یعنی کُلٌّ کے معنوں میں ۔ مثلاً خُلِقَ الْاِنْسَانُ ضَعِیْفاً (۴/۲۹) ۔ انسان کی خلقت اس طرح کی واقع ہوئی ہے کہ یہ جذبات سے مغلوب ہو جاتا ہے ۔ یہاں یہ خصوصیت تمام نوع انسانی کی بتائی گئی ہے ۔

(۵) جب کسی چیز میں اُس نوع کی تمام خوبیاں جمع ہو جائیں تو اسے بھی آلْ سے مخصوص کر دیتے ہیں - (محیط المحیط) - جیسے ذٰلِکَ الْکِتَابُ (۲/۲) - یہاں اَلْکِتَابُ سے مراد یہ ہے کہ اس کتاب میں تمام آسمانی کتابوں کی خصوصیات یک جا جمع ہو گئی ہیں - لیکن ہمارے خیال میں الکتابُ مشارٌ الیہ ہونے کی وجہ سے معرفہ ہے - البتہ ھُوَ الْحَقُّ کے آلْ میں یہ خصوصیت ہے کہ اس نوع کی تمام خوبیاں اس میں جمع ہو گئی ہیں -

(۶) مضاف الیہ کی بجائے جب کسی چیز کی نسبت کسی معین شخص کی طرف کرنی ہو تو آلْ لگا دیتے ہیں - مثلاً اَلْمَدِیْنَۃُ سے مراد ہے مَدِیْنَۃُ الرَّسُوْلِ - رسول اللہؐ کا شہر - (اس نسبت سے اس شہر کی عظمت کو چار چاند لگ گئے) -

(۷) بعض وقت یہ اَلَّذِیْ کے معنی دیتا ہے - مثلاً اَلضَّارِبُ کے معنی ہیں اَلَّذِیْ یَضْرِبُ - وہ شخص جو مارتا ہے -

اَلَا - (حرف)

اَلَا - یہ دو حرفوں (یعنی ہمزہ استفہام اور لام نفی) کا مجموعہ ہے (ءَ+لاَ) - اس کا ترجمہ ہوگا - "کیا نہیں ؟" - ان معنوں میں قرآن کریم میں ہے اَلاَ تُحِبُّوْنَ اَنْ یَغْفِرَ اللّٰہُ لَکُمْ (۲۴/۲۲) "کیا تم پسند نہیں کرتے کہ اللہ تمہاری حفاظت کا سامان کر دے؟" یا مثلاً اَلاَ تُقَاتِلُوْنَ قَوْماً نَکَثُوْا اَیْمَانَھُمْ (۹/۱۳) - "کیا تم ان لوگوں کے خلاف جنگ نہ کروگے جنہوں نے اپنے عہد کو توڑ دیا ہے ؟" -

(۲) یہ حرف تنبیہ بھی ہے - یعنی اس کا استعمال کسی کو متنبہ (آگاہ) کرنے یا کسی بات کے متعلق یقین دلانے کے لئے بھی ہوتا ہے - مثلاً اَلاَ اِنَّھُمْ ھُمُ الْمُفْسِدُوْنَ (۲/۱۲) - "تم آگاہ رہو کہ یہی لوگ مفسد ہیں" (یا) "یہ واقعہ ہے کہ یہی لوگ مفسد ہیں" - مفہوم دونوں کا ایک ہی ہے - یعنی اِعْلَمُوْا ...... یاد رکھو کہ ......

ا ل ف

اَلْفٌ - ایک ہزار (جمع اٰلَافٌ وَ اُلُوْفٌ) -

چونکہ چار ہندسوں کے اکھٹا ہونے سے ایک ہزار کا عدد بنتا ہے اس لئے اَلْاِلْفُ کے معنی ہیں ہم آہنگی اور پیوستگی - یا گھل مل جانے

والا ساتھی ۔ (یا آلِفٌ کا لفظ اِلْفٌ سے ہے)۔ اَلَّفَ بَیْنَهُمْ ۔ ان میں ہم آہنگی پیدا کر دی ۔ ایسی ہم آہنگی جیسے بادل کے ٹکڑے آپس میں مل کر ایک دوسرے میں مدغم ہو جاتے ہیں (..... سَحَابًا ثُمَّ یُؤَلِّفُ بَیْنَهُ ۲۴/۴۳)۔ اَلْمُؤَلَّفُ ۔ وہ چیز جسکے اجزاء کو مرتب کرکے ایک دوسرے کے ساتھ جمع کردیا گیا ہو ۔ اَلْاُلْفَةُ ۔ باہمدگر پیوست ہو جانا۔ اَلْمُؤَلَّفَةُ قُلُوْبُهُمْ ۔ جن کے دلوں میں محبت اور الفت پیدا کرنا مقصود ہو۔ ابن فارس نے کہا ہے کہ اس مادہ کے بنیادی معنی ایک چیز کا دوسری چیز کے ساتھ مل جانا اور منضم ہو جانا ہیں ۔ اَلْاِیْلَافُ ۔ مانوس کرنا اور الفت دلانا،۔(لِاِیْلَافِ قُرَیْشٍ ۱۰۶/۱) عہد و پیمان ۔ وہ اقرار نامہ جس سے دو فریق ایک دوسرے سے پیوست رہیں ۔ یہ وہ عہد نامے تھے جو قریش نے ہمسایہ ممالک کی حکومتوں سے لے رکھے تھے کہ ان کے قافلوں کو کوئی نہ لوٹے کیونکہ وہ کعبہ کے متولی تھے*۔

قرآن کریم میں جماعت مومنین کے متعلق ہے اِذْ کُنْتُمْ اَعْدَاءً فَاَلَّفَ بَیْنَ قُلُوْبِکُمْ فَاَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهٖ اِخْوَانًا (۳/۱۰۲) ۔ ”تم ایک دوسرے کے دشمن تھے۔ خدا نے تمہارے دلوں میں ہم آہنگی پیدا کر دی اور اس طرح تم اس کی نعمت سے بھائی بھائی ہو گئے“۔ یہاں سے اِئْتِلَافٌ کے معنے واضح ہو جاتے ہیں ۔ اِئْتِلَافٌ درحقیقت تعاون اور اجتماع سے اگلا درجہ ہے ۔ اس میں جماعت کے افراد بالکل ایک دوسرے سے گھل مل جاتے ہیں اور دلوں میں ہم آہنگی پیدا ہو جاتی ہے ۔ اگر کسی معاشرہ میں افراد کے باہمی تعلقات ایسے نہیں تو وہ مومنین کا معاشرہ نہیں ۔ ایمان کا فطری تقاضا یا لازمی نتیجہ ہم آہنگی، فکر و عمل ہے ۔ جب مختلف افراد کے سامنے نصب العین حیات ایک ہو۔ منزل ایک ہو۔ راستہ ایک ہو۔ ضابطہ، زندگی ایک ہو تو پھر ان کے دلوں میں ایک دوسرے سے پیوستگی کیوں نہیں ہوگی ؟

أ ل ک

مَلٰئِکَةٌ ۔ بعض کا خیال ہے کہ اس لفظ کا مادہ اَلْکٌ ہے جسکے معنے پیغام رسانی کے ہیں ۔ اَلِکْنِیْ اِلٰی فُلَانٍ (اصل میں اَلْئِکْنِیْ تھا) اسکو میری طرف سے پیغام پہنچا دو ۔ اَلْمَلَاکَةُ ۔ پیغام رسانی ۔

* تاج ۔

فرشتہ - جو اَلْمَاْلُکُ سے مقلوب ہے - اَلْاَلُوْکَۃُ وَاَلْمَاْلَکَۃُ وَاْلاَلُوْکُ والْمَاْلُکُ - پیغام - (اَلْکَ کے معنے ہوتے ہیں کسی چیز کو منہ میں چبانا - پیغام کو اسلئے اَلاءَلُوْکَۃُ کہتے ہیں کہ اسے منہ میں چبا کر باھر نکالا جاتا ہے)-* ابن فارس نے اسکے یہی بنیادی معنے لکھے ہیں- یعنی پیغام رسانی -

لیکن دوسرے محققین کا قول ہے کہ اسکا (مَلَائِکَۃٌ کا مادہ مَلْکٌ ہے جس کے معنی قوت کے ہیں (دیکھئے عنوان م-ل-ك) راغب نے کہا ہے کہ مَلَائِکَۃٌ دراصل مَاْلَکٌ ہے- فرشتوں میں سے جن کے سپرد انتظامات کئے جاتے ہیں ان کو مَلَکٌ کہتے ہیں اورانسانوں میں سے جو تدبیر امور کرتے ہیں انہیں مَلِکٌ کہا جاتا ہے-**

مفتی محمد عبدہ نے اپنی تفسیر المنار میں لکھا ہے کہ ''یہ امر ثابت ہے کہ کائنات کی ہرشے کے اندرایک قوت ایسی ہے جس پر اس چیز کا دار و مدار ہے اور جس کے ساتھ اس شے کا قوام و نظام قائم ہے- جو لوگ وحی پر ایمان نہیں رکھتے وہ ان قوتوں کو طبیعی قوتیں (Physical Forces) کہتے ہیں، اور شریعت کی زبان میں انہیں مَلَائِکَۃٌ کہا جاتا ہے- لیکن انہیں مَلَائِکَۃٌ کہئیے یا کائناتی قوتیں - حقیقت ایک ہی ہے اور عقلمند آدمی وہ ہے جسکے لئے ''رکھے ہوئے نام،، اصل مسمیات سے حجاب نہ بن جائیں،،-

قرآن کریم میں مَلَائِکَۃٌ کو پیغام رساں کہا گیا ہے - اَللّٰہُ یَصْطَفِیْ مِنَ الْمَلَائِکَۃِ رُسُلاً وَ مِنَ النَّاسِ.... (۲۲/۷۵)''اللہ ملائکہ میں سے پیغام رساں چن لیتا ہے اورانسانوں میں سے بھی-،، لیکن یہ چیز (پیغام رسانی) ملائکہ کے فرائض میں سے صرف ایک فریضہ ہے- جامع طور پر انہیں مُدَبِّرَاتِ اَمْراً (۷۹/۵) اور مُقَسِّمٰتِ اَمْراً (۵۱/۴) کہا گیا ہے - یعنی ''تدبیر امور اور تقسیم امور کرنے والی قوتیں یا جماعتیں،، - کائنات میں اللہ تعالیٰ کی متعین کردہ مختلف اسکیمیں کارفرما ہیں - جو ملکوتی قوتیں خدا کے قانون کے مطابق ان تدبیرات کو بروئے کار لاتی ہیں انہیں مَلَائِکَۃٌ کہکر پکارا گیا ہے- اس اعتبار سے مَلَائِکَۃٌ کا مادہ اَلْکٌ کی بہ نسبت مَلْکٌ زیادہ صحیح ہوگا- یعنے قوتیں- ان قوتوں کو اس کا اختیار نہیں دیا گیا کہ وہ اپنی مرضی سے جو چاہیں کریں (اختیار وارادہ خدا کے بعد صرف انسان کو حاصل ہے) اسلئے یہ قوتیں بلا چون وچرا قانونِ خداوندی کے مطابق سرگرم عمل رہتی ہیں- وَ یَفْعَلُوْنَ مَا یُؤْمَرُوْنَ (۱۶/۵۰)- ''جو کچھ ان سے کہا

* تاج و محیط - ** تاج

جاتا ہے وہ وہی کچھ کرتی ہیں" ۔جس قانون کے مطابق یہ قوتیں مادی کائنات میں کارفرما رہتی ہیں اسکا علم انسان کو دیدیا گیا ہے۔* (یعنی انسان میں اس امر کی امکانی صلاحیت موجود ہے کہ وہ کائناتی قوتوں کی کارفرمائی کے قانون کا علم حاصل کرلے) اسلئے یہ قوتیں انسان کے تابع تسخیر آسکتی ہیں۔ (ملائکہ کے سجدۂ آدم سے یہی مفہوم ہے۔** اسی کو تسخیر فطرت کہتے ہیں۔

لیکن مَلاَئِکَۃ صرف انہیں قوتوں کو نہیں کہا گیا جو خارجی کائنات میں تدبیر امور کرتی ہیں بلکہ ان قوتوں کو بھی کہا گیا ہے جو انسان کی داخلی دنیا (نفسیاتی زندگی) پر اثر انداز ہوتی ہیں۔ اِنَّ الَّذِیْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰہُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا تَتَنَزَّلُ عَلَیْھِمُ الْمَلاَئِکَۃُ اَلاَّ تَخَافُوْا وَلاَ تَحْزَنُوْا .... (۴۱/۳۰) "یہ حقیقت ہے کہ جو لوگ اللہ کی ربوبیت پر یقین رکھتے ہیں اور پھر اس ایمان پر جم کر کھڑے ہو جاتے ہیں توان پر ملائکہ نازل ہوتے ہیں یہ کہتے ہوئے کہ تم کسی قسم کا غم اور اندیشہ مت کرو"۔ اس میں "نزول ملائکہ" سے مراد وہ نفسیاتی تغیر ہے جو خدا کی ربوبیت پر یقین محکم سے انسان کے اندر پیدا ہوتا ہے۔ (اسکے برعکس جو قوتیں انسان کے دل میں خوف و ہراس اور یاس و نا امیدی پیدا کرتی ہیں (خواہ وہ خارجی قوتیں ہوں یا خود انسان کی داخلی قوتیں) انہیں ابلیس اور شیطان سے تعبیر کیا گیا ہے۔ (دیکھئے عنوان ب۔ل۔س اور ش۔ط۔ن) یہی وہ "ملائکہ" تھے جو بدر و حنین کے میدان میں مجاہدین کیلئے تسکین۔ خاطر اور تثبیت قلب کا موجب بنے تھے (۸/۱۲ ; ۹/۲۶) اسی قسم کی قوتیں ان تغیرات کا بھی موجب بنتی ہیں جو انسان کے طبعی جسم میں رونما ہوتے رہتے ہیں اور آخرالامر موت تک منتج ہوتے ہیں۔ (۴۷/۲۷ ; ۱۶/۲۸) نیز ملائکہ اعمال انسانی کے "رجسٹرار" (لکھنے والے۔ محفوظ رکھنے والے) ہوتے ہیں یعنے قانون مکافات کو بروئے کار لانے کا موجب بنتے ہیں۔ (۱۰/۲۱) ذ ۴۳/۸۰۔ ان آیات "کتابت اعمال" کو ملائکہ کی طرف منسوب کیا گیا ہے۔ لیکن دوسری جگہ ہے کہ ان امور کو اللہ تعالیٰ خود لکھ لیتا ہے (۱۹/۷۹) اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ اعمال نامہ خود انسان کے اپنے گلے میں لٹکا رہتا ہے (۱۷/۱۳-۱۴)۔ ان مقامات پر غور کرنے سے یہ حقیقت واضح ہو جاتی ہے کہ یہ ملائکہ وہ ملکوتی قوتیں ہیں جو خدا کے قانون مکافات کے مطابق ہر عمل کا نتیجہ مرتب کرتی رہتی ہیں اور وہ نتیجہ انسان کی ذات پر اثر انداز ہوتا رہتا ہے۔

---

* وعلم آدم الاسماء کلھا (۲/۳۱)۔ ** (۲/۳۴)

چونکہ ملائکہ، کائنات کی غیر مرئی قوتیں ھیں اس لئے ان کے متعلق کہا گیا ھے کہ تم ان کے لشکروں کو دیکھ نہیں سکتے (۹/۲۰، ۹/۲۶)۔ باقی رھا وہ نظام جس کے مطابق ملائکہ، انبیاء کرام[۴] کیطرف وحی لاتے تھے تو اسکے متعلق ھم کچھ نہیں سمجھ سکتے کیونکہ وحی کی حقیقت و ماھیت ھمارے حیطۂ ادراک سے باھر کی چیز ھے۔ ھم اس پر ایمان لانے کے لئے مکلف ھیں اور اسکے مطابق عمل کرنے پر مامور۔ البتہ وحی کی رو سے دئے ھوئے حقائق کی صداقت اور عظمت کو علم کے ذریعے سمجھا جا سکتا ھے (مزید تفصیل وحی کے عنوان میں ملیگی۔ نیز میری کتاب ''ابلیس وآدم''، میں جہاں ملائکہ اور وحی کے متعلق شرح وبسط سے گفتگو کی گئی ھے)۔ وحی ھی نہیں، بلکہ پورے کے پورے عالم امر میں یہ قوتیں کسطرح کام کرتی ھیں ھم اسے نہیں سمجھ سکتے۔ ھماری عقل کا دائرہ محسوسات تک محدود ھے۔ یعنی جو قوتیں محسوس کائنات میں کام کرتی ھیں ھم صرف ان کے متعلق تحقیق کرسکتے ھیں۔

قرآن کریم نے ملائکہ پر ایمان کو ''اجزائے ایمان''، میں سے قرار دیا ھے (مثلاً ۲/۲۸۵)۔ یعنی ایک شخص کے مسلمان ھونے کے لئے ضروری ھے کہ وہ اللہ۔ کتب۔ رسل۔ آخرت پر ایمان لانے کے ساتھ ملائکہ پر بھی ایمان لائے۔ سوال یہ ھے کہ ملائکہ پر ایمان کے معنی کیا ھیں ؟ اس کے معنی یہ ھیں کہ ملائکہ کے متعلق وہ تصور رکھا جائے جو قرآن نے پیش کیا ھے اور انھیں وھی پوزیشن دی جائے جو قرآن نے ان کے لئے متعین کی ھے۔ ملائکہ کے متعلق قرآن میں ھے کہ انہوں نے آدم کو سجدہ کیا۔(۲/۳۴) یعنی وہ آدم کے سامنے جھک گئے۔ جیسا کہ آدم کے عنوان میں بتایا جا چکا ھے آدم سے مراد خود آدمی (یا نوع انسان) ھے۔ لہذا ملائکہ کے آدم کے سامنے جھکنے سے مراد یہ ھے کہ یہ قوتیں وہ ھیں جنھیں انسان مسخر کر سکتا ھے۔ انھیں انسان کے سامنے جھکا ھؤا رھنا چاھئے۔ کائنات کی جو قوتیں ابھی تک ھمارے علم میں نہیں آئیں، انھیں چھوڑئیے۔ جو قوتیں ھمارے علم میں آچکی ھیں ان کے متعلق صحیح ایمان یہ ھوگا کہ ان سب کو انسان کے سامنے جھکنا چاھئے۔ اب ظاھر ھے کہ جس قوم کے سامنے کائناتی قوتیں نہیں جھکتیں وہ قوم (قرآن کی رو سے) صف آدمیت میں شمار ھونے کے بھی قابل نہیں، چہ جائیکہ اسے جماعت مومنین کہاجائے۔ (کیونکہ مومن کا مقام، عام آدمیوں کے مقام سے کہیں اونچا ھے)۔

اب آپ سوچئے کہ جس قوم کے ایمان میں یہ چیز داخل تھی کہ کائناتی قوتوں کو آدمی کے سامنے جھکنا چاھئے، وہ قوم اگر ان قوتوں کے سامنے جھک

ہوئی ہو (ان قوتوں کے سامنے ہی نہیں بلکہ ان قوموں کے سامنے جنہوں نے ان قوتوں کو اپنے سامنے جھکایا ہوا ہے) تو اس قوم کی پستی کی کوئی انتہا ہو سکتی ہے؟ یاد رکھئے۔ ''مقام آدم،، یہ ہے کہ کائنات کی تمام قوتیں اس کے سامنے سجدہ ریز ہوں۔ اور مقام مومن یہ ہے کہ ان تمام قوتوں کو مسخر کرکے ان کے ماحصل کو قوانین خداوندی کے مطابق نوع انسان کی فلاح وبہبود کے لئے صرف کیا جائے۔ بادنیٰ تدبر یہ حقیقت ابھر کر سامنے آسکتی ہے کہ ہمیں مقام مومن تو کجا، مقام آدم بھی نصیب نہیں۔

ا ل ل

اَلْاِلُّ۔ ہر اُس چیز کو کہتے ہیں جس کا کچھ احترام ہو اور اسکا کچھ حق ہوتا ہو۔ یعنی وہ چیز واجب الاحترام ہو اور اس کا حق ادا کیا جانا ضروری ہو۔ جیسے قرابت داری۔ رحم۔ پڑوس۔ عہد۔* ہر وہ کھلی ہوئی بات جسکا انکار نہ کیا جا سکتا ہو۔** اس لفظ کے اصلی معنے چمکنے کے ہیں۔* ابن فارس نے کہا ہے کہ اس کے بنیادی معنی حرکت کے ساتھ چمک کے ہیں۔ اور آواز کے۔ نیز اُس ذریعہ یا سبب کے جس کی حفاظت کی جائے۔ اَلْاِلُّ معاشرہ کی ایسی باتوں کو کہا جائے گا جو بالکل واضح۔ صاف۔ نکھری اور کھلی ہوئی ہوں۔ جن کے ثابت کرنے کیلئے کسی دلیل یا سند کی ضرورت نہ ہو۔ جو سب کے نزدیک مسلم اور قابل احترام ہوں۔ پڑوسی یا قرابت دار کے ساتھ حسن سلوک، یہہ ہر معاشرہ کی ایک تسلیم شدہ حقیقت ہے جسکے ثابت کرنے کے لئے کسی دلیل کی ضرورت نہیں ہوتی۔ قرآن کریم میں مخالفین (قریش) کے متعلق ہے لَا یَرْقُبُوا فِیْكُمْ اِلًّا وَّلَا ذِمَّةً (۹/۸) ''یہ اپنی مخالفت میں اس حد تک بڑھ چکے ہیں کہ معاشرہ کے وہ مسلم اصول جن کا ہر شخص خیال رکھتا ہے، تمہارے معاملہ میں یہ ان تک کا بھی خیال نہیں کرتے۔ نہ ہی کسی حق اور حرمت کا پاس کرتے ہیں،،۔ اُن لوگوں کی یہی روش تھی جس کیطرف اشارہ کرتے ہوئے نبی اکرمؐ نے ان سے کہا تھا کہ لَا اَسْئَلُكُمْ عَلَیْهِ اَجْرًا اِلَّا الْمَوَدَّةَ فِی الْقُرْبٰی (۴۲/۲۳)۔ میں تم سے اپنی پیغام رسانی کا کوئی اجر نہیں مانگتا لیکن تم میری مخالفت میں اس حد تک تو نہ بڑھ جاؤ کہ جو عام رشتہ داروں کے حقوق ہوتے ہیں انہیں بھی نظر انداز کر دو! واضح رہے کہ نبی اکرمؐ اس چیز کو بھی بطور اجر رسالت نہیں مانگتے۔ (اجر مانگنے سے تو تمام انبیاء انکار کرتے رہے ہیں) بلکہ ان کی توجہ عام معاشرتی حقوق و واجبات کیطرف دلاتے ہیں۔

* تاج ** راغب

اس کے یہ معنی بھی ہو سکتے ہیں کہ اگر تم باہم (ایک دوسرے سے) صلہ رحمی اور رشتہ داری کے حقوق کا لحاظ رکھو گے تو یہی چیز میری رسالت کا اجر ہوجائے گی۔ اس لئے کہ دوسری جگہ ہے۔ مَا سَاَلْتُكُمْ مِنْ اَجْرٍ فَهُوَ لَكُمْ (۳۴/۴۷)۔ ''میں جو اجر تم سے مانگتا ہوں وہ خود تمہاری ہی بھلائی کے لئے ہے''۔

(مزید تفصیل کے لئے دیکھئے عنوان ق۔ ر۔ ب اور حرف اِلاَّ)

اَلاَّ۔ [حرف]

اَلاَّ۔ (اَنْ۔ لاَ)۔ قرآن کریم میں ہے۔ اَلاَّ تَعْلُوا عَلَیَّ (۲۷/۳۱) (بات یہ ہے) کہ تم میرے خلاف سرکشی نہ کرو۔ کبھی اسکے پہلے۔ لِ۔ آجاتا ہے جس کے معنی ہوتے ہیں تاکہ۔ مثلاً۔ لِئَلاَّ يَكُوْنَ لِلنَّاسِ عَلَيْكُمْ حُجَّةٌ (۲/۱۵۰)۔ تاکہ لوگوں کے پاس تمہارے خلاف کوئی دلیل و حجت نہ رہے۔

اِلاَّ [حرف]

اِلاَّ۔ اس کے معنی عام طور پر بجز۔ علاوہ۔ سوا۔ مگر۔ لیکن۔ کے آتے ہیں۔ ذیل کی مثالوں سے مفہوم واضح ہوجائیگا۔

(۱) قَامَ الْقَوْمُ اِلاَّ زَيْداً۔ زید کے علاوہ اور سب لوگ کھڑے ہو گئے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ زید بھی قوم (لوگوں) کے اندر شامل تھا لیکن وہ کھڑا نہیں ہوا۔ قرآن کریم میں ہے۔ فَشَرِبُوا مِنْهُ اِلاَّ قَلِيْلاً مِنْهُمْ (۲/۲۴۹) ان میں سے چند لوگوں کے سوا باقی سب نے پانی پی لیا۔ ایسے استثناء کو اصطلاح میں استثناء متصل کہتے ہیں۔

(۲) قَامَ الْقَوْمُ اِلاَّ حِمَاراً۔ تمام لوگ کھڑے ہو گئے لیکن گدھا نہیں کھڑا ہوا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ گدھا لوگوں میں شامل نہیں ہے۔ یعنی قَوْمٌ۔ ایک الگ شے ہے۔ اور حِمَارٌ۔ ایک الگ۔ یہ پہلی مثال (نمبر ۱) کے بالکل خلاف ہے۔ قرآن کریم میں ہے اِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰئِكَةِ اسْجُدُوا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوا اِلاَّ اِبْلِيْسَ (۲/۳۴)۔ جب ہم نے ملائکہ سے کہا کہ آدم کو سجدہ کرو تو ان سب نے سجدہ کر دیا لیکن ابلیس نے سجدہ نہ کیا۔ یعنی ابلیس ملائکہ

سے الگ جنس تھا ۔ وہ ملائکہ میں شامل نہیں تھا ۔ اس آیت کے یہ معنی نہیں کہ باقی ملائکہ نے تو سجدہ کر دیا مگر ابلیس نے سجدہ نہ کیا ۔ (ابلیس کو سجدہ کا حکم دینا قرآن کے دوسرے مقام سے ثابت ہے ۔ دیکھئے ۷/۱۲) ۔ اس قسم کے استثناء کو اصطلاح میں استثنائے منقطع کہتے ہیں ۔

اسی طرح قرآن کریم میں ہے ۔ قُلْ لَّآ اَسْئَلُکُمْ عَلَیْہِ اَجْرًا اِلَّا الْمَوَدَّۃَ فِی الْقُرْبٰی (۴۲/۲۳)۔ ان سے کہو کہ میں اس تبلیغ کے بدلے تم سے قطعاً کوئی اجر نہیں مانگتا ۔ میں تو صرف اتنا چاہتا ہوں کہ تم میرے ساتھ (یا باہمدگر، ایک دوسرے کے ساتھ) رشتہ داری کے تعلقات کا لحاظ کرو ۔ یعنی یہ چیز بھی بطور اجر کے نہیں مانگتا ۔ (اردو میں اس کا ترجمہ ...... ہاں البتہ ...... کیا جائے تو مفہوم واضح ہو جائیگا ۔ (مزید تفصیل کے لئے دیکھئے عنوان (ا ۔ ل ۔ ل) اور (ق ۔ ر ۔ ب)۔

اسی طرح سورۃ یونس میں ہے ۔ فَلَوْ لَا کَانَتْ قَرْیَۃٌ اٰمَنَتْ فَنَفَعَهَآ اِیْمَانُهَآ اِلَّا قَوْمَ یُوْنُسَ (۱۰/۹۸) ۔ "تو کیوں کوئی بستی ایسی نہ ہوئی (یعنی کوئی بستی ایسی نہ تھی) کہ وہ (عذاب دیکھنے کے بعد) ایمان لاتی تو اس کا ایمان اسے نفع دیتا ۔ ہاں البتہ یونس کی قوم ایسی تھی" ۔

(۳) کبھی یہ واؤ ۔ (عاطفہ) کے معنی میں استعمال ہوتا ہے ۔ قرآن کریم میں ہے ۔ لَا یَخَافُ لَدَیَّ الْمُرْسَلُوْنَ ۔ اِلَّا مَنْ ظَلَمَ ثُمَّ بَدَّلَ حُسْنًا بَعْدَ سُوْٓءٍ ۔ (۲۷/۱۱) ہمارے حضور ہمارے رسول ڈرا نہیں کرتے ۔ اور نہ ہی (وَلَا) وہ لوگ ڈرا کرتے ہیں جو کبھی زیادتی کر بیٹھیں لیکن بعد میں اس برائی کو نیکی سے بدل لیں ۔

(۴) قرآن کریم میں ہے اِنْ کُلٌّ اِلَّا کَذَّبَ الرُّسُلَ (۳۸/۱۴) ان تمام نے رسولوں کی تکذیب کی ۔ ان میں سے کوئی قوم بھی ایسی نہ تھی جس نے تکذیب نہ کی ہو ۔ سب کے سب نے ایسا کیا ۔ یعنی اِنْ کُلٌّ اِلَّا کے معنے ہیں "سب کے سب" ۔

(۵) کبھی یہ "اگر نہیں" (اِنْ ۔ لَا) کے معنوں میں آتا ہے ۔ مثلاً اِلَّا تَنْصُرُوْہُ فَقَدْ نَصَرَہُ اللّٰہُ ...... (۹/۴۰) اگر تم نے اس کی مدد نہ بھی کی (تو بھی کیا ہے) یہ واقعہ ہے کہ اللہ نے اس کی مدد کی ۔

(۶) مفتی عبدہ، (اور ان کے شاگرد سید رشید رضا مرحوم) نے تفسیرالمنار (جلد نمبر ۱ صہ ۱۹۴ - ۳۱۴) میں لکھا ہے کہ قرآن کریم میں جب الاّ مشیتِ خداوندی کے ساتھ آئے تو اس کے معنی ہمیشہ بالکل نفی کے ہوتے ہیں - سَنُقْرِئُکَ فَلَا تَنْسٰٓی - اِلَّا مَاشَآءَ اللّٰہُ (۸۷/۶-۷) ہم تجھے (قرآن) پڑھائینگے تو تو اس میں سے کچھ نہیں بھولیگا - الا ما شاء اللہ - یعنی بالکل کچھ نہیں - یعنی خدا نے ایسا چاہا ہی نہیں - اس کی تائید - (۱۷/۸۶-۸۷) سے بھی ہوتی ہے جہاں کہا گیا کہ وَلَئِنْ شِئْنَا لَنَذْ هَبَنَّ بِالَّذِیْٓ اَوْحَیْنَآ اِلَیْکَ ......

"اگر ہم چاہتے تو جو کچھ ہم نے تیری طرف وحی کیا ہے اسے لے جاتے"، اس سے ظاہر ہے کہ یہ مشیتِ خداوندی میں تھا ہی نہیں کہ قرآن میں سے کچھ غیر محفوظ رہ جاتا -

المنار میں اس قسم کی اور مثالیں بھی دی گئی ہیں - مثلاً خَالِدِیْنَ فِیْهَا مَادَامَتِ السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ اِلَّا مَاشَآءَ رَبُّکَ - عَطَآءً غَیْرَ مَجْذُوْذٍ (۱۱/۱۰۷-۱۰۸) - اہل جہنم اس میں رہینگے جب تک آسمان اور زمین ہیں - اور اہل جنت اسی میں رہینگے - ان میں سے کوئی نکل کر دوسری طرف نہیں جا سکیگا - (مزید تشریح کے لئے دیکھئے عنوان (ن - س - ی) -

اَلَّذِی (اَلَّتِیْ)　(اسم موصول)

اَلَّذِیْ - جو، جس - هُوَ اللّٰہُ الَّذِیْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ (۵۹/۲۲) اللہ وہ ہے جس کے سوا کوئی الٰہ نہیں - اَللَّذَانِ - (مذکر - تثنیہ) یعنی دو (مذکر) کے لئے - اَلَّذِیْنَ (جمع - مذکر) اَلَّتِیْ - (واحد مونث) اَللَّاتِیْ و اَللَّائِیْ - (جمع مونث) -

یعنی :-

اَلَّذِیْ - وہ ایک (مذکر) جو

اَللَّذَانِ - وہ دو (مذکر) جو

اَلَّذِیْنَ - وہ (دو سے زیادہ مذکر) جو

اَلَّتِیْ - وہ ایک (مؤنث) جو

اَللَّتَانِ - وہ دو (مؤنث) جو

اَللَّاتِیْ - اَللَّائِیْ وہ (دو سے زیادہ مونث) جو

ال م

اَلَمٌ اور اَیْلَمَۃٌ - درد کو کہتے ہیں - اَلِیْمٌ کے معنے درد پہنچانے والا - یا درد ناک - اَلِیْمُ الْعَذَابِ اس تکلیف کو کہتے ہیں جو اپنی درد انگیزی میں انتہا تک پہنچی ہوئی ہو* صاحب محیط کے نزدیک زندگی کی ناخوشگواریوں کو اَلَمٌ کہتے ہیں - اس کے مقابل لَذَّۃٌ ہے** -

اُلُوْمَۃٌ کے معنے خِسّت اور کمینگی کے بھی آتے ہیں* -

قرآن کریم میں عَذَابٌ اَلِیْمٌ متعدد مقامات پر آیا ہے - اس کے معنے غلط اعمال انسانی کے درد انگیز عواقب ہیں - اس دنیا میں ذلت آمیز زندگی اور تباہی - اور آخرت میں رسوا کن عذاب - حضرت نوح[4] نے اپنی قوم سے کہا تھا کہ اگر تم نے قوانین خداوندی سے سرکشی برتی تو اِنِّیْ اَخَافُ عَلَیْکُمْ عَذَابَ یَوْمٍ اَلِیْمٍ (۱۱/۲۶) "تو میں تم پر ایک درد انگیز دن کے عذاب سے ڈرتا ہوں" - ان پر یہ عذاب سیلاب عظیم کی شکل میں آیا تھا جس سے وہ تباہ ہو گئے تھے - سورۃ بقرۃ میں منافقین کے متعلق کہا گیا ہے کہ وَلَہُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ (۲/۱۰) "ان کے لئے دردناک عذاب ہے" -

ال ہ

اَلِہَ اَلَہًا یَاْلَہُ کے معنے ہیں گھبرا کر اس کی پناہ ڈھونڈنا - نیز اَلِہَ کے معنے ہیں متحیر ہونا - اور اَلَہَ - یَاْلُہُ - کے معنی ہیں کسی کو پناہ دینا - امان میں لینا - چنانچہ اَلِہَ بِالْمَکَانِ کے معنے ہیں امن و سکون سے کسی مکان میں سکونت اختیار کر لینا* - ان معانی کے اعتبار سے اِلٰہٌ کے معنے ہونگے ایسی ہستی جس سے خطرات میں پناہ حاصل کی جائے - جس سے مشکلات دور کرنے کی استدعا کی جائے اور جس کی عظمت و بلندی کے تصور سے انسان متحیر ہو جائے -

بعض کا یہ بھی خیال ہے کہ یہ لفظ لَاہَ یَلِیْہُ سے مشتق ہے جسکے معنے بلند مرتبہ ہونا اور نگاہوں سے پوشیدہ ہونا ہیں* -

بعض کہتے ہیں کہ اَلَہَ کے معنے ہیں وہ شخص غلام بن گیا اور اَلَّہَہُ کے معنی ہیں اس نے اسے غلام بنا لیا - اس سے تَاْلِیْہٌ کے معنے تَعْبِیْدٌ (غلام بنانا) آتے ہیں - اور اِلٰہٌ اسی سے ہے جو در اصل بمعنی مفعول

* تاج - ** محیط -

مَالُوْہٌ ہے** - (جیسے کِتَابٌ بمعنی مَکْتُوْبٌ ہے) - اس اعتبار سے اِلٰہٌ کے معنے ایسی ہستی ہونگے جس کا غلبہ و اقتدار قبول کیا جائے - جس کے قانون کی اطاعت کی جائے - جس کے حکم کا اتباع کیا جائے - ابن فارس نے اس کے بنیادی معنی تَعَبُّدٌ کے لکھے ہیں - یعنی کسی کی محکومیت اختیار کرنا - چنانچہ جب فرعون نے حضرت موسیٰؑ سے کہا تھا کہ لَئِنِ اتَّخَذْتَ اِلٰهًا غَيْرِيْ لَاَجْعَلَنَّكَ مِنَ الْمَسْجُوْنِيْنَ (۲۶/۲۹) (اگر تو نے میرے سوا کسی کو اِلٰہ تسلیم کیا تو میں تجھے قید کر دونگا) تو وہاں اِلٰہٌ کے معنے صاحب اقتدار ہی کے ہیں - اسی طرح جہاں کہا گیا ہے اَرَاَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰهَهٗ هَوٰىهُ (۲۵/۴۳) " کیا تو نے اس شخص کی حالت پر بھی غور کیا جس نے اپنے جذبات ہی کو اپنا اِلٰہ بنا لیا "- تو اس کے معنی بھی یہی ہیں کہ وہ اپنے جذبات ہی کے پیچھے پیچھے چلتا ہے - انہی کا اقتدار تسلیم کرتا ہے - وہ اپنے جذبات کا بندہ بن چکا ہے - اسی طرح جہاں اللہ تعالیٰ کیلئے ہے - وَهُوَ الَّذِيْ فِي السَّمَاءِ اِلٰهٌ وَفِي الْاَرْضِ اِلٰهٌ (۴۳/۸۴) - " وہی ہے جو کائنات کی بلندیوں میں بھی اِلٰہ ہے اور پستیوں میں بھی "- (یا جو کائناتی اور معاشی دنیا میں اِلٰہ ہے) - تو اس کے معنے بھی صاحب اقتدار کے ہیں - یعنی کائنات میں بھی اقتدار و اختیار اسی کا ہے اور انسان کی معاشی اور معاشرتی دنیا میں بھی اسی کا -

چونکہ تو ہم پرستی کے زمانہ میں لوگ چاند سورج وغیرہ کو بھی بڑی بڑی قوتوں کا مالک مان کر ان کی پرستش کرتے تھے اس لئے اَلاَهَةٌ کے معنی چاند ہیں اور اَلْاِلٰهَةُ کے معنی سورج - اسی نہج سے ہر معبود کو اِلٰہٌ کہتے ہیں - حتیٰ کہ بتوں کو بھی جن کی پرستش کی جاتی ہے (۷/۱۳۸) -

ایک خیال یہ ہے کہ اَللّٰہُ جامد لفظ ہے (کسی دوسرے لفظ سے نکلا نہیں) لیکن دوسرا خیال یہ ہے کہ اصل میں یہ لفظ اَلْاِلٰہُ تھا (اَلْ + اِلٰہٌ) - کثرت استعمال سے اِلٰہٌ کا ہمزہ گر گیا اور پہلا لام دوسرے لام میں مدغم ہو گیا - اس طرح یہ لفظ " اَللّٰہُ " بن گیا* -

قرآن کریم میں " اَللّٰہُ "، خدا کی ذات کیلئے استعمال ہوا ہے - باقی تمام اَسْمَاء (نام) اسکی صفات ہیں -

* تاج - ** لین -

لہذا، اَللّٰہُ، (قرآنی اِلٰہ) وہ بلند و بالا ہستی ہے جو انسانی نگاہوں سے پوشیدہ ہے۔ جسکی عظمتوں کے سامنے انسانی عقل و ادراک متحیر رہ جاتے ہیں۔ جسکا اقتدار تمام کائنات پر چھایا ہوا ہے۔ جسکی اطاعت نہایت ضروری ہے۔ لیکن ہم اسکی اطاعت اسکے اس قانون کی رو سے کر سکتے ہیں جو اسنے اپنی طرف سے (بذریعہ وحی) ہمیں دیا ہے (اور جو اب قرآن کریم میں محفوظ ہے) ۔ لہذا اَطِیْعُوا اللہَ کے معنے ہونگے خدا کے قانون کی اطاعت کرو۔ اسی طرح کائنات میں بھی جو کچھ ہوتا ہے سب اسی کے قانون کے ماتحت ہوتا ہے۔ لہذا قرآن کریم میں جہاں یہ آئیگا کہ ''اللہ یوں کرتا ہے،، تو اسکا مفہوم یہ ہوگا کہ اللہ کے قانون کے مطابق اسطرح ہوتا ہے۔ عالم امر میں بھی اسی کا قانون کارفرما ہے اور عالم خلق میں بھی یہ قوانین اسنے اپنی مشیت سے بنائے ہیں اور اسی کی قدرت (کنٹرول۔ قبضہ۔اختیار) سے یہ قوانین نافذ العمل اور کارفرما ہیں۔ یہی وہ سُنَّۃُ اللہ ہے جس میں تبدیلی نہیں ہوتی۔ (اسکی تفصیل ش۔ی۔ء کے عنوان میں دیکھئے)

تمام قرآن،اللہ تعالیٰ کی صفات، اس کے قوانین، احکام، حکمت بالغہ، ہدایات کا مجموعہ ہے۔ اسکی ساری تعلیم کا نقطہ ماسکہ اللہ کی وحدانیت ہے۔ یعنی اس حقیقت کا اعلان و ایمان کہ کائنات میں اقتدار و اختیار صرف اسی کا ہے۔ اس کے سوا کسی کا نہیں۔

جہانتک اللہ تعالیٰ کی ذات کا تعلق ہے، ہم اس کی ماہیت اور کیفیت کے متعلق کچھ نہیں جان سکتے۔ محدود (Finite) کسی لا محدود (Infinite) کا ادراک نہیں کر سکتا۔ البتہ قرآن کریم نے اللہ تعالیٰ کی جن صفات (الاسماء الحسنیٰ) کا ذکر کیا ہے ہم ان سے خدا کے متعلق (اپنی حدود ذہنی کے اندر رہتے ہوئے) اندازہ کر سکتے ہیں۔ اللہ پر وہی ایمان قرآن کریم کی رو سے صحیح ایمان ہے جو قرآن میں بیان کردہ صفات کے مطابق ہو۔اس لئے دنیا میں جو لوگ اپنے اپنے طور پر خدا کو مانتے ہیں انہیں قرآن کی رو سے ''اللہ پر ایمان رکھنے والے،، نہیں کہا جا سکتا۔ یہ بڑی اہم حقیقت ہے جسے اچھی طرح سمجھ لینا ضروری ہے۔ ''خدا پرستی اور نیک عملی،، وہی درست ہے جو قرآنی تعلیم کے مطابق ہو۔ نہ وہ جو مختلف افراد۔ قوم یا مذہب کے اپنے اپنے تصور کے مطابق ہو۔

ال و (ال ی)

اَلَا۔ یَاْلُوْ۔ اُلُوًّا و اُلِیًّا۔ کوتاہی کرنا۔ تاخیر کرنا۔ سستی کرنا۔ باز رہنا۔ لَا یَاْلُوْنَکُمْ خَبَالًا (۳/۱۱۷)۔ ''یہ لوگ تمہاری تخریب میں بالکل کوتاہی نہیں کرینگے،،۔ اَلْاَلِیَّۃُ۔ قَسَم۔ اِیْلَاءٌ۔ باز رہنے کی

قسم - عورت کے پاس نہ جانے کی قسم * - لِلَّذِيْنَ يُؤْلُوْنَ مِنْ نِسَاءِ هِمْ (۲/۲۲۶) - " جو لوگ اپنی بیویوں سے باز رہنے کی قسم کھا لیتے ہیں "- سورۃ نور میں ہے وَلَا يَأْتَلِ .... (۲۴/۲۲) - دوسروں کی مدد کرنے سے باز رہنے کی قسم نہ کھائیں - ان مقامات سے ظاہر ہے کہ یہ قسم اس قسم کی ہے جس سے دوسرے کو نقصان پہنچے - راغب نے اسکی یہی خصوصیت بتائی ہے -

ما اَلَوْتُهُ - میں اس کی وسعت اور طاقت نہیں رکھتا - ابن الاعرابی نے کہا ہے کہ اَلْوٌ اضداد میں سے ہے - یعنے اس کے معنے کوتاہی کرنے کے بھی ہیں اور قدرت اور طاقت رکھنے کے بھی - روکنے کے بھی اور عطا کرنے کے بھی ** - اس لئے اٰلَاءٌ (جو اَلْوٌ کی جمع ہے) کے معنی قدرت اور طاقت کے بھی ہیں * اور عطیہ اور نعمت کے بھی - قرآن کریم میں جہاں آتا ہے فَبِاَيِّ اٰلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَانِ (۵۵/۱۳) تو وہاں اس کے معنے یہ بھی ہیں کہ تم اپنے نشو نما دینے والے کی کس کس قدرت اور طاقت کو جھٹلاؤ گے - اور یہ بھی کہ تم اس کی کس کس نعمت اور عطیہ کو جھٹلاؤ گے-
ہر مقام پر معنی سیاق و سباق کی رُو سے کئے جائینگے -

نوٹ — اٰلَاءٌ کا واحد اَلْوٌ تاج العروس کے علاوہ اور کہیں نہیں ملا - دیگر کتب لغت و تفاسیر میں اس کا واحد اِلًی - اَلًی اور اِلْیٌ آیا ہے - البتہ اس کے معنی نعمت اور قدرت دونوں آئے ہیں -

اِلٰی (حرف)

اِلیٰ - تک - کی طرف - یہ زمان (وقت) کے لئے بھی آتا ہے - اور مکان (جگہ) کے لئے بھی- جیسے ثُمَّ اَتِمُّوا الصِّيَامَ اِلَى اللَّيْلِ (۲/۱۸۷) پھر تم رات تک روزہ پورا کرو - اور مِنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلَى الْمَسْجِدِ الْاَقْصَا (۱۷/۱) مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک -

اس مقام پر ایک بات قابل غور ہے - ثُمَّ اَتِمُّوا الصِّيَامَ اِلَى اللَّيْلِ میں اِلَى اللَّيْلِ کے معنی ہیں آغاز شب تک- یعنی جب دن ختم ہو کر رات شروع ہو جائے - اس میں لَيْل (رات) شامل نہیں - یعنی یہ مراد نہیں کہ ختم شب تک روزہ رکھو- لیکن وضو کے احکام میں ہے فَاغْسِلُوْا وُجُوْهَكُمْ وَاَيْدِيَكُمْ اِلَى الْمَرَافِقِ (۵/۶) - اپنے چہروں اور کہنیوں تک ہاتھ دھو لیا کرو- اس میں (اِلَى الْمَرَافِقِ) سے مراد ہے کہنیوں سمیت - یعنی اَلْمَرَافِق اس کے اندر داخل ہیں - لہذا اِلیٰ (بمعنی تک) کے استعمال کا یہ فرق ملحوظ رکھنا چاہئے-

* تاج و محیط - ** محیط -

(۲) مَعَ - (ساتھ) کے معنوں میں بھی آتا ہے - جیسے وَلاَ تَاْكُلُوْا اَمْوَالَهُمْ اِلیٰ اَمْوَالِکُمْ (۲/۴) - اور ان کا مال اپنے مال کے ساتھ ملا کر نہ کھا جاؤ -

(۳) ان معنوں میں بھی جن میں ہم اپنے ہاں کہتے ہیں - "میرے نزدیک" یا "میرے لئے" - جیسے رَبِّ السِّجْنُ اَحَبُّ اِلَیَّ (۱۲/۳۳) - اے میرے پروردگار! میرے نزدیک قید خانہ اس سے کہیں بہتر ہے (جس کی طرف یہ مجھے بلاتی ہیں) -

(۴) ان معنوں میں جن میں ہم کہتے ہیں "اس کے لئے" جیسے وَالْاَمْرُ اِلَیْكِ (۲۷/۳۳) اور معاملہ کا آخری فیصلہ تیرے لئے ہے - یعنی تجھے ہی آخری فیصلہ کرنا ہے -

(۵) بعض اوقات یہ عَلٰی کے معنوں میں بھی استعمال ہوتا ہے (جس کا مطلب ہوتا ہے کسی کے خلاف کوئی بات کرنا - جیسے وَقَضَیْنَا اِلیٰ بَنِیْ اِسْرَائِیْلَ (۱۷/۴) - اور ہم نے بنی اسرائیل کے خلاف یہ فیصلہ کر دیا تھا - لیکن اس آیت کے معنی یہ بھی ہو سکتے ہیں کہ ہم نے بنی اسرائیل کو اس کی خبر دے دی تھی - اس صورت میں اس جگہ اِلیٰ بمعنی عَلٰی نہیں ہوگا - بلکہ اس کے معنی "کی طرف" ہونگے - ان معنوں میں یہ حرف عام طور پر استعمال ہوتا ہے -

(۶) بعض اوقات یہ - فی (میں) کے معنوں میں بھی آتا ہے ، جیسے لَیَجْمَعَنَّکُمْ اِلیٰ یَوْمِ الْقِیٰمَةِ (۴/۸۷ ; ۶/۱۲) وہ تمہیں یوم القیامۃ میں اکٹھا کریگا -

(۷) بعض اوقات یہ مِنْ (سے) کے معنوں میں بھی استعمال ہوتا ہے - (لیکن قرآن کریم سے اس کی کوئی مثال ہمارے سامنے نہیں) -

الیاس علیہ السلام

قرآن کریم نے آپ کا تذکرہ بہ سلسلۂ انبیائے کرام کیا ہے (۶/۸۶) - اور خصوصیت سے کہا ہے کہ اِنَّ اِلْیَاسَ لَمِنَ الْمُرْسَلِیْنَ (۳۷/۱۲۳) "یقیناً الیاس[۴] رسولوں میں سے تھا" - اسی سورت میں آپ کو اِلْ یَاسِیْنَ بھی کہا گیا ہے (۳۷/۱۳۰) - اور یہ بتایا گیا ہے کہ جس قوم کیطرف آپ مبعوث ہوئے تھے وہ بَعْل[۵] کی پرستش کرتی تھی (۳۷/۱۲۵) - قیاس یہ ہے کہ آپ وہی پیغمبر ہیں جن کا نام تورات میں ایلیا نبی آیا ہے - بعض کا خیال ہے کہ حضرت ادریس[۴] کا

دوسرا نام الیاس ہے۔ لیکن (جیسا کہ عنوان ادریس میں کہا گیا ہے) اگر حضرت ادریس[ؑ]، حضرت نوح[ؑ] کے اجداد میں سے تھے تو آپ حضرت الیاس[ؑ] نہیں ہوسکتے۔ اسلئے کہ آیت ($\frac{6}{85}$) میں حضرت الیاس[ؑ] کو حضرت نوح[ؑ] (یا حضرت ابراہیم[ؑ]) کی ذریت میں سے بتایا گیا ہے۔ آپ غالباً انبیائے بنی اسرائیل میں سے تھے۔

اِلْ یَاسِیْن

حضرت الیاس[ؑ] کا دوسرا نام ہے۔ تفصیل کے لئے دیکھئے عنوان ''الیاس''۔ قرآن کریم میں آپ کا یہ نام ($\frac{37}{130}$) میں آیا ہے۔

اَلْیَسَعْ

یہ وہی نبی ہیں جنہیں تورات میں (Elisha) کہا گیا ہے۔ قرآن کریم نے زمرہ انبیائے کرام میں ان کا ذکر کرنے کے بعد ($\frac{6}{87}$) کہا ہے کہ ان سب کو کتاب دی گئی تھی ($\frac{6}{90}$)۔ نیز ان کا نام ($\frac{38}{49}$) میں آیا ہے۔ تفصیلی تعارف قرآن کریم نے نہیں کرایا۔

أَمْ - (حرف)۔

اَمْ - یا۔ حسب ذیل مثالوں سے اس کا مفہوم واضح ہو جائے گا۔

(۱) ءَاَنْتُمْ اَشَدُّ خَلْقًا اَمِ السَّمَآءُ ($\frac{79}{27}$) کیا پیدائش میں تم زیادہ سخت ہو یا آسمانی کُرے؟

(۲) سَوَآءٌ عَلَيْهِمْ ءَاَنْذَرْتَهُمْ اَمْ لَمْ تُنْذِرْهُمْ ($\frac{2}{6}$) ان کے لئے برابر ہے خواہ تم انہیں آگاہ کرو یا نہ کرو۔

(۳) قُلْ هَلْ يَسْتَوِى الْاَعْمٰى وَالْبَصِيْرُ۔ اَمْ هَلْ تَسْتَوِى الظُّلُمٰتُ وَالنُّوْرُ ($\frac{13}{16}$) ان سے پوچھو کہ کیا اندھا اور آنکھوں والا برابر ہوسکتے ہیں یا (بلکہ یہ کہ) کیا اندھیرا اور روشنی برابر ہوسکتے ہیں؟

(۴) بعض اوقات یہ زائد بھی ہوتا ہے۔ مثلاً اَمْ اَنَا خَيْرٌ مِّنْ هٰذَا الَّذِىْ .... ($\frac{43}{52}$) میں اس سے بہتر ہوں۔ لیکن اسکے معنی یہ بھی ہوسکتے ہیں۔ ''یا (کیا) میں اس سے بہتر نہیں ہوں''۔ اس صورت میں اَمْ زائد نہیں ہوگا۔

(٥) استفهام کے لئے۔ اَمْ حَسِبْتَ اَنَّ اَصْحَابَ الْکَهْفِ وَالرَّقِيْمِ۔ کَانُوْا مِنْ آيَاتِنَا عَجَبًا (۱۸/۹) "کیا تو جانتا ہے کہ غار اور کتبے والے ہماری عجیب نشانیوں میں سے تھے؟"

ا م ت

اَمَتَ - يَاْمِتُ - اَمْتًا - اندازہ کرنا - جانچنا - اَمَتَه، اَمْتًا - اسنے اسکا ارادہ کیا - اَلْاَمْتُ - چھوٹے چھوٹے ٹیلے - اونچ نیچ - بلندی اور پستی * ابن فارس نے کہا ہے کہ اسکے معنی ہیں ایسی چیز جس کی ایک جگہ پتلی ہو اور دوسری جگہ موٹی - ناھموار - قرآن کریم میں ہے لَا تَرٰى فِيْهَا عِوَجًا وَّ لَا اَمْتًا (۲۰/۱۰۷) - نہ اس میں ٹیڑھا پن ہے اور نہ اونچ نیچ - بمقابلہ قَاعًا صَفْصَفًا (۲۰/۱۰۶) "صاف ہموار میدان"۔ اختلاف کے معنوں میں بھی یہ لفظ استعمال ہوتا ہے اور شک و شبہ کے معنوں میں بھی - چنانچہ کہتے ہیں - اَلْخَمْرُ حَرُمَتْ لَا اَمْتَ فِيْهَا شراب حرام ہوگئی ہے اس میں کوئی شک و شبہ نہیں -

ا م د

اَمَدٌ - کے معنے مدّت کے ہیں - راغب نے کہا ہے کہ اَمَدٌ اور اَبَدٌ دونوں قریب المعنی ہیں فرق یہ ہے کہ اَبَدٌ لا محدود زمانہ کے لئے بولا جاتا ہے اور اَمَدٌ کے لئے بہر حال ایک آخری حد ہوتی ہے - زَمَانٌ اور اَمَدٌ میں فرق یہ ہے کہ زمان کسی مدت کے شروع اور آخر دونوں کے لئے بولا جاتا ہے لیکن اَمَدٌ کسی مدت کی آخری حد اور نہایت کے لئے بولا جاتا ہے -*

اَلْاَمَدُ - منتہائے عمر کو کہتے ہیں - قرآن کریم میں ہے - تَوَدُّ لَوْ اَنَّ بَيْنَهَا وَبَيْنَهٗ اَمَدًا بَعِيْدًا (۳/۲۹) - "وہ چاہیگا کہ اس کے اور اس (یوم جزا) کے درمیان لمبا فاصلہ یا مدتِ دراز ہوتی"- صاحب محیط نے لکھا ہے کہ اس میں اَمَدٌ کے معنے مسافت کے ہیں - (۷۲/۲۵) میں یہ لفظ قَرِيْبٌ کے مقابل میں آیا ہے جہاں کہا گیا ہے قُلْ اِنْ اَدْرِيْ اَقَرِيْبٌ مَّا تُوْعَدُوْنَ اَمْ يَجْعَلُ لَهٗ رَبِّيْٓ اَمَدًا - "ان سے کہو کہ میں نہیں جانتا کہ جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا ہے وہ قریب ہے یا میرا رب اس کی مدت لمبی کر دیگا"- لہذا اس کے معنی مدتِ مدید یا لمبی مدت کے ہوئے - ابن فارس نے کہا ہے کہ اس کے بنیادی معنی غایت اور انتہا کے ہوتے ہیں -

* تاج - راغب - محیط -

ا م ر

اَلْاَمَرَةُ وَالتَّامُوْر - چھوٹے پتھروں سے بنایا ہوا نشان جو صحراء میں بنا دیا جاتا ہے تاکہ اس سے علاقہ کے حدود یا راستہ کا پتہ لگ سکے، ابن فارس نے بھی اس کے بنیادی معانی میں " نشان ،، کو شامل کیا ہے - لہذا اس کے بنیادی معنے ہیں علامت - نشان - راہ نمائی - یہیں سے اس کے معنے مشورہ کرنے کے آتے ہیں - اَلْاِئْتِمَارُ کے معنے ہیں مشورہ کرنا* - چنانچہ سورۃ اعراف میں ہے کہ فرعون نے اپنے سرداروں سے حضرت موسیٰ[4] کے معاملہ کے متعلق گفتگو کی اور ان سے کہا کہ فَمَاذَا تَأْمُرُوْنَ ($\frac{7}{110}$; $\frac{26}{35}$) " سو تم کیا مشورہ دیتے ہو (نیز دیکھئے $\frac{65}{6}$) - اسی طرح سورۃ قصص میں ہے کہ شہر کے دوسری طرف سے ایک آدمی دوڑتا ہوا آیا اور حضرت موسیٰ[4] سے کہا کہ اِنَّ الْمَلَاَ یَاْتَمِرُوْنَ بِکَ لِیَقْتُلُوْکَ ($\frac{28}{20}$) " سرداران قوم تیرے بارے میں باہمی مشورے کر رہے ہیں کہ تجھے قتل کر دیا جائے ،، لیکن تاج العروس میں ہے کہ یہاں اس کے معنی عزم اور ارادہ کر لینے کے ہیں - مُؤْتَمَرٌ اسی سے اسم ظرف بصیغہ اسم مفعول ہے - مشورہ گاہ - آجکل یہ لفظ کانفرنس کے مفہوم میں استعمال ہوتا ہے - اَمِیْرٌ - اُس شخص کو کہتے ہیں جس سے مشورہ لیا جائے - نیز اندھے کی راہ نمائی کرنے والے کو بھی کہتے ہیں* -

اَمَرٌ کے معنی ہیں کسی چیز کا بہت زیادہ ہو جانا* - اَمِرَ الرَّجُلُ کے معنی ہیں اس شخص کے جانور بکثرت ہو گئے - اَلْاَمِرُ - برکت والا آدمی - ان معانی کے اعتبار سے ، فراء نے کہا ہے کہ سورۃ بنی اسرائیل میں جہاں آیا ہے اَمَرْنَا مُتْرَفِیْھَا ($\frac{17}{16}$) تو اس کے معنے ہیں " ہم مترفین کو کثرت سے مال و دولت دے دیتے ہیں* ،، -

اَمْرٌ کے معنی حکم کے بھی ہیں اور حالت - معاملہ - کام یا بات کے بھی - (ابن فارس) - جب اس کے معنے حکم کے ہوں تو اس کی جمع اَوَامِرُ آتی ہے (اوامر و نواہی - جہاں امر ، نہی کی ضد ہے) اور جب اس کے معنے معاملہ - حادثہ - یا واقعہ یا حالت کے ہوں تو اس کی جمع اُمُوْر آتی ہے - لیکن قرآن کریم میں اَوَامِر کا لفظ نہیں آیا -

* تاج -

ان معنوں کی رو سے اَلْاَمِیْرُ حاکم کو کہتے ہیں - اِنَّ اللّٰہَ یَاْمُرُکُمْ (۲/۶۷) کے معنی ہیں اللہ تمہیں حکم دیتا ہے - عَلٰی اَمْرٍ جَامِعٍ (۲۴/۶۲) کے معنی ہیں اجتماعی معاملہ - اَلْاِمْرَۃُ کے معنے ہیں حکومت* - اِمَارَۃٌ کے بھی یہی معنی ہیں* - اَمْرٌ عَظِیْمٌ کے معنے ہیں حادثۂ عظیم* - اَوْ یَاْتِیَ اَمْرُ رَبِّکَ (۱۶/۳۳) کے معنے ہیں فیصلہ کن مرحلہ - اِمْرًا - سخت نا پسندیدہ بات (۱۸/۷۱) - اَلْاَمَّارَۃُ کے معنی ہیں بہت حکم دینے والا - برانگیختہ کرنیوالا (۱۲/۵۳) - رائے، مرضی اور خواہش کے لئے بھی یہ لفظ آیا ہے - وَمَا فَعَلْتُہٗ عَنْ اَمْرِیْ (۱۸/۸۲) - ''میں نے اسے اپنی مرضی سے نہیں کیا'' -

قرآن کریم میں خَلْقٌ کے مقابلہ میں اَمْرٌ کا لفظ آیا ہے (۷/۵۴) - اور اس کا ایک خاص مفہوم ہے جس کے سمجھنے کے لئے اس لفظ کے بنیادی معانی کو سامنے رکھنا ضروری ہے - یعنی علامت - اشارہ - راہ نمائی - نیز ابن فارس نے کہا ہے کہ اس کے بنیادی معنی نشو و نما کے بھی ہیں - اور (جیسا کہ عنوان - خ - ل - ق - میں لکھا گیا ہے) خَلْقٌ کے معنی ہیں مختلف عناصر میں نئی نئی تراکیب سے نئی نئی چیزوں کو پیدا کرنا - خَلْقٌ پیدائش کا یہ وہ مرحلہ ہے جب اشیاء بالعموم اپنی محسوس شکل میں ہمارے سامنے آ جاتی ہیں - لیکن ظاہر ہے کہ ان اشیاء کے اس طرح وجود میں آنے سے پہلے بھی ایک مرحلہ ہوتا ہے جب یہ ہنوز تدبیری حالت (In the Process of Becoming) میں ہوتی ہیں - ''یہ تدبیری مرحلہ'' عَالَمِ امر سے متعلق ہے - اس کے علاوہ ایک اور بات بھی قابل غور ہے - کائنات میں ایک تو اشیائے کائنات ہیں (مثلاً سورج - چاند - ستارے - زمین - درخت وغیرہ) اور دوسرے وہ قانون ہے جس کے مطابق یہ تمام اشیائے کائنات ایک نظم و ضبط کے ساتھ سرگرم عمل ہیں - اس قانون کو بھی اَمْرٌ کہتے ہیں (اس کا تفصیلی تعارف مشیت کے ضمن میں عنوان - ش - ی - ا - کے ماتحت ملیگا) -

اشیا کی ''تدبیری حالت'' کے متعلق قرآن کریم میں ہے اِذَا قَضٰی اَمْرًا فَاِنَّمَا یَقُوْلُ لَہٗ کُنْ فَیَکُوْنُ (۲/۱۱۷) ''جب وہ ایک تدبیر (امر) کا فیصلہ کر لیتا ہے تو اس امر سے کہتا ہے کہ ہو جا تو وہ ہو جاتا ہے'' - یہ امر کیا ہوتا ہے اور وہ کسطرح متشکل ہوتا ہے اسکے متعلق ہم کچھ نہیں جان سکتے - ہمارا

* تاج و محیط - ** محیط -

علم محسوسات کی دنیا تک محدود ہے اور یہ امور' عالم محسوسات سے آگے کی باتیں ہیں - مشہور مفکر (Pringle Pattison) کہتا ہے کہ یہ انگریزی زبان کی کوتاہ دامنی ہے جس میں تخلیق کے لئے صرف ایک لفظ (Creation) ہے - حالانکہ محسوس کائنات کی تخلیق اور غیر مرئی وغیر محسوس کی تخلیق میں جو اہم فرق ہے اس کے اظہار کے لئے ضروری تھا کہ دو الگ الگ الفاظ ہوتے*
قرآن نے اس کے لئے خلق اور امر الگ الگ الفاظ استعمال کئے ہیں -

امر کا دوسرا حصہ ' جس سے مفہوم وہ قانون خداوندی ہے جو کائنات کے رگ و پے میں کارفرما ہے ' ہمارے سامنے ہے اور اسکے متعلق ہم علم حاصل کر سکتے ہیں - لیکن وہ بھی صرف اس حد تک کہ فلاں چیز کس قانون کے مطابق سر گرم عمل ہے - وہ قانون ایسا کیوں ہے ؟ اسکے متعلق ہم کچھ نہیں کہہ سکتے - مثلاً ہم جانتے ہیں کہ پانی نشیب کی طرف بہتا ہے - یہ اسکا قانون ہے - لیکن پانی کو کیوں ایسا بنایا گیا ہے کہ وہ نشیب کی طرف بہے ؟ اسکے متعلق ہم کچھ نہیں کہہ سکتے - اَمْرٌ (یعنے قانون کائنات) کی شہادتوں سے سارا قرآن بھرا ہوا ہے - وَالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ وَالنُّجُوْمَ مُسَخَّرَاتٍ بِاَمْرِہٖ (۷/۵۴) سورج - چاند - ستارے - خدا کے امر (قانون) کی زنجیر سے جکڑے ہوئے ہیں - وَالْفُلْکَ تَجْرِیْ فِی الْبَحْرِ بِاَمْرِہٖ (۲۲/۶۵) کشتی سمندر میں اس کے امر (قانون) کے مطابق چلتی ہے - آیت (۴۳/۱۲) میں اِذْنٌ اور اَمْرٌ مرادف معنوں میں استعمال ہوئے ہیں - (اذن کے معنے بھی قانون خداوندی ہیں - دیکھئے عنوان اذ ن)

قرآن یہ بھی کہتا ہے کہ جسطرح طبیعی کائنات (Physical World) میں تمام اشیاء ایک خاص قانون کے تحت سر گرم عمل رہتی ہیں اور ہر نتیجہ اس قانون کے مطابق مرتب ہوتا ہے ' اسی طرح انسانوں کی تمدنی دنیا میں بھی (اقوام کا) عروج و زوال اور زندگی اور ہلاکت ایک خاص قانون کے مطابق واقع ہوتے ہیں - یہ مکافات عمل کا قانون ہے اور اسے بھی اَمْرٌ ہی کہا گیا ہے - لِیَقْضِیَ اللّٰہُ اَمْرًا کَانَ مَفْعُوْلًا ، لِیَهْلِکَ مَنْ هَلَکَ عَنْ بَیِّنَةٍ وَیَحْیٰی مَنْ حَیَّ عَنْ بَیِّنَةٍ (۸/۴۲) - "(یہ سب اسلئے ہے کہ) خدا کا امر پورا ہو کر رہے - یعنی جسے ہلاک ہونا ہے وہ بھی دلیل و برھان کی رو سے ہلاک ہو اور جسے زندہ رہنا ہے" وہ بھی دلیل و برھان کے مطابق زندہ رہے" یہ اَمْرٌ (قانون مکافات عمل) وہ ہے جس کی نتیجہ خیزی میں کسی انسان کو

* خطبات اقبال Reconstruction of Religious Thoughts in Islam. p. 97.

کوئی دخل نہیں ہوتا۔ کوئی انسان اس میں کسی قسم کا ردوبدل نہیں کر سکتا۔ حتی کہ رسول بھی نہیں۔ لَيْسَ لَكَ مِنَ الْأَمْرِ شَيْءٌ (۱۲۷/۳) ''اے رسول تجھے اس قانون میں کوئی دخل نہیں''۔ یہ امر (قانون) جس کا تعلق انسانی اعمال سے ہے وحی کے ذریعے (رسولوں) کو ملتا ہے اور انکی وساطت سے دوسرے انسانوں کو۔ وَآتَيْنٰهُمْ بَيِّنٰتٍ مِّنَ الْأَمْرِ (۱۷/۴۵) اور ''ہم نے انہیں امر کی واضح باتیں دیں''۔ یا، ذٰلِكَ أَمْرُ اللّٰهِ أَنْزَلَهُ إِلَيْكُمْ (۵/۶۵)۔ ''یہ خدا کا امر (قانون) ہے جسے اس نے تمہاری طرف نازل کیا ہے''۔

لہذا خدا کے امر کے تین گوشے ہیں۔ ایک وہ جہاں ہر قانون متعین ہوتا ہے اور ہر تدبیر بنائی جاتی ہے۔ اس گوشے کی حقیقت و کیفیت کے متعلق ہمیں کچھ معلوم نہیں ہو سکتا۔ دوسرا گوشہ وہ ہے جہاں خدا کا امر، قانونِ کائنات کی شکل میں کارفرما ہے۔ یہ قانون ہر شے کے اندر رکھ دیا گیا ہے۔ اس کا علم تجربہ، عقل، بصیرت اور مشاہدات کی رو سے حاصل کیا جا سکتا ہے۔ اور تیسرا گوشہ وہ ہے جہاں خدا کا قانون انسانوں کی دنیا سے متعلق ہے۔ یہ قانون وحی کی رو سے رسولوں کو ملتا ہے اور رسولوں کی وساطت سے دوسرے انسانوں کو۔ یہ قانون قرآن کریم کے اندر محفوظ ہے جس کے مطابق قوموں کی موت اور زندگی کے فیصلے ہوتے ہیں اور ہر انسان، زندگی کے ارتقائی مراحل طے کرنے کے قابل ہو سکتا ہے۔ گوشۂ اول میں خدا اپنے ارادے اور مشیت کے مطابق جسطرح کا قانون چاہتا ہے مرتب کرتا ہے۔ گوشۂ دوم میں خدا اپنی اسکیم کو اپنے مرتب فرمودہ قوانین کے مطابق چلاتا ہے اور اشیائے کائنات اس قانون کی اطاعت پر مجبور ہیں۔ گوشۂ سوم میں خدا کا قانون وحی کے ذریعے ملتا ہے لیکن انسانوں کو اس کا اختیار ہے کہ وہ جی چاہے تو اس کی اطاعت کریں اور جی چاہے تو اس سے سرکشی اختیار کرلیں۔ جس قسم کی روش انسان اختیار کرے گا اسی کے مطابق نتائج اس کے سامنے آ جائیں گے۔ خدا کا امر (قانون) خارجی کائنات سے متعلق ہو یا انسانی زندگی سے، اس میں تغیر و تبدل نہیں ہوتا۔ یہ بھی خدا کا فیصلہ ہے۔

ا م س

اَمْسِ۔ اور اَلْاَمْسِ (عام طور پر سین کی زیر سے آتا ہے لیکن کبھی پیش سے بھی آجاتا ہے)۔ گذشتہ کل کا دن*۔ سورۂ قصص کی آیات فَاِذَا الَّذِی اسْتَنْصَرَهٗ بِالْاَمْسِ (۱۸/۲۸) میں یہ لفظ انہیں معنوں میں آیا ہے۔ ''یعنی

* تاج۔

جس شخص نے کل اس سے مدد مانگی تھی،،۔ لیکن جسطرح ہم کہتے ہیں کہ ''جو لوگ کل تک یہ دعائیں مانگتے تھے کہ ....'' تو اس سے مراد گذشتہ کل کا دن نہیں ہوتا بلکہ مطلب یہ ہوتا ہے کہ کچھ دن پہلے تک - یا کچھ دنوں پہلے سے ، اَمْسِ کا لفظ اس مفہوم میں بھی استعمال ہوتا ہے - چنانچہ اسی سورۃ میں ذرا آگے چل کر ہے وَ اَصْبَحَ الَّذِیْنَ تَمَنَّوْا مَکَانَهٗ بِالْاَمْسِ (۸۲/۲۸) جو لوگ ابھی کل تک اسکی آرزو کرتے تھے کہ ہمیں وہ پوزیشن حاصل ہو جائے جو (قارون) کو حاصل ہے -

ا م ل

اَلْاَمَلُ - امید یا توقع - عام طور پر اس لفظ کا استعمال ایسی چیزوں کی توقع کے لئے آتا ہے جن کا حاصل کرنا مستبعد ہو - چنانچہ جو شخص دور دراز سفر کرنے کا ارادہ رکھتا ہو وہ اَمَلْتُ کہتا ہے - لیکن اگر وہ شہر قریب ہو اور وہاں جانا آسان ہو تو وہ طَمِعْتُ کہیگا - اس سے اَمَلٌ اور طَمَعٌ کا فرق ظاہر ہے - رَجَاءٌ کا لفظ ان دونوں کے بین بین بولا جاتا ہے - اَلْاَمِیلُ - ریت کا پہاڑ جو ایک دن کی مسافت کا ہو - یا لمبائی میں کئی دن کی مسافت کا ہو - تَاَمَّلَ الرَّجُلُ - کسی معاملہ میں ٹھہرنا - سوچنا اور انتظار کرنا -* ابن فارس نے کہا ہے کہ اس کے بنیادی معنی انتظار کے ہوتے ہیں - نیز جم کر غور کرنا - اور ٹھہرنا - امید رکھنا لیکن اس میں دیر تک کا پہلو ضرور شامل ہوتا ہے - سورۃ حجر میں ہے کہ وَیُلْهِهِمُ الْاَمَلُ (۱۵/۳) - ان کی لمبی چوڑی آرزو انہیں زندگی کے حقیقی مقصد سے غافل کئے رکھتی ہے -

ا م م

اُمٌّ - صاحب محیط نے کہا ہے کہ یہ لفظ جامد ہے اور بچہ کی اس آواز سے ماخوذ ہے جب وہ بولنا سیکھنے سے پہلے اُم - اُم - وغیرہ شروع کرتا ہے* - اس سے اس کے اولین معنے والدہ (ماں) کے ہو گئے - بعض لوگ اُمٌّ کو اُمَّةٌ بھی کہدیتے ہیں اور بعض اس لفظ کو اُمْهَةٌ بھی کہدیتے ہیں جس کی جمع اُمَّهَاتٌ آتی ہے - بعض لوگ کہتے ہیں کہ اُمَّهَاتٌ ذوی العقول کے لئے آتا ہے اور اُمَّاتٌ غیر ذوی العقول کیلئے -

ماں کی آغوش کے اعتبار سے انسان کے مسکن کو اُمٌّ کہتے ہیں - قوم اور جماعت کو بھی اُمَّةٌ کہتے ہیں - بالخصوص ہم مسلک اور ہم

* محیط - ** تاج

مشرب گروہ کو۔ چنانچہ سورۃ بقرہ میں مختلف انبیائے کرام کے تذکرہ کے بعد ہے تِلْكَ اُمَّةٌ قَدْ خَلَتْ (۲/۱۳۴) ۔ ''یہ ایک امت تھی جو گذر چکی'' دوسری جگہ انہی کے متعلق ہے اِنَّ هٰذِهٖ اُمَّتُكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً (۲۱/۹۲) ''یقیناً یہ تمہاری 'امت' امتِ واحدہ ہے'' ۔ نیز اس کے معنے ہر شے کی اصل اور بنیاد کے ہیں ۔ اُمُّ الْقَوْمِ ۔ قوم کا رئیس ۔ اُمُّ النُّجُوْمِ ۔ کہکشاں ۔ اُمُّ الرَّأْسِ ۔ دماغ ۔ نیز ہر وہ مرکز جہاں بہت سی چیزیں آ کر مل جاتی ہوں اُمّ کہلاتا ہے ۔ جیسے اُمُّ الْقُرٰی مکہ معظمہ کو کہتے ہیں ۔ اُمُّ الْكِتَابِ ۔ قانون کی اصل و بنیاد** ۔ ابن فارس نے کہا ہے کہ اس کے بنیادی معنی چار ہیں ۔ (۱) بنیاد اور اصل (۲) مرجع (۳) جماعت (۴) دین ۔

اَلْاُمَّةُ ۔ حالت ۔ نعمت ۔ شان ۔ طریقہ ۔ سنت ۔ وقت ۔ زمانہ ۔ مدت ۔ شریعت اور دین (مدت کے معنوں میں یہ لفظ ۱۲/۴۵ میں آیا ہے) ۔ نیز اس کے معنے امام اور ہادی کے بھی ہیں ۔ جیسے (ابوعبیدہ نے کہا ہے کہ) اِنَّ اِبْرٰهِيْمَ كَانَ اُمَّةً قَانِتًا (۱۶/۱۲۰) میں اس کے معنے امام کے ہیں ۔ اگرچہ اس کے معنے یہ بھی ہو سکتے ہیں کہ حضرت ابراہیم گو ایک فرد تھے لیکن اپنی شخصیت کی جامعیت کے اعتبار سے ایسے تھے کہ ایک پوری کی پوری امت ان کے اندر سموئی ہوئی تھی ۔ ابن قتیبہ نے بھی اُمَّةٌ کے معنی دین ۔ امام اور جماعت کے لکھے ہیں*** ۔ لطائف اللغۃ میں اس کے معنی دئے گئے ہیں ۔ ''ایسا آدمی جس میں تمام خوبیاں جمع ہوں ۔ نیز امام'' ۔

(۴) اَلْاِمَامَةُ ۔ آگے ہونا ۔ اِمَامٌ وہ شخص جو آگے ہو ۔ یہ دراصل اس دھاگے کو کہتے ہیں جس سے معمار دیکھتے ہیں کہ دیوار کی تمام اینٹیں ایک سیدہ میں آ رہی ہیں یا نہیں ۔ (عربی میں اس آلے کو فَادِن اور ہمارے ہاں ساہل کہتے ہیں ۔ اس سے اِمَامٌ کا صحیح تصور سامنے آ سکتا ہے) نیز وسیع راستہ کو بھی اِمَامٌ کہتے ہیں (۱۵/۷۹) ۔

(۵) اَمَامُ ۔ آگے ۔ سامنے ۔ مستقبل ۔ بَلْ يُرِيْدُ الْاِنْسَانُ لِيَفْجُرَ اَمَامَهٗ (۷۵/۵) ۔

اَمَّهٗ ۔ يَؤُمُّهٗ ۔ اَمًّا ۔ قصد و ارادہ کرنا ۔ آمِّيْنَ (۵/۲) قصد و ارادہ کرنے والے ۔ قرآن کریم میں اَمّ (اور اسکے مشتقات) ان تمام معانی میں آئے ہیں جن کا ذکر اوپر کیا گیا ہے ۔ انکی مثالوں کی ضرورت نہیں ۔

* محیط ۔ ** تاج ۔ *** القرطین ۔ ج ۲ صفحہ ۳۳ ۔

اَلْاُمِّیُّ ایک ایسا لفظ ہے جس کا صحیح مفہوم سمجھ لینے کی ضرورت ہے۔ اسکے بنیادی معنے ہیں ایسا شخص جو اپنی پیدائشی حالت پر ہو (جیسا ماں نے جنا تھا ویسا ہی رہے۔ اسے مادرزاد بھی کہتے ہیں۔) اور لکھنا پڑھنا نہ سیکھے**۔ نبی اکرمؐ کو اسی اعتبار سے اُمِّیٌّ کہا جاتا ہے کہ آپ لکھنا پڑھنا نہیں جانتے تھے۔ لیکن یہ چیز زمانہ قبل از نبوت کی بات ہے۔ نبوت کے بعد آپ نے لکھنا پڑھنا سیکھ لیا تھا۔ اسکی واضح شہادت خود قرآن کریم میں موجود ہے۔ سورۃ عنکبوت میں ہے وَ مَا کُنْتَ تَتْلُوْ مِنْ قَبْلِہٖ مِنْ کِتَابٍ وَّ لَا تَخُطُّہٗ بِیَمِیْنِکَ (۲۹/۴۸) "تو اس (قرآن کے نزول) سے پہلے نہ کوئی کتاب پڑھ سکتا تھا اور نہ ہی اپنے ہاتھ سے کچھ لکھ سکتا تھا"۔ اس سے ظاہر ہے کہ نزول قرآن سے پہلے آپ لکھنا پڑھنا نہیں جانتے تھے لیکن نزول قرآن کے بعد یہ کیفیت نہیں رہی تھی۔ اسی لئے قرآن نے مِنْ قَبْلِہٖ کی تخصیص کر دی۔

لیکن قرآن کریم میں خود عربوں کو بھی اُمِّیٌّ کہا گیا ہے۔ اسکا مطلب ہے وہ لوگ جنہیں قرآن سے پہلے کوئی کتاب نہیں دی گئی تھی۔ اس لئے کہ یہ لفظ اَھْلُ کِتَابٍ کے مقابلہ میں آیا ہے (دیکھئے ۳/۱۹ و ۳/۲۰)۔ عرب میں یہود و نصاری اہل کتاب کہلاتے تھے، اور وہ لوگ جو کوئی آسمانی کتاب رکھنے کے مدعی نہیں تھے ان کے مقابلہ میں "غیر اہل کتاب"، یعنے اُمِّیٌّ کہلاتے تھے۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ وہ بالکل ان پڑھ تھے۔ یہ وہاں کی اصطلاح تھی جس سے "اہل کتاب"، ان لوگوں کو اپنے سے الگ کرکے پکارتے تھے۔* لہذا قرآن میں بعض مقامات پر اُمِّیٌّ کے معنے ان پڑھ ہیں اور بعض مقامات پر اس سے مراد وہ اہل عرب ہیں جو کوئی آسمانی کتاب رکھنے کے مدعی نہیں تھے۔

نیز اُمِّیٌّ کے معنی اُمُّ الْقُرٰی (مکہ) کا باشندہ بھی ہیں جیسے حضرمی۔ حضرموت کے رہنے والے کو کہتے ہیں۔

(نوٹ۔ اَمَّا حرف ہے جسے الگ لکھا گیا ہے۔)

---

* واضح رہے کہ قرآن نے خود مسلمانوں کو (جنہیں قرآن کی کتاب دی گئی ہے) الذین اوتوا الکتاب کہکر پکارا ہے (۲/۱۲۱) لیکن صرف انہی کو جو اس کتاب کا صحیح علم رکھتے ہیں۔

** (لطائف اللغۃ)

أَمَّا (حرف) ۔

اَمَّا ۔ یہ عام طور پر ان معنوں میں استعمال ہوتا ہے جن معنوں میں ہم کہتے ہیں "باقی رہا یہ کہ ...."۔ یا "جہانتک اس بات کا تعلق ہے"۔ مثلاً ۔

(۱) فَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فَيَعْلَمُوْنَ .... (۲/۲٦)۔ جہانتک ان لوگوں کا تعلق ہے جو ایمان لائے سو وہ جانتے ہیں کہ .... (یا) اَمَّا مَنِ اسْتَغْنٰى فَاَنْتَ لَهٗ تَصَدّٰى (۸۰/۵) باقی رہا وہ جو اپنے آپ کو مستغنی سمجھتا ہے تو .... (یا) جہانتک اسکا تعلق ہے .... (یا) اَمَّا السَّفِيْنَةُ .... (۱۸/۷۹) جہانتک کشتی کا تعلق ہے .... وَاَمَّا الْغُلٰمُ .... (۱۸/۸۰) باقی رہا وہ لڑکا ....

(۲) بعض اوقات اَمَّا مرکب ہوتا ہے اَمْ + مَا ، کا ۔ اور اس کے معنی ہوتے ہیں "یا وہ چیز جو"۔ یہ وہی اَمْ ہے جو استفہامی ہمزہ (ء) کے بعد آتا ہے ۔ مثلاً سورۃ انعام میں ہے ۔ قُلْ آٰلذَّكَرَيْنِ حَرَّمَ اَمِ الْاُنْثَيَيْنِ اَمَّا اشْتَمَلَتْ عَلَيْهِ اَرْحَامُ الْاُنْثَيَيْنِ (٦/۱۴۴) ان سے کہو کہ کیا دونوں نر حرام کئے ہیں یا دونوں مادہ ۔ یا وہ جو دونوں کے رحم میں ہے ۔

ا م ن

اَمْنٌ ۔ بے خوفی ۔ اطمینان ۔ خوف سے محفوظ ہونے کی حالت ۔* سورۂ بقرہ میں ہے فَاِذَا اَمِنْتُمْ (۲/۲۳۰) "جب تم امن میں ہو جاؤ"۔ سورۃ انعام میں ہے ۔ فَاَیُّ الْفَرِيْقَيْنِ اَحَقُّ بِالْاَمْنِ (٦/۸۲)۔ "سو دونوں گروہوں میں سے کونسا گروہ امن کا زیادہ حقدار ہے۔"۔ ابن فارس نے کہا ہے کہ اس کے بنیادی معنی (۱) خیانت کی ضد ۔ (۲) اطمینانِ قلب اور (۳) تصدیق کرنے کے ہیں ۔

اَمَنَ ۔ کسی کو بے فکر اور مطمئن کردینا ۔ دوسرے کو امن دیدینا ۔ اسکی حفاظت کی ذمہ داری اپنے سر پر لے لینا ۔*

* تاج ۔

اِئْتِمَانٌ - کسی پر بھروسہ اور اعتماد کرنا - کسی کو امانت دار اور محافظ سمجھنا -*

نَاقَةٌ أَمُوْنٌ - اس اونٹنی کو کہتے ہیں جو قویٰ اور عادات کے اعتبار سے قابلِ اعتماد ہو - جس کے متعلق یہ اطمینان ہو کہ وہ پیہم سفر سے کمزور نہیں ہو جائیگی اور راستے میں ٹھوکر کھا کر گر نہیں پڑیگی -*

مُؤْمِنٌ - امن کی ضمانت دینے والا - جس پر بھروسہ کرکے انسان بے فکر اور محفوظ ہو جائے - امنِ عالم کا ضامن -*

اَمَانَةٌ - وہ چیز جو کسی کے بھروسہ پر دے دی جائے -**(حمل امانت کے معنی امانت میں خیانت کرنا ہیں - اس کے لئے عنوان ح-م-ل دیکھئے) -

آمِیْنٌ - بے خوف - مطمئن - جسے قابل اعتماد سمجھا جائے - جو کسی کو قابل اعتماد سمجھے - جس پر بھروسہ کیا جا سکے -* بَلَدٌ آمِیْنٌ (۹۵/۳) - جس شہر میں امن و حفاظت ہو - مَقَامٌ آمِیْنٌ - (۴۴/۵۱) جس مقام میں پورا پورا اطمینان اور سامانِ حفاظت ہو -*** اِنِّی لَکُمْ رَسُوْلٌ آمِیْنٌ (۲۶/۱۶۲) ''میں تمہارے لئے رسول آمین ہوں -''

سورۃ نحل میں امن و اطمینان کے معنی حفاظت اور سامانِ زندگی کی فراوانی کے آئے ہیں - ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلاً قَرْیَةً کَانَتْ آمِنَةً مُّطْمَئِنَّةً یَّاْتِیْهَا رِزْقُهَا رَغَدًا .... فَاَذَاقَهَا اللّٰهُ لِبَاسَ الْجُوْعِ وَ الْخَوْفِ (۱۶/۱۱۲) ''اللہ ایک بستی کی مثال بیان کرتا ہے - وہ امن و اطمینان کی حالت میں تھی - اس میں سامانِ زیست ہر جگہ سے با فراغت آتا تھا - پھر اس نے اللہ کی نعمتوں کی نا قدری کی تو اللہ نے اسے بھوک اور خوف کے عذاب کا مزہ چکھایا'' - سورۃ حجر میں ہے - وَکَانُوْا یَنْحِتُوْنَ مِنَ الْجِبَالِ بُیُوْتًا آمِنِیْنَ (۱۵/۸۲) - ''وہ حفاظت کی غرض سے پہاڑوں کو تراش کر مکان بنایا کرتے تھے'' - سورۃ آلِ عمران میں امن بمقابلہ غم آیا ہے - ثُمَّ اَنْزَلَ عَلَیْکُمْ مِنْ بَعْدِ الْغَمِّ اَمَنَةً (۳/۱۵۳) - ''پھر اس نے تم پر غم کے بعد امن نازل کیا'' -

قرآن میں یہ مادہ اعتماد اور بھروسہ کے معنوں میں متعدد مقامات میں استعمال ہوا ہے - مثلاً سورۃ بقرہ میں لین دین کے معاملات کے ضمن میں ہے فَاِنْ اَمِنَ بَعْضُکُمْ بَعْضًا (۲/۲۸۳) - ''اگر تم میں سے ایک دوسرے پر اعتماد کرے'' - سورۃ یوسف میں ہے - لَا تَاْمَنَّا (۱۲/۱۱) -

* تاج - ** محیط - *** لین -

"تو همارا اعتبار نہیں کرتا" - وَمَآ اَنْتَ بِمُؤْمِنٍ لَّنَا (۱۲/۱۷) - "اور تو ہماری بات کا اعتبار نہیں کریگا" - هَلْ آمَنُكُمْ عَلَيْهِ اِلَّا كَمَا اَمِنْتُكُمْ (۱۲/۶۴) - "میں اس کے متعلق تمہارا اعتبار نہیں کرتا بجز اس کے جس طرح میں نے (پہلے) تمہارا اعتبار کیا تھا" - ان تمام مقامات میں آمَنَ کا لفظ اعتبار - بھروسہ اور یقین آنے کے معنوں میں استعمال ہوا ہے -

جب آمَنَ کا صلہ لام ہو تو اس کے معنی بات ماننے کے ہوتے ہیں - سورۃ بقرہ میں قصہ بنی اسرائیل کے ضمن میں ہے - لَنْ نُّؤْمِنَ لَكَ (۲/۵۵) - "ہم تیری بات نہیں مانینگے" - اس میں اعتبار - اعتماد - یقین اور اطاعت، سب کا مفہوم آ جاتا ہے - جب اس کا صلہ ب ہو تو اس کے معنی ایمان لانے کے ہوتے ہیں - كُلٌّ آمَنَ بِاللّٰهِ (۲/۲۸۵) "سب ایمان لائے ہیں اللہ پر" - آمَنَ کے جو معانی اوپر دئے گئے ہیں، غور کرنے سے معلوم ہوگا کہ "ایمان لانے" میں ان سب کا مفہوم آ جاتا ہے - یعنی -

(۱) یقین کرنا - ماننا - تسلیم کرنا - یعنی انکار نہ کرنا -

(۲) تصدیق کرنا - اس کے سچے ہونے کا اقرار کرنا - یعنی تکذیب نہ کرنا -

(۳) اعتماد اور بھروسہ کرنا -

(۴) بات ماننا - اطاعت کرنا - سر تسلیم خم کرنا -

قرآن کی رو سے پانچ بنیادی حقیقتیں ہیں جن پر ایمان لانے سے انسان مؤمن ہو جاتا ہے - سورۃ بقرہ میں ہے وَلٰكِنَّ الْبِرَّ مَنْ آمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ وَالْكِتٰبِ وَالنَّبِيّٖنَ (۲/۱۷۷) - "کشاد کی راہ اس کی ہے جو اللہ پر - یوم آخرت پر - ملائکہ پر - کتب پر اور انبیاء پر ایمان لائے" - ان کا (یا ان میں سے کسی ایک کا) انکار کفر ہے - وَمَنْ يَّكْفُرْ بِاللّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًا بَعِيْدًا (۴/۱۳۶) - "جو اللہ سے - اور اس کے ملائکہ کتب - رسل اور یوم آخرت سے انکار کرتا ہے تو وہ گمراہی میں بہت دور نکل جاتا ہے" - اللہ پر ایمان کے معنی ہیں اسکی ہستی پر یقین - اسکی ہر بات پر اعتماد - اسکے قوانین پر پورا پورا اعتماد - اور ان کی اطاعت کا اقرار - یوم آخرت پر ایمان کے معنی ہیں خدا کے قانون مکافات عمل کی محکمیت پر یقین اور اعتماد - اور موت کے بعد تسلسل حیات پر یقین - ملائکہ پر ایمان کے معنی یہ ہیں کہ یہ ملکوتی قوتیں نظام کائنات میں اللہ تعالیٰ

کے پروگرام کو بروئے کار لانے میں سرگرم عمل ہیں اور خدا نے انہیں انسان کے سامنے جھکا دیا ہے ۔ مسخر کر دیا ہے ۔ اس لئے ان میں سے کوئی قوت ایسی نہیں جس کے سامنے انسان جھکے ۔ انبیاء پر ایمان کے معنی یہ ہیں کہ انسان ، تنہا عقل کی رو سے شاہراہِ زندگی پر چلنے کی راہ نمائی حاصل نہیں کر سکتا ۔ یہ راہ نمائی وحی کی رو سے ملتی ہے ۔ اوروحی ہر فرد کو براہ راست نہیں ملتی بلکہ خدا کے منتخب کردہ افراد کی وساطت سے ملتی ہے جنہیں انبیاء کہا جاتا ہے ۔ وحی کا یہ سلسلہ نبی اکرم[ؐ] کی ذات پر ختم ہو گیا ۔ کتابوں پر ایمان کے معنی یہ ہیں کہ یہ ضابطۂ حیات، وحی کی رو سے ملا ہے اور اس کے مطابق زندگی بسر کرنے سے انسان اپنی منزلِ مقصود تک پہنچ سکتا ہے ۔ اس کے علاوہ منزل تک پہنچنے کا کوئی اور راستہ نہیں ۔ نبوت پر ایمان لانے کی عملی شہادت اس نبی کی کتاب کو ضابطہ زندگی بنانا ہے ۔ لیکن نزولِ قرآن کے بعد کوئی اور کتاب ضابطۂ حیات نہیں بن سکتی ۔

لہذا مومن (ایمان لانے والا) وہ ہے جسے خدا کے اس قانون کی محکمیت پر بھی پورا پورا بھروسہ ہو جو کائنات میں کار فرما ہے اور اس قانون پر بھی جو حضرات انبیائے کرام[ؑ] کی وساطت سے وحی کے ذریعے انسانی راہ نمائی کے لئے ملا (اور جواب قرآن کے اندر ہے) ۔ اور انسانی اعمال کی نتیجہ خیزی پر بھی پورا پورا یقین ہو (اس دنیا میں بھی اور اس کے بعد کی زندگی میں بھی) ۔ ایسے افراد پر مشتمل جماعت کو قرآن ”يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا“ کہکر پکارتا ہے ۔ لیکن اس کے ساتھ ہی یہ کہکر تنبیہ بھی کر دیتا ہے کہ ایسا نہ ہو کہ جماعت کا یہ نام تو باقی رہ جائے اور وہ خصوصیات باقی نہ رہیں جن کی بناء پر انہیں اس خطاب کا حامل قرار دیا گیا تھا ۔ اس لئے اس جماعت سے بھی کہدیا گیا کہ جس طرح دیگر افراد انسانیہ (یہود ۔ نصاریٰ وغیرہ) کے لئے ضروری ہے کہ وہ قوانین خداوندی اور مکافاتِ عمل پر پورا پورا یقین رکھیں اسی طرح ان کے لئے بھی ضروری ہے ۔ انہیں اطمینان اور بے خوفی کی زندگی اسی طرح مل سکیگی، نہ کہ مسلمانوں کے گھر میں پیدا ہو جانے سے ۔ إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَالَّذِينَ هَادُوا وَالنَّصَارَىٰ وَالصَّابِئِينَ ۔ مَنْ آمَنَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَعَمِلَ صَالِحاً فَلَهُمْ أَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ (۲/۶۲) ۔ ”یقیناً جو لوگ اپنے آپ کو مومن کہکر پکارتے ہیں اور جو یہود اور نصاریٰ اور صابئین ہیں ۔ کسے باشد ۔ جو بھی اللہ اور آخرت

پر ایمان لائیگا اور اس کے اعمال صالح ہونگے - تو ایسے لوگوں کا اجر ان کے رب کے ہاں ہوگا - اور انہیں نہ کوئی خوف ہوگا نہ حزن - (نیز دیکھئے ۳/۱۳٦) -

اس کے ساتھ ہی یہ بھی کہدیا کہ یہود و نصاریٰ وغیرہ کہیں یہ نہ سمجھ لیں کہ وہ تو پہلے ہی خدا اور آخرت پر ایمان رکھتے ہیں اس لئے انہیں "مومن" ہونے کے لئے نئے سرے سے ایمان لانے کی ضرورت نہیں - ان سے واضح طور پر کہہ دیا کہ جب تک ان تمام امور پر اسطرح ایمان نہ لایا جائے جسطرح قرآن نے بتایا ہے (یعنی ان کی جو تشریحات قرآن نے بیان کی ہیں انہیں اسی طرح نہ مانا جائے) کسی کے (بزعم خویش) ایمان کو ایمان نہیں کہا جائیگا - فَاِنْ آمَنُوْا بِمِثْلِ مَا آمَنْتُمْ بِهٖ فَقَدِ اهْتَدَوْا (۲/۱۳۷) - "اگر یہ لوگ اس طرح ایمان لائیں جس طرح (اے جماعت مومنین) تم ایمان لائے ہو تو پھر سمجھا جائیگا کہ یہ لوگ صحیح راستے پر ہیں" - ایمان وہی ایمان ہے جو قرآن کے مطابق ہے اور عمل وہی صالح ہے جسے قرآن صالح قرار دے -

قرآن کریم نے یہ بھی بتایا ہے کہ ایسے لوگ بھی ہیں جو یہ تو مانتے ہیں کہ کائنات کو خدا نے بنایا ہے اور اس کا قانون اس میں کار فرما ہے ، لیکن اپنی زندگی (یا انسانی معاملات) میں خدا کی راہ نمائی (وحی) کو ضروری نہیں سمجھتے - ایسے لوگوں کو وہ مومن قرار نہیں دیتا اس لئے کہ مومن کے معنی صرف یہی نہیں کہ وہ خدا کی ہستی پر ایمان رکھتا ہو - مومن وہ ہے جو وحی پر بھی ایمان رکھے اور اس کے مطابق زندگی بسر کرے - (تفصیل کے لئے دیکھئے ۲۳/۸۴-۹۰) -

یہ بھی یاد رہے کہ کسی مصلحت کی بنا پر ، یا جماعت مومنین کے غلبہ و اقتدار کے پیش نظر ، ایمان لے آنا بھی ایمان نہیں کہلاتا - ایمان کے معنی یہ ہیں کہ انسان اپنے دل کی گہرائیوں میں قانونِ خداوندی کی صداقتوں کا یقین اور اس کی محکمیت پر بھروسہ رکھے - سورۃ الحجرات میں ہے قَالَتِ الْاَعْرَابُ آمَنَّا - قُلْ لَّمْ تُؤْمِنُوْا وَلٰكِنْ قُوْلُوْا اَسْلَمْنَا وَلَمَّا يَدْخُلِ الْاِيْمَانُ فِيْ قُلُوْبِكُمْ (۴۹/۱۴) - "اعراب (دیہاتی بدو) کہتے ہیں کہ ہم ایمان لائے ہیں - ان سے کہو کہ تم ایمان نہیں لائے - یہ کہو کہ ہم نے تمہاری فرماں برداری اختیار کر لی ہے - اس لئے کہ (ابھی تک) تمہارے دلوں میں ایمان داخل نہیں ہوا" -

دوسری طرف اسے بھی سمجھ لینا چاھئے کہ ایمان صرف ان حقائق کو مان لینے کا نام نہیں ۔ ان کے سامنے عملاً سر تسلیم خم کر دینا بھی ضروری ھے ۔ سورۃ روم میں ھے اِنْ تُسْمِعُ اِلَّا مَنْ يُّؤْمِنُ بِاٰيٰتِنَا فَهُمْ مُّسْلِمُوْنَ (۳۰/۵۳) ۔ ''تو صرف انہی کو سنا سکتا ھے جو ھمارے احکام پر ایمان لاتے ھیں اور وہ ان کے سامنے جھکنے والے ھیں''۔ یہی وجہ ھے کہ جہاں ایمان کو کفر کے مقابل رکھا گیا ھے (مثلاً ۲/۲۶-۲۸ میں) وھاں اسے ''گریز کی راھیں نکالنے اور پھر جانے'' کے مقابل بھی لایا گیا ھے ۔ (دیکھئے ۲/۱۳۷) حتی کہ مومن اور فاسق کو بھی ایک دوسرے کی ضد بتایا گیا ھے (مِنْهُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ وَاَكْثَرُهُمُ الْفٰسِقُوْنَ (۳/۱۰۹)۔ اور منافقین کی ضد بھی۔ وَلِيَعْلَمَ الْمُؤْمِنِيْنَ ۔ وَلِيَعْلَمَ الَّذِيْنَ نَافَقُوْا (۳/۱۶۵-۱۶۶) ''تاکہ وہ مومنوں کو بھی جان لے اور ان لوگوں کو بھی جو منافقت برتتے ھیں''۔

قرآن نے خدا کو اَلْمُؤْمِنُ (۲۳/۵۹) کہا ھے ۔ اس لئے کہ وہ تمام کائنات کی حفاظت کا ذمہ دار ھے اور جو اس کے قانون پر بھروسہ کرتا ھے وہ اسے تخریبی قوتوں کی تباھیوں سے محفوظ رکھتا ھے ۔ اس اعتبار سے بندۂ مومن وہ ھوگا جس پر تمام انسان اعتماد اور بھروسہ کر سکیں اور جو تمام دنیا میں امن قائم رکھنے کا ذمہ دار ھو ۔

تصریحات بالا سے اس حقیقت کو سمجھ لیجئے کہ مومن کسے کہتے ھیں ۔ اس کا مقام کیا ھے اور فرائض اور ذمہ داریاں کیا ؟

اِمَّا (حرف)

اِمَّا (یا تو ۔ یا خواہ) حسب ذیل مثالوں سے مفہوم واضح ھو جائیگا :۔

(۱) اِمَّا يُعَذِّبُهُمْ وَاِمَّا يَتُوْبُ عَلَيْهِمْ (۹/۱۰۶) ۔ خواہ خدا انہیں عذاب دے اور خواہ ان کی طرف متوجہ ھو ۔

(۲) قَالُوْا يٰمُوْسٰۤى اِمَّاۤ اَنْ تُلْقِيَ وَاِمَّاۤ اَنْ نَّكُوْنَ اَوَّلَ مَنْ اَلْقٰى (۲۰/۶۵) انہوں نے کہا ۔ اے موسیٰ یا تو تو پہلے ڈال یا ھم پہلے ڈالیں ۔

(۳) بعض اوقات یہ حرف شرط (اِنْ) کے معنی دیتا ھے ۔ اس صورت میں (مَا) اس میں زائد ھوتا ھے ۔ جیسے فَاِمَّا تَرَيِنَّ مِنَ الْبَشَرِ اَحَدًا (۱۹/۲۶) ۔ پھر اگر تو کسی انسان کو دیکھے تو...... اس میں صرف اِنْ کے معنی (اگر) آئے ھیں ۔ (مَا) زائد ھے ۔

ا م و (ا م ة)

اَمَۃٌ - باندی (حُرَّۃٌ کی ضد ھے) یہ لفظ در اصل اَمَوَۃٌ یا اَمْوَۃٌ تھا*۔ قرآن کریم میں مذکر کے لئے عَبْدٌ اور مونث کے لئے اَمَۃٌ آیا ھے (۲/۲۲۱)۔ اَمَۃٌ کی جمع اِمَاءٌ ھے (۲۴/۳۲)۔

اَنْ - (حرف) -

اَنْ - عام طور پر (کہ) کے معنوں میں آتا ھے - یُرِیْدُوْنَ اَنْ یُّطْفِئُوْا نُوْرَ اللّٰہِ (۹/۳۲)۔ وہ چاھتے ھیں کہ اللہ کے نور کو بجھا دیں۔

(۲) وَاَنْ تَصُوْمُوْا خَیْرٌ لَّکُمْ .... (۲/۱۸۴) اور یہ کہ تم روزہ رکھو تو تمہارے لئے بہتر ھوگا۔ یعنی صِیَامُکُمْ۔ تمہارا روزہ رکھنا تمہارے لئے بہتر ھے۔

(۳) بعض اوقات یہ زائد ھوتا ھے - مثلاً - وَلَمَّآ اَنْ جَآءَتْ رُسُلُنَا لُوْطاً (۲۹/۳۳)۔ جب ھمارے بھیجھے ھوئے لوط کی طرف آئے۔ یہاں اَنْ زائد ھے - چنانچہ (۱۱/۷۷) میں ھے وَلَمَّا جَآءَتْ رُسُلُنَا لُوْطاً۔ یعنی اس میں اَنْ نہیں ھے - نیز دیکھئے (۱۲/۹۶) جہاں اَنْ زائد ھے۔

(۴) بعض اوقات اَنْ سبب کو ظاھر کرنے کے لئے بھی آتا ھے - مثلاً وَعَجِبُوْا اَنْ جَآءَھُمْ مُّنْذِرٌ مِّنْھُمْ (۳۸/۴)۔ اور انہیں اس بات پر تعجب آ رھا ھے کہ ان کی طرف انہی میں سے ایک آگاہ کرنے والا آ گیا! یعنی اسکے تعجب کا سبب یہ ھے کہ ان کی طرف انہی میں سے رسول آ گیا - وہ اسپر متعجب ھیں کہ ایسا کس طرح ھوگیا۔ (لیکن بعض کا خیال ھے کہ یہ در اصل لِاَنْ ھے - یعنی اس میں لام سبب، مقدر ھے - یعنی وہ لام جس کے معنی "تاکہ"، یا "اس وجہ سے"، ھوتے ھیں لکھا نہیں گیا - محذوف ھے۔)

(۵) "تاکہ"، کے معنوں میں - وَاَلْقٰی فِی الْاَرْضِ رَوَاسِیَ اَنْ تَمِیْدَ بِکُمْ (۱۶/۱۵)۔ "اور اس نے زمین پر پہاڑ بنا رکھے ھیں تاکہ تمہیں سامان رزق عطا کرے"۔ "یا تم اسی پر آرام سے بیٹھے رھو اور یہ تمہیں لیکر گھومتی رھے۔" (بعض کے نزدیک یہاں بھی لام سبب مقدر ھے)۔

* تاج۔

(۶) بعض اوقات اس کا مطلب ہوتا ہے "یہ کہکر کہ"۔ وَ لَقَدْ بَعَثْنَا فِیْ کُلِّ اُمَّۃٍ رَّسُوْلًا اَنِ اعْبُدُوا اللّٰہَ (۱۶/۳۶)۔ اور ہم نے ہر قوم میں رسول بھیجا۔ یہ پیغام دیکر کہ لوگ صرف اللہ کی محکومی اختیار کریں۔

(۷) "ایسا نہ ہو کہ"۔ یُبَیِّنُ اللّٰہُ لَکُمْ اَنْ تَضِلُّوا (۴/۱۷۶)۔ اللہ یہ باتیں تمہیں کھول کر بتاتا ہے تاکہ ایسا نہ ہو کہ تم غلطی میں پڑ جاؤ۔

(۸) "تاکہ اگر ایسا ہو تو......" کے معنوں میں۔ مثلاً اَنْ تَضِلَّ اِحْدٰھُمَا (۲/۲۸۲)۔ تاکہ اگر ایسا ہو کہ ان میں سے کوئی ایک غلطی کر جائے تو........

اِنْ (حرف)

اِنْ۔ حرف شرط ہے۔ "اگر" کے معنوں میں آتا ہے۔ اِنْ یَّنْتَھُوْا یَغْفِرْ لَھُمْ (۸/۳۸)۔ اگر وہ رک جائیں تو اللہ ان کی حفاظت کا سامان کردے۔

(۲) کبھی یہ۔ مَا (نہیں) کے معنوں میں آتا ہے۔ وَ قَالُوْا اِنْ ھٰذَا اِلَّا سِحْرٌ مُّبِیْنٌ (۳۷/۱۵) اور وہ کہتے ہیں کہ یہ کچھ نہیں بجز اس کے کہ کھلا ہوا جھوٹ* ہے۔ یا وَلَئِنْ زَالَتَا اِنْ اَمْسَکَھُمَا...... (۳۵/۴۱)۔ اگر وہ ہٹ جائیں تو کوئی انہیں روک نہیں سکتا۔

(۳) کبھی یہ اِنَّ کا مخفف ہوتا ہے اور اس کے معنی ہوتے ہیں۔ یقیناً۔ بالتحقیق۔ فَذَکِّرْ اِنْ نَّفَعَتِ الذِّکْرٰی (۸۷/۹)۔ سو تو انہیں قانونِ خداوندی کی یاد دلاتا جا۔ یقیناً یہ یاد دہانی نفع دیتی ہے۔ (بعض کا خیال ہے کہ اس آیت میں اِنْ شرطیہ ہی ہے اور مطلب یہ ہے کہ تذکیر صرف اسوقت کرو جب تک یہ نفع بخش ہو۔ ورنہ صحیح موقع کا انتظار کرو۔)**

(۴) کبھی یہ زائد ہوتا ہے۔ یعنی کوئی معنی نہیں دیتا۔ چنانچہ بعض کا خیال ہے کہ آیت وَ لَقَدْ مَکَّنّٰھُمْ فِیْمَا اِنْ مَّکَّنّٰکُمْ فِیْہِ (۴۶/۲۶) میں اِنْ زائد ہے۔ اس اعتبار سے اسکے معنی ہونگے "اور یقیناً ہم

---

* دیکھئے عنوان (س۔ح۔ر)۔ **جب اِن مخفف ہو اِنَّ کا تو اسکی خبر پر اکثر لام تاکید آیا کرتا ہے۔ جیسے وان کانوا من قبل لفی ضلل مبین (۶۲/۲) "اور یقیناً وہ اس سے پہلے کھلی ہوئی گمراہی میں تھے"۔

نے انہیں ایسا تمکن عطا کیا تھا جیسا تمہیں کیا ہے،،۔ لیکن اگر یہاں ' اِنْ ' کے معنی مَا (نہیں) کے لئے جائیں تو معنی ہونگے ''ہم نے انہیں ایسا تمکن دیا تھا جیسا تمکن تمہیں بھی نہیں دیا،،۔

(۵) بعض اوقات اس کے معنی اِذْ کے آتے ہیں۔ اور مفہوم یہ ہوتا ہے کہ ''چونکہ تم ایسے ہو اسلئے ......۔ مثلاً اِتَّقُوا اللهَ اِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِيْنَ (۵/۱۱۲)۔ تم قوانین خداوندی کی نگہداشت کرو۔ اس لئے کہ تم مومن ہو۔ (نیز ۲۸/۲۷) ۔ سورہ بقرہ میں ہے۔ وَ اشْكُرُوا اللهَ اِنْ كُنْتُمْ اِيَّاهُ تَعْبُدُوْنَ ۔ (۲/۱۷۲) ۔ اور نعمائے خداوندی کی قدردانی کرو در آنحالیکہ (جب کہ) تم اسکی محکومی اختیار کئے ہوئے ہو۔

(۶) اِلَّا ۔ (اِنْ + لَا) ۔ دیکھئے ۔ اِلَّا

اَنَا (ضمیر)

اَنَا ۔ واحد متکلم کی مرفوع ضمیر ہے اور مذکر و مؤنث دونوں کے لئے استعمال ہوتی ہے ۔ اَنَا رَجُلٌ ۔ میں ایک مرد ہوں ۔ اَنَا اِمْرَاَةٌ ۔ میں ایک عورت ہوں ۔ قرآن کریم میں ہے قَالَ اَنَا اُحْيِ وَ اُمِيْتُ (۲/۲۵۸) ''اس نے کہا کہ میں زندہ کرتا اور مارتا ہوں''۔ اَنَا کا تثنیہ اور جمع نَحْنُ آتا ہے ۔

اَنْتَ (ضمیر)

اَنْتَ ۔ واحد مذکر حاضر کی مرفوع ضمیر ہے ۔ اَنْتَ رَجُلٌ ۔ تو ایک مرد ہے ۔ سورۃ بقرہ میں ہے ۔ اُسْكُنْ اَنْتَ وَ زَوْجُكَ الْجَنَّةَ (۲/۳۵) '' تو اور تیری بیوی باغ میں رہو'' ۔

اس کا تثنیہ اَنْتُمَا اور جمع اَنْتُمْ آتی ہے ۔

اَنْتِ (ضمیر)

اَنْتِ ۔ واحد مؤنث حاضر کی مرفوع ضمیر ہے ۔ اَنْتِ اِمْرَاَةٌ ۔ تو ایک عورت ہے ۔ اس کا تثنیہ اَنْتُمَا اور جمع اَنْتُنَّ آتی ہے ۔

اَنْتُمْ (ضمیر)

اَنْتُمْ - جمع مذکر حاضر کی مرفوع ضمیر ہے - اَنْتُمْ رِجَالٌ - تم سب مرد ہو - قرآن کریم میں ہے وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ (۲/۱۳۲) "تم مسلم ہو" - اس کا واحد اَنْتَ ہے -

اَنْتُمَا (ضمیر)

اَنْتُمَا - تثنیہ حاضر کی مرفوع ضمیر ہے - اور مذکر و مؤنث دونوں کیلئے آتی ہے - اَنْتُمَا رَجُلَانِ - تم دونوں مرد ہو - اَنْتُمَا امْرَأَتَانِ - تم دونوں عورتیں ہو - سورۃ قصص میں ہے اَنْتُمَا وَمَنِ اتَّبَعَكُمَا الْغَالِبُوْنَ (۲۸/۳۵) - "تم دونوں اور جو تمہارا اتباع کرے' غالب رہوگے" -

اس کا واحد اَنْتَ (مذکر کے لئے) اور اَنْتِ (مؤنث کے لئے) ہیں -

اَنْتُنَّ (ضمیر)

اَنْتُنَّ - جمع مؤنث حاضر کی مرفوع ضمیر ہے - اَنْتُنَّ نِسْوَةٌ - تم سب عورتیں ہو - اس کا واحد اَنْتِ ہے -

ا ن ث

اَنْثٌ - اس کے بنیادی معنے نرم کے ہیں - حَدِیْدٌ اَنِیْثٌ - نرم لوہا - اَرْضٌ اَنِیْثَةٌ - نرم زمین - سَیْفٌ اَنِیْثٌ - نرم تلوار جو قاطع نہ ہو - اَنَثَ لَهٗ - وہ اس کے لئے نرم ہو گیا* -

راغب نے لکھا ہے کہ چونکہ تمام حیوانات میں مؤنث بمقابلہ مذکر نرم اور ضعیف ہوتی ہے اس لئے اسے اُنْثٰی کہتے ہیں - لہذا ہر وہ چیز جس میں فاعلیت کی بجائے انفعال کا پہلو غالب ہو اَنِیْثٌ کہلائیگی - چنانچہ اسی اعتبار سے جمادات کو بھی اَلْاِنَاثُ کہتے ہیں - اور خدا کے مقابلہ میں جن چیزوں کو بھی معبود بنا لیا جاتا ہے وہ (خدا کی قوت اور فاعلیت کے اعتبار سے) اِنَاثٌ کہلاتی ہیں - سورۃ النساء میں جو کہا گیا ہے کہ اِنْ یَّدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ اِلَّا اِنٰثًا (۴/۱۱۷) تو اس میں اِنَاثٌ سے مراد ضعیف و کمزور ہی ہیں خواہ وہ پتھر کی مورتیاں ہوں یا دیگر معبود** -

---

* تاج - ** راغب -

قرآن کریم میں ذَکَرٌ (نر۔ مذکر) کے مقابلہ میں اُنثیٰ (مادہ۔ مؤنث) آیا ہے (۳/۱۱) اور بَنِیْنَ (بیٹے) کے مقابلہ میں بھی اِنَاثٌ (بیٹیاں) آیا ہے (۱۷/۴۰)۔

انجیل

اَلنَّجْلُ کے بہت سے معنی ہیں۔ منجملہ ان کے، بہنے والے پانی کو بھی کہتے ہیں۔ اور نَجَلَتِ الْاَرْضُ کے معنی ہیں زمین سرسبز ہو گئی۔ نَجَلَ الشَّیْئَ۔ اس نے اس چیز کو ظاہر کر دیا۔ بعض نے کہا ہے کہ اَلْاِنْجِیْلُ اسی سے مشتق ہے*۔ لیکن صاحب محیط نے لکھا ہے کہ یہ لفظ، یونانی لفظ اَونْجِلْیُوْنُ کا معرب ہے جس کے معنی مسرت انگیز خبر یا بشارت ہیں**۔ ابن فارس نے کہا ہے کہ اَلْاِنْجِیْلُ۔ نَجَلْتُ الشَّیْءَ سے ہے جس کے معنی ہیں، میں نے اسے نکال لیا۔ اس کا مفہوم ہے، واضح کر دیا۔ کھول کر بیان کر دیا۔ اس لئے کہ اس کے بنیادی معنی کسی چیز میں وسعت کے ہیں۔ قرآن نے یہ لفظ اس کتاب کے لئے استعمال کیا ہے جو حضرت عیسیٰؑ کو دی گئی تھی (۵۷/۲۷)۔

جو انجیل اسوقت عیسائیوں کے پاس ہے اسکی تاریخ کے لئے میری کتاب ''معراج انسانیت،، کا پہلا باب ''ظہرالفساد،، دیکھئے۔ اس سے واضح ہوگا کہ یہ کتاب اپنی اصلی شکل میں بالکل نہیں۔ حضرت عیسیٰؑ جو صحیفۂ ربانی (انجیل) اپنے حواریوں کو دیکر گئے تھے، اس کا کوئی پتہ نشان نہیں ملتا۔ بعد میں جب عیسائی کلیسا، یہودی اور غیر یہودی عناصر کی کشمکش کی رزمگاہ بن گیا تو مختلف الخیال فرقوں نے اپنی اپنی انجیلیں مرتب کرنا شروع کر دیں۔ چنانچہ انسائکلو پیڈیا برٹانیکا کی تحقیق کی رو سے اس زمانے میں قریب چونتیس اناجیل کا پتہ چلتا ہے۔ یہ اناجیل درحقیقت حضرت عیسیٰؑ کے سوانح حیات تھے جنہیں عام روایات سے اخذ کرکے ترتیب دیا گیا تھا۔ حضرت عیسیٰؑ اور آپ کے حواریوں کی زبان ارامی تھی لیکن حیرت ہے کہ ان چونتیس اناجیل مین سے (سوائے ایک کے جو اب مفقود ہے) کوئی انجیل بھی ارامی زبان میں نہیں تھی۔ سب کی سب یونانی زبان میں لکھی گئی تھیں۔ نیقیہ کی مشہور کونسل (منعقدہ ۳۲۵ ع) میں یہ تمام لٹریچر سامنے رکھا گیا اور ان میں سے چار اناجیل (متی۔

* تاج۔ ** محیط۔

مرقس - لوقا - یوحنا) کو منتخب کرکے بقایا کو جعلی قرار دے دیا گیا - ان منتخب کردہ اناجیل (اور ان خطوط کو جنہیں سینٹ پال اور حواریوں کیطرف منسوب کیا جاتا ہے) عہد نامہ جدید کہا جاتا ہے - لیکن ان میں سے بھی کوئی کتاب اپنی اصلی شکل میں صفحہ ارض پر موجود نہیں - اسوقت دنیا میں اناجیل کے صرف تین قدیمی نسخے ہیں - ایک ویٹکن میں - دوسرا برٹش میوزیم میں اور تیسرا وہ جسے روس نے انگلستان کے پاس فروخت کیا ہے - پہلے دونوں نسخ پانچویں صدی کے اور تیسرا نسخہ چوتھی صدی کا ہے - چوتھی صدی میں جیروم نے یونانی زبان سے ان کا ترجمہ لاطینی میں کیا - یہی ترجمہ اس ترجمہ کا ماخذ ہے جو شاہ جیمس کے عہد میں (۱۶۱۱ء میں) شائع کیا گیا اور جو مستند ترجمہ کہلاتا ہے - ۱۸۷۰ء میں کنٹر بری میں ستائیس علمائے عیسائیت کی ایک مجلس بدیں غرض منعقد ہوئی کہ چونکہ ۱۶۱۱ء والا ترجمہ ناقص ہے اس لئے ایک اور مستند ترجمہ شائع کیا جائے - اس ترجمہ کو (Revised Edition) کہا جاتا ہے - لیکن اس سے یہ نہ سمجھ لیا جائے کہ اناجیل کے جو تراجم اب مروج ہیں وہ ان دو تراجم کے عین مطابق ہیں - بالکل نہیں - بائیبل سوسائٹیز کیطرف سے شائع ہونے والا ہر نسخہ، پہلے نسخوں سے مختلف ہوتا ہے - ایسا مختلف کہ جب جرمن ڈاکٹر میل نے عہد نامہ جدید کے چند نسخے جمع کرکے موازنہ کیا تو تیس ہزار اختلافات شمار کئے - اور جان جیمس نے جب ذرا زیادہ تحقیق سے کام لیا تو دس لاکھ اختلافات سامنے آ گئے - (تفصیل کے لئے دیکھئے انسائکلوپیڈیا برٹانیکا کا مضمون (Gospel) اور انسائکلوپیڈیا اوف ریلیجنز اینڈ اتھکس کا مضون (Bible) -

یہ ہے مختصراً انجیل کی کیفیت جسے عیسائی دنیا آسمانی کتاب مانتی ہے - واضح رہے کہ اناجیل میں یہ تحریفات سہواً نہیں کی گئیں - دانستہ اور ''کارثواب'' سمجھ کر کی گئی ہیں - چنانچہ (اور تو اور خود) سینٹ پال کا بیان ہے کہ

> اگر میرے جھوٹ کے سبب سے، خدا کی سچائی اس کے جلال کے واسطے ظاہر ہوئی تو پھر مجھ پر ایک گنہگار کیطرح کیوں حکم دیا جاتا ہے ؟

(رومیوں کے نام خط - ۳/۷)۔

اس ''جھوٹ'' سے ''خدا کی سچائی اس کے جلال کے واسطے'' کسطرح ظاہر ہوئی، اس کے متعلق (زیادہ نہیں) صرف ایک شہادت کافی ہوگی - ڈاکٹر جوڈ اپنی کتاب (God And Evil) میں لکھتا ہے کہ

جو چیز سب سے زیادہ افسوسناک ہے وہ حضرت عیسیٰ ؑ کا وہ کیریکٹر ہے جسے اناجیل پیش کرتی ہیں۔ (صفحہ ۳۱۹)۔

اس سے یہ حقیقت سمجھ میں آجائیگی کہ جب قرآن نے یہ کہکر کہ انجیل محرف ہے، حضرت مریم اور حضرت عیسیٰ ؑ کے صحیح سوانح حیات پیش کئے تو یہ خود دنیائے عیسائیت پر کتنا بڑا احسان تھا۔

ا ن س

اُنْسٌ۔ مانوس ہونا۔ (وحشت کی ضد ہے)۔ چنانچہ اَلْحُمُرُ الْإِنْسِيَّةُ پالتو گدھوں کو کہتے ہیں۔ اور حِمَارٌ وَحْشِيٌّ جنگلی گدھے (گورخر) کو۔ اِسْتَانَسَ الْوَحْشِيُّ کے معنی ہیں جانور مانوس ہو گیا*۔

اِنْسُ فُلَانٍ۔ فلاں شخص کا خاص دوست یا اس کا خالص رفیق۔ اِنْسٌ۔ بشر۔ اس کا واحد اِنْسِيٌّ ہے۔ الْاِنْسُ: وہ قبیلہ جو کسی جگہ مقیم ہو*۔ اِنْسٌ کے برعکس، وہ خانہ بدوش قبائل جو جگہ جگہ پھرتے رہتے تھے اور اس طرح عام نگاہوں سے اوجھل رہتے تھے، جِنٌّ کہلاتے تھے۔ (دیکھئے عنوان ۔ ج ۔ ن ۔ ن)۔ ابن فارس نے کہا ہے کہ اِنْسٌ کے بنیادی معنی ظاہر ہونے کے ہیں۔ برعکس اَلْجِنُّ کے، جس کے معنی پوشیدہ ہونے کے ہیں۔ اس کی جمع اُنَاسٌ اور اَنَاسِيٌّ آتی ہے۔ بعض کے نزدیک اَلنَّاسُ بھی اس کی جمع ہے۔ قبیلے کے معنوں میں اُنَاسٌ سورۃ بقرہ میں آیا ہے۔ قَدْ عَلِمَ كُلُّ اُنَاسٍ مَشْرَبَهُمْ ۔ ($\frac{۲}{۶۰}$)۔ "سب قبیلوں نے اپنا اپنا گھاٹ جان لیا"۔ نوع انسانی کے معنوں میں اَنَاسِيٌّ اور اَلنَّاسُ سورۃ فرقان میں آئے ہیں۔ (دیکھئے $\frac{۲۵}{۴۹}$; $\frac{۲۵}{۵۰}$)۔

لفظ اِنْسَانٌ کے متعلق بہت سی توجیہات پیش کی جاتی ہیں لیکن اکثر لوگوں کا خیال یہی ہے کہ یہ بھی اِنْسٌ سے ہی ہے۔ قرآن میں اِنْسَانٌ اور بَشَرٌ مرادف معنوں میں استعمال ہوئے ہیں (دیکھئے $\frac{۱۵}{۲۸ ; ۲۶}$)۔ نیز اِنْسِيًّا بھی بَشَرٌ کے ساتھ آیا ہے ($\frac{۱۹}{۲۶}$)۔

اَلنَّاسُ۔ جیسا کہ اوپر لکھا گیا ہے بعض کے نزدیک یہ اِنْسٌ کی جمع ہے۔ بعض کا خیال ہے کہ یہ قَوْمٌ کی طرح اسم جمع ہے۔ بعض کے نزدیک اَلنَّاسُ دراصل اُنَاسٌ تھا جو اِنْسٌ کی جمع ہے۔ ایک گروہ کا خیال ہے کہ یہ دراصل اَلْاُنَاسِيُّ تھا۔ کثرت استعمال سے آخر کی یاء گر گئی۔ اس کے بعد اَلْاُنَاسُ کا درمیانی ہمزہ بھی تخفیفاً حذف کر دیا اور اس طرح اَلنَّاسُ باقی رہ گیا**۔

---

* تاج و لین و اقرب الموارد۔ ** تاج

آنَسَ کے معنی دیکھنے اور محسوس کرنے کے ھیں ۔ تذکرہ حضرت موسیٰ[۴] میں جہاں انہوں نے کہا ھے اِنِّیْ آنَسْتُ نَارًا (۲۷/۷ ؛ ۲۰/۹) تو اس میں آنَسَ کے معنی دیکھنے کے ھیں ۔ اِیْنَاس ۔ کسی شے کی معرفت اور ادراک حاصل کر لینے اور یقین کو کہتے ھیں** ۔ مُسْتَانِس ۔ جو مانوس اور بے تکلف ھو ۔ سورۃ احزاب میں ھے مُسْتَانِسِیْنَ لِحَدِیْثٍ (۳۳/۵۳) ۔ اس کے معنی ھیں بے تکلف باتوں میں لگ جانا ۔

اِسْتَانَسَ ۔ اجازت طلب کرنا ۔ سورۃ نور میں ھے حَتّٰی تَسْتَانِسُوْا (۲۴/۲۷) اس کے معنی اگلی آیت (۲۴/۲۸) سے واضح ھو جاتے ھیں ۔ اِسْتَانَسَ کے معنی در اصل معلومات حاصل کرنے کے ھوتے ھیں ۔ جو شخص کسی مکان کے باھر کھڑا ھو کر دستک یا آواز دیتا ھے وہ دریافت کرتا ھے کہ گھر میں کوئی ھے ۔ اور اگر ھے تو وہ اندر آسکتا ھے؟ اس بنا پر یہ لفظ اِسْتِئْذَان (اجازت طلبی) کے معنوں میں استعمال ھونے لگا ۔ اس قسم کی اجازت طلبی سے مقصود یہ ھوتا ھے کہ آنے والا گھر کے اندر داخل ھونے سے پہلے ایسا انداز اختیار کرے جس سے وہ اھل خانہ کے نزدیک اجنبی نہ رھے ۔ مانوس ھو جائے ۔

قرآن کا خدا رَبِّ النَّاسِ ۔ مَلِکِ النَّاسِ ۔ اِلٰہِ النَّاسِ (۱۱۴/۱-۳) ھے اور خود قرآن بَصَآئِرُ لِلنَّاسِ (۴۵/۲۰) ۔ اس لئے یہ دعوت بلا حدودِ زمان و مکان ، تمام نوع انسانی کے لئے ھے اور خدا کی ربوبیت، ربوبیت عالمینی ھے ۔

نوٹ :۔ قرآن میں جِنّ و اِنْس کے الفاظ اکٹھے بھی آئے ھیں اور انسان سے پہلے جانّ کی تخلیق کا بھی ذکر آیا ھے (۱۵/۲۷) ۔ اس کے لئے (ج ۔ ن ۔ ن) کا عنوان دیکھئے) ۔

ا ن ف

اَلْاَنْفُ ۔ ناک* ۔ ھر چیز کی ابتدا اور اس کا مضبوط اور سخت ترین حصہ* ۔ اَلْاَنْفُ یا اَلْاَنْفِ (۵/۴۵) ۔ '' ناک کے بدلے ناک'' ۔ اَلْاِسْتِئْنَافُ کسی کام کو از سر نو شروع کرنا* ۔ عرب ' عزت اور ذلت دونوں کی نسبت اَنْف کی طرف کرتے ھیں ۔ مثلاً حَمِیَ اَنْفُہٗ ۔ وہ معزز ھو گیا ، اور رَغِمَ اَنْفُہٗ ۔ وہ ذلیل ھو گیا** ۔ ھماری زبان میں بھی '' اونچی ناک والا '' اور '' ناک کٹ گئی '' عزت اور ذلت کے معنوں میں بولتے ھیں ۔

* تاج و راغب ۔ **محیط ۔

اٰنِفاً - ابھی ابھی - قرآن کریم میں ہے مَاذَا قَالَ اٰنِفاً (۴۷/۱۶) اس نے ابھی ابھی کیا کہا تھا؟ -

ا ن م

اَلْاَنَامُ مخلوق کو کہتے ہیں - یا صرف جن و انس کو کہتے ہیں - بعض لوگوں نے کہا ہے کہ ان تمام چیزوں کو آنَامٌ کہتے ہیں جو روئے زمین پر ہیں - غالباً یہ نَوْمٌ سے ماخوذ ہے اور ہر اس چیز کو آنَامٌ کہہ سکتے ہیں جس پر نیند طاری ہوتی ہو*۔ بعض لوگوں نے کہا ہے کہ اَلْاَنَامُ ہر جاندار چیز کو کہتے ہیں۔**

قرآن کریم میں ہے وَالْاَرْضَ وَضَعَهَا لِلْاَنَامِ (۵۵/۱۰) ”زمین کو مخلوق کے فائدے کے لئے بنایا“۔ اس سے ظاہر ہے کہ کوئی ایسا نظام جس میں زمین (سر چشمہ رزق) تمام مخلوق کے فائدے کے بجائے چند افراد کے مفاد کا ذریعہ بن جائے (یا بے فائدہ پڑی رہے) منشائے خداوندی کے خلاف ہوگا۔ اس کی تشریح میں قرآن نے دوسرے مقام پر کہدیا ہے کہ ارض کو سَوَاءً لِلسَّائِلِيْنَ (۴۱/۱۰) رہنا چاہئے۔ یعنی اسے تمام ضرورت مندوں کے لئے یکساں طور پر کھلا رہنا چاہئے۔ (مزید تفصیل ا-ر-ض کے عنوان میں ملیگی)۔

اِنَّ (حرف)

اِنَّ - تاکید اور تحقیق کے لئے آتا ہے - اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا (۲/۶) یہ حقیقت ہے کہ جو لوگ (اس نظام حیات سے) انکار کرتے ہیں -

اِنَّمَا (اِنَّ + مَا) - صرف (Only) کے معنوں میں بھی آتا ہے - (اسے حصر کہتے ہیں) اِنَّمَا الصَّدَقٰتُ لِلْفُقَرَاءِ (۹/۶۰) صدقات صرف فقراء کے لئے ہیں - اور محض تاکید کے لئے بھی (نیز دیکھئے عنوان - مَا) -

اِنِّيْ در اصل اِنَّ اور يِ (متکلم کی ضمیر) سے مل کر بنا ہے - اسے اِنِّيْ اور اِنَّنِيْ دونوں طرح بولا جاتا ہے -

اِنَّا - در اصل اِنَّ اور نَا (جمع متکلم کی ضمیر) کا مرکب ہے - اسے اِنَّا - اور اِنَّنَا دونوں طرح بولا جاتا ہے -

* تاج - ** محیط -

أَنَّ - (حرف)

اَنَّ درحقیقت اِنَّ کی طرح ہے ۔ تاکید کے لئے آتا ہے ۔ جب اس پر کاف تشبیہ کا آجائے تو کَاَنَّ ہو جاتا ہے ۔ (دیکھئے ''کَاَنَّ'' کے ماتحت)

آنّمَا کے معنی بھی اَنَّ ہی کے ہوتے ہیں ۔ مطلب تحقیق اور تاکید ہوتا ہے ۔ آنّمَا اِلٰـهُكُمْ اِلٰهٌ وَاحِدٌ (۲۱/۱۰۸) ۔ یقیناً تمہارا الٰـہ' الٰہِ واحد ہے ۔ اس پر کاف تشبیہ آجائے تو کَاَنّمَا ہو جاتا ہے ۔

اِنَّ اور آنَّ کے استعمال میں فرق یہ ہے کہ ابتدائے کلام میں اِنَّ استعمال کرتے ہیں اور درمیان کلام میں آنَّ استعمال کرتے ہیں ۔ البتہ قَالَ اور اس کے مشتقات کے بعد اِنَّ استعمال کیا جاتا ہے ۔ آنَّ استعمال نہیں کیا جاتا ۔

اَنّٰی (حرف)

(۱) آنّٰی ۔ کَیْفَ (کسطرح ۔ کیونکر) کے معنوں میں ۔ وَ آنّٰی لَـهُ الذِّكْرٰى (۸۹/۲۳) ۔ اور (اس دن) اسکے لئے قانون کی یاد دھانی کسطرح ہوسکے گی؟

(۲) مَتٰی (کب اور جب) کے معنوں میں ۔ قَالَ رَبِّ آنّٰی يَكُوْنُ لِیْ غُلٰمٌ (۱۹/۸) ۔ زکریا نے کہا ۔ اے میرے نشوونما دینے والے! میرے ہاں کب بیٹا پیدا ہوگا ۔ (لیکن یہاں اس کے معنی ''کسطرح'' یا ''کیونکر'' بھی ہوسکتے ہیں) ۔

(۳) مِنْ اَیْنَ (کہاں سے) کے معنوں میں ۔ آنّٰی لَكِ هٰذَا (۳/۳۶) ۔ تجھے یہ (رزق) کہاں سے ملا؟ (یہاں اسکے معنی ''کسطرح ۔ کیسے یا کیونکر'' بھی ہوسکتے ہیں) ۔

(۴) ''کدھر'' کے معنوں میں ۔ فَاَنّٰی تُؤْفَكُوْنَ (۶/۹۶) ۔ تم کدھر الٹے پھر رہے ہو ۔

(۵) سورۂ بقرہ میں ہے ۔ نِسَآؤُكُمْ حَرْثٌ لَّكُمْ ۔ فَاْتُوْا حَرْثَكُمْ آنّٰی شِئْتُمْ (۲/۲۲۳) ۔ تمہاری عورتیں تمہاری کھیتیاں ہیں ۔ تم اپنی کھیتیوں میں (ممنوع اوقاتِ حیض کے علاوہ) جب جی چاہے آؤ ۔ یہاں آنّٰی کے معنی جب ہیں (ضحاک) ۔ ابن عباس کا قول ہے کہ اسکے معنی ہیں ۔ آنّٰی شِئْتُمْ مِنَ اللَّيْلِ وَ النَّهَارِ ۔

رات اور دن میں جب تم چاہو۔ صاحب تاج العروس نے بھی اسکے معانی میں ''جب،، شامل کیا ہے۔ مرزا ابوالفضل نے (غریب القرآن میں) ابوحیان کے حوالے سے لکھا ہے کہ اسکے معنی ''اگر،، کے ہیں۔ یعنی اگر تم چاہو۔

ا ن ی

اَنَی الشَّیْءُ اَنْیاً۔ کسی بات کا وقت ہو جانا۔ اسکا اپنی غایت اور تکمیل تک پہنچ جانا۔ پختہ ہو جانا۔ بَلَغَ ھٰذَا اَنَاہُ وَ اِنَاہُ۔ یہ چیز اپنی پختگی اور تکمیل کو پہنچ گئی * سورۃ احزاب میں ہے۔ نٰظِرِیْنَ اِنٰہُ (۳۳/۵۳)۔ کھانے کے وقت کا انتظار کرنے والے۔ یعنی جب تمہیں کھانے پر بلایا جائے اس وقت آؤ۔ یہ نہ کرو کہ یونہی آجاؤ اور پھر باتیں کرتے رہو تاآنکہ کھانے کا وقت آجائے اور تم اس میں (خواہ مخواہ) شامل ہو جاؤ۔ سورۃ الحدید میں ہے اَلَمْ یَاْنِ لِلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا (۵۷/۱۶) راغب نے لکھا ہے کہ اسکے معنی یہ ہیں کہ کیا مومنین کے لئے اسبات کی تکمیل اور پختگی کا وقت نہیں آیا؟ سورۃ غاشیہ میں عَیْنٍ اٰنِیَۃٍ آیا ہے (۸۸/۵)۔ اسکے معنی ہیں چشمے کا وہ پانی جو اپنی حرارت میں شدت تک پہنچ گیا ہو۔ کھولتا ہوا۔

اَلْاِنَاءُ۔ برتن *۔ جمع آنِیَۃٌ۔ (۷۶/۱۵)

اَلْاٰنَاءُ جمع ہے اَنًی۔اِنْیٌ کی، جس کے معنی وقت کا کچھ حصہ۔ ساعت ہیں۔ اٰنَاءُ الَّیْلِ۔ رات کی گھڑیاں * (۳/۱۱۲ ذ ۲۰/۱۳۰) ابن فارس نے کہا ہے کہ اِنْیٌ رات کے کسی وقت کے لئے ہی بولا جاتا ہے۔ اٰنَیْتُ الشَّیْءَ۔ میں نے اس چیز کو اسکے وقت سے مؤخر کر دیا **

ا ھ ل

اَھْلٌ۔ صاحب محیط نے لکھا ہے کہ اس مادہ کے معنے عبرانی زبان میں خیمہ کے ہوتے ہیں۔ اس اعتبار سے اسکا مفہوم ہؤا وہ لوگ جو ایک خیمہ میں رہتے ہوں*** اسکے بعد (راغب کے الفاظ میں) یہ لفظ ان لوگوں کیلئے بولا جانے لگا جو آپس میں نسب۔ دین یا پیشہ۔ مکان اور شہر میں مشترک ہوں۔** عام طور پر اَھْلُ الرَّجُلِ آدمی کے خاندان اور قریبی رشتہ داروں کو کہتے۔ ہیں اَھْلُ الْبَیْتِ۔ گھر میں رہنے والے۔ اَھْلُ الرَّجُلِ۔ بیوی اور

---

* تاج۔ ** راغب *** محیط۔

اولاد کے لئے بھی آتا ہے**۔ لیکن صاحب محیط کے نزدیک اس سے بالخصوص بیوی مراد ہوتی ہے۔* آھِلَیۃٌ اس چوپایہ کو کہتے ہیں جو مکانات سے مانوس ہو جائے* یعنی پالتو۔

بیشک قرآن کریم قرابت اور رشتہ داری کو اہمیت دیتا ہے لیکن اس کے نزدیک انسانوں کی بنیادی تقسیم کا ایک ہی معیار ہے۔ یعنی کفر اور ایمان (Ideology)۔ جو لوگ ایک دین کے رشتہ میں پروئے جائیں، وہ ایک گروہ، جماعت اور قوم کے افراد۔ لہذا اپنے۔ جو اس رشتہ سے باہر ہوں، وہ دوسری جماعت اور قوم سے متعلق۔ لہذا بیگانے۔ ان اپنوں میں سے جو قرابت دار ہوں وہ اس قرابت داری کی بنا پر قریبی ہو جاتے ہیں لیکن اگر قرابت دار دین میں مشترک نہوں تو وہ اپنوں میں سے نہیں رہتے۔ یہ وہ حقیقت تھی جسے حضرت نوح[۴] پر یہ کہکر منکشف کیا گیا کہ تمہارا بیٹا اِنَّهٗ لَيْسَ مِنْ اَهْلِكَ (۱۱/۴۶) وہ تمہارے اہل میں سے نہیں ہے*** اس لئے کہ اِنَّهٗ عَمَلٌ غَيْرُ صَالِحٍ (۱۱/۴۶) اسکے اعمال غیر صالح ہیں۔ اس سے پہلے بتا دیا گیا کہ وہ بیٹا جماعت مومنین میں شریک نہیں ہوا تھا۔ وَكَانَ فِيْ مَعْزِلٍ (۱۱/۴۲) لہذا حضرت ابراہیم[۴] کا باپ ہو یا حضرت نوح[۴] کا بیٹا۔ حضرت لوط[۴] کی بیوی ہو یا نبی اکرم[۴] کے قریب ترین رشتہ دار (مثلاً چچا) اگر وہ دین کے رشتہ میں منسلک نہیں ہوتے تو وہ اَهْلٌ میں سے نہیں ہوسکتے۔ اتنا سمجھ لینا ضروری ہے کہ جو لوگ اسطرح اپنے اہل میں سے نہ ہوں ان سے نفرت اور عداوات کا سلوک نہیں کیا جائے گا۔ عدل و انصاف اور انسانیت کا سلوک کیاجائیگا۔ اہل کی امتیازی خصوصیت یہ ہوگی کہ یہ اس جماعت کے افرد ہونگے جو قرآن کے نظام ربوبیت کی حامل ہوگی، یعنے جن کے ذمہ نوع انسانی کی پرورش کا اہم فریضہ ہوگا۔

هُوَ اَهْلٌ لِكَذَا۔ وہ اسکا مستحق ہے*۔ سورۃ نساء میں ہے اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُكُمْ اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمٰنٰتِ اِلٰۤى اَهْلِهَا (۴/۵۸) "اللہ تم کو حکم دیتا ہے کہ امانتیں ان کے اہل کی طرف لوٹا دو"۔ یہاں امانات سے اگر وہ چیزیں مراد ہیں جو کوئی شخص کسی دوسرے کے پاس بطور امانت رکھ دے تو آیت کا مطلب یہ ہوگا کہ کسی کی امانت میں خیانت نہ کرو۔ اسے اس کے مالک کو واپس دیدو۔ اور اگر امانات سے مراد امت کی وہ چیزیں ہیں

---

* محیط۔ ** تاج و راغب۔ *** (بعض نے کہا ہے کہ یہاں اہل کے معنے سزاوار۔ شایان شان ہیں۔ غریب القرآن از مرزا ابوالفضل)

جو ارباب بست و کشاد کے پاس بطور (Trust) ہوتی ہیں۔ مثلاً اختیارات وغیرہ، تو آیت کا مطلب یہ ہوگا کہ یہ چیزیں ان لوگوں کے سپرد کرو جو ان کے اہل ہوں۔ نا اہلوں کے سپرد مت کرو۔

قرآن کریم میں آھْلُ الْکِتَابِ کا ذکر بڑی کثرت سے آیا ہے۔ اس زمانے کے عربوں میں دو گروہ تھے۔ ایک وہ جو کسی نہ کسی آسمانی کتاب پر ایمان رکھنے کے مدعی تھے۔ یہ آھْلُ الْکِتَابِ کہلاتے تھے۔ اور دوسرے وہ جو کسی آسمانی کتاب کو نہیں مانتے تھے۔ انہیں بالعموم مُشْرِکِیْنَ کہکر پکارا گیا ہے۔ (اگرچہ جہانتک شرک کا تعلق ہے ان اہل کتاب میں بھی شرک کے عقائد پائے جاتے تھے۔ تفصیل کے لئے دیکھئے عنوان ش۔ ر۔ ک) عرب کے غیر اہل کتاب کو اُمِّیِّیْنَ بھی کہا گیا ہے۔ (دیکھئے عنوان ا م م) ان تمام گروہوں میں سے جو لوگ رسول اللہ ؐ پر ایمان لے آتے مومنین کہلاتے تھے، اور جو اس جماعت سے باہر رہ جاتے تھے کافرین کہلاتے تھے۔

لہذا رسول کا اہل وہ ہے جو اسکی پیروی کرے (۷/۸۳)۔ نیز (جیسا کہ پہلے لکھا جاچکا ہے) اسکے معنے حقدار، مالک اور ان کے بھی ہیں جو کسی کام کی اہلیت رکھیں (۴/۵۸)۔

اَوْ (حرف)

اَوْ۔ "یا" کے معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔

(۱) شک کے لئے۔ مثلاً لَبِثْنَا یَوْماً اَوْ بَعْضَ یَوْمٍ (۱۸/۱۹)۔ ہم ایک دن یا دن کا کچھ حصہ ٹھہرے ہیں۔ یعنی کہنے والے کو یقینی طور پر علم نہیں کہ ان دونوں میں سے کونسی ایک بات ہوئی ہے۔

(۲) جب دو چیزوں میں اختیار دیا جائے کہ چاہے یہ کر لو اور چاہے وہ کر لو۔ تَزَوَّجْ ھِنْداً اَوْ اُخْتَھَا۔ چاہے ہندہ سے شادی کر لو اور چاہے اس کی بہن سے۔ قرآن کریم میں اس کی متعدد مثالیں ہیں۔

(۳) جب اس کے پہلے نفی آ جائے تو اَوْ سے مطلب یہ ہوتا ہے کہ دونوں چیزوں میں سے ایک بھی نہیں۔ وَلَا تُطِعْ مِنْھُمْ اٰثِماً اَوْ کَفُوْراً (۷۶/۲۴)۔ تم نہ کسی آثم کی اطاعت کرو اور نہ کفور کی۔

(۴) "بلکہ" کے معنوں میں۔ وَاَرْسَلْنٰہُ اِلٰی مِائَۃِ اَلْفٍ اَوْ یَزِیْدُوْنَ (۳۷/۱۴۷) اور ہم نے اسے ایک لاکھ کی طرف بھیجا۔ بلکہ وہ اس سے بھی زیادہ تھے۔

(۵) حتّٰی (یہاں تک کہ) کے معنوں میں۔ تُقَاتِلُوْنَهُمْ اَوْ يُسْلِمُوْنَ (۴۸/۱۶) تم ان کے ساتھ جنگ کرو یہاں تک کہ وہ تمہارے تابع فرمان ہو جائیں۔

(۶) ''کبھی یوں ہوا اور کبھی یوں ہوا،، کے معنوں میں۔ فَجَاءَ هَا بَأْسُنَا بَيَاتاً اَوْ هُمْ قَائِلُوْنَ۔ (۴/۷)۔ سو ہمارا عذاب کبھی ان پر رات کے وقت آیا اور کبھی اس وقت جب وہ دوپہر کو آرام کر رہے تھے۔ یعنی کسی قوم پر رات کے وقت اور کسی قوم پر دوپہر کے وقت۔

او ب

اَلْاَوْبُ۔ تیز دوڑتے وقت ٹانگوں کو لوٹا کر پیچھے لانا اور تیزی سے گھمانا۔ اَلْاَوْبَاتُ۔ ٹانگوں کو کہتے ہیں۔ اَلتَّاوِيْبُ کے معنی ہیں دن بھر سفر کر کے رات میں ٹھہرنا۔ رِيْحٌ مُؤَوِّبَةٌ۔ اس ہوا کو کہتے ہیں جو دن بھر چلتی رہے*۔ اَوْبٌ کے معنے لوٹنے اور رجوع کرنے کے بھی ہیں۔ رُجُوعٌ اور اَوْبٌ کے معنوں میں فرق یہ ہے کہ رُجُوعٌ ارادہ و اختیار کے ساتھ یا بلا ارادہ لوٹنے کے لئے بولا جاتا ہے لیکن اَوْبٌ صرف صاحب اختیار و ارادہ کیلئے ہوتا ہے۔ یعنے کسی کی طرف بالا رادہ رجوع کرنا**۔ اَلْمَآبُ۔ پلٹنا اور رجوع کرنا۔ نیز مستقر۔ جہاں ٹھہرا جائے، جہاں کوئی چیز چھپ جائے۔ یا وہ جگہ جہاں کوئی چیز پلٹ کر جائے۔ چنانچہ کہتے ہیں بَيْنَهُمَا ثَلَاثُ مَآوِبَ۔ ان دونوں (مقامات) کے درمیان تین ٹھہرنے کے مقامات (منازل یا پڑاؤ) ہیں*۔

قرآن کریم میں ہے اِنَّ اِلَيْنَا اِيَابَهُمْ (۸۸/۲۵)۔ ''ان کا لوٹنا ہماری ہی طرف ہے،،۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ لوگ غلط راستے پر چل رہے ہیں اور سمجھ رہے ہیں کہ یہ راستہ ہمیں زندگی کی خوشگواریوں کی طرف لے جائیگا۔ یہ ان کی بھول ہے۔ ان کا ہر قدم اس منزل کی طرف اٹھ رہا ہے جو ہم نے ان کے اعمال کے نتائج کے لئے مقرر کر رکھی ہے۔ ان کا کوئی قدم ہمارے قانونِ مکافات کے احاطہ سے باہر نہیں جا سکتا۔ یہ کشاں کشاں اسی کی طرف جا رہے ہیں۔ اس لئے کہ اِنَّ عَلَيْنَا حِسَابَهُمْ (۸۸/۲۶)۔ ان کے ہر عمل کا حساب ہمارے قانون مکافات کے ذمے ہے۔

* تاج۔ ** راغب و محیط۔

اس اعتبار سے حُسْنِ عمل کے نتائج کو حُسْنُ الْمَآبِ (۳/۱۳) کہا گیا ہے - یعنی خوشگواریوں کی توازن بدوش منزل - لیکن آخری مقام نہیں بلکہ راستہ میں ٹھہرنے کی منزل - اس لئے کہ قرآن کی رو سے جنت انسانی زندگی کے ارتقائی منازل میں سے ایک منزل ہے (تفصیل جنت کے عنوان میں ملیگی - دیکھئے - ج - ن - ن) -

حضرت ایوب[ع] کے متعلق ہے، اِنَّهٗ اَوَّابٌ (۳۸/۴۴) - یعنی بڑی تیزی سے قانونِ خداوندی کی طرف دوڑنے والا - اطاعت گزار - انہی معانی میں حضرت داؤد[ع] کی قوم کے سرداروں سے کہا گیا کہ یٰجِبَالُ اَوِّبِیْ مَعَهٗ (۳۴/۱۱) - "داؤد کے ساتھ تم بھی نہایت سرگرمی سے قانونِ خداوندی کی اطاعت کرو" - (لفظی اعتبار سے یٰجِبَالُ کے معنی ہیں "اے پہاڑو" - لیکن اس کے مجازی معنی سردارانِ قوم ہیں - دیکھئے عنوان - ج - ب - ل) -

ا و د

اَلْاَوَدُ - ٹیڑھا ہو جانا - الْاَوْدُ : جھکانا اور ٹیڑھا کر دینا ، گران گذرنا - شاق گذرنا - بوجھل اور گرانبار کرنا - چنانچہ اَلْاَوْدَةُ بوجھ کو کہتے ہیں - کسی چیز کا بار بن جانا - اٰدَهُ الْاَمْرُ - کسی معاملہ کی گراں باری نے اسکی کمر ٹیڑھی کردی - تَاَوَّدَهُ الْاَمْرُ - اس معاملہ نے اسے جھکا دیا اور گرانبار کردیا -*

لَا یَـؤُدُهٗ حِفْظُـهُـمَا (۲/۲۵۵) - کائنات کا کنٹرول خدا پر قطعاً گراں نہیں گذرتا - اسپر بوجھ نہیں بن رہا - اصل میں اسکے بنیادی معنی کسی چیز کا مڑ کر جھک جانا یا ٹیڑھا ہو جانا ہیں (ابن فارس) - یعنی بوجھ سے جھک جانا اور ٹیڑھا ہو جانا -

ا و ل

آلَ اِلَیْهِ اَوْلاً - اس کی طرف رجوع کیا - لوٹا - آلَ عَنْهُ - اسکی طرف سے پھر گیا - اسکے بنیادی معنے لوٹنے اور رجوع کرنے کے ہیں - چنانچہ کہتے ہیں اَوَّلَ اللهُ عَلَیْکَ ضَالَّتَکَ - خدا تیری کھوئی ہوئی چیز کو تیری طرف لوٹا دے - مَآل کہتے ہیں اس نقطہ یا مقام کو جس کی طرف کوئی بات آخر الامر لوٹ کر آئے - انجام کار - کسی بات کا آخری نتیجہ - تَاْوِیْلٌ

* تاج و محیط -

کسی بات کو اسکے صحیح رخ کیطرف پھیرنے کو کہتے ہیں۔ اَوَّلَ الْکَلَامَ تَاْوِیْلاً۔ اسنے بات کا نتیجہ اور اندازہ واضح کیا۔ اسنے کلام (بات) کی ترجمانی کی۔ *

آلَ عَلَی الْقَوْمِ کے معنے ہیں وہ قوم کا والی اور حاکم بن گیا۔ آلَ الْمَالَ وَ اِئْتَالَـهٗ۔ اس نے مال کی خبر گیری کی۔ اسکا انتظام کیا۔ اسے درست کیا۔ اَلْاِیَالَـةُ۔ سیاست۔ حدود مملکت۔ **

آلَ کے معنی کم ہو جانا اور نجات پانا بھی ہوتے ہیں۔ *

اَوَّلُ۔ آخِرٌ کی ضد ہے (۵۷/۳)۔ سب سے پہلا۔ راغب نے کہا ہے کہ اَنَا اَوَّلُ الْمُسْلِمِیْنَ کے معنی یہ ہیں کہ میں سب سے پہلے قوانین خداوندی کے سامنے جھک کر دوسروں کے لئے نمونہ یا مقتدا بنتا ہوں۔

قرآن میں خدا کے لئے اَلْاَوَّلُ آیا ہے۔(۵۷/۳) اس سے اسکی وہ لامحدودیت (Infinity) مراد ہے جس کا احاطہ انسانی ذہن نہیں کرسکتا۔

اَوِلَ الرَّجُلُ یَاْوَلُ اَوَلاً۔ وہ سابق ہو گیا۔ سب سے پہلے نمبر پر ہو گیا۔ ابن فارس نے کہا ہے کہ اس کے بنیادی معنی ابتدائے امر اور انتہائے امر دونوں کے آتے ہیں۔ اُوْلٰی اس کی تانیث ہے۔ * اَلْاٰخِرَةُ وَالْاُوْلٰی(۲۵/۸۹)۔ آلٌ۔ آدمی کے اہل و عیال۔ رفقاء۔ متبعین۔ آلٌ کا استعمال شرفاء ہی میں ہوتا ہے، اراذل میں نہیں ہوتا۔ * قرآن میں آلِ یَعْقُوْبَ (۱۲/۶ میں) اولاد کے معنوں میں آیا ہے۔ اور رفقا اور متبعین کے معنے میں آلَ فِرْعَوْنَ (۲/۴۹ میں)۔ اَلْاٰلَـةُ۔ حالت۔ اوزار۔ اسکی جمع آلاتٌ ہے۔ *

قرآن میں تَاْوِیْلٌ کا لفظ بات کے آخری نتیجہ کیلئے استعمال ہوا ہے۔ انجام کار۔ مآل کار۔ ذٰلِکَ خَیْرٌ وَّ اَحْسَنُ تَاْوِیْلاً (۴/۵۹)۔ ''یہ روش سب سے بہتر ہے اور اسکا نتیجہ نہایت عمدہ نکلیگا''۔ هَلْ یَنْظُرُوْنَ اِلَّا تَاْوِیْلَهٗ (۷/۵۳) ''اب انہیں صرف اسکا انتظار ہے کہ اس کتاب کے دعاوی کی صداقت ان کے سامنے آجائے''۔ یعنی اس کتاب نے ان کے اعمال کے جو نتائج بتائے تھے وہ انکے سامنے آجائیں۔ حضرت موسیٰؑ اور ان کے ہم سفر بزرگ کے قصے کے آخر میں ہے کہ انہوں نے حضرت موسیٰؑ سے کہا کہ سَاُنَبِّئُکَ بِتَاْوِیْلِ مَا لَمْ تَسْتَطِعْ عَلَیْهِ صَبْرًا (۱۸/۷۸)۔ ''میں اب تجھے ان باتوں کی حقیقت کی خبر دیتا ہوں جسے معلوم کرنے کیلئے تو

* تاج۔ ** تاج و محیط۔

اسقدر مضطرب و بیقرار تھا،، - حضرت یوسف[ؑ] کے متعلق حضرت یعقوب[ؑ] نے کہا تھا کہ وَ یُعَلِّمُکَ مِنْ تَاْوِیْلِ الْاَحَادِیْثِ (۱۲/۶) - خدا تجھے ایسی بصیرت و فراست عطا کریگا کہ تو بات سنکر فوراً اسکی تہ تک پہنچ جایا کریگا - معاملات کے آغاز پر نگاہ ڈالکر ان کے انجام تک پہنچ جایا کریگا - تمہاری فراست کی یہ کیفیت ہوگی - کہ خارے دید و احوالِ چمن گفت - خواب کی تعبیر کو بھی اسی لئے تَاْوِیْل[ؑ] کہتے ہیں (۱۲/۳۶) کہ اس سے انسان خواب کے مبہم اشارات سے اس کی حقیقت کا اندازہ لگا لیتا ہے -

قرآن کریم میں آیاتِ متشابہات کے متعلق کہا گیا ہے کہ وَمَا یَعْلَمُ تَاْوِیْلَهٗ اِلَّا اللّٰهُ وَالرَّاسِخُوْنَ فِی الْعِلْمِ (۳/۶) - یعنی یہ بات کہ فلاں تشبیہ اور مثال سے اصلی مقصود کیا ہے اس کا علم خدا کو ہوتا ہے یا ان لوگوں کو جو علم میں پختگی حاصل کرتے رہتے ہیں -(مزید تفصیل کے لئے دیکھئے عنوان ش - ب - ہ اورح - ک - م) -

اُولَاءِ (اسم)

اُولَاءِ - یہ سب (جمع) - اس کا واحد ذَا آتا ہے (دیکھئے ذا -)

اُولٰئِکَ - وہ سب (جمع) - اس کا واحد ذَاکَ اور ذَالِکَ آتا ہے - (دیکھئے ذا -)

اُولٰئِکُمْ - وہ سب - مثلاً (۴/۹۱) میں - یہ مذکر اور مؤنث دونوں کے لئے آتا ہے - اس پر ہائے تنبیہ بھی آتی ہے ، جیسے هٰؤُلَاءِ بَنَاتِیْ (۱۱/۷۸) - یہ میری بیٹیاں ہیں -

اُولُوْا (اسم)

اُولُوْا - بمعنی ’’ والے ،، - (جمع مذکر) - اُولُوا الْاَلْبَابِ (۳۸/۲۹) - عقل و بصیرت والے(نصب اور جر میں) اُولِی الْاَلْبَابِ (۳۸/۴۳)- ان کا واحد ذُوْ آتا ہے (دیکھئے - ذُوْ)

اُولَاتُ - جمع مؤنث - (واحد ذَاتُ) - اُولَاتُ الْاَحْمَالِ (۶۵/۴) حمل والیاں -

ا - و - ن

اَلْاٰنَ - وہ وقت جسمیں تم موجود ہو* - اب - اسوقت - اَلْاٰنَ جِئْتَ بِالْحَقِّ (۲/۷۱) ’’اب تم سچی بات لائے ،، -

* تاج -

او ہ

آہِ ۔ آوْہٌ ۔ آوہِ ۔ یہ تمام کلمات شکایت اور درد کے وقت بولے جاتے ہیں ۔ اَلْاَوَّاہُ اس شخص کو کہتے ہیں جو بہت زیادہ تَاَوُّہٌ کرتا ہو۔ تَاَوُّہٌ کے معنی ہیں آوّہ کہنا ۔ یعنے حزن اور غم کا اظہار کرنا ۔ آہیں بھرنا ۔ لہذا اس سے مراد ہوتا ہے ایسا شخص جو بہت رقیق القلب ہو اور لوگوں کی حالت پر بہت زیادہ متاسف اور ان کا غمخوار ہو* ۔ ویسے سمجھدار اور فقیہ کو بھی کہتے ہیں اور بہت دعائیں کرنے والے کو بھی* ۔ حضرت ابراہیم[ع] کے متعلق ہے کہ وہ اَوَّاہٌ حَلِیْمٌ (۹/۱۱۴) تھے۔ رحمدل ۔ غمخوار۔ دوسروں کی مصیبت پر متاسف ہونے والے ۔

او ی

اَوَیْتُ مَنْزِلِیْ ۔ میں اپنے گھر میں اترا ۔ یا اس کی طرف لوٹا ۔ یا اس میں رہا ۔ یہ سب معنے آتے ہیں ۔ یہیں سے اَوَیٰ اِلَیْہِ کے معنی ہیں اس کی طرف جھکا اور مائل ہو گیا* ۔ اَوَیْتُ لَہٗ ۔ مجھے اس پر رحم آ گیا ۔ یعنے رَجَعْتُ اِلَیْہِ بِقَلْبِیْ ۔ میں اس کی طرف اپنے دل سے مائل ہوا** ۔ اَلْمَأْوٰی ۔ وہ جگہ جہاں کوئی چیز رات کو یا دن کو لوٹے ۔ وہ جگہہ جہاں اونٹ رات کو آرام کرنے کے لئے لوٹیں* ۔ اَلْاُوِیُّ ۔ ایک جھنڈ میں اکٹھے رہنے والے پرندوں کو کہا جاتا ہے ۔ اَلْمَأْوٰی ۔ اس باغیچہ کو بھی کہا جاتا ہے جہاں رات گذاری جائے ۔ اَوَیْتُہٗ ۔ میں نے اسے گھر میں اتارا* ۔ (نیز دیکھئے عنوان ث۔و۔ی)۔ ابن فارس نے کہا ہے کہ اس کے بنیادی معنی (۱) اکٹھا ہو جانا ۔ اور (۲) رحم اور ڈر کے ہیں ۔ سورۃ ہود میں ہے کہ حضرت نوح[ع] کے بیٹے نے کہا سَاٰوِیْ اِلٰی جَبَلٍ (۱۱/۴۳) ۔ ’’ میں پہاڑ کی طرف پناہ لینے کے لئے مراجعت کرونگا‘‘ ۔ سورۃ مومنون میں ہے اٰوَیْنٰهُمَا (۲۳/۵۰) ۔ ’’ ہم نے (عیسی اور مریم کو) پناہ دی ،، ۔ سورۃ احزاب میں تُئْوِیْ بمقابلہ تُرْجِیْ آیا ہے (۳۳/۵۱) ۔ یعنی اپنے پاس جگہ دینا ۔ سورۃ انفال میں ہے ۔ فَاٰوَاكُمْ (۸/۲۶) ۔ ’’ اللہ نے تمہیں پناہ دی ،، ۔ قرآن نے جنت کو اَلْمَأْوٰی کہا ہے (۵۳/۱۵) ۔ یعنی وہ مقام جہاں اس اطمینان سے رہا جائے کہ یہاں کسی قسم کا خطرہ نہیں ۔ جہاں یہ خوف نہ ہو کہ کوئی اچک

* تاج ۔ ** راغب ۔

کرلے جائیگا (۸/۲۹) - لیکن جہنم کے لئے بھی یہی لفظ آیا ہے - وَمَاْوٰھُمُ النَّارُ (۳/۱۵۰) - جہاں اس کے معنی مطلق رہنے کی جگہ کے ہیں - اس لئے که ماده کے اعتبار سے مَاْوٰی، ہر منزل، مرجع یا مسکن کو کہینگے -

اِیْ (حرف)

اِیْ - هاں - قُلْ اِیْ وَرَبِّیْ اِنَّهٗ لَحَقٌّ (۱۰/۵۳) - ان سے کہو که هاں - بیشک یہی بات ہے - میرا رب اس پر شاهد ہے که یه یقیناً حق ہے - اِیْ کے بعد قسم کا آنا ضروری ہے -

ا ی د

اٰدَ - یَئِیْدُ - اَیْدًا - مضبوط اور قوی هونا - سخت هونا - اَلْاٰدُ سختی اور قوت - یہی معنے اَلْاَیْدُ کے هیں - ذَاالْاَیْدِ - صاحبِ قوت - اَیَّدْتُه، تَاْیِیْدًا - کسی چیز کو بہت زیادہ تقویت دینا - اَلْاِیَادُ - جس چیز سے کسی کو تقویت دی جائے - مٹی جو خیمه کے کنارے لگائی جائے تا که بارش کا پانی اس کے اندر نه جائے - بلند ٹیله - محکم پہاڑ* - ابن فارس نے کہا ہے که اس کے بنیادی معنی قوت اور حفاظت کے هوتے هیں -

وَاَیَّدْنٰهُ بِرُوْحِ الْقُدُسِ (۲/۸۷) - "اور هم نے عیسیٰؑ کو روح القدس کے ذریعه تقویت دی" - وَالسَّمَآءَ بَنَیْنٰهَا بِاَیْدٍ (۵۱/۴۸) - "هم نے اجرام فلکی کو بڑی قوت کے ساتھ بنایا ہے" -

(اَیْدٍ - یَدٌ (هاتھ) کی جمع ہے - دیکھئے عنوان ی - د - ی)

ا ی ک

اَلْاَیْکُ - بہت سے گھنے درخت - درختوں کا جھنڈ - وہ بن جس میں بیری وغیرہ کے درخت اُگتے هوں - درختوں کی کثرت، خواہ وہ کسی قسم کے درخت هوں - اَیْکَةٌ واحد ہے* - قرآن کریم میں اَصْحٰبُ الْاَیْکَةِ (۱۵/۷۸) اهل مدین کیلئے آیا ہے جو گھنے جنگلوں میں رہتے تھے - (نیز دیکھئے عنوان اصحاب الایکة)

ا ی م

اَلْاِیَامُ - دھوئیں کو کہتے هیں اور اٰمَ یَئِیْمُ - وَیَؤُوْمُ اِیَامًا کے معنے هوتے هیں اس نے شہد کا چھته اتارنے کےلئے شہد کی مکھیوں کو

* تاج - محیط و راغب

دھونی دی تاکہ مکھیاں اڑ جائیں اور چھتہ خالی رہ جائے۔ اس سے آلْاَیِّمُ اس عورت کو کہتے ھیں جس کا شوھر نہو۔ اسکی جمع الْاَیَامٰی ھے۔ عربوں میں محاورہ تھا کہ اَلْحَرْبُ مَأْیَمَۃٌ لِلنِّسَاءِ۔ جنگ عورتوں کو بیوہ کر دیتی ھے*۔ قرآن کریم میں ھے وَاَنْکِحُوا الْاَیَامٰی مِنْکُمْ (۲۴/۳۲) جو تم میں مجرد ھوں (خواہ عورتیں خواہ مرد۔ غیر شادی شدہ ھوں یا رنڈوے مرد اور بیوہ عورتیں، اس میں سب داخل ھیں **) انکی شادی کر دیا کرو۔ اس سے واضح ھے کہ اسلامی معاشرہ کے فرائض میں سے یہ بھی ھے کہ وہ ایسے حالات اور سہولتیں پیدا کرے جن میں افراد معاشرہ ازدواجی زندگی بسر کرنے کے قابل ھو جائیں۔

أ ی ن

أَیْنَ۔ کہاں، کدھر، کس طرف، کس جگہ۔ اَیْنَمَا کے معنی ھیں، جدھر، جہاں کہیں۔ اَیْنَ الْمَفَرُّ؟ مفر کہاں ھے (۷۵/۱۰) اَیْنَ مَا تَکُوْنُوْا یَاْتِ بِکُمُ اللّٰہُ جَمِیْعًا.........(۲/۱۴۸)۔ جہاں کہیں بھی تم ھوگے اللہ تمہیں اکٹھا کریگا۔

أ ی

أَیٌّ۔ بمعنی کون۔ کیا۔ کونسا (استفہام کے لئے)۔ فَبِاَیِّ حَدِیْثٍ بَعْدَہٗ یُؤْمِنُوْنَ (۷/۱۸۵)۔ اس کے بعد یہ لوگ اور کس بات پر ایمان لائینگے۔ اَیًّامَّا تَدْعُوْا فَلَہُ الْاَسْمَاءُ الْحُسْنٰی (۱۷/۱۱۰)۔ تم اسے جس نام سے بھی پکارو۔ اسماء حسنیٰ سب اس کے لئے ھیں۔

(۲) ندا (پکارنے) کے لئے۔ اَیُّھَا النَّاسُ۔ اے لوگو!

اِیَّا۔ (حرف)

اِیَّا۔ اسمیں تخصیص کا مفہوم پایا جاتا ھے۔ یہ تنہا نہیں آتا بلکہ ضمیر کے ساتھ آتا ھے۔ اِیَّاکَ نَعْبُدُ (۱/۴)۔ "ھم تیری ھی محکومی اختیار کرتے ھیں۔" فَاِیَّایَ فَارْھَبُوْنِ (۱۶/۵۱)۔ "سو مجھ ھی سے ڈرتے رھو"۔ نَحْنُ نَرْزُقُکُمْ وَاِیَّاھُمْ (۶/۱۵۲)۔ "ھم تمہیں بھی رزق دیتے ھیں اور انہیں بھی"۔

---

* تاج و محیط و راغب۔ ** ابن فارس۔

اَیَّانَ

اَیَّانَ (اَیٌ + آن) کب۔ یَسْئَلُوْنَکَ عَنِ السَّاعَۃِ اَیَّانَ مُرْسٰھَا (۷/۱۸۷)۔ یہ تجھ سے پوچھتے ھیں کہ انقلاب کی گھڑی کب آئیگی ؟

ایوب علیہ السلام

حضرت اسحٰق[ؑ] کے دو بیٹے تھے۔ حضرت یعقوب[ؑ] اور عیسو۔ عیسو اپنے چچا حضرت اسمٰعیل[ؑ] کے ھاں چلے گئے اور ان کی صاحبزادی سے شادی کر لی۔ ان کی متعدد اولادیں ھوئیں جن میں سے عمالق اور عوض مشہور ھیں۔ عیسو کا عرف، ادوم (سرخ گوں) تھا اس لئے یہ خاندان ادومی کہلایا۔ بحرمیت اور خلیج عقبہ کا درمیانی علاقہ ان کا مسکن تھا۔ تورات میں اس کا نام کوہ سعیر آیا ھے۔ اس کا دارالحکومت رقیم (پٹرا) تھا۔ حضرت ایوب[ؑ]، عوض کے قبیلہ سے متعلق تھے۔ تورات میں سفر ایوب ان کی طرف منسوب ھے۔ یوباب، اوب اور آیوب ایک ھی نام ھے۔ ان کا زمانہ ۱۰۰۰ اور ۷۰۰ ق۔م کے درمیان سمجھئے (اگرچہ بعض ارباب تحقیق کا خیال ھے کہ آپ کا زمانہ حضرت موسیٰ[ؑ] سے پہلے کا ھے)۔ سفر ایوب میں ان کا تفصیلی قصہ مذکور ھے اور (تورات کے عام انداز کے مطابق) اس میں زیب داستان کے لئے بھی بہت کچھ بڑھایا چڑھایا گیا ھے۔ قرآن کریم نے آپ کی زندگی کا صرف ایک واقعہ بیان کیا ھے جس میں بتایا گیا ھے کہ آپ پر ایک زمانہ سخت مصیبت اور پریشانی کا گزرا۔ لیکن آپ نے ان مصائب کو بڑی ہمت اور استقامت سے برداشت کیا۔ تفصیل کے لئے دیکھئے (۲۱/۸۳-۸۴، ۳۸/۴۱-۴۴)۔

قرآن کریم نے (دیگر مقامات میں) آپ کا نام زمرۂ انبیاء کرام[ؑ] میں شمار کیا ھے۔ مثلاً (۶/۸۵) میں جہاں یہ بھی بتایا گیا ھے کہ آپ حضرت ابراھیم[ؑ] کی نسل میں سے تھے۔

أ ی ی

آیَۃ۔ ظاھری علامت یا نشانی کو کہتے ھیں۔ چنانچہ راستہ کے نشانات کو آیَات کہتے ھیں۔ درحقیقت آیَۃ ھر اس ظاھر شے کو کہتے ھیں جو کسی چھپی ھوئی شے کا لازمی خاصہ ھو اور جب کوئی شخص اس ظاھری شے کا ادراک کر لے تو وہ جان لے کہ اس نے اس پوشیدہ شے کا ادراک یا اندازہ کر

لیا ہے*۔ خدا کی ذات، انسانی ادراک کے احاطہ کے اندر نہیں آسکتی۔ لہذا اسکے متعلق ان ظاہری علامات ہی سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے جو کائنات میں بکھری پڑی ہیں۔ اسلئے یہ کائنات اور اسکی تمام اشیاء آیَاتُ اللہِ ہیں۔ یہ وہ نشانات راہ ہیں جس سے ہم اُس "منزل"، کا اندازہ لگا سکتے ہیں۔ انسانوں کی دنیا میں وحی، خدا کی سب سے بڑی نشانی ہوتی ہے اسلئے یہ بھی آیَاتُ اللہِ ہے۔ قرآن کریم کے ہر ٹکڑے کو آیَۃٌ کہتے ہیں۔ اس اعتبار سے پیغام (رِسَالَۃٌ) کو بھی آیَۃٌ کہتے ہیں**۔ حتّٰی کہ جب حضرت صالح ؑ نے اپنی قوم سے کہا کہ یہ دیکھنے کیلئے کہ تم قانون خداوندی کا احترام کرتے ہو یا نہیں میں نے یہ طے کیا ہے کہ اس اونٹنی کو کھلا چھوڑتا ہوں۔ اگر تم نے اسکی باری پر اسے پانی پینے دیا تو سمجھ لیا جائیگا کہ تم قانون خداوندی کا پاس رکھتے ہو اور اگر تم نے اسے روکا تو یہ اسکی علامت ہوگی کہ تم اس قانون کا کوئی پاس نہیں کرتے۔ اس اعتبار سے اس اونٹنی کو آیَۃ کہا گیا۔ هٰذِهٖ نَاقَةُ اللّٰهِ لَكُمْ اٰيَةً (۷/۷۳) "یہ اللہ کی اونٹنی تمہارے لئے نشانی ہے"۔ اسی طرح حضرت نوح ؑ کی کشتی کو بھی آیَۃً لِّلْعَالَمِیْنَ (۲۹/۱۵) کہا گیا ہے۔ کیونکہ وہ اس غیر مرئی حقیقت کی نشانی تھی کہ جو قوم قانون خداوندی کا اتباع کریگی وہ خطرات سے محفوظ رہیگی۔ مختصراً یہ کہ ہر وہ محسوس شے جو انسان کی توجہ کو خدا اور اس کے قانون کی طرف منعطف کر دے آیَۃُ اللہِ ہے۔ نیز فکری دلائل بھی آیَۃُ اللہ ہو سکتے ہیں۔ کیونکہ صاحب محیط کے نزدیک معقولات پر بھی اس لفظ کا اطلاق ہوتا ہے۔ وَجَعَلْنَا اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ اٰيَتَيْنِ (۱۷/۱۲) میں انہی فکری دلائل کی طرف اشارہ ہے۔ یعنی ان سے انسان فکری طور پر اس حقیقت تک پہنچتا ہے کہ کائنات جامد (Static) نہیں بلکہ متحرک (Dynamic) ہے۔ سورۃ شعراء میں آیَۃٌ کا لفظ اس عمارت وغیرہ کیلئے استعمال ہوا ہے جسے کسی کی یادگار (Memorial) کے طور پر بنایا جاتا ہے۔ (۲۶/۱۲۸)۔

اِيَا النَّبَاتِ۔ پودوں کے پھول اور خوبصورتی کو کہتے ہیں**۔
اِيَا الشَّمْسِ۔ سورج کی کرنوں کو کہتے ہیں***۔

تَاَيَّا کے معنی ہیں کسی جگہ ٹھہرنا۔ تَاَيَّا بِالْمَكَانِ وہ اس جگہ ٹھہرا اور دیر لگا دی ۔ ابن فارس نے کہا ہے کہ اس کے بنیادی معنی (۱) ٹھہر کر غور و فکر کرنا۔ اور (۲) قصدو ارادہ کرنا ہیں۔

---

* راغب و تاج و محیط۔ ** لین۔ *** تاج و محیط۔

''ٹھہر کر غور و فکر کرنے'' کی خصوصیت سے آیَةٌ کے مفہوم پر بڑی بلیغ روشنی پڑتی ہے ۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ دنیا میں جس قدر چیزیں ہیں ہر ایک آیَةُ اللہ ہے لیکن یہ اسی کے لئے آیت ثابت ہو سکتی ہیں جو ان پر ٹھہر کر، رک کر، غور و فکر کریگا ۔ اس غور و فکر سے اس کی توجہ ان اشیاء کے خالق کی طرف منعطف ہو جائیگی ۔ اسی طرح قرآن کریم کی آیات پر بھی رک کر، غور و فکر سے انسان اصل مقصود کو پا سکتا ہے ۔ اگر کسی آیت پر رک کر، غور و فکر نہ کیا جائے تو وہ انسان کو اصل و غایت کا پتہ نشان نہیں دے سکتی ۔ یعنی وہ حقیقی معنوں میں ''آیت''، نہیں بنتی ۔

———:o:———

ب

ب (حرف)

ب - حرف جر ہے - ذیل کی مثالوں سے اس کا استعمال اور مفہوم واضح ہو جائیگا -

(۱) اردو میں کہتے ہیں "میں نے زید کو پکڑا" - عربی میں کہینگے - اَمْسَکْتُ بِزَیْدٍ - قرآن کریم میں ہے - فَامْسَحُوْا بِوُجُوْهِكُمْ (۴/۴۳) "اپنے چہروں کو (پر) مسح کر لو" -

(۲) اردو میں کہتے ہیں "میں زید کے پاس سے گذرا" - عربی میں کہینگے - مَرَرْتُ بِزَیْدٍ - قرآن کریم میں ہے اِذَا مَرُّوْا بِاللَّغْوِ (۲۵/۷۲) "جب وہ لغو کے پاس سے گزرتے ہیں" -

(۳) فعل لازم کو متعدی بنانے کے لئے - مثلاً - ذَھَبَ زَیْدٌ کے معنی ہیں زید گیا - یہ فعل لازم ہے - ذَھَبْتُ بِزَیْدٍ کے معنی ہونگے - میں زید کے ساتھ گیا یعنی زید کو لے گیا - اس طرح یہ فعل لازم سے متعدی بن گیا - قرآن کریم میں ہے ذَھَبَ اللّٰهُ بِنُوْرِهِمْ (۲/۱۷) "اللہ ان کی روشنی کو لے گیا" -

(۴) سبب کو ظاہر کرتا ہے - مثلاً اِنَّكُمْ ظَلَمْتُمْ بِاتِّخَاذِكُمُ الْعِجْلَ (۲/۵۴) - "تم نے بچھڑے کی پرستش کی وجہ سے اپنے آپ پر ظلم کیا ہے" -

(۵) "کے ساتھ" کے معنوں میں - یٰنُوْحُ اهْبِطْ بِسَلٰمٍ مِّنَّا (۱۱/۴۸) "اے نوح! ہماری طرف سے سلامتی کے ساتھ اتر جا" - یا عَلَّمَ بِالْقَلَمِ (۹۶/۴) - "اس نے قلم کے ذریعے سکھایا" -

(۶) وقت یا جگہ بتانے کے لئے بمعنی فِی (میں)۔ مثلاً نَجَّیْنٰھُمْ بِسَحَرٍ (۵۴/۳۴) ۔ ''ہم نے انہیں صبح کے وقت بچا لیا''۔ اور وَلَقَدْ نَصَرَکُمُ اللّٰہُ بِبَدْرٍ۔ (۳/۱۲۲) ''یقیناً اللہ نے بدر کے میدان میں تمہاری مدد کی ہے''۔

(۷) ''کسی چیز کے عوض''۔ اِشْتَرَیْتُہٗ بِاَلْفِ دِرْھَمٍ۔ میں نے اسے ایک ہزار درہم کے عوض خریدا ہے۔ قرآن کریم میں ہے۔ وَشَرَوْہُ بِثَمَنٍ بَخْسٍ (۱۲/۲۰)۔ ''اور انہوں نے اسے (حضرت یوسف کو) تھوڑی سی قیمت کے عوض بیچ ڈالا''۔

(۸) عَلٰی (اوپر) کے معنوں میں۔ لَوْ تُسَوّٰی بِھِمُ الْاَرْضُ (۴/۴۲)۔ ''اگر (یا اے کاش) ان پر (ان کے اوپر) زمین ہموار کر دی جاتی''*۔

(۹) عَنْ (سے) کے معنوں میں۔ فَسْئَلْ بِہٖ خَبِیْرًا۔ (۲۵/۵۹) ''اس کے متعلق اس سے پوچھو جو خبر رکھتا ہے''۔

(۱۰) مِنْ (سے) کے معنوں میں۔ عَیْنًا یَّشْرَبُ بِھَا عِبَادُ اللّٰہِ (۷۶/۶)۔ ''چشمہ جس سے اللہ کے بندے پیتے ہیں''۔

بعض کا خیال ہے کہ جس طرح مِنْ تبعیض کے لئے آتا ہے۔ اسی طرح ب بھی تبعیض کے لئے آتا ہے۔ تبعیض کے معنی ہیں، کسی چیز کا بعض۔ یعنی کچھ حصہ۔ پورا نہیں، بلکہ اس کا بعض حصہ۔ چنانچہ ان کا کہنا ہے کہ قرآن کریم میں جو آیا ہے وَامْسَحُوْا بِرُءُوْسِکُمْ (۵/۶) تو اسکے معنی ہیں ''سر کے کچھ حصہ کا مسح کر لیا کرو''۔ لیکن یہ صرف بعض کا خیال ہے (مغنی اللبیب)۔

(۱۱) بعض مقامات پر یہ حرف زائد ہوتا ہے۔ یعنی اسکے معنی کچھ نہیں ہوتے۔ جیسے کَفٰی بِاللّٰہِ شَھِیْدًا (۱۳/۴۳)۔ ''اللہ کافی شاہد ہے''۔ اگر کَفٰی اللّٰہُ شَھِیْدًا کہیں تو بھی وہی معنی ہونگے۔

(۱۲) میرزا ابوالفضل نے (غریب القرآن میں) لکھا ہے کہ بِسْمِ اللّٰہِ میں بِ کے معنی استعانت کے ہیں۔ یعنی مدد طلب کرنے کے۔

(۱۳) بِاللّٰہِ کے معنی ہیں اللہ کی قسم۔ یعنی بِ قسم کے معنوں میں بھی آتی ہے۔

ب ا ر

اَلْبِئْرُ۔ کنواں۔ اَلْمِئْبَرُ دراصل اس گڑھے کو کہتے ہیں جسکا منہہ اسطرح ڈھانپ دیا جائے کہ جو شخص اسکے اوپر سے گذرے اسمیں گر

* اس کا مجازی مفہوم کچھ اور بھی ہو سکتا ہے۔ دیکھئے عنوان (س۔ و۔ ی)

جائے* - قرآن کریم میں بِئْرٍ مُّعَطَّلَةٍ آیا ہے (۲۲/۴۵) - "اندھے (بیکار) کنویں" -

ب أ س

بِئْسَ - (بڑا) ویسے تو فعل ماضی ہے لیکن اسکی گردان مستعمل نہیں - یہ بَئِسَ سے اسی طرح بنا لیا گیا ہے جسطرح نَعِمَ سے نِعْمَ - یہ دونوں فعل (بِئْسَ اور نِعْمَ) ذم اور مدح کیطرف منتقل کر لئے گئے ہیں اسلئے حروف کے مشابہ ہو گئے ہیں - بِئْسَ کے ساتھ بعض اوقات مَا بھی آتا ہے - بِئْسَمَا (۲/۹۰) -*

اَلْبَأْسُ کے معنے ہیں سخت مصیبت - جنگ میں شدت - سختی - قوت -

لَا بَأْسَ عَلَيْكَ - یعنے لَا خَوْفَ - بَؤُسَ الرَّجُلُ - آدمی بہادر ہو گیا - بَئِسَ الرَّجُلُ بُؤْساً - آدمی سخت ضرورت مند ہو گیا - اَلْبَأْسَاءُ شدت - عَذَابٌ بَئِيْسٌ - سخت عذاب - وہ عذاب جس میں معیشت کی تنگی شامل ہو - اَلْبَأْسَاءُ کے معنے بھوک کے بھی ہوتے ہیں -* صاحب محیط نے کہا ہے کہ اَلْبَأْسَاءُ مال و دولت کے نقصان کو کہتے ہیں اور اَلضَّرَّاءُ جسمانی نقصان کو - مثلاً بیماری - **

اَلْمُبْتَئِسُ - غمگین و حزین کو کہتے ہیں*

قرآن کریم میں بَأْساً شَدِيْداً بمقابلہ اَجْراً حَسَناً آیا ہے (۱۸/۲) - یہاں اسکے معنی غلط اعمال کے نا خوشگوار نتائج ہیں - سورۃ اعراف میں ہے فَجَآءَهَا بَأْسُنَا (۷/۴) - "جب اس بستی پر ہمارا عذاب آیا" - یعنے قانون مکافات کی رو سے سخت مصیبت آ گئی جو ان کی بد اعمالیوں کا نتیجہ تھی - سورۃ بنی اسرائیل میں ان طاقتور جنگجو قسم کے لوگوں کے لئے اُولِيْ بَأْسٍ (۱۷/۵) آیا ہے جو سخت مصیبتیں لاتے تھے - سورۃ حدید میں فولاد کے متعلق ہے فِيْهِ بَأْسٌ شَدِيْدٌ (۵۷/۲۵) - "اسمیں بڑی سختی ہے" -

اِبْتِئَاسٌ کے معنی ہیں برا ماننا - غمگین ہونا - سورۃ ہود میں حضرت نوح ؑ سے کہا گیا ہے کہ فَلَا تَبْتَئِسْ بِمَا كَانُوْا يَفْعَلُوْنَ (۱۱/۳۷) - "یہ مخالفین جو کچھ کرتے ہیں اسکی وجہ سے تو غمناک نہ ہو" - یا ان کے متعلق دل گرفتہ نہ ہو (کہ یہ ہلاک ہو جائینگے - ان کے اعمال ہی ایسے ہیں) -

* تاج - ** محیط -

بَابِلُ

قدیم کلدانی تہذیب کا مرکز، شہر بابل - قرآن کریم نے اس کا ذکر سحر و کہانت کے آن افسانوں کے ضمن میں کیا ھے جنھیں یہودی لٹریچر میں حضرت سلیمان ؑ کی طرف منسوب کیا گیا ھے اور جن کی تردید قرآن نے کی ھے - وَمَا أُنْزِلَ عَلَى الْمَلَكَيْنِ بِبَابِلَ هَارُوتَ وَمَارُوتَ (۲/۱۰۲) - "اور بابل میں ھاروت و ماروت (مزعومہ) فرشتوں پر بھی کوئی ایسی بات نازل نہیں کی گئی تھی" - یہ سب ان شیاطین (شریر لوگوں) کے خود ساختہ افسانے تھے -

ب ت ر

اَلْبَتْرُ - کسی چیز کو اسکی تکمیل سے پہلے ھی کاٹ ڈالنا - (ابن فارس) دُم کو جڑ سے کاٹ دینا - سَيْفٌ بَاتِرٌ - کاٹ ڈالنے والی تلوار - اَلْاَبْتَرُ - نامراد - فقیر جسکے پاس کچھ نہ ھو - بے اولاد - جسکی نسل کی جڑ کٹ جائے - وہ جس کی موت کے بعد اس کا نام و نشان اور ذکر خیر تک باقی نہ رہے * -

قرآن کریم میں ھے اِنَّ شَانِئَكَ هُوَ الْاَبْتَرُ (۱۰۸/۳) - "تیرے مخالف کا نام و نشان تک باقی نہیں رہے گا - اس کا کہیں ذکر خیر نہیں ھوگا" - "نام و نشان باقی نہ رھنے" سے مراد یہ ھوتی ھے کہ ان کی وہ قوت و شوکت جس کی بنا پر وہ اسقدر مخالفت کرتے ھیں سب ختم ھو جائیگی اور انہیں زندگی کے خیر و برکت سے کوئی حصہ نہیں ملیگا -

ب ت ک

بَتْكٌ کے بنیادی معنے کاٹنے کے ھیں، نیز کسی کے بال یا پر وغیرہ پکڑ کر اپنی طرف اس طرح کھینچنا کہ وہ جڑ سے اکھڑ جائیں - چنانچہ اَلْبَتْكَةُ ان اکھڑے ھوئے پروں یا بالوں کو کہتے ھیں - اس اعتبار سے بَتَكَ کے معنے ھونگے جڑ سے اکھیڑ دینا، لیکن اسکے عرفی معنے ھیں جانوروں کے کان کاٹ کر یا چیر کر (انہیں بتوں کے نام پر) چھوڑ دینا - یہ جاھلیت عرب کا رواج تھا * - سورہ نساء میں ھے فَلَيُبَتِّكُنَّ آذَانَ الْاَنْعَامِ (۴/۱۱۹) "سو وہ جانوروں کے کان چیریں گے" -

اَلسَّيْفُ الْبَاتِكُ - کاٹنے والی تلوار کو کہتے ھیں * ابن فارس نے اس کے بنیادی معنی کاٹنے کے لکھے ھیں -

---

* تاج - محیط - راغب

ب ت ل

بَتَلَهٗ - یَبْتُلُهٗ - اس نے اسے قطع کر دیا - فَانْبَتَلَ - چنانچہ وہ جدا ہوگیا - تَبَتَّلَ - کے بھی یہی معنے ہیں - اَلْبَتُوْلُ - مردوں سے، یا ازدواجی زندگی سے دور رہنے والی عورت - اَلْمُبَتَّلَةُ - حسین عورت - وہ عورت جس کے تمام اعضاء سُتے ہوئے ہوں - تَبَتَّلَتِ الْمَرْاَۃُ - عورت نے اپنا بناؤ سنگھار کر لیا - اَلْمُبْتِیْلُ - منفرد - اَلْبَتْلُ - حق* - ابن فارس نے کہا ہے کہ اس کے بنیادی معنی کسی چیز کو اس کے ماسوا سے الگ کر لینے کے ہوتے ہیں -

قرآن کریم میں ہے - وَتَبَتَّلْ اِلَیْهِ تَبْتِیْلًا (۴۳/۸) - "سب سے کٹ کر ایک خدا کی طرف متوجہ ہوجا" - صرف اس کے نظام کے قیام کی کوششوں میں لگ جا - کیونکہ اِنْبَتَلَ فِیْ سَیْرِهٖ "کے معنے ہیں وہ کوشش کرکے تیز چلا* -

رسول اللہؐ کو جب نظام خداوندی کے اصول عطا کر دئے گئے تو آپ کو حکم ہوا کہ اب اپنے مخلص رفقاء کو ایک جماعت کی شکل دے کر (دیکھئے عنوان - ز - م - ل) اس نظام کی تشکیل میں مصروفِ عمل ہو جائیں - ایسا کرنے میں ان مخالفین کی باتوں پر قطعاً دھیان نہ دھریں - قُلِ اللّٰهُ ثُمَّ ذَرْهُمْ (۶/۹۲) - "کہو - اللہ - اور ان مخالفین کو چھوڑ کر (..... اپنے پروگرام کی تکمیل میں لگ جاؤ)" -

جب انسان اپنا نصب العین متعین کرلے تو اس کے بعد این و آں کے خیال کو چھوڑ کر، اس نصب العین کو سامنے رکھکر، ہر قدم اس کی طرف اٹھانا چاہئے - اور یہ سب کچھ حسن کارانہ انداز سے کرنا چاہئے کیونکہ تَبَتَّلٌ میں زیبائش و آرائش کا مفہوم بھی ہے* -

ب ث ث

بَثٌّ کے معنے ہیں کسی چیز کو منتشر اور پراگندہ کر دینا - اس سے پھیلا دینے کے بھی معنے آ گئے - اور بڑھا دینے (بکثرت پیدا کر دینے) کے بھی* - صاحب محیط نے کلیات کے حوالہ سے لکھا ہے کہ اس کے معنے ایجاد کرنا اور پیدا کرنا ہیں - راغب نے بھی ان معانی کی تائید کی ہے

* تاج -

اور لکھا ھے کہ بَثٌّ کے معنے کسی چھپی ھوئی چیز کے ظاھر کر دینے کے بھی ھوتے ھیں - اس لئے اس سے مراد ایسی چیزوں کو نمودار کر دینا ھے جو پہلے موجود نہ تھیں*** - ابن فارس نے بھی کہا ھے کہ اس کے بنیادی معنی ظاھر کر دینا اور منتشر کر دینا ھیں -

بَثَّ الْغُبَارَ - غبار اڑانا ۔ بَثَثْتُكَ السِّرَّ - میں نے تجھ پر راز ظاھر کر دیا - اَبْثَثْتُكَ - میں نے تجھ پر اپنا غم ظاھر کر دیا* - اسی سے اَلْبَثُّ سخت ترین غم کو کہتے ھیں جو چھپا نہ رہ سکے* - سورۃ بقرۃ میں ھے - وَ بَثَّ فِیْھَا مِنْ كُلِّ دَآبَّةٍ (۲/۱۶۴) - ''خدا نے زمین میں ھر قسم کے حرکت کرنے والے جان داروں کو پھیلا دیا - بکثرت پیدا کردیا'' سورۃ القارعۃ میں ھے كَالْفَرَاشِ الْمَبْثُوْثِ (۱۰۱/۴) - ''بکھرے ھوئے پروانوں کی طرح'' - سورۃ واقعہ میں ھَبَآءً مُّنْبَثًّا (۵۶/۶) آیا ھے - یعنی فضا میں منتشر ذرات - سورۃ یوسف میں بَثِّیْ وَحُزْنِیْ اکٹھا آیا ھے (۱۲/۸۶) - اس سے ظاھر ھے کہ بَثٌّ، حزن سے الگ اور شدید غم کا نام ھے - ایسا غم جو چھپائے چھپ نہ سکے -

ب ج س

بَجَسَ الْمَآءُ - پانی کا کسی چیز کو شق کر دینا اور اس میں سے پھوٹ کر بہہ نکلنا - مَآءٌ بَجْسٌ - اس طرح پھوٹ کر بہہ نکلنے والا پانی* - قرآن کریم میں ھے فَانْبَجَسَتْ مِنْهُ ..... (۷/۱۶۰) '' اس میں سے پانی کے چشمے پھوٹ بہے ،، - سورۃ بقرۃ میں اسے فَانْفَجَرَتْ کہا گیا ھے (۲/۶۰) - راغب نے کہا ھے کہ اِنْبِجَاسٌ وھاں بولا جاتا ھے جہاں پانی کسی تنگ چیز میں سے نکل رھا ھو اور اِنْفِجَارٌ عام ھے*** - لیکن ، جیسا کہ اوپر کہا گیا ھے ، قرآن کریم نے دونوں الفاظ ھم معنے استعمال کئے ھیں -

ب ح ث

اَلْبَحْثُ - مٹی میں کسی چیز کو تلاش کرنا - یا مٹی کریدنا - ابن فارس کے نزدیک یہی اس کے بنیادی معنی ھیں - اَلْبُحَاثَةُ - کرید کر نکالی ھوئی مٹی - اَلْبَحُوْثُ - وہ اونٹ جو دوڑتا ھوا اپنے پاؤں سے مٹی پیچھے کی طرف

---

* تاج - ** محیط - *** راغب -

اڑاتا جائے * - اَلْبَحْثُ - کان جس میں سونا چاندی تلاش کیا جائے ** - سورۃ مائدۃ میں ہے غُرَابًا یَبْحَثُ فِی الْاَرْضِ (۵/۳۱) - "ایک کوا زمین کو کرید رہا تھا" - اَلْبَحِیْثُ راز کو کہتے ہیں* -

نواب صدیق حسن خان نے لکھا ہے کہ جن الفاظ میں باء اور حاء ساتھ آئیں ان میں تفتیش کا مفہوم مضمر ہوتا ہے - یعنی ایک چیز سے دوسری چیز نکالنا -

ب ح ر

اَلْبَحْرُ - وسیع پیمانے پرشق کرنے - پھاڑنے یا چیرنے کو کہتے ہیں - چنانچہ دریا یا سمندر کو بھی اسی لئے بَحْرٌ کہتے ہیں کہ وہ زمین میں کھدا ہوا ہوتا ہے - کان کے چیرنے کو بھی بَحْرٌ کہتے ہیں - چنانچہ وہ اونٹنی یا بکری جو دس بچے جن چکتی تھی اسکا کان چیر کر بتوں کے نام پر چھوڑ دیا کرتے تھے - اسے بَحِیْرَۃٌ کہتے تھے *- نواب صدیق حسن خان نے لکھا ہے کہ جن الفاظ میں باء اور حاء ایک ساتھ ہوں ان میں تفتیش کا مفہوم مضمر ہوتا ہے - یعنی ایک چیز سے دوسری چیز نکالنا - ابن فارس نے (خلیل کے حوالے سے) کہا ہے کہ بَحْرٌ کو بحر اس کی وسعت کی بناء پر کہتے ہیں - دریا، جسکا پانی مسلسل بہتا رہے، بَحْرٌ کہلاتا ہے - (جیسے دجلہ یا نیل) - اورسمندر کو بَحْرٌ کَبِیْرٌ کہتے ہیں - کتاب الاشتقاق میں ہے کہ کثیر پانی (خواہ میٹھا ہو خواہ کڑوا) بَحْرٌ کہلاتا ہے - بحر دراصل اس جگہ کو کہتے ہیں جہاں بہت سا پانی جمع ہو - نیز بَحْرٌ اس زمین کو کہتے ہیں جہاں کھیتی باڑی ہوتی ہو - نیز شہروں کو - بالخصوص ان شہروں کو جو پانی کے کنارے آباد ہوں *** - ظَهَرَ الْفَسَادُ فِی الْبَرِّ وَ الْبَحْرِ (۳۰/۴۱) کے یہ معنے بھی ہیں کہ شہری آبادیوں اور بادیہ نشینوں، سب کے معاشرہ میں ناھمواریاں پیدا ہوچکی تھیں - اور یہ بھی کہ دنیا کے خشک و تر میں خرابیاں پیدا ہو چکی تھیں - خشکی اورتری (سمندر اور خشک زمین) کے معنوں میں یہ الفاظ (۱/۱۶۴) میں آئے ہیں - (نیز دیکھئے عنوان ی - م - م، کیونکہ حضرت موسیٰ کے دریا پار کرنے اور فرعون کے غرق ہونے کے لئے بَحْرٌ اور یَمٌّ دونوں الفاظ آئے ہیں ۲/۵۰؛ ۲۰/۷۷-۷۸)

قرآن کریم نے صَیْدُ الْبَحْرِ وَطَعَامُهٗ (۵/۹۶) "سمندر کے شکار" کو حلال قرار دیا ہے - یعنی اسے بھی جسے تم خود پکڑو - اور وہ بھی جسے پانی

* تاج - ** محیط - *** تاج و لین

خود بخود باہر اچھال دے۔ یا جو پانی کے پیچھے ہٹ جانے سے خشکی پر رہ جائے (دیکھئے عنوان ط۔ع۔م)۔

ب خ س

اَلْبَخْسُ۔ کم کرنا۔ ظلم کرنا*۔ (حقوق میں کمی کرنے کا نام ظُلْمٌ ہے) اسی لئے ابن السکیت نے کہا ہے کہ بَخْسٌ کے معنے حق سے کم دینا یا حق میں کمی کرنا ہیں*۔ اَلْبَاخِسُ۔ تھوڑی سی ناقص چیز**۔ اَلْبَخْسُ۔ چونگی یا محصول جو والی ملک وصول کرتا ہے*۔ ابن فارس نے کہا ہے کہ اس کے بنیادی معنی نقص اور کمی کے ہوتے ہیں۔

سورۃ بقرہ میں ہے وَلَا يَبْخَسْ مِنْهُ شَيْئًا (۲/۲۸۲)۔ "اور اس میں ذرا بھی کمی نہ کرے"۔ سورۃ جن میں ہے فَلَا يَخَافُ بَخْسًا وَّلَا رَهَقًا (۷۲/۱۳)۔ "اسے نہ اس کا خوف ہوگا کہ اس کے حقوق میں کمی ہوگی اور نہ ظلم و زیادتی کا ڈر"۔ سورۃ یوسف میں حضرت یوسفؑ کے متعلق ہے شَرَوْهُ بِثَمَنٍ بَخْسٍ (۱۲/۲۰)۔ اس کے لفظی معنی تو ہیں "اسے تھوڑی سی قیمت کے عوض بیچ دیا"۔ لیکن زجاج نے کہا ہے کہ اس کے معنی ہیں ظلم و زیادتی سے اسے فروخت کر دیا، کیونکہ انسان کا بیچنا ممنوع ہے۔

نواب صدیق حسن خاں نے لکھا ہے کہ جن الفاظ میں باء اور خاء اکٹھے آئیں ان کا مفہوم آنکھ کو پھوڑ دینا یا اسی قسم کی کوئی اور بات کرنا ہوتا ہے۔ اس سے ظلم اور زیادتی کا تصور سامنے آ جاتا ہے۔

ب خ ع

اَلْبِخَاعُ۔ گردن کی ایک رگ کا نام ہے جو گدی کے اندر ہوتی ہے۔ بَخَعَ بِالشَّاةِ کے معنے ہیں اس نے بکری کو اس زور سے ذبح کیا کہ اس کی بِخَاعٌ تک کاٹ ڈالی۔ یہ اس کے اصلی معنے ہیں۔ اس کے بعد یہ لفظ ہر مبالغہ کیلئے استعمال ہونے لگا۔

بَخَعَ نَفْسَهُ يَبْخَعُ۔ خود کو غم یا غصہ سے مار ڈالنا۔ بَخَعَ الْاَرْضَ بِالزِّرَاعَةِ۔ وہ زمین میں مسلسل کھیتی کرتا رہا جس سے زمین کی ساری قوت ختم ہو گئی*۔

قرآن کریم میں نبی اکرمؐ کے متعلق ہے لَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ عَلٰۤی اٰثَارِهِمْ (۱۸/۶)۔ "تو اس غم میں (کہ یہ لوگ ایمان

* تاج۔ ** راغب۔

کیوں نہیں لاتے) اپنے آپ کو ہلاک کر لیگا"۔ غور کیجئے کہ ایک داعی الی الحق، طبیب، مشفق کی طرح کسقدر غمگسار اور بہی خواہ ہوتا ہے۔

ب خ ل

اَلْبُخْلُ۔ اپنی حاصل کردہ چیزوں کو ان مواقع سے روکنا جہاں سے انہیں روکنا نہیں چاہئے*۔ راغب نے لکھا ہے کہ بُخْلٌ کی دو صورتیں ہیں۔ ایک تو یہ کہ انسان خود اپنی چیزوں کو روک لے اور انہیں جہاں ضرورت ہو وہاں خرچ نہ کرے، دوسرے یہ کہ اوروں کو بھی ایسا کرنے کا حکم دے** (۴/۳۷)۔ صاحب محیط نے کلیات کے حوالہ سے لکھا ہے کہ بُخْلٌ اشیاء کے روک لینے کو کہتے ہیں اور شُحٌّ اس جذبہ کو کہتے ہیں جس کے ماتحت انسان ایسا کرتا ہے***۔ (یعنی شُحٌّ میں حرص اور بخل دونوں جذبے ہوتے ہیں)۔

قرآن کریم میں ہے اَلَّذِیْنَ یَبْخَلُوْنَ وَیَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبُخْلِ وَیَکْتُمُوْنَ مَا اٰتٰھُمُ اللّٰہُ مِنْ فَضْلِہٖ......... (۴/۳۷)۔ "وہ لوگ جو (رزق کو) روک رکھتے ہیں۔ اور لوگوں کو بھی اس کا حکم دیتے ہیں کہ وہ (سامانِ زیست کو) روک کر رکھ لیں اور جو کچھ اللہ نے انہیں اپنے فضل سے دے رکھا ہوتا ہے اسے چھپاتے ہیں"۔ قرآن کی تعلیم کا مرکزی نقطہ یہ ہے کہ انسان پوری محنت سے کمائی کرے۔ پھر اس میں سے صرف اپنی ضروریات کیلئے لے اور باقی سب کچھ نوع انسانی کی ربوبیت کیلئے کھلا رکھدے۔ (دیکھئے عنوان۔ ن۔ ف۔ ق) بُخْلٌ اس تعلیم کی عین ضد ہے جس میں انسان سب کچھ اپنے لئے روک رکھتا ہے اور دوسروں کی پرورش کے لئے دیتا نہیں۔ اس طرح وہ معاشرہ کی ہمواریوں اور خوشگواریوں کی عملاً تکذیب کرتا ہے (۹۲/۶-۹)۔ قرآن کریم اِنْفَاقٌ کی تاکید اور بُخْلٌ کی مذمت کو مختلف انداز میں پیش کرتا ہے۔ اپنی محنت کی کمائی کو، خدا کے قانون کے مطابق، نوع انسانی کی ربوبیت عامہ کیلئے کھلا رکھنا اسلام کی بنیادی تعلیم ہے۔ یہی تَقْویٰ ہے (۹۲/۱۸)۔ اسی سے دنیا کی مشکلات حل ہوتی ہیں اور اسی سے انسان کی مستقبل کی زندگی (آخرت) سنورتی ہے۔ قرآن کریم واضح الفاظ میں بتاتا ہے کہ جو قوم بُخْلٌ کی روش اختیار کر لیتی ہے اسے بساطِ زندگی سے الگ کر دیا جاتا ہے اور اس کی جگہ دوسری قوم آجاتی ہے جو اس قوم جیسی نہیں ہوتی (۴۷/۳۸)۔

* تاج۔ ** راغب۔ *** محیط۔

اس لئے کہ خدا کا غیر متبدل قانون یہ ہے کہ مَا يَنْفَعُ النَّاسَ فَيَمْكُثُ فِي الْأَرْضِ (۱۳/۱۷) - "دنیا میں بقاء اسی کے لئے ہے جو نوع انسانی کے لئے منفعت بخش ہے" جو (نظام یا طریق زندگی) محض ایک فرد، ایک گروہ، یا ایک قوم کے مفاد کے لئے ہے (پوری انسانیت کے مفاد کے لئے نہیں) اسے بقاء اور دوام نصیب نہیں ہو سکتی - جب کسی شے کی منفعت بخشی کو عالمگیر انسانیت کے لئے عام ہونے کی بجائے اس طرح روک دیا جائے تو یہ بُخْلٌ ہو جائیگا جس کا نتیجہ تباہی ہے، افراد کی صورت میں بھی اور اقوام کے لئے بھی -

ب د أ

بَدَأَ بِهٖ - بَدْأً وَابْتَدَأَ - کسی چیز کے ساتھ شروع کرنا - بَدَأَ الشَّيْءَ - اس چیز کو شروع کر دیا - اس نے پہل کی، فُلَانٌ مَا يُبْدِئُ وَمَا يُعِيْدُ - فلاں آدمی نہ از خود کوئی بات کرتا ہے - (Initiate) کرتا ہے) اور نہ ہی کسی بات کا جواب دیتا ہے - اَلْبَدِيُّ - سردار اول - بَدَأَ مِنْ اَرْضِهٖ اِلٰى اُخْرٰى - اپنی زمین سے دوسری زمین کی طرف نکل کھڑا ہوا - اپنا ملک چھوڑ گیا * - اَلْبَدْءُ - اَلْاِبْدَاءُ - کسی چیز کو اس کے غیر (ماسوا) پر مقدم کرنا * - بَادِیَٔ الرَّأْیِ وہ رائے جو ابتداءً قائم کر لی جائے - یا بَادِیَ الرَّأْیِ - وہ رائے جو بالکل ظاہر ہو ** - (نیز دیکھئے عنوان - ب - د - و)

قرآن کریم میں ہے وَهُمْ بَدَءُوْكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ (۹/۱۳) - "انہوں نے ہی پہلی مرتبہ تمہارے ساتھ ابتداء کی ہے" - پہل ان کی طرف سے ہوئی ہے - تخلیق کائنات کے سلسلہ میں قرآن کریم میں متعدد مقامات پر آیا ہے کہ اِنَّهٗ يَبْدَءُ الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ (۱۰/۴) - "وہی مخلوق کی ابتداء کرتا ہے اور پھر اسے گردش دیتا ہے" - یہ ظاہر ہے کہ ہر شے کی تخلیقی ابتداء اس کے نقطہ آغاز سے ہوتی ہے - پھر وہ مختلف مراحل طے کرتی ہوئی اپنی تکمیل تک پہنچتی ہے - اس کا نقطہ آغاز بھی خدا کے قانون کے مطابق ہوتا ہے اور پھر اس کی مختلف گردشیں اور گردشوں کے بعد تکمیل بھی اسی کی رو سے ہوتی ہے (نیز دیکھئے عنوانات (ف - ط - ر) ; (ب - د - ع) اور (ع - و - د)) -

---

* تاج - ** راغب -

سورۂ سبا میں ہے قُلْ جَاءَ الْحَقُّ وَمَا يُبْدِئُ الْبَاطِلُ وَمَا يُعِيْدُ (۳۴/۴۹) ۔ ”ان سے کہدو کہ خدا کا اٹل تعمیری قانون آ گیا ہے ۔ اس کے مقابلہ میں تخریبی پروگرام ٹھہر نہیں سکے گا ۔ اس لئے کہ تخریبی قانون میں یہ قوت ہی نہیں کہ کسی اسکیم کی ابتدا کر سکے اور پھر اسے پلٹ کر اور لوٹا کر تکمیل تک لے جائے“ ۔ باطل کوئی نتیجہ خیز بات کر ہی نہیں سکتا ۔

سورۂ ھود میں بَادِیَ الرَّاْیِ آیا ہے ۔ (۱۱/۲۷) اس کے لئے دیکھئے عنوان (ب ۔ د ۔ و)) ۔

ب د ر

بَادَرَهٗ ۔ مُبَادَرَةً ۔ بِدَارًا ۔ اس کام کے لئے جلدی کرنا جو خود کو اچھا لگے ۔* سورۂ نساء میں ہے اِسْرَافًا وَّبِدَارًا (۴/۶) ۔ ”فضول خرچی اور عجلت کرتے ہوئے ۔ جلدی جلدی“ ۔ زجاج نے کہا ہے کہ اس مادہ کے اصلی معنے بھر جانے اور بھرپور ہو جانے کے ہیں ۔ عجلت میں بھی چونکہ انسان اپنی پوری پوری قوت صرف کر دیتا ہے اسلئے اسے مُبَادَرَةٌ کہتے ہیں ۔* ابن فارس نے کہا ہے کہ اس کے بنیادی معنی دو ہیں ۔ (۱) کسی چیز کا کامل اور بھرا ہوا ہونا ۔ اور (۲) کسی چیز کی طرف جلدی سے جانا ۔

اَلْبَدْرُ ۔ بھرا ہوا (پوراچاند) بھر پور جوان ۔ نیز بَدْرٌ ۔ مکہ اور مدینہ کے درمیان ایک جگہ کا نام ہے ۔* اس مقام پر مخالفین سے جنگ ہوئی تھی (۳/۱۲۳)

راغب کے نزدیک اس مادہ کی اصل ہی اَلْبَدْرُ (پورا چاند ہے) ۔**
نواب صدیق حسن خاں نے لکھا ہے کہ جن الفاظ میں باء اور دال ساتھ آئیں ان میں کسی کام کی ابتداء یا ظہور (ظاہر ہونے) کا مفہوم مضمر ہوتا ہے ۔ بَدَرَ اِلَيْهِ بِكَذَا کے معنی ہیں اس نے اس کے لئے فلاں بات کو ظاہر کر دیا ۔*** اس سے اَلْبَدْرُ کے معانی واضح ہو جاتے ہیں ۔ یعنی ظہورِ کامل ۔

ب د ع

اَلْبِدْعُ ۔ وہ کام جو پہلے پہل ہوا ہو اور اس سے پہلے اسکی مثال موجود نہ ہو (ابن فارس) ۔ اَلْبَدِيْعُ وہ نئی رسی جسے پہلی بار نئے ریشہ سے بٹا گیا ہو ۔ رَكِيَّةٌ بَدِيْعَةٌ نیا کھودا ہوا کنواں ۔* نواب صدیق

---

* تاج ۔ ** راغب ۔ *** العلم الخفاق ۔

حسن خاں نے لکھا ھے کہ جن الفاظ میں باء کے ساتھ دال آئے ان میں ابتداء اورظہور کا مفہوم مضمر ہوتا ھے۔ راغب نے لکھا ھے کہ اَلْاِبْدَاعُ کے معنی ھیں کسی چیز کو بغیر کسی کی تقلید کے از خود پیدا کرنا ۔ اور جب یہ لفظ خدا کیلئے بولا جائے تو اسکے معنے ہوتے ھیں کسی چیز کو بغیر آلہ بغیر مادہ اور بغیر زمان و مکان کے ایجاد کرنا۔ بَدِیْعُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ (۲/۱۱۷) کا یہی مفہوم ھے۔** اسکے معنے (Originator) کے ھیں۔

کائنات کو عدم سے وجود میں لانا تو صرف خدا کیلئے ھے ، لیکن اس کائنات میں نئی نئی چیزیں دریافت کرنا اور ایجاد کرنا انسان میں صفت خداوندی کا منعکس ہونا ھے اور وجہ شرفِ انسانیت ۔ اس شرط کے ساتھ کہ ان ایجادات کو قانون خداوندی کے مطابق نوع انسانی کی تعمیر میں صرف کیا جائے، نہ کہ تخریب کے لئے ۔ لیکن یہ ایجادات طبیعی دنیا کے اندر ہونگی ۔ خدا کے قوانین جو نوع انسانی کی راہنمائی کیلئے (قرآن کے اندر) ھیں ان میں کسی نئے قانون کو شامل نہیں کیا جائیگا۔ اس لئے کہ یہ قوانین عقل کی رو سے وضع نہیں کئے جاسکتے ، صرف وحی کی رو سے مل سکتے ھیں۔ اور وحی ، قرآن کریم کے اندر پہنچکر مکمل ہوچکی ھے۔ دین میں اپنی طرف سے کسی قسم کا اضافہ جائز نہیں - یہی وجہ ھے کہ قرآن کریم نے رہبانیت کو بدعت کہکر اسکی مذمت کی ھے (۵۷/۲۷)۔ البتہ دین کے غیر متبدل اصولوں کے اندر رہتے ہوئے اپنے زمانے کے تقاضوں کے مطابق ، جزئی قوانین مرتب کئے جا سکتے ھیں ۔

رسول اللہ کے متعلق ھے قُلْ مَاكُنْتُ بِدْعاً مِنَ الرُّسُلِ (۴۶/۹) ”آپ کہ دیجئے کہ میں کوئی نیا رسول نہیں ہوں“ ۔ میں کوئی پہلا رسول نہیں ہوں ۔ مجھ سے پہلے بھی رسول آتے رھے ھیں۔

ب د ل

بَدَلٌ - بِدْلٌ - بَدِيْلٌ - جو چیز کسی دوسری چیز کی قائمقام بن جائے - جو کسی کا عوض یا بدل بن جائے ۔ ثعلب نے کہا ھے کہ اَبْدَلْتُ الْخَاتَمَ بِالْحَلْقَةِ کے معنے ھیں میں نے انگھوٹھی کو اتار کر اسکی جگہ چھلا پہن لیا ۔ اور بَدَّلْتُ الْخَاتَمَ بِالْحَلْقَةِ کے معنے ھیں میں نے انگھوٹھی کو پگھلا کر اسکا چھلا بنوالیا ۔ یعنے تَبْدِيْلٌ تو یہ ھے

* تاج ۔ ** محیط ۔

کہ ایک صورت سے دوسری صورت بدل دی جائے۔ جوہر (Substance) وہی باقی رہے۔ اور اِبْدَالٌ کے معنے ہیں ایک جوہر کو چھوڑ کر دوسرا جوہر اختیار کر لینا۔ مُبَادَلَۃٌ کے معنے ہیں جیسی چیز اس سے لی اسکی مثل اسے دی۔ تَبَدَّلَ کے معنے ہیں متغیر ہو گیا۔ بدل گیا۔ نیز تَبَدَّلَہٗ وَ تَبَدَّلَ بِہٖ کے معنے ہیں اسے کسی چیز کی جگہ لے لیا، بدل لیا، تَبْدِیْلٌ تحریف کو بھی کہتے ہیں*۔

قرآن کریم میں بَدَلًا (۱۸/۵۰) بدل (معاوضہ) کے معنے میں آیا ہے۔ اور بَدَّلَ (۲/۱۱) ایک چیز کی جگہ دوسری چیز تبدیل کرلینے کے لئے۔ سورۃ روم میں ہے لَا تَبْدِیْلَ لِخَلْقِ اللہِ (۳۰/۳۰)۔ "خدا کا عمل تخلیق کبھی نہیں بدلتا"۔ لَا مُبَدِّلَ لِکَلِمٰتِ اللہِ (۶/۳۴) "قوانین خداوندی کو تبدیل کرنے والا کوئی نہیں"۔ یعنی نہ تو ان میں کسی قسم کا تغیر و تبدل ہو سکتا ہے اور نہ ہی ان کی جگہ کوئی اور قوانین لے سکتے ہیں۔

سورۂ تحریم میں ہے اِنْ طَلَّقَکُنَّ اَنْ یُّبْدِلَہٗ اَزْوَاجًا خَیْرًا مِّنْکُنَّ (۶۶/۵) "........ اگر وہ تمہیں طلاق دیدے تو خدا اسے تم سے بہتر بیویاں بدل کر دیدے"۔ سورۂ احزاب میں ہے وَلَآ اَنْ تَبَدَّلَ بِہِنَّ (۳۳/۵۲)۔ "نہ یہ کہ تو ان کی جگہ دوسری بیویاں لے لے"۔ سورۃ نساء میں ہے اِسْتِبْدَالَ زَوْجٍ مَّکَانَ زَوْجٍ (۴/۲۰)۔ "ایک بیوی کی جگہ دوسری بیوی کی تبدیلی چاہنا"۔ استبدالِ قومی کے لئے دیکھئے (۴۷/۳۸)۔

ب د ن

اَلْبَدَنُ۔ جسم۔ سوائے سر اور ہاتھ پاؤں کے۔ لیکن ازہری نے کہا ہے کہ یہ لفظ تمام جسم کیلئے بولا جاتا ہے*۔ راغب نے کہا ہے کہ بَدَنٌ جسم کو جثہ کے اعتبار سے کہتے ہیں اور جَسَدٌ رنگ کے اعتبار سے**۔ ابن فارس نے کہا ہے کہ اسکے بنیادی معنی خود کسی چیز کے ہیں۔ اسکی اطراف کے نہیں۔ قرآن کریم میں فرعون کے متعلق ہے کہ فَالْیَوْمَ نُنَجِّیْکَ بِبَدَنِکَ (۱۰/۹۲)۔ "آج ہم تیرے بدن (لاش) کو محفوظ کر دینگے"۔ مصر میں رواج تھا کہ وہ بڑے بڑے لوگوں کی لاشوں کو ممی بنا کر محفوظ کر لیتے تھے چنانچہ فراعنۂ مصر کے قدیم مقبروں سے اس قسم کی ممی شدہ لاشیں بہت سی برآمد ہوئی ہیں۔ جس فرعون نے حضرت موسیٰ کا پیچھا کیا تھا وہ پانی میں غرق ہو گیا تھا۔ اسلئے اسطرف خیال جاتا تھا کہ

* تاج۔ ** راغب۔

اسکی لاش ضائع ہو گئی ہوگی - لیکن قرآن نے آج سے قریب چودہ سو برس پہلے بتا دیا کہ اسکی لاش بھی (پانی سے نکال کر) محفوظ کرکے رکھدی گئی تھی - چنانچہ جو ممی شدہ لاشیں برآمد ہوئی ہیں انمیں اسکی لاش بھی موجود ہے - (دیکھئیے انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا - نیز میری کتاب برق طور) ویسے بَدَنٌ زرہ کو بھی کہتے ہیں کیونکہ وہ جسم پر رہتی ہے** -

اَلْبَادِنُ - اَلْمُبَدَّنُ - فربہ اور جسیم شخص - بَدُنَ وبَدَنَ - وہ فربہ اور جسیم ہوا - اَلْبَدَنَةُ وہ گائے یا اونٹ جو ذبح کرنے کیلئے لے جایا جائے - یہ اسلئے تھا کہ جن جانوروں کو ذبح کرنے کیلئے مکہ لے جاتے تھے انہیں خوب موٹا کیا جاتا تھا - اسکی جمع بُدْنٌ ہے - سورۃ حج میں اَلْبُدْنَ (۲۲/۳۶) - انہی اونٹوں کے لئے آیا ہے** -

ب د و

بَدْوٌ - وَ - بُدُوٌّ کے معنے ہیں ظاہر ہونا - اَبْدَيْتُهُ - میں نے اسے ظاہر کر دیا - بَدَاوَةُ الشَّيْءِ - کس شے کا وہ حصہ جو سب سے پہلے ظاہر ہو* - قرآن کریم میں تُبْدُوْنَ (تم ظاہر کرتے ہو) کے مقابلہ میں تَكْتُمُوْنَ (تم چھپاتے ہو) بھی آیا ہے (۲/۳۳) اور تُبْدُوْا بمقابلہ تُخْفُوْ بھی (۲/۲۷۱) - سورۃ النور میں ہے وَلَا يُبْدِيْنَ زِيْنَتَهُنَّ (۲۴/۳۱) ''وہ اپنی آرائش کو نمایاں نہ کریں'' -

اَلْبَدْوُ - اَلْبَادِيَةُ - اَلْبَدَاوَةُ - صحراء، دیہات، البَدَاوَةُ - شہری زندگی کے مقابلہ میں دیہاتی یا صحرائی زندگی - صحراء کو اسلئے بادِيَةٌ کہتے ہیں کہ وہ ظاہر اور کھلا ہؤا ہوتا ہے* (۱۲/۱۰۰) - قرآن کریم میں اَلْبَادِ بمقابلہ الْعَاكِفُ آیا ہے (۲۲/۲۵) جسکے معنی ہیں باہر سے آنے والا - سورۃ ہود میں ہے کہ حضرت نوح[4] کے مخالفین نے آپ سے کہا کہ مَانَرَاكَ اتَّبَعَكَ اِلَّا الَّذِيْنَ هُمْ اَرَاذِلُنَا بَادِيَ الرَّاْيِ (۱۱/۲۷) - اس کے معنی یہ ہیں کہ جو لوگ تیرا اتباع کرتے ہیں ان کی شکل و صورت دیکھکر ہی اندازہ ہو جاتا ہے کہ وہ ہمارے معاشرہ کے پست درجے کے (رذیل) لوگ ہیں - یعنی ان کے متعلق اس نتیجہ پر پہنچنے کے لئے کسی دقتِ نظر کی ضرورت نہیں پڑتی - ان کی صورت سے ان کی حالت عیاں ہو جاتی ہے - (ہمارے ہاں اسے بادی النظر کہتے ہیں) -

---

*تاج - نیز ابن فارس - ** راغب

ب ذ ر

بَذَرْتُهُ بَذْراً : میں نے اسے بکھیرا ، متفرق کیا ، خراب کیا ۔ اَلْبِذْرُ ۔ اس غلہ کو کہتے ہیں جو بیج ڈالنے کیلئے الگ رکھ لیا گیا ہو۔ اس سے اسکے معنے کھیتی کرنے کے آتے ہیں ۔ نیز کھیتی یا سبزی کا وہ پودا جو شروع شروع میں زمین سے نکلتا ہے ۔ نواب صدیق حسن خان نے لکھا ہے کہ جن الفاظ میں باء اور ذال اکھٹے آئیں ان کا مفہوم کسی چیز کو نکال دینا ہوتا ہے ۔ ابن فارس نے کہا ہے کہ اس کے بنیادی معنی بکھیرنے اور متفرق کر دینے کے ہیں ۔

اپنی اصل کے اعتبار سے تَبْذِيْرٌ کے معنی ہونگے اس غلہ کو بھی خرچ کر لینا جو بیج کے لئے رکھا ہو۔ مجازاً مال ضائع کر دینے کے لئے بھی یہ لفظ استعمال ہوتا ہے ۔ اسلئے کہ تَبْذِيْرٌ متفرق کر دینے یا بکھیر دینے کو بھی کہتے ہیں *

قرآن کریم میں ہے لَا تُبَذِّرْ تَبْذِيْراً اِنَّ الْمُبَذِّرِيْنَ كَانُوْا اِخْوَانَ الشَّيٰطِيْنِ (۲۶-۲۷/۱۷) " تم مال کو بے جا صرف مت کرو۔ اسطرح مال کو ضائع کرنے والے لوگ شیاطین کے بھائی ہیں " ۔

ب ر أ

بَرْءٌ ۔ اسکے بنیادی معنے ہیں کسی چیز کا ان چیزوں سے الگ ہو جانا جو اسکی غیر ہوں ۔ بَارَاَهُ ۔ وہ اس سے الگ اور جدا ہو گیا ۔ تَبَرَّاْنَا ۔ ہم سب جدا ہو گئے ۔ بَرِئَ الْمَرِيْضُ مِنْ مَرَضِہٖ ۔ مریض شفایاب ہو گیا ۔ یعنے اسکا مرض اس سے الگ ہو گیا ۔ اَنَا بَرَاءٌ مِنْهُ ۔ میں اس سے بری ہوں ۔ میرا اس سے کوئی تعلق نہیں ۔ قرآن کریم میں ہے اِذْ تَبَرَّاَ الَّذِيْنَ اتُّبِعُوْا مِنَ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْا (۱۶۶/۲) ۔ "جب لیڈر اپنے پیچھے چلنے والوں سے بیزار اور الگ ہو جائیں گے"۔

سورۃ توبہ کا آغاز ان الفاظ سے ہوتا ہے ۔ بَرَاءَةٌ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ (۱/۹) ۔ "یہ اللہ اور اسکے رسول (قرآنی نظام کے مرکز) کی طرف سے اس امر کا اعلان ہے کہ ہم ان مشرکین مکہ سے بالکل الگ ہیں جن کے ساتھ معاہدہ کیا گیا تھا"۔ ان کے ساتھ اب ہمارا کوئی تعلق باقی نہیں رہا ۔ یہی معنی (۴/۶۰) میں ہیں ۔

* تاج ۔ ** راغب ۔

خدا کو اَلْبَارِیُٔ کہا گیا ھے (۵۹/۲۴) - اس میں درحقیقت تخلیق اشیاء کے تین مراحل میں سے ایک مرحلہ کا ذکر ھے - یعنی اَلْخَالِقُ اَلْبَارِیُٔ اَلْمُصَوِّرُ (۵۹/۲۴) - کائنات میں تمام عناصر باھمی ملے جلے رھتے ھیں - اللہ کے سامنے جب کسی نئی چیز کی پیدائش کی تدبیر (اسکیم) ھوتی ھے تو وہ مختلف عناصر کو ایک نئی ترتیب دیتا ھے - یہ خَلْقٌ ھے (دیکھئے عنوان خ - ل - ق) - پھر انہیں باقی عناصر سے الگ کرتا ھے - یہ بَرْأَۃٌ ھے - اور اسکے بعد انہیں ایک متعین شکل (Form) عطا کر دیتا ھے - یہ مُصَوِّرِیَّت ھے - (دیکھئے عنوان ص - و - ر) - اس اعتبار سے وہ خالق اور باری اور مصور کہلاتا ھے - بعض نے کہا ھے کہ اسی نہج سے مخلوق کو اَلْبَرِیَّۃُ کہتے ھیں - قرآن میں ھے اُولٰٓئِکَ ھُمْ شَرُّ الْبَرِیَّۃِ (۹۸/۶) - (بَرِیَّۃٌ کی اصل بَرْیٌ ھے - اور یہ اَلْبَرَیٰ سے ھے جس کے معنے مٹی کے ھیں) -

نواب صدیق حسن خان نے لکھا ھے کہ جن الفاظ میں باٗ اور راٗ اکٹھے آئیں ان کا مفہوم ”ظاھر ھونا،، ھوتا ھے - اس اعتبار سے کسی حادثہ کے واقع کرنے (رُو نما کرنے) کیلئے بھی بَرْءٌ آتا ھے (۵۷/۲۲) - مُبَرَّءٌ کے معنے ھیں بَرِیٌ الذِّمَّۃِ (پاک) (۲۴/۲۶) - اَبْرَأَ کے معنے ھیں کسی سے مرض دور کر دینا (۳/۴۸) -

ب ر ج

بُرْجٌ - جمع بُرُوْجٌ - کسی محل کے چاروں طرف جو محفوظ کوٹھڑیاں بنا دی جاتی ھیں انہیں بُرُوْجٌ کہا جاتا ھے - جو کوٹھڑیاں شہر پناہ یا قلعہ کی دیوار پر بنائی جاتی ھیں انہیں بھی بُرُوْجٌ کہتے ھیں - نیز اسکے معنے قلعہ کے بھی ھوتے ھیں * - چنانچہ (۴/۷۸) میں اسکے یہی معنے ھیں - دراصل، ج - ب - ر اپنی تمام تراکیب میں شدت اور قوت پر دلالت کرتے ھیں ** - ابن فارس نے کہا ھے کہ اس کے بنیادی معنے ظاھر ھونا اور جائے پناہ کے ھیں -

سورۃ احزاب میں ھے وَقَرْنَ فِیْ بُیُوْتِکُنَّ وَلَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاھِلِیَّۃِ الْاُوْلٰی (۳۳/۳۳) - ”اپنے گھروں میں سنجیدگی سے رھو اور سابقہ جاھلیت کے طریق پر اپنا بناؤ سنگھار نہ دکھاتی پھرو“ - اور سورۃ نور میں ھے غَیْرَ مُتَبَرِّجَاتٍ بِزِیْنَۃٍ (۲۴/۶۰) ”اپنی زینت کو نمایاں نہ کرنے والیاں“

*تاج - **العلم الخفاق -

صاحب تاج العروس نے لکھا ھے کہ تَبَرّجَ کے معنے ھیں عورت نے اپنی زینت اور محاسن کو مردوں کے سامنے ظاھر کیا، اسطرح کہ اسکی آنکھوں میں شوخی جھلک رھی تھی۔ نواب صدیق حسن خان نے لکھا ھے کہ جن الفاظ میں بؔ اور رؔ ساتھ آئیں ان میں اظہار کا مفہوم مضمر ھوتا ھے، جیسے بَرَجَ۔ ظاھر ھوگیا۔ اسی سے تَبَرُّجَ ھے**۔ ابواسحق نے کہا کہ* تَبَرُّجَ اس اظہار زینت کو کہتے ھیں جو مردانہ شہوت کی انگیخت کا ذریعہ بن جائے۔ صاحب محیط نے کہا ھے کہ اَلتَّبَرُّجُ مٹک مٹک کر چلنے کو کہتے ھیں اور اَلْبَرِجُ خوبصورت اور حسین چہرے والے کو کہتے ھیں۔ اور اَلْاَبْرَجُ حسین آنکھوں والے کو****۔ اَلْبَرَجُ آنکھ کا کشادہ اور حسین ھونا***۔ لسان میں دونوں ابرؤوں کے درمیان کشادگی اور فاصلہ کو بَرَجٌ بتایا ھے۔

راغب نے کہا ھے کہ عورت کے تَبَرُّجٌ کے معنے یہ ھیں کہ وہ اپنے محل سے باھر نکل آئی۔ چنانچہ اس سے پہلے جو آیا ھے وَقَرْنَ فِيْ بُيُوْتِكُنَّ اس نے بھی ان معانی کی تائید کر دی ھے***۔

لیکن ھمارے نزدیک صحیح معنے وھی ھیں جو ابواسحق نے کہے ھیں یعنے اس انداز کی نمائش جو مردوں کے جذبات کے مشتعل ھونے کا سبب بن جائے۔ دراصل اِبْرِيْجٌ بلونی یا اس مشک کو کہتے ھیں جس میں دودھ بلو کر اس سے مکھن نکالا جاتا ھے****۔ لہذا تَبَرُّجَ کے معنے ھیں حسن اور زینت کی اس انداز کی نمائش کہ عورت کی آنکھوں میں شوخی جھلک رھی ھو اور اس سے مردوں کے جذبات متحرک اور مشتعل ھو جائیں۔ ایسی نمود و نمائش جو مردوں کے سینوں میں (بلونی کی طرح) تلاطم برپا کر دے۔ اسکی ممانعت ھے۔ جنسی جذبات ازخود بیدار نہیں ھوتے۔ انسانی خیالات انہیں بیدار اور مشتعل کرتے ھیں۔ لہذا، قرآن کریم ان تمام محرکات کو روکتا ھے جن سے ان جذبات میں انگیخت پیدا ھو۔ اس نے مردوں اور عورتوں کے باھمی اختلاط (میل جول) کے لئے جو حدود مقرر کئے ھیں ان سے یہی مقصود ھے۔

قدیم علم الافلاک کی رو سے، آسمان میں بارہ برج تسلیم کئے جاتے تھے۔ ابن درید نے (جمهرة اللغة میں) لکھا ھے کہ عرب، اِن بروج السّماء (آسمانی برجوں) کو نہیں جانتے تھے۔ ان کے کلام میں "منازلِ قمر" کا تو ذکر ملتا ھے لیکن "بروج السّماء" کا ذکر نہیں ملتا۔ لہذا، قرآن کریم میں جہاں "بروج السّماء" کا ذکر آیا ھے تو اس سے وھاں مراد ستارے یا بڑے بڑے ستارے ھیں۔ مثلاً سورۃ

*تاج۔ **العلم الخفاق۔ ***راغب۔ ****محیط۔

حجرمیں ہے وَلَقَدْ جَعَلْنَا فِی السَّمَاءِ بُرُوْجًا وَّزَيَّنّٰهَا لِلنّٰظِرِيْنَ (۱۵/۱۶)، ''اور یقیناً ہم نے آسمان میں بروج بنائے ہیں اور انہیں دیکھنے والوں کےلئے خوشنما بنایا ہے'' ۔ یہاں ''بروج'' سے مراد بڑے بڑے ستارے ہیں جو اُبھرے ہوئے دکھائی دیتے ہیں ۔ دوسری جگہ ہے اِنَّا زَيَّنَّا السَّمَاءَ الدُّنْيَا بِزِيْنَةِ نِ الْكَوَاكِبِ (۳۷/۶) ''اور ہم نے قریبی آسمان کو (عجیب) زینت یعنی ستاروں سے آراستہ کیا ہے'' ۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ قرآن کریم نے ''بُرُوْج'' کو ستاروں کے معنی میں استعمال کیا ہے ۔

ب ر ح

اَلْبَرَاحُ ۔ کھلی وسیع زمین جہاں درخت ، کھیتی ، عمارت وغیرہ کچھ نہ ہو ۔ اس سے یہ لفظ اس معاملہ کے لئے بولتے ہیں جو بالکل واضح ، ظاہر اور کھلا ہوا ہے ۔ لَا بَرَاحَ ۔ اس میں کوئی شک و شبہ یا ابہام نہیں ۔ بَرِحَ الْخَفَاءُ راز فاش ہو گیا* ۔ نواب صدیق حسن خاں نے لکھا ہے کہ جن الفاظ میں باء کے ساتھ راء آئے ان کے مفہوم میں ''ظاہر ہونا'' پایا جاتا ہے ۔ جیسے بَرِحَ الْخَفَاءُ ۔ ابن فارس نے کہا ہے کہ اس کے بنیادی معنی (۱) ظاہر ہو جانا ۔ زائل ہو جانا اور کھل جانا ۔ اور (۲) سخت ہونا اور بڑا ہونا ہیں ۔ راغب نے کہا ہے کہ لَا اَبْرَاحُ اثبات یعنی مستقل جم کر رہنے یا کام کرنے کے لئے مخصوص ہوتا ہے** ۔ صاحب محیط نے کہا ہے کہ بَرْحیٰ ایک کلمہ ہے جو نشانہ خطا ہو جانے پر بولتے ہیں ۔ چنانچہ اَلْبَارِحُ مِنَ الظِّبَاءِ وَ الطَّيْرِ اس ہرن یا پرندے کو کہتے ہیں جو شکاری کے سامنے ایسے رخ سے آئے کہ اس کا نشانہ کرنا دقت طلب ہو*** ۔

قرآن کریم میں یہ لفظ اثبات اور تاکید کے لئے آیا ہے ۔ جیسے سورۃ یوسف میں ہے فَلَنْ اَبْرَحَ الْاَرْضَ (۱۲/۸۰) ''میں اس سر زمین کو کبھی نہیں چھوڑونگا'' ۔ سورۃ کہف میں ہے لَا اَبْرَحُ حَتّٰى اَبْلُغَ مَجْمَعَ الْبَحْرَيْنِ (۱۸/۶۰) ۔ ''میں چلنا نہیں چھوڑوں گا (یعنے مسلسل چلتا رہوں گا) حتی کہ دو دریاؤں کے سنگھم پر پہنچ جاؤں'' ۔

ب ر د

اَلْبَرْدُ ۔ ٹھنڈا ہونا ، یہ حَرٌّ (گرم ہونے) کی ضد ہے ۔ مَاءٌ بَرْدٌ وَبَارِدٌ ۔ ٹھنڈا پانی ۔ اَلْبَرْدُ ۔ نیند ۔ اَلْبَرَدُ ۔ اولے ۔ عَيْشٌ بَارِدٌ ۔ خوشگوار زندگی ۔ بَرَدَ السَّيْفُ ۔ تلوار اچٹ گئی* ۔

---

*تاج ۔ **راغب ۔ ***محیط ۔

راغب نے لکھا ہے کہ جس طرح حَرٌّ کے ساتھ حرکت مختص ہوتی ہے اسی طرح بَرْدٌ کے ساتھ کسی چیز کا جمود و ثبوت مختص ہوتا ہے ۔ مثلاً بَرَدَ عَلَیْهِ دَیْنٌ کے معنی ہیں اس پر قرضہ ٹھہر گیا ، یعنی ادا نہ ہوسکا** ۔ ابن فارس نے اس کے بنیادی معانی میں سکون اور ثبات کو بھی شامل کیا ہے ۔

قرآن کریم میں حضرت ابراہیم[۴] کے قصہ میں ہے یٰنَارُ کُوْنِیْ بَرْدًا وَّ سَلَامًا عَلٰٓی اِبْرٰهِیْمَ (۲۱/۶۹) ۔ ''اے آگ تو ابراہیم پر ٹھنڈ اور سلامتی ہو جا'' ۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے کہا ہے کہ مخالفین نے ابراہیم[۴] کے خلاف تدبیریں اور سازشیں شروع کیں اور آمادہ بہ فساد ہوگئے لیکن ہم نے اسے ان کی شعلہ سامانیوں سے محفوظ رکھا اور خیریت سے نکال کر دوسرے ملک میں لے گئے ۔ (فَاَنْجٰهُ اللّٰهُ مِنَ النَّارِ ۲۹/۲۴) ۔ ''انہوں نے اسے زندہ جلا دینے تک کی بھی ٹھان لی لیکن ہم نے ان کی تدبیروں کو ناکام بنا دیا اور ابراہیم[۴] کو صحیح و سلامت بچا کر لے گئے'' (۳۷/۹۷-۹۹)۔ وَاَرَادُوْا بِهٖ کَیْدًا فَجَعَلْنٰهُمُ الْاَخْسَرِیْنَ (۲۱/۷۰) ۔ ''انہوں نے اس کے خلاف سازش کا ارادہ کیا لیکن ہم نے انہیں ناکام بنا دیا'' ۔ یعنی ان کا ارادہ کامیاب نہ ہو سکا ۔ حضرت ابراہیم[۴] بحفاظت وہاں سے نکل کر دوسرے ملک میں چلے گئے (۳۷/۹۹) ; (۲۱/۷۱) ; (۲۹/۲۶) ۔ ان مقامات سے ظاہر ہے کہ یہاں آگ سے مراد ان لوگوں کی آتشِ انتقام تھی جسے اللہ تعالیٰ نے ٹھنڈا کر دیا تھا ۔ اور وہ اپنی سازش میں ناکام رہ گئے تھے ۔

اولوں (ژالہ باری) کے معنوں میں یہ لفظ (۲۴/۴۳) میں آیا ہے ۔ سورۃ واقعہ میں عذاب جہنم کے ضمن میں ہے لَا بَارِدٍ وَّلَا کَرِیْمٍ (۵۶/۴۴)۔ ''نہ ٹھنڈ پہنچانے والا ۔ نہ خوشگوار اور نفع بخش'' ۔

سورۃ النباء میں اہل جہنم کے متعلق ہے لَا یَذُوْقُوْنَ فِیْهَا بَرْدًا وَّلَا شَرَابًا (۷۸/۲۴) ''وہ اس میں ٹھنڈ اور پینے کی چیز نہیں پائینگے'' ۔

صاحب تاج العروس نے یہاں بَرْدٌ کے معنے نیند کے کئے ہیں ۔ صاحب کتاب الاشتقاق نے بھی اس کی تائید کی ہے ۔ ویسے اس سے مفہوم راحت و آرام بھی ہو سکتا ہے ۔ اور یہی معنی زیادہ موزوں ہیں ۔ عذاب میں راحت کہاں؟ ابن فارس نے اس کے بنیادی معنوں میں اضطراب اور حرکت کو بھی شامل کیا ہے ۔

*تاج ۔ **راغب ۔

ب ر ر

ب ر ر - اس مادہ کے اصلی معنے وسعت - فراخی اور کشادگی کے ہیں کیونکہ بَحْرٌ کے مقابلہ میں بَرٌّ کا لفظ خشکی کیلئے استعمال ہوتا ہے (۱/۱ ۲ ۷/۲ ۶). اَلْبَرُّ بے آب و گیاہ چٹیل میدان کو کہتے ہیں اور بَحْرٌ ان مقامات اور شہروں کو جہاں پانی بھی ہو- بَرٌّ بکریوں کو (جنگل کی طرف) ہانک دینے کو کہتے ہیں - وسعت کے اعتبار سے اسکے معنے کثرت کے بھی ہو گئے - چنانچہ اَبَرَّ الرَّجُلُ کے معنے ہیں وہ آدمی کثیرالاولاد ہو گیا - اَبَرَّ الْقَوْمُ - قوم بہت زیادہ ہو گئی ہے - اس سے غلبہ و تسلط کے معنوں میں بھی یہ لفظ استعمال ہونے لگا- اَبَرَّ عَلَيْهِمْ - وہ ان پر فوقیت لے گیا اور غالب آیا - اَلْمُبِرُّ - غالب آنے والے کو کہتے ہیں* - نواب صدیق حسن خاں نے لکھا ہے کہ جن الفاظ میں باء اور راء اکٹھے آئیں ان کا مفہوم " ظاہر ہونا "، ہوتا ہے - چنانچہ بَرَّ کے معنی ہیں وہ ظاہر ہو گیا - اس سے کشادگی اور غلبہ دونوں مفہوم واضح ہو جاتے ہیں -

نگاہ کی کشادگی اور دل کی وسعت کے اعتبار سے بِرٌّ کے معنی وسیع پیمانہ پر نیک سلوک ، صلہ رحمی اور احسان کے آتے ہیں - نیز صداقت (بات پر پورا اترنا) اور اطاعت کے بھی - بَرٌّ اور بِرٌّ - قسم میں سچا ہونے کو کہتے ہیں - اَلْبَرُّ - خدا کے اسماء حسنیٰ میں سے ہے (۵۲/۲۸) - نیز سچے اور احسان کرنے والے آدمی کو بھی کہتے ہیں* -

قرآن کریم میں بِرٌّ بمقابلہ اِثْمٌ آیا ہے (۵/۲)- اِثْمٌ کے معنے ہیں کمزوری- اضمحلال- تکان- لہذا بِرٌّ کے معنے ہونگے قوت- وسعت- کثرت- کشادگی- فراخی- چونکہ اِثْمٌ جرم (گناہ) ہے اس لئے بِرٌّ نیکی (Virtue) ہے - لہذا قرآن کی رو سے " نیک کام "، (بِرٌّ) وہ ہونگے جن سے کشاد کی راہیں کھل جائیں- جن سے انفرادی طور پر نگاہ میں فراخی، قلب میں کشادگی اور انسانی ذات میں وسعت پیدا ہو جائے اور اجتماعی طور پر سامان زیست میں کثرت اور وسعت آ جائے - اور معاملات میں فراخ حوصلگی کا ثبوت دیا جائے - بِرٌّ اور تَقْوٰی کے الفاظ اسی لئے اکٹھے آئے ہیں (مثلاً ۲/۲۲۴ ; ۵/۲) کیونکہ تَقْوٰی (قوانین خداوندی کی نگہداشت کرنے) سے انسان سے تنگ نظری دور ہو جاتی ہے اور کشادہ ظرفی پیدا ہو جاتی ہے - اس کا بنیادی طریقہ یہ ہے کہ

* تاج -

انسان اپنی عزیز ترین متاع (مال و دولت حتی کہ جان تک کو) قوانینِ خداوندی کے مطابق، نوع انسانی کی ربوبیت کے لئے کھلا رکھے۔ چنانچہ ارشاد ہے لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوا مِمَّا تُحِبُّوْنَ (۳/۹۲)۔ ''جب تک تم ان چیزوں کو جو تمہیں سب سے زیادہ عزیز ہیں (نوع انسان کی ربوبیت کے لئے) کھلا نہیں رکھو گے تمہیں کشادگی اور وسعت نصیب نہیں ہو سکیگی،،۔ جو لوگ سمجھتے ہیں کہ ''مذہبی شعائر،، کو رسمی طور پر ادا کر لینے کا نام بِرٌّ (نیکی) ہے وہ سخت غلط فہمی میں مبتلا ہیں۔ قرآن واضح الفاظ میں کہتا ہے کہ لَیْسَ الْبِرَّ اَنْ تُوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ ..... (۲/۱۷۷)۔ کشاد کی راہ یہ نہیں (تم معیارِ خداوندی پر اس طرح پورے نہیں اتر سکتے) کہ تم اپنا منہہ مشرق کی طرف کرتے ہو یا مغرب کی طرف۔ کشاد کی راہ یہ ہے کہ تم ایمان کے بعد اپنے مال کو اس کی کشش و جاذبیت کے باوجود ضرورت مندوں کے لئے دیدو۔ ایسا کرنے والوں کو اَبْرَارٌ بمقابلہ فُجَّارٌ کہا گیا ہے (۸۲/۱۱-۱۲)۔ اور بَرَرَةٌ بھی (۸۰/۱۶)۔

حضرت یَحْیٰی[۴] کے متعلق ہے۔ بَرًّا بِوَالِدَیْهِ (۱۹/۱۴)۔ ''وہ اپنے والدین کے ساتھ حسن سلوک (کشادہ نگہی) سے پیش آتا تھا،،۔ خدا کو اَلْبَرُّ الرَّحِیْمُ کہا گیا ہے (۵۲/۲۸)۔ ''وسعتیں عطا کرنے والا۔ سامانِ نشو و نما دینے والا،،۔ جس خدا نے تمام نوع انسانی کیلئے سامان ربوبیت اس وسعت و کثرت سے عطا کر رکھا ہے اس کی کشادگی اور فراخی میں کسے کلام ہو سکتا ہے؟ ،،۔ لہذا جو معاشرہ اپنے اندر خدا کی صفات کو منعکس کریگا وہ بھی علیٰ حدِ بشریت بَرٌّ وَرَحِیْمٌ ہوگا۔ یعنی نوع انسانی کی ربوبیت کیلئے وسعت ظرف اور کشادگی نگاہ کا مالک۔ اسی کا نام بِرٌّ ہے جس کا ترجمہ عام طور پر نیکی کیا جاتا ہے۔ لیکن یہ ظاہر ہے لفظ ''نیکی،، کا عمومی تصور بِرٌّ (وسعت و کشادگی) کا مفہوم نہیں پیدا کر سکتا۔ نیک آدمی عام طور پر اسے کہا جاتا ہے جو برائیوں سے بچے۔ لیکن برائیوں سے بچنا سلبی پہلو (Negative Aspect) ہے۔ قرآن کریم اس کے ساتھ مثبت جوہروں (Positive Virtues) کا بھی مطالبہ کرتا ہے۔ بنا بریں جس فرد میں کشادہ نگہی اور فراخ حوصلگی نہیں اور جس قوم کو ربوبیت کا سامان وسعت و کثرت کے ساتھ نصیب نہیں اور وہ اسے اسی وسعت و کشادگی کے ساتھ نوع انسانی کی نشو و نما کے لئے صرف نہیں کرتی۔ وہ قرآن کی رو سے حامل بِرٌّ (نیک) نہیں ہو سکتی۔

ب ر ز

اَلْبَرَازُ - اَلْبِرَازُ - وسیع اور کھلی جگہ جہاں درخت وغیرہ کچھ نہ ہوں (چونکہ لوگ قضائے حاجت کے لئے باہر کھلی جگہ کی طرف جایا کرتے تھے اسلئے اَلْبِرَازُ والبَرَازُ کے معنی پاخانہ کے ہو گئے) -

بَرَزَ - نمایاں ہو جانا - ظاہر ہو جانا - نکھر کر سامنے آ جانا - اَلْبَارِزُ وہ چیز جو پوری طرح ظاہر ہو جائے - نواب صدیق حسن خان نے لکھا ہے کہ جن الفاظ میں باء اور راء اکٹھے ہوں ان میں ظاہر ہوجانے کا مفہوم مضمر ہوتا ہے - ابن فارس نے بھی لکھا ہے کہ اس کے بنیادی معانی ظاہر ہو جانا - اور کسی چیز کا اپنے جیسی اور چیزوں سے الگ ہو جانا ہیں - بَارَزَ مُبَارَزَۃً - میدان جنگ میں جوانوں کا صفوں سے باہر نکل کر ایک دوسرے کے سامنے آنا - بَرَزَ - دوسروں پر فضیلت و شجاعت میں سبقت لیجانا - اور آگے بڑھ جانا* -

سورۃ بقرہ میں ہے وَ لَمَّا بَرَزُوْا لِجَالُوْتَ (۲/۲۵۰) - "جب وہ جالوت کے مقابلہ میں جنگ کیلئے سامنے آئے" - سورۃ کہف میں ہے وَ تَرَی الْاَرْضَ بَارِزَۃً (۱۸/۴۷) - "تو زمین کو دیکھیگا کہ وہ بالکل کھلی ہوئی ہے" (یا وہ لوگ جنہیں استبداد زمانہ نے دبائے رکھا ہے تو دیکھیگا کہ وہ ابھر کر اوپر آجائینگے) سورۃ ابراھیم میں ہے وَ بَرَزُوْا لِلّٰہِ جَمِیْعًا (۱۴/۲۱) "چھوٹے بڑے سب خدا (کے قانون مکافات کے) سامنے آجائینگے - ان کے اعمال کے نتائج ابھر کر سامنے آ جائینگے - یعنے لَا یَخْفٰی عَلَی اللّٰہِ مِنْھُمْ شَیْئٌ (۴۰/۱۶) - "ان کی کوئی شے اللہ سے مخفی نہیں ہوتی" - اسی کو دوسری جگہ وَ بُرِّزَتِ الْجَحِیْمُ (۷۹/۳۶) سے تعبیر کیا گیا ہے - یعنی ظہورِ نتائج کے وقت جہنم ابھر کر سامنے آ جائیگی - لیکن اسی کے لئے جو آنکھیں رکھتا ہے - لِمَنْ یَّرٰی (۷۹/۳۶) - یوں تو مجرم اور جہنم اب بھی ایک دوسرے سے اوجھل نہیں - (۸۲/۱۶) - جہنم ہر مجرم کو گھیرے ہوئے ہے - (۲۹/۵۴) - لیکن اسے دیکھ وہی سکتا ہے جو آنکھیں رکھتا ہے - وہ اسی کے سامنے ابھر کر آتی ہے جسے اسکا احساس ہو - (تفصیل جہنم کے عنوان میں ملیگی) -

برزخ

بَرْزَخٌ - دو چیزوں کے درمیان روک یا حد کو کہتے ہیں - راغب نے کہا ہے کہ یہ دراصل بَرْزَۃٌ (پردہ) ہے جسے معرب بنا لیا گیا ہے* - لیکن ابن فارس کا کہنا ہے کہ یہ لفظ عربی الاصل ہے جس کا مادہ برز ہے اور

* تاج - ** محیط -

خاء اس میں مبالغہ کے لئے بڑھائی گئی ہے - معنی اسکے ہیں اتنی بڑی وسعت جو اسکے باہر کی چیزوں کے لئے اوٹ بن جائے - مطلب اس سے بھی روک یا حائل ہونے کا ہوگا - سورۃ رحمٰن میں ہے - بَيْنَهُمَا بَرْزَخٌ لَا يَبْغِيٰنِ (۵۵/۲۰) ''ان دونوں دریاؤں کے درمیان ایک روک ہے جس سے وہ آگے نہیں بڑھ سکتے'' - (نیز ۲۵/۵۳) -

سورۂ مومنون میں ہے کہ جب ان میں سے کسی کو موت آتی ہے تو وہ کہتا ہے کہ اے میرے پروردگار! اگر تو مجھے دنیا کی طرف لوٹا دے تو میں ضرور اعمالِ صالحہ کروں - قرآن کہتا ہے کہ یہ ان کے کہنے کی باتیں ہیں - مرنے کے بعد کوئی اس دنیا میں واپس نہیں آسکتا - وَمِنْ وَّرَائِهِمْ بَرْزَخٌ اِلٰى يَوْمِ يُبْعَثُوْنَ (۲۳/۹۹-۱۰۰) ''ان کے پیچھے ایک روک ہے یوم بعث تک'' - (نیز دیکھئے و راء - عنوان '' و - ر - ی '' میں اور عنوان ''ب - ع - ث'')

ب ر ص

اَلْبَرَصُ - سفید داغ جو بیماری کی وجہ سے بدن میں ظاہر ہوجاتے ہیں - پھلبھری - اَلْبَرَاصُ - ریگستانی خطے جہاں کچھ پیدا نہ ہو - بنجر زمین ** - تَبَرَّصَ الْبَعِيْرُ الْاَرْضَ - اونٹ نے تمام گھاس چرلی - زمین پر کچھ بھی نہ چھوڑا * -

سورۃ آل عمران میں ہے کہ حضرت عیسیٰ[ع] نے اپنی قوم سے کہا کہ وَاُبْرِئُ الْاَكْمَهَ وَالْاَبْرَصَ (۳/۴۸) - ''میں پیدائشی اندھے کو نگاہ عطا کرونگا اور اَبْرَص کو اسکی بیماری سے نجات دلا دونگا'' - بنی اسرائیل کی اسوقت کی حالت کو اَبْرَص سے تعبیر کیا گیا ہے - یا تو اسکے یہ معنے ہیں کہ انکی ارضی حیات کے کسی حصہ میں بھی سرسبزی اور تروتازگی باقی نہیں رہی تھی - اور یا یہ کہ وہ دنیا میں مارے مارے پھرتے تھے اور کوئی انہیں اپنے پاس نہیں پھٹکنے دیتا تھا - وَضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ اَيْنَ مَا ثُقِفُوْٓا (۳/۱۱۱) ''وہ جہاں کہیں بھی جائیں ذلت و رسوائیاں انکے ساتھ لگی ہوئی ہیں'' - دونوں معانی میں مفہوم ایک ہی ہے - رسول آتا ہی اسلئے ہے کہ قوم کو ذلت و رسوائیوں سے نجات دلائے اور اسکی بنجر زمینوں میں سرسبزی و شادابی کے سامان پیدا کرے -

* تاج ** ابن فارس -

قرآن کریم نے اخلاقی ذمائم کو بیماریوں سے تشبیہ دی ہے۔ کہیں ایسے لوگوں کو بہرے۔ گونگے۔ اندھے۔ (صُمٌّ۔ بُكْمٌ۔ عُمْىٌ ۲/۱۸)۔ کہکر پکارا ہے۔ کہیں کہا ہے کہ "ان کے دلوں میں روگ ہے" (فِىْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ۔ ۲/۱۰)۔ حتی کہ انہیں مردہ (مَوْتىٰ۔ (۲۷/۸۰) بھی کہا گیا ہے۔ اسی اعتبار سے آسمانی تعلیم کو هُدًى وَّ شِفَآءٌ (۴۱/۴۴) "ہدایت اور شفاء"۔ اور شِفَآءٌ لِّمَا فِى الصُّدُوْرِ (۱۰/۵۷) "جو کچھ سینوں میں ہے اس کے لئے شفاء" کہا گیا ہے۔ حضرات انبیائے کرام کی بعثت کا مقصد اور زندگی کا مشن جسمانی بیماریوں کا علاج نہیں ہوتا۔ ان کا مقصد "انسانیت کی بیماریوں" کا علاج ہوتا ہے۔ حضرت عیسیٰ کے آکْمَهَ (اندھے) کو بینائی عطا کرنے اور اَبْرَص (کوڑھی) کو اچھا کرنے سے بھی یہی مراد ہے۔ یہ الفاظ بطور استعارہ استعمال ہوئے ہیں۔ (تفصیل میری کتاب "شعلۂ مستور" میں ملیگی)

ب ر ق

بَرْقٌ۔ بجلی جو بادلوں میں چمکتی ہے۔ اس کے بنیادی معنے چمک کے ہیں۔ بَرِقَ بَصَرُہٗ کے معنی ہیں اسکی آنکھوں میں خیرگی پیدا ہوگئی۔ اور وہ حیرت و دہشت کی وجہ سے کچھ دیکھنے کے قابل نہ رہا۔ (فَاِذَا بَرِقَ الْبَصَرُ (۷۵/۷)۔ ابن فارس نے کہا ہے کہ اس کے معنی متحیر رہ جانے کے ہیں۔ سورۃ بقرہ میں ہے يَكَادُ الْبَرْقُ يَخْطَفُ اَبْصَارَهُمْ (۲/۲۰) قریب ہے کہ بجلی ان کی نگاہوں کو اچک کر لے جائے"۔

اِسْتَبْرَقٌ۔ دبیز ریشمی کپڑے کو کہتے ہیں (۱۸/۳۱؛ ۵۵/۵۴)*۔ اور اِبْرِيْقٌ (۵۶/۱۸) لوٹے یا صراحی کو کہتے ہیں۔ یہ لفظ فارسی لفظ "آب ریز"، کا معرب سمجھا جاتا ہے**۔ لیکن ابن فارس کا قول ہے کہ یہ برق ہی سے ہے اور ہر چمک دار اور خوبصورت چیز کے لئے بولا جاتا ہے۔

ب ر ک

بَرَكَةٌ۔ کے اصلی معنی اس ثبات کے ہیں جس کے ساتھ نمو بھی شامل ہو۔ یعنے ایک چیز اپنے مقام پر مستحکم بھی ہو اور اسکے ساتھ ساتھ بڑھ بھی رہی ہو۔ لہذا اس میں استحکام اور کثرت۔ ثبات اور نشو نما دونوں شامل ہوتے ہیں۔ نواب صدیق حسن خان نے لکھا ہے کہ جن الفاظ میں

* تاج و محیط۔ ** لین۔

باء اور راء اکٹھے آئیں ان میں ''ظاہر ہونے،، کا مفہوم مضمر ہوتا ہے۔ نشو و نما کے معنی ہی یہ ہیں کہ مضمر صلاحیتیں نمودار ہو کر سامنے آ جائیں۔ لہذا بَرَكَةٌ میں ثبات۔ استحکام۔ کثرت۔ نشو و نما اور ظہور و نمود کے تمام پہلو آ جاتے ہیں۔ ابن فارس نے بھی اس کے معنی ثبات اور نشو و نما لکھے ہیں۔ مُبَارَكٌ یا فِيْهِ بَرَكَةٌ۔ اسوقت کہتے ہیں جب کسی شے میں کثرت اور زیادتی محسوس ہو اور اسمیں ثبات و استحکام بھی ہو۔ یہ لفظ بَرَكَ الْبَعِيْرُ سے ماخوذ ہے جسکے معنے یہ ہوتے ہیں کہ اونٹ جم کر بیٹھ گیا اور وہاں سے اٹھا نہیں۔ اَلْبِرْكَةُ۔ اونٹ کے سینے کو کہتے ہیں جس پر ٹیک لگا کر وہ جم کر بیٹھتا ہے۔ اور بہت دودھ دینے والی بکری کو بھی۔ نیز حوض وغیرہ جس میں پانی ٹھہرا رہے *۔

بَرَكَةٌ کی جمع بَرَكَاتٌ ہے۔ جیسا کہ اوپر لکھا گیا ہے، بَرَكَةٌ کے معنی ثبات۔ استحکام۔ نشو و نما۔ ہر قسم کا خیر اور فلاح ہیں۔ لیکن یہ چیزیں متعلقہ اسباب کے ذریعے ملتی ہیں اس لئے مجازاً خود ان اسبابِ خیر کو بھی بَرَكَاتٌ کہا جائیگا۔ سورۃ اعراف میں ہے کہ ایمان و تقوی کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ اس قوم کو بَرَكٰتٍ مِنَ السَّمَاءِ وَالْاَرْضِ ملتی ہیں (۷/۹۶)۔ یعنے تمام استحکام بخش اسبابِ حیات کی کثرت و فراوانی۔ آسمانی راہ نمائی بھی اور معاشی سہولتیں بھی۔ زمین کے متعلق فرمایا وَبَارَكَ فِيْهَا (۴۱/۱۰)۔ (خدا نے) اس میں اس سامان کی فراوانی رکھدی ہے جس سے نوع انسانی کو استحکام اور نشو و نما حاصل ہوتا ہے۔ سورۃ قٓ میں کہا کہ نَزَّلْنَا مِنَ السَّمَاءِ مَاءً مُّبٰرَكًا (۵۰/۹)۔ ''ہم نے آسمان سے بارش برسائی جو نوع انسانی کی نشو و نما اور استحکام کا ذریعہ بنتی ہے،،۔ اور قرآن کریم کو بھی كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ اِلَيْكَ مُبٰرَكٌ کہا ہے (۳۸/۲۹)۔ یعنے وہ ضابطۂ حیات جس میں ایسے اصول و قوانین ہیں جو دائمی خیر و فلاح کا موجب ہیں۔ جن سے انسان کا ثبات و استحکام اور نشو و نما وابستہ ہے۔ اور اس لیل کو بھی مُبَارَكٌ کہا جسمیں یہ نازل ہوا (۴۴/۳)۔ مکہ کو (جو قرآن کے نظام ربوبیت کا مرکز ہے) مُبَارَكٌ کہا (۳/۹۵)۔ خود خدا بھی اپنی ربوبیت عالمینی کی وجہ سے مُبَارَكٌ ہے۔ تَبٰرَكَ اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ (۷/۵۴)۔ یعنی وہ سر چشمہ جہاں سے تمام نوع انسانی کو سامانِ ثبات و نشو و نما مل جائے۔ لہذا جو قوم اس کے قانون کے مطابق نظام قائم کرے اسے بھی اسی طرح تمام عالمِ انسانیت کے لئے موجب برکات ہونا چاہئے۔

---

*تاج۔ محیط۔ راغب۔

ب ر م

اَبْرَمَ الْحَبْلَ - اسنے رسی کو مضبوطی سے بٹ لیا (دو رنگوں میں یا دو بٹوں میں) - اَلْمِبْرَمُ - چرخیاں وغیرہ جن سے رسیاں مضبوط بٹی جائیں - اَلْبَرِیْمُ - دو مختلف بٹوں والا (مثلاً سرخ و سفید) دھاگا جسے عورتیں اپنے بازو یا کمر پر بھی باندھ لیتی ھیں - ھر وہ چیز جس میں دو مختلف رنگ ھوں- رَسی یا ڈورا جس میں دو رنگ ھوں - اَبْرَمَ الْاَمْرَ - اسنے معاملہ کو محکم اور مضبوط کر دیا* - اسی سے قَضَاءٌ مُبْرَمٌ - محکم اور اٹل فیصلے کو کہتے ھیں - قرآن کریم میں ھے اَمْ اَبْرَمُوْا اَمْرًا فَاِنَّا مُبْرِمُوْنَ (۴۳/۷۹) - "کیا انہوں نے (حق کی مخالفت کیلئے اپنے) معاملہ کو مضبوط کر لیا ھے ؟ اگر ایسا ھے تو ھم بھی معاملہ کو محکم کر لینے والے ھیں" -

چونکہ رسی کو مضبوط بٹنے میں بار بار بل دینا اور کئی بار بٹنا پڑتا ھے اس لئے اصرار کرنے اور بضد رھنے کے لئے بھی اِبْرَامٌ بولا جاتا ھے** - ممکن ھے اسی جہت سے چیچڑی کو البُرَامُ کہا جاتا ھو۔

ابن فارس نے اس کے بنیادی معنوں میں (۱) کسی چیز کا محکم ھو جانا - (۲) دو مختلف رنگ - اور (۳) تھک جانا اور دل برداشتہ ھو جانا لکھے ھیں -

آخری معانی کے لئے یہ لفظ قرآن میں نہیں آیا -

ب ر ہ

اَلْبَرَهُ - گورے پن کے ساتھ گدازیٔ بدن - اَلْبَرَهْرَهَةُ - سفید نوجوان حسینہ ، جو حسن و نزاکت کی وجہ سے لچکتی ھو، رنگ کی صفائی کے باعث جسکی جلد چمک رھی ھو، تنعم و آسودگی کی وجہ سے جو ترو تازہ ھو**** - اَلْبَرْهَةُ والبُرْهَةُ - زمانۂ طویل* -

اَلْبُرْهَانُ - خلیل نے کہا ھے کہ یہ لفظ بَرَهْرَهَةٌ سے ماخوذ ھے (جسکے معنے اوپر لکھے گئے ھیں) یعنے روشن اور لطیف دلیل - یا بُرْهَةٌ سے ماخوذ ھے، اپنے ثابت اور قائم ھونے کی وجہ سے - ایک اور قول ھے کہ یہ لفظ فعلان کے وزن پر ھے اور بَرَهٌ سے ماخوذ ھے جسکے معنے قطع کرنے کے ھوتے ھیں - یعنے دلیل قاطع*** - بعض نے نون کو اصلی مانکر اسے رباعی تسلیم کر لیا ھے - لیکن ایسا کثرت استعمال کی وجہ سے مانا گیا ھے ورنہ ھے یہ برہ ھی سے -

---

*تاج و راغب - **راغب - ***محیط - ****تاج -

راغب نے کہا ھے کہ یہ فَعْـلَانٌ کے وزن پر ھے اور بَرِہَ - یَبْرَہُ سے ماخوذ ھے جسکے معنے سفید ھونے کے آتے ھیں***- نواب صدیق حسن خان نے لکھا ھے کہ جن الفاظ میں باء اور راء اکٹھے آئیں ان میں ''ظاھر ھونے،، کا مفہوم پایا جاتا ھے - بہرحال اس بات پر سب متفق ھیں کہ اس کے معنے ایسی دلیل کے ھیں جو ھر حال میں ، ھمیشہ ، سچی ھو- روشن واضح اور سچی دلیل - ایسی دلیل جو بالکل ظاھر ھو-

قرآن کریم نے اپنے آپکو بُرْھَانٌ مِنْ رَبِّکُمْ ($\frac{۴}{۱۷۵}$) کہا ھے- ''تمہارے رب کیطرف سے واضح دلیل،،- اسلئے کہ اسکا ھر دعوی دلیل و برھان پر مبنی ھے - یہی وجہ ھے کہ وہ اپنے مخالفین سے بھی دلیل و برھان ھی کا مطالبہ کرتا ھے اور علانیہ کہتا ھے کہ ھَاتُوْا بُرْھَانَکُمْ اِنْ کُنْتُمْ صَادِقِیْنَ ($\frac{۲}{۱۱۱}$)- ''اگر تم اپنے دعوے میں سچے ھو تو اسکی تائید میں دلیل پیش کرو،،- اسے اپنے دعوے کی صداقت پر اسقدر یقین ھے کہ اس مطالبہ کے ساتھ ھی ان سے کہدیتا ھے کہ تمہارے پاس کوئی دلیل قاطع نہیں ھو سکتی- لَا بُرْھَانَ لَہٗ بِہٖ ($\frac{۲۳}{۱۱۷}$)- ''کسی کے پاس (شرک کی تائید میں) دلیل نہیں ھو سکتی،،-

مذھب*** کو (جسے ھمیشہ عقل کا حریف اور دلیل کا دشمن سمجھا جاتا تھا) علم و عقل اور دلیل و برھان کی رو سے پیش کرنا اور منوانا ، قرآن کریم ھی کی خصوصیت ھے - وہ اپنے ھر دعوے کو علم و بصیرت اور دلیل و برھان کی رو سے منواتا ھے -

ب ز غ

بَزَغَ نَابُ الْبَعِیْرِ کے معنے ھیں اونٹ کی ڈاڑھ گوشت کو شق کرکے نمودار ھوئی - اس سے چاند اور سورج کے طلوع ھو جانے کو، جب انکی روشنی پھیل رھی ھو بُزُوْغٌ کہتے ھیں-* ابن فارس نے کہا ھے کہ اس کے بنیادی معنی کسی چیز کے نکلنے اور ظاھر ھوجانے کے ھیں-

اِبْتَزَغَ الرَّبِیْعُ - بہار کا آغاز ھوگیا - شگوفے پھوٹنے شروع ھو گئے -*

*تاج - **محیط - ***راغب - ****قرآن نے دین عطا کیا ھے - مذھب کا لفظ قرآن میں نہیں ھے - ھم نے یہ لفظ عام استعمال کے پیش نظر لکھ دیا ھے - ورنہ اسلام کو الدین کہنا چاھئے - یعنی خدا کا مقرر کردہ ضابطہء حیات - طریق زندگی - نظام معاشرہ -

قرآن کریم میں ہے اَلْقَمَرَ بَازِغًا اور اَلشَّمْسَ بَازِغَةً (۶/۷۸-۷۹) ''طلوع ہوتے ہوئے یا چمکتے ہوئے چاند اور سورج'' -

نواب صدیق حسن خان نے کہا ہے کہ جب کسی لفظ میں بَاء اور زَاء اکٹھے آئیں تو اس میں ''کسی چیز کے نکلنے اور ظاہر ہونے'' کا مفہوم پایا جاتا ہے - بَزْغٌ میں یہی کیفیت ہوتی ہے -

ب س ر

اَلْبَسْرُ - کسی چیز کا وقت سے پہلے ، نا مکمل حالت میں جلدی ہو جانا - یہ اسکے بنیادی معنے ہیں - بَسَرَ الدُّمَّلَ - اسنے پھوڑے کو پکنے سے پہلے ہی پھوڑ دیا- اَلْبُسْرُ ہر تر و تازہ چیز نیز کھجور جو ابھی پکی نہ ہو*- ان معانی کے اعتبار سے ثُمَّ عَبَسَ وَ بَسَرَ (۷۴/۲۲) کے معنے ہیں اس نے منہ بگاڑ لیا - لیکن بَسَرَ کے معنے شدت کراہت سے کسی کی طرف دیکھنے کے بھی آتے ہیں* - اس اعتبار سے اس کے معنے تیوری چڑھانے اور منہ بگاڑنے کے ہونگے - خیال اس طرف جاتا ہے کہ چونکہ کچا پھل کھانے سے منہ بدمزہ ہو جاتا ہے اس لئے بَسَرَ کے معنے ''بد مزہ ہو گیا'' ہیں بد مزگی سے منہ ضرور بگڑتا ہے - دوسری جگہ ہے - وُجُوْہٌ یَوْمَئِذٍ بَاسِرَۃٌ (۷۵/۲۴)- ''اس دن بعض چہرے برے بنے ہوئے ہونگے'' -

ابن فارس نے کہا ہے کہ اس کے معنی (۱) کسی چیز کی پکنے سے پہلے کی حالت - اور (۲) کسی چیز کی حرکت کم ہو جانا یا اس کا ٹھہر جانا ہیں - نیز بَسَرَ الرَّجُلُ الْحَاجَۃَ کے معنی ہیں اس شخص نے اپنی ضرورت کو وہاں تلاش کیا جہاں اس کے ملنے کی توقع نہیں کی جاسکتی -

ب س س

سَتو یا خشک روٹیوں کا سفوف جو ستو کیطرح پانی میں گھول کر کھا لیا جائے - گھولنے ، خلط ملط کرنے اور چورہ چورہ کرنے کے لئے بَسَّ یَبُسُّ بَسًّا بولا جاتا ہے - اسی طرح اس کے معنے کسی چیز کے ریزہ ریزہ کردینے کے بھی ہیں -

لیکن بَسَّ الْاِبِلَ بَسًّا کے معنے ہیں اس نے اونٹوں کو نرمی سے ہانکا - اَلْبَسُّ - اونٹوں کو مختلف شہروں میں بھیج دینا اور متفرق کردینا - اس اعتبار سے اس کے معنے اپنی جگہ سے چلانے کے ہونگے*- چنانچہ اِنْبَسَّتِ الْحَیَّاتُ کے معنے ہیں سانپ تیزی سے رینگ گئے* - قرآن کریم میں ہے

*تاج و راغب -

وَ بُسَّتِ الْجِبَالُ بَسًّا (۵۶/۵)۔ اس کے ایک معنے تو یہ ہیں کہ جبال (بڑے بڑے سرداران قوم ۔ جابر و متکبر لوگ) ریزہ ریزہ ہو جائینگے ۔ اور یا یہ کہ وہ اپنے مقام سے ہانک کر ہٹا دئے جائینگے یا وہ خود ہی رینگ کر الگ ہو جائینگے ۔ انہی معانی کیلئے دوسری جگہ ہے وَ سُیِّرَتِ الْجِبَالُ فَکَانَتْ سَرَابًا (۷۸/۲۰) یا وَاِذَا الْجِبَالُ سُیِّرَتْ (۸۱/۳)۔ یا، وَاِذَا الْجِبَالُ نُسِفَتْ (۷۷/۱۰)۔ نیز یَنْسِفُهَا رَبِّی نَسْفًا (۲۰/۱۰۵)۔ ان تمام مقامات میں مفہوم ایک ہی ہے ۔ انکی قوت و استحکام کا ٹوٹ جانا ۔ انکے مقام کا ان سے چھن جانا ۔ انقلاب سے زیر و زبر ہوجانا ۔ (عنوان ن ۔ س ۔ ف بھی دیکھئے اور ج ۔ ب ۔ ل) بھی ۔ واضح رہے کہ جَبَلٌ کے لغوی معنے پہاڑ ہیں ۔ اس لئے ان آیات میں اگر لغوی معنی لئے جائیں تو مطلب پہاڑوں کا اڑ جانا یا ریزہ ریزہ ہو جانا ہوگا ۔ لیکن آیات کے سیاق و سباق کے پیش نظر مجازی معنی زیادہ موزوں معلوم ہوتے ہیں ۔ اس لئے ہم نے مجازی معانی لکھے ہیں ۔

ب س ط

بَسْطَہٌ ۔ بَسَّطَہٌ ۔ پھیلانا ۔ نشر کرنا ۔ توسیع کرنا ۔ وسعت دینا**۔ بمقابلہ قَبْضٌ (۲/۲۴۵) ۔ نیز بمقابلہ قَدَرَ (۴۲/۲۷)۔ قَدَرَ کے معنے ہیں پیمانوں سے ناپ تول کر دینا ، بمقابلہ مَغْلُوْلَۃٌ بمعنی بندھا ہؤا ۔ (۱۷/۱۹ و ۵/۶۴ ۔ نیز) اس کے معنے حملہ کرنے ۔ ہاتھ بڑھانے ۔ دست درازی کرنے کے بھی آتے ہیں (۵/۱۱) جس کے مقابلہ میں فَکَفَّ اَیْدِیَهُمْ عَنْکُمْ آیا ہے ۔ (۵/۱۱) ۔ یعنی "اس نے تم سے ان کے ہاتھوں کو روکا" ۔ اور مسلط ہونے کے معنے بھی ۔ وَ الْمَلٰٓئِکَۃُ بَاسِطُوْٓا اَیْدِیْهِمْ (۶/۹۳)۔ "اور فرشتے اپنے ہاتھ پھیلا رہے ہونگے" ۔ یعنی مسلط ہو جائینگے ۔ مَبْسُوْطٌ ۔ کشادہ**۔(۵/۶۴)۔ بِسَاطٌ ۔ بچھی ہوئی یا وسیع اور پھیلی ہوئی (۷۱/۱۹) ۔

قرآن کریم میں حضرت طالوت[4] کے متعلق ہے کہ زَادَہٗ بَسْطَۃً فِی الْعِلْمِ وَ الْجِسْمِ (۲/۲۴۷) ۔ اس کے عام معنے یہ ہیں کہ اسے علم اور جسمانی قوت بہت زیادہ دی ہے ۔ لیکن راغب نے کہا ہے بَسْطَۃً فِی الْعِلْمِ یہ ہے کہ انسان اپنے علم سے خود بھی نفع اٹھائے اور دوسروں کو بھی نفع پہنچائے*** ۔ لہذا بنی اسرائیل سے اللہ تعالیٰ نے کہا تھا کہ تم اپنی قوتوں کو اپنی ذاتی منفعت کے لئے صرف کرتے ہو لیکن طالوت اپنے علم اور توانائی سے دوسروں کو بھی فائدہ پہنچاتا ہے ۔ یہ وجہ ہے کہ اسے ہم نے تمہارے

*تاج و راغب ۔ نیز ابن فارس ۔ **تاج ۔ ***راغب ۔

اوپر کمان کے لئے منتخب کیا ھے ۔ کمانڈر ھونے کے لئے جسمانی اور دماغی دونوں قوتوں کی ضرورت ھوتی ھے ۔ اور اس خصوصیت کی بھی کہ وہ اپنی صلاحیتوں سے دوسروں کو بھی فائدہ پہنچائے ۔

ب س ق

اَلْبُسَاقُ ۔ لعاب دھن ۔ بَسَقَ ۔ اسنے تھوکا ۔ (بجائے "س" کے "ص" سے بصق بھی کہتے ھیں) ۔

بَسَقَ النَّخْلُ بُسُوْقًا ۔ کھجور کے درخت لمبے اور بلند ھوئے ۔ ابن فارس نے کہا ھے کہ یہ اس کے بنیادی معنی ھیں ۔

بَسَقَ عَلَيْهِمْ ۔ وہ ان پر فضیلت میں بازی لے گیا ۔ بڑھ چڑھ گیا ۔

اَلْبَسُوْقُ وہ بکری جسکے تھن لمبے ھوں ۔

بَسَقَ الشَّیْئُ بُسُوْقًا ۔ چیز کی لمبائی مکمل ھو گئی* ۔

قرآن کریم میں ھے ۔ وَالنَّخْلَ بٰسِقٰتٍ (۱۰/۵۰) ۔ "لمبے لمبے کھجوروں کے درخت" ۔

صاحب محیط نے اسکے معنے باردار کھجوروں کے بھی کئے ھیں** ۔

ب س ل

بَسْلٌ کے اصلی معنی روک دینے کے ھیں یَوْمٌ بَاسِلٌ سخت دن کو کہتے ھیں ۔ اَلْبَاسِلُ شیر کو کہتے ھیں ۔ یہیں سے بَسَالَۃٌ کے معنے بہادری کے ھیں کیونکہ بہادر اپنی مدافعت کرتا ھے** ۔ اور روکنے کے مفہوم کے پیش نظر اسکے معنے ھیں کسی کو اچھی چیزوں سے محروم کر دینا**** ۔ بَسْلاً لَہٗ اسے تباھی آجائے*** ۔ اَلْبَسْلُ ۔ چھلنی میں چھاننا ۔ کسی چیز کو تھوڑا تھوڑا لینا ۔ کسی کو قید کر دینا ۔ اَبْسَلَہٗ اسے ھلاکت اور تباھی کے حوالہ کر دیا ۔ اَبْسَلَہٗ لِعَمَلِہٖ اسے اسکے عمل کے حوالہ کر دیا کہ جو کچھ اسنے کیا ھے اسکی سزا بھگتے*** ۔ قرآن کریم میں ھے ۔ اَنْ تُبْسَلَ نَفْسٌ بِمَا کَسَبَتْ (۷۰/۶) ۔ "ایسا نہ ھو کہ کوئی فرد اپنے (غلط) اعمال کی وجہ سے، (قرآن کی بخشائشوں سے) محروم رہ جائے" ۔ اور اُولٰٓئِکَ الَّذِیْنَ اُبْسِلُوْا بِمَا کَسَبُوْا (۷۰/۶) ۔ "یہ وہ ھیں جو اپنے اعمال کی وجہ سے محروم کئے گئے ھیں"، اس سے مفہوم ھے قانون مکافات کی رو سے اپنے اعمال کے نتائج بھگتنا ۔ غلط اعمال کے نتیجہ میں زندگی کی خوشگواریوں سے محروم رہ جانا اور اسطرح انسانی نشو و نما کا رک جانا ۔

---

*تاج و راغب ۔ **محیط ۔ ***تاج ۔ ****راغب ۔

ب س م

بَسَمَ - يَبْسِمُ - بَسْماً - انسان کا خوشی اور مسرت میں ہلکی سی ہنسی ہنسنا ، مسکرانا - (قدرے ہونٹ کھول کر اور تھوڑے دانت نکال کر) - اِبْتَسَمَ وَتَبَسَّمَ - وہ کم از کم اور حسین ترین ہنسی ہنسا۔ مسکرایا - مَابَسَمْتُ فِي الشَّيْءِ - میں نے اس چیز کو چکھا تک نہیں * -

قرآن کریم میں ہے فَتَبَسَّمَ ضَاحِكاً (۲۷/۱۹) - ''وہ خوشی سے مسکرایا'' -

ب ش ر

بَشَرَةٌ کے معنے انسان کی جلد کی اوپر کی سطح کے ہیں - چنانچہ اَلْبَشْرُ کے معنے ہیں کھال کو چھیل دینا *- (یعنی اسکے بال صاف کر دینا)- پھر البَشَرُ کے معنے خود انسان کے ہو گئے ، لیکن اس فرق کے ساتھ کہ بَشَرٌ سے صرف انسان طبعی ساخت اور جسمانی بناوٹ مراد ہوتی ہے - اس اعتبار سے ہر انسانی بچہ (یا انسان) بشر ہوتا ہے- لیکن انسانیت کے جوہر اور خصوصیات ہر بشر میں مختلف ہونگے- چنانچہ قرآن کریم میں حضرات انبیاء کرام[۴] جہاں یہ کہتے ہیں کہ اَنَابَشَرٌ مِثْلُكُمْ (میں بھی تمہارے جیسا بَشَر ہوں) تو اس سے بشریت کے طبعی تقاضوں کا اشتراک مقصود ہوتا ہے - جیسا کہ سورۃ مومنون میں ہے مَاهٰذَ اِلاَّ بَشَرٌ مِثْلُكُمْ يَاْكُلُ مِمَّاتَاْكُلُوْنَ مِنْهُ وَيَشْرَبُ مِمَّاتَشْرَبُوْنَ (۲۳/۳۳) - (انہوں نے کہا کہ) ''یہ رسول تمہارے جیسا بشر ہی ہے - جو کچھ تم کھاتے ہو وہی یہ کھاتا ہے - جو تم پیتے ہو وہی یہ پیتا'' - یعنی اگر اس وحی کو الگ کر لیا جائے جو اسے خدا کیطرف سے ملتی ہے تو نبی کی طبیعی خلقت عام انسانوں کی سی ہوتی ہے - لیکن نبوت (خدا کیطرف سے وحی پانا) ایسی خصوصیت نہیں تھی جسے ہر انسان اپنے کسب و ہنر سے حاصل کر سکتا - یہ خدا کی طرف سے وہبی طور پر ملتی تھی - نبی کی بشری حیثیت موت سے ختم ہو جاتی ہے - لیکن اسکی نبوت (وحی) آگے چلتی ہے -

عمومی حیثیت سے اِنْسَانٌ اور بَشَرٌ مرادف طور پر بھی استعمال ہوتے ہیں - مثلاً (۱۵/۲۶) - اور (۱۵/۲۸) میں ایک جگہ اِنْسَانٌ اور دوسری جگہ بَشَرٌ

*تاج و محیط -

کہا گیا ہے - بَاشَرَهَا کے معنے عورت سے مجامعت کرنے کے ہیں (۲/۱۸۷) - اس نہج سے کہ اس میں عورت اور مرد کی جلد سے جلد مل جاتی ہے - کبھی اسکے معنے محض لپٹانے اور بوس و کنار کے بھی آتے ہیں* - لیکن قرآن میں بَاشِرُوْهُنَّ (۲/۱۸۷) کے معنی مجامعت کے ہیں -

بِشَارَةٌ (بالکسر) کے بنیادی معنے ایسی خبر کے ہیں جس سے انسان کے چہرے (کی رنگت) میں تغیر پیدا ہو جائے خواہ وہ خبر خوشی کی ہو یا غم کی - بَشَّرَ کے معنے ہیں اس قسم کی خبر دینا - چنانچہ قرآن کریم میں عَذَابٌ اَلِیْمٌ کی خبر کیلئے بھی یہ لفظ آیا ہے (۳/۲۰) اسی طرح سورۃ نحل میں ہے کہ جب ان لوگوں کو لڑکی پیدا ہونے کی خبر دیجاتی ہے تو انکے چہرے کی رنگت سیاہ ہو جاتی ہے - اسکے لئے بھی بُشِّرَ کا لفظ آیا ہے (۱۶/۵۸) - لیکن عام حالات میں بَشَارَةٌ اچھی خبر کو کہتے ہیں - ابن فارس نے کہا ہے کہ اس کے بنیادی معنی کسی چیز کا حسن و جمال کے ساتھ ظاہر ہو جانا ہیں -

اَبْشَرَ اور اِسْتَبْشَرَ کے معنے بھی خوش ہونے کے آتے ہیں - چنانچہ سورۃ زمر (۳۹/۴۵) میں اِشْمَئَزَّ کے مقابلہ میں اِسْتِبْشَارٌ آیا ہے - اِشْمِئْزَازٌ کے معنے منقبض ہونے کے ہیں -

اَلْبَشَارَةُ (بالفتح) کے معنے حسن و خوبصورتی کے بھی آتے ہیں - اَلْبَشِیْرُ - خوشخبری دینے والے کو کہتے ہیں - اَلْبِشْرُ - خندہ پیشانی اور کشادہ روئی کو کہتے ہیں - التَّبَاشِیْرُ کے معنے خوشخبری کے ہیں، نیز ہر چیز کے ابتدائی حصے کے - صبح کے وقت روشنی کی پہلے پہل رونما ہونے والی کرنوں کو بھی کہتے ہیں -

اَلْمُبَشِّرَاتُ ان ہواؤں کو کہتے ہیں جو سحاب بردوش آتی ہیں اور بارش کی خوشخبری دیتی ہیں -

ب ص ر

بَصَرٌ - قوتِ بینائی - (اس میں روشنی اور چمک کا پہلو بھی ہوتا ہے) چنانچہ تیر کے پھل پر جو تھوڑا سا خون لگ جاتا ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ کسی شکار کے لگا ہے، اسے بَصِیْرَةٌ کہتے ہیں - نیز چمکدار ڈھال اور زرہ بکتر کو بھی - اس زمین کو جسمیں چمکدار اور نرم پتھر ہوں بَصْرَةٌ کہتے ہیں* - ابن فارس نے کہا ہے کہ اس کے بنیادی معنی کسی چیز کو جان لینا - اور کسی چیز کا موٹا ہونا ہیں -

---

*تاج -

صاحب مصباح نے کہا ہے کہ بَصَرٌ اس روشنی کو کہتے ہیں جس سے آنکھ مُبْصَرَات (نظر آنے والی چیزوں) کا ادراک کر لیتی ہے - اسکے بعد آنکھ پر بھی اس لفظ کا اطلاق ہونے لگا - نیز بَصَرٌ کے معنے کسی چیز کا دل میں اتر جانا ہیں - اسی وجہ سے اسکے معنے علم کے آتے ہیں - بَصِیْرٌ دیکھنے والے کو نیز عالم کو کہتے ہیں - اور بَصِیْرَۃٌ قوت ِ ادراک یا ذہانت و فطانت کو کہتے ہیں - نیز حجت اور دلیل کو - اور یقین و ارادہ کو- اور عبرت و موعظت کو- بَصِیْرَۃٌ کے معنے گواہ اور شاهد کے بھی آتے ہیں*-

قرآن کریم نے اس مادہ کو عام دیکھنے کے معنوں میں بھی استعمال کیا ہے - مثلاً سورۃ اعراف میں ہے اَمْ لَهُمْ اَعْیُنٌ یُّبْصِرُوْنَ بِهَا ($\frac{7}{195}$) ''کیا انکی آنکھیں ہیں جن سے وہ دیکھتے ہیں،،- اور بَصِیْرٌ کے مقابل میں اَعْمٰى (اندھا) کا لفظ لا کر ($\frac{20}{125}$) ان معانی کو واضح کر دیا ہے - لیکن اس نے نَظَر اور بَصَر کے باریک فرق کو نہایت عمدگی سے واضح کر کے بتا دیا ہے کہ بصیرت کا حقیقی مفہوم کیا ہے - سورۃ اعراف میں ہے وَ تَرَاهُمْ یَنْظُرُوْنَ اِلَیْكَ وَ هُمْ لَا یُبْصِرُوْنَ ($\frac{7}{198}$) - ''تو دیکھتا ہے کہ انکی آنکھیں تیری طرف ہیں (نظر) لیکن وہ درحقیقت دیکھ نہیں رہے ہوتے،، (لَا یُبْصِرُوْنَ) - یہاں سے نَظَر اور بَصَر کا فرق واضح ہو جاتا ہے - انہی لوگوں کو (سورۃ یونس) میں عُمْیٌ (اندھے) کہا ہے - یعنے جو بصیرت سے کام نہیں لیتے ($\frac{10}{43}$) - نیز ($\frac{47}{16}$) میں انہی جیسوں کے متعلق کہا ہے کہ بظاہر ایسا دکھائی دیتا ہے کہ وہ تیری بات سن رہے ہیں حالانکہ وہ اسوقت کسی اور خیال میں مستغرق ہوتے ہیں - اور (جیسا کہ س - م - ع کے عنوان میں بتایا جائیگا)** بَصِیْرَۃٌ اسکی ہوتی ہے جو اپنے علم سے وحی کی راہ نمائی میں کام لے - ($\frac{6}{50}$) میں اس حقیقت کو واضح کر دیا گیا ہے*- مومن، صاحب بصیرت ہوتے ہیں، یعنی وحی کی روشنی میں عقل و فکر سے کام لینے والے-

قرآن کریم میں بَصِیْرَۃٌ گواہ اور شاهد کے معنوں میں بھی آیا ہے ($\frac{75}{14}$) - مُبْصِرَۃً ($\frac{17}{59}$) کے معنے روشن اور واضح دلیل کے ہیں -

بصیرت سے سمجھ لینے کے معنوں میں یہ لفظ (بَصِیْراً) سورۃ یوسف میں ($\frac{12}{96}$) میں آیا ہے - قرآن نے اپنے آپکو بَصَائِرُ کہا ہے ($\frac{6}{105}$) - یعنے واضح دلائل - کھلی ہوئی حقیقتیں - روشن علم -

---

*تاج - ** (اس مفہوم کی وضاحت کیلئے س-م-ع - ق-ل-ب اور خ-ت-م کے عنوانات دیکھئے) -

ب ص ل

بَصَلٌ - پیاز کو کہتے ہیں*-
قرآن کریم میں یہ لفظ (۲/۶۱) میں آیا ہے -

ب ض ع

اَلْبَضْعُ - کاٹنا - بَضَعْتُ اللَّحْمَ - میں نے گوشت کاٹا - گوشت کوٹکڑے ٹکڑے کر دیا - اَلْبِضْعُ - ایک حصہ - کچھ حصہ**- قرآن کریم میں ہے بِضْعَ سِنِیْنَ (۱۲/۴۲) - ''کچھ سال - چند برس،، - لیکن یہ تین سے اوپر اور دس سے کم کے لئے آتا ہے**- اَلْبِضَاعَۃُ - مال کا وہ حصہ جس سے تجارت کی جائے** - سامان تجارت - پونجی - سورۃ یوسف میں یہ لفظ انہی معانی میں آیا ہے - وَاَسَرُّوْہُ بِضَاعَۃً (۱۲/۱۹) ''انہوں نے اسے مال تجارت سمجھ کر چھپائے رکھا،، - بِضَاعَتَھُمْ ''پونجی،، - (۱۲/۶۲) و (۱۲/۶۵) -

ب ط أ

بَطُؤَ - یَبْطُؤُ - بِطَاءً - تاخیر کرنا - اَبْطَؤُا - ان کے جانور سست رفتار ہو گئے*- راغب نے لکھا ہے کہ اَلْبُطْؤُ کے معنے ہیں چلنے یا اٹھنے میں دیر لگانا- اس اعتبار سے اس نے سورۃ نساء کی اس آیت (وَاِنَّ مِنْکُمْ لَمَنْ لَّیُبَطِّئَنَّ ۴/۷۲) کے معنے کئے ہیں، ''وہ لوگ جو خود بھی دیر لگائینگے اور دوسروں سے بھی دیر لگوائینگے،، -

ب ط ر

اَلْبَطَرُ - کسی نا اہل کو اگر بہت سی دولت اور قوت مل جائے تو اس سے اس میں جو تکبر، اکڑ فوں، اوچھا پن اور اترانے کی کیفیت پیدا ہو جاتی ہے اسے بَطَرٌ کہتے ہیں - اصل میں بَطَرَ- یَبْطُرُ کے معنے ہوتے ہیں پھاڑ دینا - شق کر دینا - (اَلْبَیْطَارُ وٹرنری ڈاکٹر کو کہتے ہیں جو حیوانات کی چیر پھاڑ کرتا ہے) - چونکہ کثرت مال و دولت سے تنگ ظرف انسان کا دیدہ پھٹ جاتا ہے اسلئے اس نفسیاتی کیفیت کو بَطَرٌ کہتے ہیں- اَبْطَرَہُ الْمَالُ - مال و دولت نے اس میں اوچھا پن پیدا کر دیا*-

قرآن کریم میں ہے اَلَّذِیْنَ خَرَجُوْا مِنْ دِیَارِھِمْ بَطَرًا (۸/۴۷) - ''جو اپنے گھروں سے اکڑتے اور اتراتے ہوئے نکلے،،- سورۃ قصص میں ہے - بَطِرَتْ مَعِیْشَتَھَا (۲۸/۵۸) - جو قومیں اسباب زیست کی فراوانیوں پر اتراتی تھیں -

*تاج - **تاج و راغب -

ب ط ش

بَطَشَ - یَبْطِشُ - کسی چیز کو زبردستی اور طاقت کے ساتھ لے لینا۔ اَلْبَطْشُ - سخت گرفت - جنگ - بَطَشَ عَلَیْهِ - اس پر تیزی سے حملہ کیا۔*

قرآن کریم میں ہے اَمْ لَھُمْ اَیْدٍ یَّبْطِشُوْنَ بِھَا (۷/۱۹۵) "کیا ان کے ھاتھ ھیں جن سے وہ کسی چیز کو گرفت میں لے سکتے ھیں"۔ اِنَّ بَطْشَ رَبِّکَ لَشَدِیْدٌ (۸۵/۱۲) - "تیرے رب (کے قانون مکافات) کی گرفت بڑی سخت ھے"۔ یَوْمَ نَبْطِشُ الْبَطْشَةَ الْکُبْرٰی (۴۴/۱۶) - "جس دن ھم سب سے بڑی شدید گرفت سے پکڑینگے"، (جب ظہور نتائج کا وقت آئیگا) - یہ تو قانون عدل و انصاف کی گرفت ھے - دوسری طرف ظلم و استبداد کی گرفت ھے جسے ھلاک ھونے والی قوموں کا شیوہ بتایا گیا ھے - وَاِذَا بَطَشْتُمْ بَطَشْتُمْ جَبَّارِیْنَ (۲۶/۱۳۰) "جب تم کسی کو پکڑتے ھو تو جابرانہ انداز سے پکڑتے ھو"۔ کمزور انسانوں کو اس گرفت سے چھڑانے کے لئے خدا کا نظام آتا ھے جو ظالموں کو اپنی گرفت میں لے لیتا ھے۔

ب ط ل

بَاطِلٌ - قرآن میں حَقّ کے مقابلہ میں بَاطِل آیا ھے (مثلاً ۲/۴۲)۔ لہذا بَاطِل کا صحیح مفہوم سمجھنے کیلئے حَقّ کا عنوان دیکھئے جہاں اسکے متعلق تفصیلی بحث کی گئی ھے - یعنے ھر وہ چیز یا تصور یا نظریہ جو حق نہیں، وہ بَاطِل ھے - مثلاً حَقّ کے معنے ٹھوس تعمیری نتائج کے ھیں اسلئے بَاطِل کے معنے تخریبی کوششوں کے یا ایسی کوششوں کے ھونگے جن کا نتیجہ کچھ نہ نکلے - یعنے بَاطِلٌ صرف تخریبی کوششیں ھی نہیں بلکہ ھر وہ کام باطل ھے جسکا کچھ نتیجہ نہ نکلے - چنانچہ بَطَلَ الشَّیْءُ کے معنے ھیں کسی چیز کا یونہی ضائع چلا جانا**۔ ابن فارس نے کہا ھے کہ اس کے بنیادی معنی کسی چیز کا جاتے رہنا اور کم ٹھہرنا ھوتے ھیں - صاحب تاج العروس نے کہا ھے کہ جب کسی چیز کو کسوٹی پر پرکھا جائے اور وہ اس پر پوری نہ اترے تو اسے بَاطِلٌ کہتے ھیں - یعنی حَقٌّ وہ جو کسوٹی پر پورا اترے اور بَاطِلٌ وہ جو معیار پر پورا نہ اترے۔

---

* تاج و محیط و راغب - ** تاج

اِبْطَال کے معنے ہیں کسی چیز کو خراب کر دینا اور زائل کر دینا خواہ وہ چیز حَق ہی کیوں نہ ہو۔ بَطَلَ الاَجِیْرُ کے معنی ہیں مزدور بیکار ہو گیا۔ *صاحب محیط کے نزدیک بَاطِل ان چیزوں کو کہتے ہیں کہ جن مفادات و مقاصد کیلئے وہ بنائی گئی تھیں ان میں وہ مفادات من کُلِّ وَجْہٍ (پوری طرح) باقی نہ رہیں اور انکی صرف صورت باقی رہ جائے**۔ (چنانچہ وہ کہتا ہے کہ کوئی بعید نہیں کہ اس مادہ کے اصلی معنے خالی ہونا ہوں)**۔ اس مفہوم کو سامنے رکھنے سے مذہب کے وہ تمام اعمال باطل قرار پا جاتے ہیں جنہیں محض رسماً ادا کیا جائے اور ان سے وہ فائدے حاصل نہ ہو رہے ہوں جن کے لئے انہیں تجویز کیا گیا تھا۔ (ح ۔ ک ۔ م کا عنوان دیکھئے جہاں یہ بتایا گیا ہے کہ خدا نے قرآن میں قوانین کے ساتھ یہ بھی خود ہی متعین کر دیا ہے کہ ان قوانین سے کیا کیا نتائج مرتب ہونگے)۔ اسی لئے قرآن میں نِعْمَۃ کے بالمقابل بَاطِل آیا ہے (۲۹/۶۷ ؛ ۱۶/۷۲) اس لئے کہ حق پر عمل پیرا ہونے کا لازمی نتیجہ نعمائے حیات کا ملنا ہے۔ اور جہاں نعماء نہ ہوں ظاہر ہے وہاں حق نہیں باطل کار فرما ہے، خواہ ہم اپنے ذہن میں اسے کیسا ہی حق کیوں نہ سمجھ لیں۔ یا حَق کے معنے ہیں وہ شے جو اپنی جگہ پر اٹل ہو، محکم ہو۔ اسلئے بَاطِل اس چیز کو کہتے ہیں جسمیں ثبات نہ ہو*۔ یعنے وہ بظاہر نظر آئے لیکن جب تحقیق کی جائے تو اسمیں ثبات دکھائی نہ دے*۔ چنانچہ قرآن میں ہے جَآءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ اِنَّ الْبَاطِلَ کَانَ زَهُوْقاً (۱۷/۸۱)۔ ''حق آگیا اور باطل تباہ ہو گیا۔ باطل ہوتا ہی تباہ ہونے والا ہے''۔ باطل کہتے ہی اسے ہیں جو باقی رہنے والا نہ ہو۔ وہ اسوقت تک باقی رہتا ہے جب تک حق نہیں آتا۔ چراغ آیا اور اندھیرا گیا۔ لہذا باطل کو مٹانے کا طریقہ یہ ہے کہ ٹھوس تعمیری نتائج مرتب کرنے والے پروگرام (حق) کو عمل میں لایا جائے۔ تعمیری کوششیں کی جائیں۔ انکے محکم نتائج سے تخریبی اور بیکار کوششیں خود بخود مٹ جائینگی۔ اِنَّ الْحَسَنٰتِ یُذْهِبْنَ السَّیِّاٰتِ (۱۱/۱۱۴)۔ ہمواریوں اور خوشگواریوں سے ناہمواریاں اور ناخشگواریاں خود بخود مٹ جاتی ہیں۔ ناہموار جگہ کو ہموار کر دیجئے، اسکی ناہمواری خود بخود مٹ جائیگی۔

اسی طرح حق کے مختلف معانی کو دیکھئے اور جو چیز اسکی نقیض ہو اسے باطل سمجھئے۔

*تاج ۔ ** محیط

بَطَّالٌ وبَطَلٌ - بہت بہادر آدمی جو دوسرے کے خون کی کوئی قیمت نہیں سمجھتا اور اسے یونہی ضائع کر دیتا ہے*۔

ب ط ن

اَلْبَطْنُ - ظَهْرٌ کی ضد ہے*۔ محیط میں ہے کہ اصلی معنے اس مادہ میں خالی ہونا - فارغ ہونا ہیں**۔ راغب نے کہا ہے کہ ہر چیز کی نیچے کی جہت (Side) کو بَطْنٌ کہتے ہیں اور اوپر کی طرف کو ظَهْرٌ***۔

اَلْبَطْنُ - پیٹ کو کہتے ہیں - جمع بُطُوْنٌ - ہر چیز کا اندرونی حصہ - بَطْنُ الْاَمْرِ - معاملہ کی اندرونی حالت*۔

اَلْبِطَانَةُ مِنَ الثَّوْبِ - کپڑے کا استر - اندرونی حصہ ($\frac{55}{52}$)۔ یہیں سے اس کے معنے رازداں کے آتے ہیں - یعنی وہ شخص جو اندر آ جا سکے اور اندرونی معاملات پر واقفیت رکھ سکے* - قرآن میں ہے لَاتَتَّخِذُوْا بِطَانَةً مِنْ دُوْنِكُمْ ($\frac{3}{117}$)۔ ''اپنی جماعت کے افراد کے علاوہ کسی اور کو ایسی پوزیشن نہ دو کہ وہ تمہارے اندرونی رازوں سے واقف ہو جائے''۔ زجاج نے کہا ہے کہ اَلْبِطَانَةُ وہ دخیل لوگ کہلاتے ہیں جن کے ساتھ کھل کر بات کی جاتی ہو اور انہیں رازوں میں شریک کر لیا جاتا ہو - نیز اس کے معنی راز کے بھی آتے ہیں -

قرآن کریم میں اللہ کیلئے هُوَ الظَّاهِرُ وَالْبَاطِنُ آیا ہے ($\frac{57}{3}$)۔ اس کے پورے پورے مفہوم کیلئے (ظ - ه - ر) کا عنوان دیکھئے - جب نگہ بصیرت کائنات کے تخلیقی مظاہر پر غور کرے تو وہ خالق کائنات کے متعلق اندازہ کر سکتی ہے - یعنی اس سے انسان اس نتیجہ پر پہنچ جاتا ہے کہ اس مخلوق کا کوئی خالق بھی ہے اور اس محیر العقول مشنری کے پیچھے کوئی بڑی علیم و حکیم قوت کام کر رہی ہے - اس اعتبار سے خدا اَلظَّاهِرُ ہے - لیکن وہ اپنی کنہ و حقیقت کے اعتبار سے نگاہوں سے پوشیدہ ہے - لَاتُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ ($\frac{6}{103}$) - ''وہ نگاہوں کے ذریعے ہمارے ادراک میں نہیں آ سکتا'' - اس لحاظ سے وہ اَلْبَاطِنُ ہے - (ظہور اور بطون کے دوسرے گوشے (ظ - ه - ر) کے عنوان میں سامنے آئینگے - اسے بھی ساتھ ہی دیکھ لیجئے) - یاد رکھئے، هُوَ الظَّاهِرُ وَالْبَاطِنُ سے یہ مراد لینا کہ جو کچھ کائنات میں ظاہر ہے وہ بھی خدا ہے اور جو اس کے باطن میں

*تاج - ** محیط - *** راغب -

ہے وہ بھی خدا ہی ہے - یعنی ان محسوسات کے پردوں میں خود خدا ہے،
باطل عقیدہ اور قرآن کی تعلیم کے یکسر خلاف ہے - اس عقیدہ کو تصوف کی
اصطلاح میں ”وحدت وجود“، یا ”همه اوست“، کہا جاتا ہے جو ہندؤں کے
فلسفۂ ویدانت کا چربہ ہے -

ب ع ث

بَعْثٌ کے بنیادی معنے ہیں وہ چیز جو کسی کی آزادانہ نقل و
حرکت کی راہ میں حائل ہو اسے راستہ سے ہٹا دینا، اس قسم کے سوانع کو
دور کر دینا، اور یوں اس کی حرکت کو جاری کر دینا - بَعَثَ النَّاقَةَ -
اس نے اونٹنی کی رسیاں وغیرہ کھول کر اسے آزاد چھوڑ دیا * - ابن فارس نے
کہا ہے کہ اس کے بنیادی معنی کسی چیز کو ابھارنے اور اٹھانے کے ہوتے
ہیں - سورۃ تطفیف میں ہے کہ اَلَا یَظُنُّ اُولٰٓئِکَ اَنَّهُمْ مَّبْعُوْثُوْنَ -
لِیَوْمٍ عَظِیْمٍ (۸۳/۴-۵) اس سورۃ میں قرآن کریم نظام معیشت کے ایک
بنیادی اور عظیم اصول کو سامنے لایا ہے - اس نے پہلے یہ کہا ہے کہ نظام
سرمایہ داری میں ”تاجرانہ ذہنیت“ یہ ہوتی ہے کہ سرمایہ دار جب
دوسرے سے لیتا ہے تو پورا پورا لیتا ہے اور جب (مزدور کو) دیتا ہے تو
جس قدر وہ پیدا کرکے دیتا ہے، اسے اس سے کم دیتا ہے - حقیقت یہ ہے کہ
سرمایہ داری کے نظام کی بنیاد ہی اس ذہنیت اور منہاج پر ہے - لیکن خدا
کا قانون یہ نہیں چاہتا - وہ کسی کو اس سے کم نہیں دینا چاہتا جو وہ پیدا
کرتا ہے - اس سے پورے کا پورا معاشی نظام بدل جاتا ہے -

اس وقت صورت یہ ہے کہ نظام سرمایہ داری کے حامل یہ سمجھتے ہیں
کہ جو نظام انہوں نے قائم کر رکھا ہے اسے کوئی بدل نہیں سکتا - قرآن
کہتا ہے کہ یہ غلط ہے - یہ نظام ضرور الٹ کر رہیگا - اس لئے ان لوگوں
کو جو یوں آزاد چھوڑ دیا گیا ہے (اَنَّهُمْ مَّبْعُوْثُوْنَ) تو یہ اس انقلاب
عظیم تک کے لئے (لِیَوْمٍ عَظِیْمٍ) ہے جس میں تمام نوع انسانی، اس غلط
نظام سے تنگ آکر، خدا کے نظام ربوبیت عالمینی کے لئے اٹھ کھڑی ہو گی
(یَوْمَ یَقُوْمُ النَّاسُ لِرَبِّ الْعٰلَمِیْنَ) (۸۳/۶) - نظام سرمایہ داری جو
اس طرح بے روک ٹوک (ناقۂ بے زمام کی طرح) بڑھے جا رہا ہے تو اس کا
نتیجہ یہ ہوگا کہ لوگ تنگ آکر، بہ ہیئت مجموعی، نظام ربوبیت کے
لئے اٹھ کھڑے ہونگے، جس میں لینے اور دینے میں کم اور بیش کا سوال ہی
نہیں ہوگا -

---

* تاج و لین -

اَلْبَعْثُ کے معنے کسی کو بھیجنے کے بھی ہیں ۔ ثُمَّ بَعَثْنَا مِنْ بَعْدِہِمْ مُوْسٰی (۱۰/۷۵) " پھر ہم نے ان کے بعد موسیٰ کو بھیجا " ۔ نیز کسی بیٹھی ہوئی چیز کو اٹھا دینا نیز یہ لفظ نیند سے جگا دینے کے لئے بھی استعمال ہوتا ہے*۔ (دیکھئے ۶/۶۰) ۔ اَلْبَعِثُ ۔ راتوں کو بار بار جاگنے والا ۔ اِنْبَعَثَ فَلَانٌ لِشَانِہٖ اس وقت کہتے ہیں جب کوئی شخص جذبہ میں بھر کر اٹھ کھڑا ہو اور اپنا کام کرنے کو چل دے ۔

بَاعِثٌ کے معنی سبب یا جذبہ محرکہ کے بھی ہیں (Cause or Motive) کیونکہ وہ عمل کے راستہ کے موانع کو ہٹا کر انسان کو کام کے لئے اٹھا دیتا ہے ۔ سورۃ بقرہ میں ہے ثُمَّ بَعَثْنَاکُمْ مِنْ بَعْدِ مَوْتِکُمْ (۲/۵۶) ۔ " پھر ہم نے تمہیں غش کی حالت کے بعد اٹھا کر کھڑا کیا " ۔ یعنے تمہارے ہوش کی راہ میں جو موانع تھے انہیں دور کر کے پھر سے ہوش میں لے آئے ۔ اسی سورۃ میں آگے ہے فَاَمَاتَہُ اللّٰہُ مِائَۃَ عَامٍ ثُمَّ بَعَثَہٗ (۲/۲۵۹) ۔ " پھر اللہ نے اسے سو سال تک موت کی حالت میں رکھا اور پھر اسے اٹھا کھڑا کیا " ۔ یہ قوموں کی اجتماعی موت اور زندگی کا تمثیلی بیان ہے ۔ یہاں بَعَثَ کے معنی ان موانع کو دور کرنے کے ہیں جو کسی قوم کی نشاۃِ ثانیہ کی راہ میں حائل ہوتے ہیں ۔ بیت المقدس کی پہلی تباہی کے بعد ، بنی اسرائیل کی یہی حالت رہی تھی ۔ (تفصیل میری کتاب " برق طور " میں ملیگی) ۔

رسول بھیجنے کے معنوں میں دیکھئے (۲/۱۲۹) اور کسی کو کسی کام کیلئے مقرر کر دینے کے معنوں میں (۴/۳۵) میں ، جہاں کہا ہے فَابْعَثُوْا حَکَمًا مِنْ اَھْلِہٖ ۔ "اس کے خاندان میں سے کسی کو ثالث مقرر کر دو " ۔

بَعَثْنَا عَلَیْکُمْ (۱۷/۵) کے معنے ہیں ، تم پر انہیں غالب کر دیا ۔

یَوْمُ الْبَعْثِ یا یَوْمِ یُبْعَثُوْنَ ۔ یَوْمِ الدِّیْنِ کی طرح قرآن کی اہم اصطلاحات ہیں جن کا صحیح مفہوم ہر مقام پر سیاق و سباق کے مطابق متعین کیا جا سکتا ہے ۔ بنیادی معنی ان کے حیاتِ نو یا ظہور نتائج کے وقت کے ہیں ۔ خواہ یہ حیاتِ نو اسی دنیا میں (قوموں کی اجتماعی موت کے بعد) ملے ۔ یا مرنے کے بعد دوسری زندگی (حیاتِ آخرت کی شکل میں) ۔

* تاج و لین ۔

ب ع ث ر

بَعْثَرَهٗ ۔ اسے دیکھا اور تلاش کیا ۔ بَعْثَرَ الشَّیْئَ ۔ اس نے اس چیز کو نکال کر اسے کھول دیا ۔ بَعْثَرَ الْحَوْضَ ۔ اس نے حوض کو منہدم کر کے اس کے نچلے حصے کو اوپر کر دیا ۔ بَعْثَرَ مَتَاعَہ، اس نے اپنے سامان کو الٹ پلٹ کر دیا ۔ اَلْبَعْثَرَۃُ ۔ جی متلانے کو کہتے ھیں* ۔ اس میں بھی الٹ پلٹ کرنے کا تصور موجود ھے ۔

قرآن میں ھے وَاِذَا الْقُبُوْرُ بُعْثِرَتْ (۸۲/۴) ۔ ''جب قبور کو الٹ پلٹ کیا جائیگا،، ۔ (قُبُوْرٌ کیلئے دیکھئے عنوان (ق ۔ ب ۔ ر) ۔ جب تلاش و تفتیش کے بعد دبی ھوئی چیزیں نکالی جا ئینگی ۔ یعنے اِذَا بُعْثِرَ مَا فِی الْقُبُوْرِ (۱۰۰/۹) ۔ جو کچھ قبور ''میں ھے جب اسے باھر نکالا جائیگا،، ۔

ب ع د

بُعْدٌ دوری، دور ھونا، یہ قُرْبٌ کی ضد ھے قَرِیْبٌ بمقابلہ بَعِیْدٌ (۲۱/۱۰۹) ۔ بَعِدَ ۔ یَبْعَدُ ۔ بَعَدًا وَ بَعْدًا ۔ ھلاک ھونا ۔ تباہ و برباد ھو جانا* ۔ (زندگی کی خوشگواریوں سے دور ھو جانا) ۔ بُعْدًا لِّلْقَوْمِ الظّٰلِمِیْنَ (۱۱/۴۴ و ۱۱/۶۸) ''ظالم قوم کے لئے تباھی ھے،، ۔ ان کے لئے زندگی کی خوشگواریوں سے محرومی ھے ۔ بَعِیْدٌ و بَاعِدٌ و بُعَادٌ ۔ دور ھونے والا ۔ تباہ ھونے والا* ۔ بَعْدُ ۔ قَبْلُ کی ضد ھے ۔ یعنے گزرے ھوئے زمانہ کے بعد آنے والا زمانہ* ۔

اَلْاَبْعَدُ ۔ اَقْرَبُ کی ضد ھے ۔ نیز خائن کو بھی کہتے ھیں ۔ اور اَلْاَبْعَدَاءُ ۔ اجنبی لوگوں کو کہتے ھیں* ۔

بَعْدُ کے معنے غَیْرُ کے بھی آتے ھیں۔ فَمَنْ یَّھْدِیْہِ مِنْ بَعْدِ اللّٰہِ (۴۵/۲۳) ۔ اسکے معنے ھیں ''خدا کے سوا ''مِنْ غَیْرِاللّٰہِ،، اسے کون راہ نمائی دے سکتا ھے،، ۔ صحیح راہ نمائی صرف خدا کے قانون سے مل سکتی ھے ۔

نیز اسکے معنے ''با وجود،، کے بھی ھیں ۔ فَمَنِ اعْتَدٰی بَعْدَ ذٰلِکَ فَلَہٗ عَذَابٌ اَلِیْمٌ (۲/۱۷۸) ۔ ''جو اسکے باوجود سر کشی اختیار کرتا ھے تو اس کے لئے درد ناک عذاب ھے،، ۔

*تاج و محیط ۔

ب ع ر

اَلْبَعِیْرُ ۔ اونٹ ۔ جوان اونٹ ۔ نیز اَلْبَعِیْرُ گدھے کو بھی کہتے ھیں۔ اصل میں یہ اس جانور کیلئے بولا جاتا ھے جس پر بوجھ لادا جائے۔ بار برداری کا جانور۔ اَلْبَعْرُ۔ مینگنی کو کہتے ھیں* ۔ سورۃ یوسف میں حِمْلُ بَعِیْرٍ (۱۲/۷۲) آیا ھے ۔ یعنے ایک اونٹ (یا گدھے) کا بوجھ ۔

ب ع ض

بَعْضٌ ۔ ھر چیز کا کچھ حصہ خواہ وہ کم ھو یا زیادہ (۲/۸۵)۔ مثلاً آٹھ ، دس کا بعض ھے اور دو بھی دس کا بعض ھے۔ آٹھ اور دو دونوں ملکر دس ھو جاتے ھیں۔ بَعَّضَ الشَّیْءَ کے معنے ھیں چیز کو تقسیم کردیا۔ تَبْعِیْضٌ کے معنے ھیں الگ الگ کر دینا ۔ تقسیم کر دینا* ۔

سورۃ بقرہ میں ھے اِذَا خَلَا بَعْضُھُمْ اِلٰی بَعْضٍ (۲/۷۶) ۔''جب ان میں سے کچھ لوگ اپنے دوسرے لوگوں سے خلوت میں ملتے ھیں یا انکی طرف چلے جاتے ھیں''۔ بَعْضُنَا ۔''ھم میں سے کوئی یا کسی نے''۔ بعض ائمہ لغت نے کہا ھے کہ بَعْضٌ کے معنے کُلٌّ کے بھی آتے ھیں اور اسکی تائید میں قرآن کی یہ آیت پیش کی ھے ۔ یُصِبْکُمْ بَعْضُ الَّذِی یَعِدُکُمْ (۴۰/۲۸) ''جن باتوں کی تمہیں دھمکی دی جاتی ھے وہ سب تم پر واقع ھو کر رھینگی''** ۔ لیکن اس کے معنی ''بعض'' بھی ٹھیک ھیں ۔ نیز (۴۳/۶۳) ۔

بَعُوْضَۃٌ (جسکی جمع بَعُوْضٌ آتی ھے) مچھر کو کہتے ھیں (۲/۲۶)۔ چونکہ باقی حیوانات کے مقابلہ میں اسکا جسم بہت چھوٹا ھوتا ھے اسلئے یہ بَعْضٌ سے ماخوذ ھے*** ۔

ب ع ل

بَعْلٌ ۔ بلند زمین جس تک سیلاب کا پانی نہ پہنچ سکتا ھو ۔ ھر درخت، پودا یا کھیتی جو بغیر آب پاشی کے اپنی جڑوں سے آپ پانی کھینچ لے۔ بلندی اور غیر محتاجی کے اعتبار سے بَعْلٌ کے معنے مالک اور آقا کے ھو گئے ۔ ابن فارس نے اس کے بنیادی معنی (۱) صاحب (۲) حیرت اور دھشت اور (۳) اونچائی لکھے ھیں۔ ''صاحب'' میں رفیق اور ساتھی بھی آجاتے ھیں۔ راغب نے کہا ھے کہ اھل عرب اپنے بتوں کا نام بَعْلٌ رکھتے تھے کیونکہ وہ

*تاج و محیط و راغب ۔ ** لین ۔ ***تاج

انہیں بلند اور برتر خیال کرتے تھے۔ اسی طرح چونکہ ان کے معاشرہ میں تصور یہ تھا کہ مرد، عورت پر غالب ہوتا ہے اسلئے وہ خاوند کو بھی بَعْلٌ کہنے لگے۔ اسکی جمع بُعُوْلَۃٌ ہے۔ نیز ہر اس چیز کو جو دوسری چیزوں پر غلبہ و استیلاء رکھتی ہو۔ لیکن چونکہ انہیں اسکا بھی احساس تھا کہ ہر مستبد اور متغلب دوسروں پر بوجھ بن جاتا ہے اسلئے وہ بوجھ کو بھی بَعْلٌ کہتے تھے۔ چنانچہ اَصْبَحَ فُلَانٌ بَعْلاً عَلیٰ اَھْلِہٖ، کے معنے ہیں فلاں شخص اپنے گھر والوں پر بوجھ بن گیا ہے*۔

چونکہ عربوں میں خاوند کیلئے بَعْلٌ کا لفظ رائج تھا اسلئے قرآن کریم میں بھی یہ لفظ انہی معانی میں آیا ہے ($\frac{۲}{۲۲۸}$ و $\frac{۲۴}{۳۱}$)۔ یعنے غلبہ واستیلاء کے معنوں میں نہیں بلکہ خاوند کے معنوں میں۔ بلکہ لین نے (مختلف اسناد سے) لکھا ہے کہ زَوْجٌ کیطرح بَعْلٌ بھی خاوند اور بیوی دونوں کے لئے آتا ہے۔ نیز جسطرح زَوْجٌ سے زَوْجَۃٌ آتا ہے اسی طرح بَعْلٌ سے بَعْلَۃٌ آتا ہے۔ اس لئے اس میں غلبہ و استیلاء کا مفہوم نہیں۔ صرف میاں بیوی ہونے کا مفہوم ہے۔ قرآن کریم نے جب نکاح کو بہ طیب خاطر معاھدہ قرار دیا ہے تو اس میں کسی فریق کے غلبہ و استیلاء کا سوال پیدا نہیں ہوتا۔

صاحب محیط کے نزدیک بَعْلٌ اور زَوْجٌ میں فرق یہ ہے کہ زَوْجٌ تو ہر خاوند کو کہتے ہیں لیکن بَعْلٌ اسوقت کہتے ہیں جب وہ بیوی سے جنسی اختلاط کر چکا ہو***۔

حضرت الیاس[ع] کی قوم اپنے بت کو بَعْلٌ کہتی تھی ($\frac{۳۷}{۱۲۵}$)۔ یہ سامی قبائل میں سب سے زیادہ مقبول دیوتا تھا۔ شام میں خصوصیت سے اسکی پرستش ہوتی تھی۔ تورات میں اس کا ذکر اکثر آتا ہے (مثلاً تواریخ ۲ - $\frac{۳۳}{۳}$)۔

ب غ ت

اَلْبَغْتُ وَالْبَغْتَۃُ۔ یکبارگی۔ اچانک۔ اَلْمُبَاغَتَۃُ۔ ایک دوسرے کے پاس اچانک پہنچ جانا*۔ راغب نے کہا ہے کہ اسکے معنے ہیں کسی چیز کا یکبارگی ایسی جگہ سے نمودار ہو جانا جہاں سے گمان بھی نہو**۔ قرآن میں ہے اِذَا جَاءَتْہُمُ السَّاعَۃُ بَغْتَۃً ($\frac{۶}{۳۱}$) "جب ان پر الساعۃ اچانک آجائیگی"۔ (اَلسَّاعَۃُ کسطرح اچانک اور یکبارگی آتی ہے، اسکے لئے

*تاج **راغب - ***محیط -

س - و - ع کا عنوان دیکھئے) - اسی سورۃ میں ذرا آگے چل کر ہے ... اِنْ آتٰکُمْ عَذَابُ اللهِ بَغْتَةً اَوْ جَهْرَةً (۶/۴۷) - "تم پر خدا کا عذاب اچانک آ جائے یا اسطرح کہ پہلے اس کی علامات ظاہر طور پر تمہارے سامنے آئیں اور اس کے بعد عذاب آئے"- اس سے واضح ہے کہ بَغْتَةً اُس انداز کو کہینگے جس میں کوئی واقعہ تدریجی یا ارتقائی طور پر (By Evolution) نمودار نہ ہو بلکہ انقلابی طور پر (By Revolution) یا دور حاضر کی تحقیق کے مطابق، فجائی ارتقاء کے طریق سے (by Emergent Evolution) واقع ہو۔ اس حقیقت کو سمجھ لینا چاہئے کہ ہر عمل کا نتیجہ تو اُسی وقت مرتب ہونا شروع ہو جاتا ہے، لیکن وہ محسوس شکل میں ہمارے سامنے کچھ وقت کے بعد آتا ہے - چنانچہ سورۃ انبیاء میں ہے فَلَمَّآ اَحَسُّوْا بَاْسَنَآ ... (۲۱/۱۲) - "جب انہوں نے ہمارے عذاب کو محسوس کیا"... یعنی وہ عذاب غیر محسوس شکل میں تو پہلے سے مرتب ہو رہا تھا لیکن ان کے سامنے محسوس شکل میں بعد میں آیا تھا - بعض صورتوں میں اس آنے والے عذاب (یعنی نتائج) کی علامات ظہور سے پہلے سامنے آنا شروع ہو جاتی ہیں - (اسے جَهْرَةً کہینگے) - اور بعض اوقات اس کا علم اُس وقت ہوتا ہے جب وہ سامنے آ کھڑا ہوتا ہے (یہ بَغْتَةً ہے) - یعنی فَاَتٰهُمُ الْعَذَابُ مِنْ حَيْثُ لَا يَشْعُرُوْنَ (۳۹/۲۵) - "ان پر ایسی جگہ سے عذاب آیا جس کی انہیں خبر تک نہ ملی"- جو ان کی عقل و شعور میں نہیں آ سکتی- سطح بین قومیں اپنی تباہی کے اسباب کا اندازہ ان واقعات اور عناصر سے لگانے کی کوشش کرتی ہیں جو تباہی واقع ہونے کے وقت محسوس طور پر ان کے سامنے آتے ہیں - لیکن ان اسباب کا سراغ در حقیقت بہت پیچھے جا کر لگانا چاہئے -

ب غ ض

اَلْبُغْضُ - یہ لفظ الحُبُّ (محبت) کی ضد ہے - یعنی کسی چیز سے دل کا متنفر اور بیزار ہونا ، اَلْبَغْضَاءُ - شدت بغض کو کہتے ہیں*- (۳/۱۱۷)-

ب غ ل

اَلْبَغْلُ - خچر*- جمع بِغَالٌ (۱۶/۸) - ابن فارس نے کہا ہے کہ اس کے بنیادی معنی جسمانی قوت کے ہیں- خچر کو اَلْبَغْلُ اسکی مضبوطی کی وجہ سے کہتے ہیں - اَلتَّبَغِیْلُ جسم کا موٹا اور سخت ہونا *-

*تاج - راغب - محیط -

ب غ ی

اَلْبَغْیُ - درمیانہ روی کی حد سے بڑھ جانے کی خواہش (خواہ حد سے تجاوز کرسکے یا نہ کر سکے) - اَلْبَغْیُ بہت زیادہ بارش کو کہتے ہیں جو حد سے بڑھ جائے - بَغَتِ السَّمَاءُ بادل اپنی حد سے بڑھ گیا - بہت زیادہ برسا - یہ اس لفظ کے بنیادی معنے ہیں - ابن فارس نے کہا ہے کہ اسکے معنی (۱) کسی چیز کو طلب کرنا - اور (۲) بگڑ جانا ہیں -

فِئَةٌ بَاغِیَةٌ اس جماعت کو کہتے ہیں جو حدود شکنی کرے اور نظام کے خلاف اٹھ کھڑی ہو - اور اَلْبَغَایَا ان ہر اول دستوں کو کہتے ہیں جو لشکر کے پہنچنے سے پہلے انتظامات کرنے کے لئے چلتے ہیں -

بَغٰی یَبْغِیْ - اسنے تکبر کیا اور اپنی حد سے بڑھ گیا - تَبَاغَوْا - ایک دوسرے پر زیادتی کرنا -

بَغَتِ الْمَرْأَةُ بِغَاءً - عورت اپنی حدودِ عفت سے بڑھ گئی اور زنا کی مرتکب ہو گئی - بَغِیٌّ اور بَغُوٌّ زنا کار عورت کو کہتے ہیں -

بَغٰی عَلَیْہِ کسی پر زیادتی کرنا - ظلم کرنا - دست درازی کرنا - نیز حسد کرنا (کہ وہ مجھ سے آگے کیوں بڑھ گیا ہے)*-

اِبْتِغَاءٌ - کسی چیز کے حاصل کرنے میں بہت زیادہ کوشش کرنا - اگر اچھی چیز کی طلب ہو تو یہ کوشش بھی محمود ہو جاتی ہے - ورنہ مذموم*-

اَلْبِغْیَۃُ اور اَلْبُغْیَۃُ - اس مطلوب چیز کو کہتے ہیں جسکے حصول کی اسطرح کوشش کی جائے - اس گم گشتہ چیز کو بھی کہتے ہیں جسکی بہت زیادہ تلاش کی جائے - اَلْبَاغِیْ - تلاش کرنے والے کو بھی کہتے ہیں*-

اِنْبَغَی الشَّیْءُ کے معنے ہیں کسی چیز کا آسان ہو جانا، مہیا ہو جانا، یا مناسب ہونا - چنانچہ مَا یَنْبَغِیْ کے معنے ہیں، یہ درست نہیں - یہ مناسب نہیں - یہ ممکن نہیں - جائز نہیں*- صاحب محیط نے لکھا ہے کہ یَنْبَغِیْ میں دو چیزوں میں سے ایک کی طرف رجحان اور دوسری کے جواز کا پہلو مضمر ہوتا ہے**- سورۃ یٰسٓ میں ہے وَمَا عَلَّمْنٰہُ الشِّعْرَ وَمَا یَنْبَغِیْ لَہٗ (۳۶/۶۹)- ہم نے رسول کو شاعری نہیں سکھائی اور نہ ہی

*تاج - **محیط -

ایک داعی انقلاب کی نفسیاتی کیفیت ایسی ہو سکتی ہے کہ اس پر حقائق کے مقابلہ میں جذبات غالب ہوں ۔ (یہی شاعر کی نفسیات ہے) اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ وَ قُرْآنٌ مُّبِيْنٌ (۳٦/٦۹) ۔ اسے جو کچھ دیا گیا ہے وہ تاریخ کے محکم نوشتے ہیں اور زندگی کے واضح قوانین ۔ ان میں جذباتی تلون انگیزیوں کا کیا دخل؟ (مزید تفصیل ش ۔ ع ۔ ر کے عنوان میں ملیگی) ۔

سورۂ حج میں ہے بُغِيَ عَلَيْهِ (۲۲/٦۰) 'جس پر زیادتی ہوئی ہو۔ قارون کے متعلق ہے کہ فَبَغٰى عَلَيْهِمْ (۲۸/۷٦) ''وہ ان پر زیادتی کرتا تھا،،۔ یا ان سے آگے بڑھا ہوا رہنا چاہتا تھا ۔ نیز اسکے معنے حکومت اور سلطنت طلب کرنے کے بھی ہیں *۔

سورۃ النساء میں ہے وَلَا تَهِنُوْا فِى ابْتِغَاءِ الْقَوْمِ (۴/۱۰۴) ''دشمن کا پیچھا کرنے میں سستی نہ کرو،،۔ اسکی تلاش میں پیچھے جانے کی پوری پوری کوشش کرو۔ سورۂ آل عمران میں اِبْتِغَاءَ الْفِتْنَةِ (۳/٦) آیا ہے۔ یعنے فتنہ پیدا کرنے کی انتہائی خواہش۔

سورۂ نور میں الْبِغَاءُ کا لفظ زناکاری کے لئے آیا ہے (۲۴/۳۳)۔ لیکن سورۂ مریم میں بَغِيًّا کا لفظ حدود شکن کیلئے (۱۹/۲۰) آیا ہے۔ خاص طور پر زناکار کے لئے نہیں۔ یعنی حضرت مریم نے کہا کہ میں ہیکل میں (Nun) کی زندگی بسر کر رہی ہوں اور (Nuns) کے متعلق ''قانون شریعت،، یہ ہے کہ وہ تجرد کی زندگی بسر کریں ۔ میں نے اس قانون کو نہیں توڑا۔ واضح رہے کہ ہیکل کے احبار و رہبان حضرت مریم[ؑ] کے خلاف یہ الزام عائد کرتے تھے کہ اس نے ہیکل سے نکل کر متاہل زندگی اختیار کر لی ہے اور یہ چیز شریعت خانقاہیت کے خلاف ہے۔ اس لئے انہوں نے کہا تھا کہ تیری ماں تو ان حدود شریعت کو نہیں توڑتی تھی۔ (۱۹/۲۸) تونے حدود شکنی کیسے اختیار کر لی؟ حضرت عیسےٰ[ؑ] نے اس کے جواب میں کہا تھا کہ یہ حدود، تمہاری خود ساختہ شریعت کی ہیں۔ مجھے اللہ نے نبی بنایا ہے۔ اور کتاب دی ہے۔ اس کتاب میں ایسا کوئی قانون نہیں۔ اس لئے میری والدہ نے قانون خداوندی کے خلاف کچھ نہیں کیا۔

سورۂ بقرہ میں ہے کہ یہودی قرآن کریم کی مخالفت محض اسلئے کرتے ہیں کہ انہیں حسد ہے کہ یہ بنی اسرائیل کے بجائے بنی اسماعیل میں سے ایک شخص کی طرف کیوں نازل ہو گیا ہے۔ اس کے لئے بَغْيًا آیا ہے (۲/۹۰)۔

* غریب القرآن (میرزا ابوالفضل)

قرآن کریم میں کھانے پینے کی حرام اشیاء کے تذکرہ کے بعد ہے فَمَنِ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَّلَا عَادٍ فَلَا اِثْمَ عَلَيْهِ (۲/۱۷۳)۔ بھوک سے جس شخص کی جان پر آبنے تو اس پر کوئی جرم نہیں (کہ وہ ان حرام چیزوں کو استعمال کرلے) بشرطیکہ وہ اتنا ہی لے جتنی اسے ضرورت ہے ۔ اور حد سے نہ بڑھے اور نہ ہی اسکی نیت قانون شکنی کی ہو۔ یعنی نہ تو وہ محض اس لئے کھائے کہ اس کا جی چاہتا ہے اور نہ ہی زائد ازضرورت لے ۔

ب ق ر

بَقْرٌ کے معنے ہیں کسی چیز کو چیرنا پھاڑنا ۔ جیسے کسی جانور کا پیٹ چاک کرنا ۔ اسلئے بَقَرَ الْعِلْمَ کے معنے ہیں علم کی گہری تحقیق و تجسس کرنا ۔ بَاقِرٌ کے معنے شیر کے بھی ہوتے ہیں اور علمی محقق کے بھی*۔

بَقَرٌ ۔ گائے اور بیل (دونوں) کو کہتے ہیں *۔ یہ جمع ہے ۔ اس کا واحد بَقَرَةٌ ہے ۔ قصہ بنی اسرائیل میں یہ لفظ (۲/۶۷) میں آیا ہے ۔ مابعد آیات میں جو کچھ مذکور ہے اس سے مترشح ہوتا ہے کہ اس سے مطلب سانڈ تھا جس سے کام نہیں لیا جاتا بلکہ دیوتاؤں کے نام پر ویسے ہی چھوڑ دیا جاتا ہے ۔ مصر میں سانڈ کی پرستش ہوتی تھی اور یہی جذبہ تھا جو بنی اسرائیل کے دلوں کی گہرائی میں (شعوری یا غیر شعوری طور پر) جا گزیں ہو چکا تھا ۔ اسی جذبۂ عقیدت کو دور کرنے کے لئے ذبح بقر کا حکم دیا گیا تھا ۔

ب ق ع

اَلْبَاقِعُ ۔ چتکبرا کٹوا یا کتا ۔ اس کے بنیادی معنی رنگوں کا مختلف ہونا ہیں (ابن فارس) ۔ اَلْبَاقِعَةُ ۔ ایک پرندہ جو بہت ہوشیار اور چوکنا ہوتا ہے اور ہر وقت ادھر ادھر دیکھتا رہتا ہے کہ کوئی شکاری اس کی گھات میں تو نہیں ، وہ پانی پینے کے لئے بھی دوسرے پرندوں کی روش سے ہٹ کر کسی نامانوس جگہ پر آتا ہے*۔ پہلے معنوں کے لحاظ سے اَرْضٌ بَقِعَةٌ اس زمین کو کہتے ہیں جس میں کہیں گھاس اور سبزہ ہو اور کہیں خشکی ۔ یعنی چتکبری زمین۔ نیز زمین کا ایسا قطعہ جو اپنے آس پاس کی زمینوں سے الگ ہو*۔

قرآن کریم میں ہے فِي الْبُقْعَةِ الْمُبَارَكَةِ مِنَ الشَّجَرَةِ (۲۸/۳۰)۔ "درخت والے مبارک قطعۂ زمین میں (جو باقی زمینوں سے الگ

---

*تاج و لین **تاج و محیط۔۔

تھا)"۔ ویسے اَلْبَقْعَۃُ ایسی جگہ کو بھی کہتے ہیں جہاں پانی جمع ہو گیا ہو*۔

ب ق ل

بَقَلَ الشَّیْئُ ۔ چیز ظاہر ہو گئی ۔ بَقَلَتِ الْاَرْضُ ۔ زمین پر سبزیاں نمودار ہو گئیں ۔ راغب نے کہا ہے کہ بَقْلٌ ان سبزیوں کو کہتے ہیں جن کی جڑیں اور شاخیں سردیوں میں باقی نہیں رہتیں * ۔ ابن فارس نے کہا ہے کہ اس کے بنیادی معنی روئیدگی کے ہیں ۔ ابو زیاد نے کہا ہے کہ جو کچھ زمین سے پہلے پہل نکلے اسے بَقْلٌ کہتے ہیں ۔ اقرب الموارد میں ہے کہ بَقْلٌ ایسی سبزی کو کہتے ہیں جو (آلو ۔ گاجر ۔ شلجم کی طرح) زمین کے اندر پیدا نہ ہوتی ہو بلکہ (میتھی ، پالک ، گوبھی ، ٹماٹر وغیرہ کیطرح) زمین کے اوپر پیدا ہوتی ہو ۔

قرآن کریم میں یہ لفظ سبزی ترکاری کے معنوں میں (۲/۶۱) میں آیا ہے ۔

ب ق ی

بَقِیَ ۔ یَبْقٰی ۔ بَقَاءً ۔ کسی چیز کا اپنی حالت پر قائم رہنا ۔ تغیر پذیر نہ ہونا ۔ یہ فَنَاءٌ کی ضد ہے جس کے معنے تغیر پذیر ہو جانا ہیں ۔ اِبْقَاءٌ ۔ اِسْتِبْقَاءٌ ۔ باقی رکھنا * ۔ نیز اس کے معنے حفاظت اور نگہبانی کے بھی آتے ہیں * ۔

کائنات میں ہر شے تغیر پذیر ہے ۔ لیکن ذاتِ خداوندی تغیرات سے بلند ہے ۔ اسی طرح اس کا قانون بھی تغیر پذیر نہیں ہوتا ۔ یہی مستقل اقدار ہیں ۔ جو اعمال اس کے قانون کے مطابق سر زد ہوں ان کے نتائج بھی غیر متبدل ثمرات کے حامل ہوتے ہیں ۔ اس سے انسانی ذات میں بھی ایسا استحکام پیدا ہو جاتا ہے کہ وہ تغیرات سے بلند ہو جاتی ہے ۔ ذات (Personality) کی بنیادی خصوصیت یہ ہے کہ وہ تغیرات کی دنیا میں غیر متغیر رہتی ہے (Changelessness in Change) ۔ (تفصیل کے لئے دیکھئے میری کتاب "نظام ربوبیت" نیز من و یزداں ۔ اور معارف القرآن کی پانچویں جلد جس کا عنوان ہے "انسان نے کیا سوچا") ۔

*تاج و محیط ۔

ان معانی کی روشنی میں ان الفاظ کو دیکھئے جو قرآن کریم میں اس مادہ (بَقِیَ) سے آئے ہیں، بات واضح ہو جائیگی۔ سورۃ النحل میں ہے مَاعِنۡدَکُمۡ یَنۡفَدُ وَمَاعِنۡدَاللّٰہِ بَاقٍ (۱۶/۹۶)۔ ''جو کچھ تمہارے پاس تمہارے اپنے تصورات کے مطابق ہوتا ہے وہ جاتا رہتا ہے۔ لیکن جو کچھ قانون خداوندی کے مطابق حاصل ہوتا ہے (خواہ وہ زیست کی خوشگواریاں ہوں اور خواہ انسانی ذات کی نشو و نما) وہ تغیر نا آشنا ہوتا ہے''۔ سورۃ کہف میں ہے۔ اَلۡمَالُ وَالۡبَنُوۡنَ زِیۡنَۃُ الۡحَیٰوۃِ الدُّنۡیَا۔ ''دولت۔ اولاد، یہ انسان کی قریبی (طبعی) زندگی کی زینت کی چیزیں ہیں''۔ یہ بھی بُری نہیں کہ ان سے اجتناب کیا جائے۔ لیکن وَالۡبٰقِیٰتُ الصّٰلِحٰتُ خَیۡرٌ عِنۡدَ رَبِّکَ ثَوَابًا وَّ خَیۡرٌ اَمَلًا (۱۸/۴۶)۔ ''خدا کے قانون ربوبیت کی رو سے بہترین اعمال وہ ہیں جن کے صلاحیت بخش نتائج تغیر پذیر نہیں ہوتے''۔ انہی کی امید رکھنا بہترین نصب العین ِ حیات ہے۔ اسی طرح سورۃ ہود میں بَقِیَّتُ اللّٰہِ (۱۱/۸۶) اُس دولت اور سامان کو کہا گیا ہے جو خدا کے قانون کی رو سے حاصل کیا جائے۔ اس سے ذرا آگے اُولُوۡا بَقِیَّۃٍ (۱۱/۱۱۶) اُن لوگوں کو کہا گیا ہے جو قانون خداوندی کی اطاعت کرتے ہیں۔ اور کَلِمَۃً بَاقِیَۃً (۴۳/۲۸) توحید کی تعلیم (ضابطۂ قوانین خداوندی کی اصل و بنیاد) جسے حضرات انبیاء کرام اپنے متبعین کو دیکر جاتے تھے۔ اور جو کبھی تغیر پذیر نہیں ہوتی۔ ساحرین دربار فرعون نے اسی کو خَیۡرٌ وَّ اَبۡقٰی (۲۰/۷۳) کہا ہے۔ یعنے سب سے زیادہ تغیر نا آشنا۔

سورۃ الرحمٰن میں ہے کُلُّ مَنۡ عَلَیۡہَا فَانٍ (۵۵/۲۶) اس کائنات کی ہر شے تغیر پذیر ہے۔ وہ لمحہ بہ لمحہ بدل رہی ہے۔ وَ یَبۡقٰی وَجۡہُ رَبِّکَ ذُوالۡجَلٰلِ وَالۡاِکۡرَامِ (۵۵/۲۷)۔ لیکن خدا کی ذات تغیرات سے ماوراء ہے۔ اور اسکی صفت ربوبیت اور اسکا قانون ربوبیت اور اسکے نتائج و اثرات بھی تغیر نا آشنا ہیں۔ ''فَنَا'' کا جو مفہوم ہمارے ہاں رائج ہے اور جسکا مطلب معدوم ہو جانا ہے وہ درست نہیں۔ (اسکے لئے دیکھئے عنوان ف۔ ن۔ ی)

بَقِیَّۃُ الشَّیۡءِ۔ کسی چیز کا باقی ماندہ حصہ۔ لیکن اسے اس چیز کی جنس میں سے ہونا چاہئے۔ لہذا بھائی کو بَقِیَّۃُ الۡاَبِ نہیں کہہ سکتے*۔

بنی اسرائیل کے تابوت سکینت کے متعلق کہا ہے کہ اس میں بَقِیَّۃٌ مِّمَّا تَرَکَ اٰلُ مُوۡسٰی وَ اٰلُ ہٰرُوۡنَ (۲/۲۴۸) تھا۔ یعنی جو کچھ آلِ موسیٰ اور آلِ ہارون نے چھوڑا تھا اس کا باقیماندہ حصہ۔

* محیط۔

ب ک ر

اَلْبِکْرُ ۔ کنواری عورت، نیز وہ مرد جو ابتک کسی عورت کے پاس نہ گیا ہو۔ پہلا بچہ دینے والی عورت یا اونٹنی ۔ پہلا بچہ ، ہر پہلی چیز ۔ ابن فارس نے کہا ہے کہ یہی اس کے بنیادی معنی ہیں ۔ گائے جو ابھی حاملہ نہ ہوئی ہو یا نوجوان ہو ۔ لَا فَارِضٌ وَّلَا بِکْرٌ (۶۸/۲) ”نہ بوڑھی ہے نہ نوجوان“ ۔

اَلْبُکْرَۃُ ۔ صبح ۔ دن کا پہلا اور ابتدائی حصہ* ۔ صاحب محیط نے لکھا ہے کہ اَلْاِبْکَارُ ۔ طلوع فجر سے چاشت کے وقت تک کی مدت کو کہتے ہیں ۔ (۱۹/۱۲ و ۳/۳۰) نیز اسکے نزدیک بَکْرٌ کے مادہ کے اصلی معنے شق کرنے یا قطع کرنے کے ہیں** ۔

ایسی چیزوں کو بھی جن کی پہلے نظیر نہ ہو، اَبْکَارٌ کہتے ہیں*** ۔ (۵۶/۳۵-۳۶) میں یہ لفظ انہی معانی میں استعمال ہوا ہے ۔ یعنی صحیح تعلیم و تربیت اور اعمال صالحہ سے ان میں ایسی تبدیلی ہوئی کہ وہ ایسی مخلوق بن گئیں جس کی پہلے نظیر نہ تھی ۔ وہ عہد جاہلیہ کی عورتوں سے یکسر مختلف ہو گئیں ۔

ب ک ک

بَکَّہٗ ۔ یَبُکُّہٗ ۔ بَکًّا ۔ کسی چیز کو پھاڑ دینا ۔ متفرق کر دینا ۔ کسی پر ہجوم کرنا ۔ مزاحمت کرنا ۔ بَکَّ عُنُقَہٗ ۔ اسنے اسکی گردن توڑ دی* ۔

مکہ مکرمہ کا نام بَکَّۃُ بھی ہے ۔ قرآن کریم میں ہے اِنَّ اَوَّلَ بَیْتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِیْ بِبَکَّۃَ مُبٰرَکًا (۹۵/۳) ۔ ”یقیناً پہلا گھر جو نوع انسان کے لئے مقرر کیا گیا وہی ہے جو مکہ میں ہے، بابرکت“ ۔ اس نام کی وجہ تسمیہ کے متعلق مختلف اقوال ہیں ۔ بعض کا خیال ہے کہ چونکہ لوگ اسکی طرف ہجوم کر کے آتے ہیں اور طواف میں بڑا ازدحام ہوتا ہے اسلئے اسے بَکَّۃُ کہا گیا ہے ۔ بعض نے کہا ہے کہ چونکہ یہاں سرکشوں اور ظالموں کی گردن ٹوٹ جاتی ہے اسلئے اس کا یہ نام ہے ۔ لیکن راغب کا خیال ہے کہ یہ مَکَّۃُ ہی کی بدلی ہوئی شکل ہے ۔ عربی میں میم کے باء کے

*تاج ۔ **محیط ۔ ***قاموس ۔

ساتھ بدل جانے کی کئی مثالیں ملتی ہیں** - مثلاً سَبَدَ اور سَمَدَ - ایسے ہی لَازِبٌ اور لَازِمٌ - ** ہر دو لفظ خواہ "ب" سے ہوں یا "میم" سے ایک ہی معنی رکھتے ہیں -

ب ک م

بَکَمٌ کے معنے ہیں گونگا ہونا - ازہری نے کہا ہے کہ اَبْکَمُ اور اَخْرَسُ میں یہ فرق ہے کہ اَخْرَسُ اسے کہتے ہیں جو پیدائشی طور پر بول ہی نہ سکتا ہو اور اَبْکَمُ اسے کہتے ہیں جو بولتا تو ہو لیکن حاضر جواب نہ ہو اور طریقہ سے بات نہ کرنے کی وجہ سے اسکی بات سمجھ میں نہ آتی ہو - لیکن اَبْکَمُ اس شخص کو بھی کہتے ہیں جو پیدائشی طور پر گونگا بہرا اور اندھا ہو* - ابن فارس نے کہا ہے کہ اَبْکَمُ (جسکی جمع بُکْمٌ ہے) اسے کہتے ہیں جو جہالت کی وجہ سے یا دانستہ بولنے چالنے سے گریز کرے - نیز جو بات کو واضح طور پر بیان نہ کر سکے -

قرآن کریم میں صُمٌّ بُکْمٌ عُمْیٌ آیا ہے (۲/۱۸) - جہاں بُکْمٌ کے معنے صرف گونگا ہیں (کیونکہ بہرے اور اندھے کیلئے اسکے ساتھ صُمٌّ اور عُمْیٌ کے الفاظ موجود ہیں) - سورۃ انفال میں اَلصُّمُّ الْبُکْمُ کے ساتھ اَلَّذِیْنَ لَا یَعْقِلُوْنَ (۸/۲۲) کے الفاظ لا کر بات واضح کردی کہ اس سے مراد طبعی طور پر بہرے اور گونگے نہیں ، بلکہ وہ لوگ مراد ہیں جو عقل سے کام نہیں لیتے - سورۃ نحل میں اَبْکَمُ (۱۶/۷۶) کے بعد ہے ، جو کسی شے کی مقدرت نہیں رکھتا - جو اپنے مالک پر بوجھ ہے - وہ اُسے جدھر بھیجتا ہے کوئی اچھا کام کر کے نہیں آتا - اس کے مقابلہ میں وہ ہے جو صاحب اختیار ہے - عدل و انصاف کا حکم دیتا ہے - اور صراط مستقیم پر چلتا ہے - ان تصریحات سے واضح ہوجاتا ہے کہ قرآن کے نزدیک صُمٌّ بُکْمٌ سے مفہوم کیا ہے - یعنی وہ لوگ جو عقل و فکر سے کام نہ لیں بلکہ اندھا دھند اپنی غلط روش پر چلے جائیں -

ب ک ی

بُکَاءٌ - غم کے ساتھ آنسو بہانا - کبھی محض غم یا آنسو بہانے کو بھی کہہ دیتے ہیں** - ابن فارس نے کہا ہے کہ اس کے بنیادی معنی رونا اور (۲) چیز کا کم ہوجانا ہیں - قرآن کریم میں ضَحِکَ کے مقابلہ میں بَکٰی

* تاج - **تاج و راغب -

آیا ہے (۹/۸۲) - لہذا اسکے معنے غم کرنے کے ہیں - سورۃ دخان میں ہے فَمَا بَكَتْ عَلَيْهِمُ السَّمَاءُ وَالْأَرْضُ (۴۴/۲۹)- ان کی تباہی پر نہ آسمان رویا نہ زمین- اس لئے کہ ان کی تباہی خدا کے قانون مکافات کے مطابق واقع ہوئی تھی - بُكِيًّا - (۱۹/۵۸) - قوانین خداوندی کے سامنے دل کے پورے گداز کے ساتھ جھکنے والے - لیکن اندھے اور بہرے بنکر نہیں (۲۵/۷۳)- عقل و بصیرت کی رو سے قوانین خداوندی کو اختیار کرکے' دل کی گہرائیوں سے ان کی متابعت کرنے والے -

بَل - (حرف)

بَلْ - بلکہ - ذیل کی مثالوں سے استعمال اور مفہوم واضح ہو جائیگا -

(۱) جب یہ فقرے کے درمیان آئے تو پہلی بات کی تردید اور دوسری بات کی تائید مقصود ہوتی ہے- وَقَالُوا اتَّخَذَ الرَّحْمٰنُ وَلَدًا سُبْحٰنَهٗ - بَلْ عِبَادٌ مُّكْرَمُوْنَ - (۲۱/۲۶) - ''اور یہ کہتے ہیں کہ خدائے رحمٰن نے بیٹا بنایا ہے - ایسا نہیں بلکہ واقعہ یہ ہے کہ جنہیں یہ اسکے بیٹے قرار دیتے ہیں وہ اس کے معزز بندے ہیں'' -

(۲) پہلی بات کی تردید کے بغیر دوسری بات کی تائید- وَلَدَيْنَا كِتٰبٌ يَّنْطِقُ بِالْحَقِّ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ - بَلْ قُلُوْبُهُمْ فِيْ غَمْرَةٍ مِّنْ هٰذَا - (۲۳/۶۲-۶۳) ''ہمارے پاس ایک کتاب ہے جو حق بات کہتی ہے اور ان پر کسی قسم کی زیادتی نہیں ہوتی - لیکن (یا اور) ان کے دل تذبذب اور جہالت میں ہیں'' - یعنی دوسری بات پہلی بات سے الگ ہے (نیز ۸۷/۱۴-۱۶) - ان مقامات میں بَلْ - وَ - (اور) کے معنوں میں آیا ہے - (نیز دیکھئے ۸۵/۲۰-۲۱) - اسی طرح (۲۱/۶۲-۶۳) میں بھی بَلْ فَعَلَهٗ كَبِيْرُهُمْ سے نیا فقرہ شروع ہوسکتا ہے- (تفصیل اس کی متعلقہ عنوان میں ملیگی) -

ب ل د

اَلْبَلَدُ - زمین کا ہر وہ حصہ جسکی حد بندی کی گئی ہو- خواہ وہ آباد ہو یا غیر آباد - مٹی - زمین - اسکی جمع بِلَادٌ اور بُلْدَانٌ آتی ہے - اسکا استعمال قَرْيَةٌ (بستی) کے معنوں میں بعد میں ہوا ہے- سورۃ بقرہ میں هٰذَا بَلَدًا (۲/۱۲۶) سے قطعہ' زمین اور بستی دونوں مراد ہو سکتے ہیں*- سورۃ البلد

* تاج و محیط-

میں بِهٰذَا الْبَلَدِ (۹۰/۱-۲) سے مراد مکہ ہے۔ اسی کو دوسری جگہ الْبَلَدِ الْاَمِيْنِ (۹۵/۳) ''امن والا شہر،، کہا گیا ہے۔ حضرت ابراهیم[۴] نے دعا مانگی تھی (۲/۱۲۶) کہ یہ بستی' دنیا میں جورو استبداد کے ستائے ہوئے ہر انسان کیلئے امن کا مقام بن جائے۔ نوع انسانی کے امن کی ضامن اُمت (جماعت مؤمنین) اور خدا کے عالمگیر نظام ربوبیت کے مرکز کو یقیناً عالم انسانیت کے لئے امن کا مقام ہونا چاہئے۔ مزید تفصیل کے لئے حج اور کعبہ سے متعلق عنوانات دیکھئے۔

زمین سے متمسک (زمیں گیر) ہونے کی جہت سے کہتے ہیں بَلَدَ الْفَرَسُ۔ گھوڑا دوڑ میں پیچھے رہ گیا۔ آگے نہ نکل سکا***۔ اسی لئے بَلِيْدٌ کے معنے کند ذہن کے ہوتے ہیں*۔ ابن فارس نے کہا ہے کہ اس کے بنیادی معنی سینے (چھاتی) کے ہوتے ہیں۔ اور بَلَّدَ الرَّجُلُ بِالْاَرْضِ کے معنی ہیں اس شخص نے اپنا سینہ زمین پر ٹیک دیا۔ یعنی وہ زمین کے ساتھ چپک گیا۔

ب ل س

اَبْلَسَ۔ کے معنے ہیں وہ ناامید ہو گیا۔ مایوس ہو گیا۔ ابن فارس نے اس کے بنیادی معنے یہی لکھے ہیں۔ (اِذَا هُمْ فِيْهِ مُبْلِسُوْنَ)' وہ ناگہاں اس میں مایوس ہو جائینگے'' ۔ (۲۳/۷۷)۔ نیز دہشت زدہ اور ستحیر ہو جانا*۔ (پرانی سامی لغت میں اسکے معنے تھے ''کچل کر مار ڈالنا۔ روند ڈالنا'' **۔

اِبْلِيْسُ۔ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ یہ اَبْلَسَ ہی سے مشتق ہے اور اسکے معنے ہیں رحمت خداوندی سے ابدی طور پر مایوس اور ناامید۔ لیکن دوسرے أئمہ' لغت نے خیال ظاہر کیا ہے کہ یہ عربی لفظ نہیں بلکہ معرب ہے*۔

قرآن کریم میں ابلیس کو سرکشی اور بغاوت کے پیکر کی حیثیت سے پیش کیا گیا ہے۔ اَبٰى وَاسْتَكْبَرَ وَكَانَ مِنَ الْكَافِرِيْنَ (۲/۳۴)۔ ''اسنے حکم خداوندی کی اطاعت سے انکار کیا۔ خدا سے بغاوت و سرکشی اختیار کی اور کہنا نہ ماننے والوں میں سے ہو گیا''۔ اسکے برعکس مَلَائِكَةٌ ہیں جن کی فطرت میں اطاعت و انقیاد رکھ دیا گیا ہے (فَسَجَدَ الْمَلَائِكَةُ كُلُّهُمْ اَجْمَعُوْنَ ''تمام کے تمام ملائکہ نے سجدہ کر دیا'' (۳۸/۷۳)۔ کائنات میں صرف انسان ہی وہ مخلوق ہے جسے اسکا اختیار دیا گیا ہے کہ وہ چاہے تو قوانین خداوندی کی اطاعت کرے اور چاہے ان سے سرکشی برت لے۔ کائنات کی

*تاج و محیط۔ ** غریب القرآن میرزا ابوالفضل۔ *** محیط

کسی اور شے کو معصیت (قانون خداوندی کی خلاف ورزی) کا اختیار نہیں دیا گیا۔ انسان، قانون خداوندی کی اطاعت سے سرکشی اسوقت اختیار کرتا ھے جب وہ اپنے جذبات سے مغلوب ھو جاتا ھے۔ یہ جذبات اسے (عالمگیر مفاد کلی کے مقابلہ میں) ذاتی مفاد پرستی پر ابھارتے ھیں اور وہ قوانین خداوندی کو پس پشت ڈالکر ان مفادات کے پیچھے لگ جاتا ھے۔ پھر اسکی عقل اسے وہ طریقے بتاتی ھے جن سے وہ ان مفادات کو حاصل کر سکے۔ قرآن کریم نے ایسے جذبات اور انکے بروئے کار لانے والے سامان و ذرائع (عقل حیلہ جو کے بتائے ھوئے طرق و حِیَل) کو اِبْلِیْس کہکر پکارا ھے، اور اس کی سرکشی کی بنا پر اسکے متعلق کہا ھے کہ اسکی تخلیق آتش (نَارٌ) سے ھوئی ھے ($\frac{۷}{۱۲}$)۔ اور چونکہ انسانی جذبات آنکھوں سے پنہاں ھوتے ھیں اور غیر محسوس طور پر مصروف عمل رھتے ھیں اسلئے کَانَ مِنَ الْجِنِّ ($\frac{۱۸}{۵۰}$) کہا ھے (جِنّ کے معنی ھیں چھپا ھوا)۔ نیز چونکہ انسان کے یہ جذبات اور اسکے یہ اختیارات جسکی رو سے یہ قوانین خداوندی سے سرکشی برت سکتا ھے، انسان کے ساتھ ھی پیدا ھوتے ھیں اور جبتک انسان زندہ رھتا ھے اسوقت تک یہ ساتھ رھتے ھیں، اسلئے قرآن نے آدم کی جو سرگزشت بیان کی ھے (دیکھئے عنوان ادم) اسمیں ابلیس بھی آدم کے ساتھ ھی نمودار ھو جاتا ھے اور اسے انسانوں کے ساتھ ھی اسوقت تک مہلت دی گئی ھے جبتک انسان اس دنیا سے اٹھ نہیں جاتے۔ رَبِّ فَاَنْظِرْنِیْ اِلٰی یَوْمِ یُبْعَثُوْنَ ($\frac{۱۵}{۳۶}$)۔

جو انسان قوانین خداوندی سے سرکشی اختیار کرلیتا ھے وہ ان تمام سعادتوں اور خوشگواریوں سے محروم رہ جاتا ھے جو ان قوانین کے مطابق زندگی بسر کرنے کا لازمی نتیجہ ھیں۔ اسلئے ابلیس کو محروم و ناامید کہا گیا ھے۔ اسکے برعکس جو لوگ اس قانون کے مطابق زندگی بسر کرتے ھیں ان کے متعلق کہا ھے کہ لَا خَوْفٌ عَلَیْھِمْ وَلَا ھُمْ یَحْزَنُوْنَ ($\frac{۲}{۳۸}$)۔ "ان پر کسی قسم کا خوف و حزن نہیں ھوگا"۔ انہی کے متعلق کہا گیا ھے کہ ابلیس کا ان پر کسی قسم کا غلبہ و تسلط نہیں ھوگا ($\frac{۱۵}{۴۲}$)۔

قرآن کریم میں ابلیس اور شیطان کو ایک ھی سکے کے دو رخ، اور ایک ھی حقیقت کے دو پہلو بتایا گیا ھے۔ مثلاً قصۂ آدم میں دیکھئے۔ سجدے سے انکار۔ سرکشی و تکبر۔ ذریت آدم کو بہکانے کا چیلنج۔ سب ابلیس کی طرف سے ھے۔ لیکن اس کے بعد جب آدم کی لغزش کا ذکر ھے تو اسے شیطان

کیطرف منسوب کیا گیا ہے (فَاَزَلَّهُمَا الشَّيْطَانُ عَنْهَا - ۲/۳۶ - نیز دیکھئے ۷/۲۰-۱۱ ؛ ۲۰/۱۲۰-۱۱۶)۔ اس سے ظاہر ہے کہ ابلیس ایک خاص ذہنیت کا نام ہے اور جس انداز سے وہ ذہنیت کام کرتی ہے اُسے شیطان کہکر پکارا گیا ہے۔ (شیطان کیلئے دیکھئے عنوان ش - ط - ن - نیز ان تمام امور کی تفصیلی کیلئے دیکھئے میری کتاب ''ابلیس و آدم'' جو سلسلہ معارف القرآن کی ایک کڑی ہے) ابلیس اور شیطان (نامیدی و سر کشی) درحقیقت وہ موانع ہیں جو انسانی خودی کی نشوو نما کی راہ میں حائل ہوتے ہیں - اگر انسانی خودی ان موانع پر غالب آکر اپنے استحکام کا ثبوت دیتی ہے تو سلسلہ ارتقاء میں اسکا قدم آگے بڑھ جاتا ہے - لیکن اگر یہ موانع اس پر غالب آ جاتے ہیں تو وہ زندگی کی نچلی (حیوانی) سطح میں دب کر رہ جاتی ہے - زندگی در حقیقت ''ابلیس و آدم'' کی اسی کشمکش کا نام ہے - اسلئے آدم کے ساتھ ابلیس کا وجود ناگزیر ہے - مخالفت (Opposition) اور تصادمات (Clashes) کے بغیر انسانی ذات میں استحکام پیدا نہیں ہوسکتا - یا یوں کہئے کہ اسکی قوت و استحکام کا امتحان (Test) نہیں ہوسکتا - نہر کی مسلسل روانی کے لئے ٹھوکر (Fall) کا ہونا نہایت ضروری ہے - دیکھنا یہ ہوتا ہے کہ کیا ٹھوکر کے پتھر، نہر کے پانی کے لئے بند بنکر اُسے جوئے رواں سے جوہڑ بنا دیتے ہیں - یا نہر کا پانی اپنے زور دروں سے ان پتھروں کو پھاند کر آگے نکل جاتا ہے؟ ایسے راستے تلاش اور اختیار کرنا جن میں پتھر نہ ہوں (یعنی مسلک رہبانیت و خانقاہیت) اپنی روانی کو اپنے ہاتھوں ختم کرلینا ہے - زندگی مسلسل جد و جہد (جہاد) کا نام ہے - یعنی ابلیس و آدم کی پیہم کشمکش کا -

اوپر کہا گیا ہے کہ ابلیس (نا امیدی) اور شیطان (سر کشی) ایک ہی سکے کے دو رخ ہیں- علم النفس (سائیکا لوجی) کی تحقیقات حاضرہ اس نظریہ کی تائید کرتی ہیں کہ نا امیدی (Frustration) سے سر کشی کے جذبات (Aggressiveness) پیدا ہوتے ہیں- جب انسان دیکھتا ہے کہ وہ کچھ نہیں ہو رہا جو کچھ وہ چاہتا ہے تو اس میں غصہ ابھرنا شروع ہو جاتا ہے - اس غصے کو اگر وہ خود اپنے آپ کے خلاف نکالتا ہے تو یہ پریشانی (Worry) یا افسردگی و غمگینی (Gloominess) ہوتی ہے جس کی آخری شکل خود کشی (Suicide) ہے - جب اس غصہ کا مظاہرہ اس شخص یا شے کے خلاف ہو جو اس کی مایوسی کا باعث تھی تو اسے انتقام کہتے ہیں - لیکن اگر وہ اس سے انتقام نہ لے سکے تو غیر متعلقہ چیزوں کے خلاف اپنا غصہ نکالتا ہے - یہ پاگل پن کی ابتدا ہوتی ہے - اس سے آپ نے دیکھ لیا کہ مایوسی اور سر کشی میں کسقدر گہرا تعلق

ہے، یہی تعلق ابلیس اور شیطان میں ہے ۔ یہ انسان کی نفسیاتی کیفیات ہیں ۔ قرآن ایسا معاشرہ قائم کرتا ہے جس میں افراد کیلئے مایوسی کے مواقع پیدا نہیں ہوتے ۔ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللهِ (۳۹/۵۳)۔ "اللہ کی رحمت سے نا امید مت ہو" وہاں کا معمول ہوتا ہے ۔ اور یہ رحمت (سامان نشوونما) زندگی کے ہر شعبے کو محیط ہوتا ہے (وَ رَحْمَتِیْ وَسِعَتْ كُلَّ شَيْءٍ (۷/۱۵٦)۔ لہذا اس قرآنی معاشرہ میں ابلیسیت کسی پر غالب نہیں آسکتی ۔ اسی لئے ابلیس سے کہا گیا ہے کہ اِنَّ عِبَادِیْ لَيْسَ لَكَ عَلَيْهِمْ سُلْطٰنٌ (۱۵/۴۲)۔ "یقیناً میرے بندوں پر تیرا غلبہ نہیں ہوسکیگا" ۔

ب ل ع

بَلِعَ ۔ يَبْلَعُ ۔ کسی چیز کو حلق سے نیچے اتار لینا ۔ اَلْمَبْلَعُ وہ جگہ جہاں سے کھانا حلق سے اتر کر مری میں جاتا ہے ۔ اَلْبَلُوْعُ پینے کی چیز ۔ اَلْبُلْعَةُ ۔ گھونٹ* ۔ نیز چکی کا دھانہ جس میں اناج ڈالا جاتا ہے** ۔

قرآن کریم میں طوفان حضرت نوح[ع] کے متعلق ہے کہ اسکے بعد زمین کو حکم دیا گیا کہ اِبْلَعِیْ مَآءَكِ (۱۱/۴۴)۔ "اپنا پانی نگل جا" ۔ یعنی اسے جذب کرلے ۔

ب ل غ

بَلَغَ الْمَكَانَ بُلُوْغاً ۔ وہ اس مقام تک پہنچ گیا ۔ مفردات میں ہے کہ بُلُوْغٌ اور بَلَاغٌ کے معنے مقصد کے آخری سرے تک پہنچ جانا ہیں خواہ یہ آخری حد مکانی ہو یا زمانی ، یا کسی اندازہ کئے ہوئے معاملہ کی ۔ لیکن کبھی محض قریب تک پہنچ جانے کیلئے بھی یہ لفظ بولا جاتا ہے ۔ جیسے قرآن کریم میں ہے فَاِذَا بَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ (۲/۲۳۱)۔ یعنی جب وہ عدت ختم ہونے کے قریب تک پہنچ جائیں ۔ انکی عدت کی مدت قریب الاختتام ہو* ۔ یعنی جب وہ مقررہ مدت کی آخری حد پر پہنچیں ۔ اَلْبَلَاغُ ۔ کسی چیز کا اتنا کافی ہونا کہ اس کے ذریعہ انسان اپنے آخری مقصد تک پہنچ جائے اور ایسے کسی اور سامان یا ذریعہ کی ضرورت نہ پڑے* ۔

اَلْبُلْغَةُ ۔ ہر وہ شے جس سے کسی مقصد تک پہنچا جائے ۔ ہر وہ شے جو کسی مقصد تک پہنچانے کیلئے کافی ہو جائے* ۔

* تاج ۔ ** محیط ۔

عرب کے بادیہ نشین صحراؤں میں پھرتے رہتے تھے - پانی پر ان کی زندگی کا دارومدار تھا - صحراء میں کہیں کہیں کنویں ہوتے تھے جن پر ڈول اور رسی رکھی رہتی تھی - لیکن گرم مقامات کے کنووں کا پانی ہمیشہ ایک سطح پر نہیں رہتا - اکثر نیچے اتر جاتا ہے جسکی وجہ سے ڈول کی رسی پانی کی سطح تک نہیں پہنچ سکتی - اس مقصد کیلئے یہ لوگ ہمیشہ اپنے ساتھ رسی کا ٹکڑا رکھتے تھے جسے ڈول کی رسی (الرِّشَاءُ) کے ساتھ باندھ دیتے تا کہ ڈول پانی تک پہنچ جائے - اس رسی کے ٹکڑے کو التَّبْلِغَةُ کہتے تھے - یہاں سے تَبْلِیْغٌ کا مفہوم واضح ہو جاتا ہے - یعنے اگر ایک انسان اپنی ذاتی استعداد کی کمی کی وجہ سے کسی مفہوم تک نہیں پہنچ سکتا تو اسکی اس کمی کو اسطرح پورا کر دیا جائے کہ وہ اصل مقصد تک پہنچ جائے - لیکن اگر وہ اپنی رسی (الرِّشَاءُ) کو استعمال ہی نہیں کرنا چاہتا تو خالی تَبْلِغَةٌ اسے پانی تک نہیں پہنچا سکتی - تبلیغ اسی کو فائدہ دے سکتی ہے جو اپنی عقل و بصیرت کو بھی کام میں لائے - مَبْلَغٌ آخری مقام جس تک کوئی پہنچ سکے ($\frac{۵۳}{۳۰}$) -

اللہ تعالٰی نے قرآن کریم کو بَلَاغٌ لِلنَّاسِ ($\frac{۱۴}{۵۲}$) کہا ہے - یعنے وہ ذریعہ جس سے انسانیت اپنی منزل مقصود تک پہنچ سکتی ہے اور اسکے ہوتے ہوئے اسے کسی اور ذریعہ یا سامان کی ضرورت باقی نہیں رہتی - لہذا قرآن کیا ہے؟ انسانیت کو اسکی منزل مقصود تک پہنچانے کا کافی ذریعہ - لیکن یہ آنہی کو منزل تک پہنچا سکتا ہے جو اسکی اطاعت اختیار کریں - جو اس کے مطابق زندگی بسر کریں - اسلئے کہ اِنَّ فِیْ ھٰذَا لَبَلٰغاً لِّقَوْمٍ عٰبِدِیْنَ ($\frac{۲۱}{۱۰۶}$) - "یہ اسی قوم کیلئے بلاغ ہے جو قوانین خداوندی کی اطاعت اختیار کرے" - یہ چیز انسان کے اپنے اختیار پر چھوڑ دی گئی ہے کہ وہ قرآن کی بتائی ہوئی صحیح روش پر چلے یا کسی دوسری (غلط) روش پر - کسی کو کسی خاص روش پر چلنے کیلئے مجبور نہیں کیا جا سکتا - اگر مجبور کرنا ہوتا تو خدا انسانوں کو پیدا ہی اس انداز سے کر دیتا کہ وہ اس روش کے سوا کوئی دوسری روش اختیار نہ کر سکتے، جسطرح کائنات کی دوسری چیزیں قوانین فطرت پر چلنے کیلئے مجبور ہیں - اسلئے رسولوں کا کام پیغامات خداوندی انسانوں تک پہنچا دینا ہے - انہیں زبردستی ان پیغامات پر چلانا نہیں - فَھَلْ عَلَی الرُّسُلِ اِلَّا الْبَلٰغُ الْمُبِیْنُ ($\frac{۱۶}{۳۵}$) - "رسولوں کے ذمہ اسکے سوا اور کچھ نہیں کہ وہ قانون خداوندی کو نکھار کر پہنچا دیں" -

بَالِغَةٌ - پہنچنے والی ($\frac{۶۸}{۳۹}$) -

ب ل و

بَلَاءٌ - اِبْتِلَاءٌ - راغب نے کہا ہے کہ اس لفظ کے دو معنے ہیں۔ (۱) کسی کا حال معلوم کرنا یعنے اسکے متعلق جو باتیں معلوم نہ ہوں انہیں معلوم کرنا اور (۲) کسی چیز کی اصلی حالت کا ظاہر ہونا - خواہ وہ اچھی ہو یا بری - جب یہ لفظ خدا کیلئے استعمال ہوگا تو وہاں صرف دوسرے معنی مراد ہونگے - کیونکہ خدا علام الغیوب ہے اسلئے اسکے متعلق یہ تصور بھی نہیں کیا جا سکتا کہ وہ کسی کی حالت سے بے خبر ہے*۔

لہذا اس لفظ کے بنیادی معنے حالات کا معلوم کرنا یا اصل حقیقت کا ظاہر کرنا ہیں -

بَلِيَ - يَبْلىٰ - کے معنے کپڑے کا بوسیدہ ہو جانا یا پرانا ہو کر گھس جانا بھی ہیں****۔ اس لئے کہ اسطرح گھس کر اسکی اندرونی حالت نمایاں طور پر سامنے آ جاتی ہے - لہذا بَلَاءٌ کے معنے ہیں مشکلات و مصائب کے وقت انسان کی حقیقی سیرت اور مضمر کیفیتوں کا ظاہر ہو جانا - لیکن یہ ضروری نہیں کہ ہر چیز کی اصلی حالت خراب ہی ہو۔ وہ حالت اچھی بھی ہو سکتی ہے - اسلئے مذکورہ صدر معنی کے برعکس بَلَاءٌ کے معنے ہونگے خوشحالی اور آسائش کے وقت انسان کی حقیقی سیرت کی نمود - انسان کی حقیقی سیرت اور اصلی ذہنیت کی نمود کے دونوں مواقع ہوتے ہیں —— نامساعد حالات اور کامیابیوں اور کامرانیوں کا دور —— انہی مواقع پر اس کی ذات کی نمود ہوتی ہے۔

اَلْمُبَالَاةُ کے معنے منافست و مفاخرت کے ہیں - یعنے ایک دوسرے کے مقابلہ میں زندگی کے خوشگوار پہلوؤں پر فخر کرنا**۔ نیز اِبْتِلَاءٌ کے معنے انتخاب کرنا - پسند کرنا بھی ہیں***۔

سورۃ بقرۃ میں بنی اسرائیل سے کہا گیا ہے کہ قوم فرعون تمہیں طرح طرح کے عذاب میں مبتلا رکھا کرتی تھی - ہم نے تمہیں انکے پنجۂ استبداد سے نجات دلائی - وَفِيْ ذٰلِكُمْ بَلَاءٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ عَظِيْمٌ (۲/۴۹) ان کے مظالم سے نجات نے تمہارے لئے یہ ظاہر کرنے کا موقع بہم پہنچا دیا کہ آزادی ملنے پر تم کیسے کام کرتے ہو۔ سورۃ انفال میں ہے کہ خدا نے بدر کے میدان میں جماعت مومنین کو کامیابی عطا کی - لِيُبْلِيَ الْمُؤْمِنِيْنَ مِنْهُ بَلَاءً حَسَنًا (۸/۱۷) - تا کہ وہ زندگی کی کامرانیوں سے

---

* تاج وراغب **محیط - ***تاج - ****بعض ارباب لغت نے بلو (ب-ل-و) اور بلی (ب-ل-ی) کو ایک ہی جگہ لکھ دیا ہے - لیکن ہم نے بلی کو الگ بھی لکھا ہے - اگرچہ ان دونوں میں بہت لطیف فرق ہے اور بعض اوقات ان میں تمیز بھی بمشکل ہوتی ہے۔

انہیں یہ مواقع بہم پہنچادے کہ وہ دنیا کو بتا دیں کہ حکومت ملنے پر وہ کس قسم کے کام کرتے ہیں ۔ سورۃ دخان میں بنی اسرائیل کے متعلق ہے کہ ہم نے انہیں اقوام عالم پر برگزیدگی عطا کی اور انہیں وہ کچھ دیا مَافِیْهِ بَلٰٓؤٌا مُّبِیْنٌ (۳۳/۴۴) جس میں ان کی نمود ذات کے مواقع تھے۔

ظاہر کر دینے کے معنوں میں یہ لفظ سورۃ الطارق میں آیا ہے جہاں کہا ہے یَوْمَ تُبْلَی السَّرَآئِرُ (۹/۸۶) ''جس دن تمام چھپی ہوئی باتیں ظاہر ہو جائینگی،،۔ سورۃ آل عمران میں ہے لِیَبْتَلِیَ اللّٰهُ مَا فِیْ صُدُوْرِکُمْ (۱۵۳/۳) ''تا کہ اللہ ان باتوں کو ظاہر کر دے جو تمہارے سینوں میں تھیں،،۔ سورۃ یونس میں هُنَالِکَ تَبْلُوْا کُلُّ نَفْسٍ مَّا اَسْلَفَتْ (۳۰/۱۰)۔ ''وہاں ہر شخص اپنے ان اعمال کو سامنے موجود دیکھیگا جو اسنے اس سے پہلے کئے تھے،،۔ سورۃ المومنون میں قوم نوح کے احوال و کوائف بیان کرنے کے بعد کہا ہے اِنْ کُنَّا لَمُبْتَلِیْنَ (۳۰/۲۳) ''ہم (اقوام سابقہ کی ان سر گزشتوں کو اس طرح) ظاہر کرتے رہتے ہیں،،۔

دنیا میں حق و باطل کی کشمکش جاری ہے ۔ کشمکش میں زندگی کے مختلف پہلو بدل بدل کر سامنے آتے رہتے ہیں۔ کبھی مشقتوں کے ہمت آزما پہلو اور کبھی خوشگواریوں کے سکون افزا پہلو ۔ اس طریق کو بھی قرآن نے ابْتَلٰی کے لفظ سے تعبیر کیا ہے ۔ یعنے زندگی کے مختلف پہلوؤں کا سامنے آتے رہنا ۔ سورۃ الفجر میں یہ مفہوم نمایاں طور پر سامنے آ جاتا ہے (دیکھئے ۸۹/۱۵-۱۶)۔ اس سے مقصد یہ ہوتا ہے کہ انسان خود دیکھ لے، پرکھ لے کہ اسکی صلاحیتیں کس حد تک نشو و نما پا چکی ہیں ۔ کیونکہ وہ مزاحمتوں کا مقابلہ اسی حد تک کر سکیگا جس حد تک اسکی مضمر قوتیں بیدار ہو چکی ہونگی یہ حوادث جن سے اس کا مقابلہ ہوتا ہے در حقیقت اسکی نمود ذات کے مواقع ہوتے ہیں ۔ یہ ہے مفہوم ابْتِلَآءٌ کا ۔ سورۃ بقرہ میں ہے۔ وَاِذِ ابْتَلٰٓی اِبْرَاهِیْمَ رَبُّهٗ بِکَلِمٰتٍ (۱۲۴/۲) '' جب اسکے نشو نما دینے والے (رب) نے ابراهیم[ؑ] کیلئے مختلف قوانین کے ذریعے اسکی نمود ذات کے مواقع بہم پہنچائے '' ۔جب قوانین خدا وندی کے مطابق زندگی کے مختلف حوادث اسکے سامنے آئے تا کہ وہ دیکھ سکے کہ اس کی صلاحیتیں کس حد تک نشو و نما پاچکی ہیں۔ جسطرح ابراہیم[ؑ] نے ان حوادث کا مقابلہ کیا (اسنے Re-act کیا) اس سے واضح ہو گیا کہ اسکی صلاحیتیں تکمیل تک پہنچ چکی تھیں ۔ انکی پوری پوری نشو و نما ہو چکی تھی ۔ فَاَتَمَّهُنَّ (۱۲۴/۲)۔

ان مقامات سے واضح ہے کہ جس چیز کو ہم اِبْتِلَاءَ یعنے خدا کیطرف سے آزمائش کہتے ہیں وہ قرآنی تصور نہیں۔ خدا کسی کو آزماتا نہیں۔ وہ ایسے مواقع بہم پہنچاتا ہے جس سے انسان خود اپنی صلاحیتوں کو آزمائے اور دیکھے کہ وہ کس حد تک نشو و نما پا چکی ہیں۔ اور اسطرح اپنے آپ کا اندازہ کرتا ہوا اپنی صلاحیتیوں کی مزید نشو وبالیدگی کیلئے کوشش کرتا جائے۔

سورۃ الدّھر میں اِبْتَلٰی کے لفظ کو قرآن نے ایسے موقع پر استعمال کیا ہے جس سے مضمر جوہروں کے محسوس شکل میں سامنے آ جانے کا مفہوم واضح ہو جاتا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ انسان کی پیدائش، مرد اور عورت کے نطفہ کے امتزاج سے ہوتی ہے۔ نطفہ ایسے باریک جرثوموں پر مشتمل ہوتا ہے جو خوردبین کے بغیر نظر بھی نہیں آ سکتے لیکن انہیں جرثوموں میں پورے کا پورا انسانی بچہ چھپا ہوتا ہے۔ اس حقیقت کی وضاحت کیلئے قرآن کہتا ہے اِنَّا خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ نُّطْفَةٍ اَمْشَاجٍ نَّبْتَلِيْهِ فَجَعَلْنٰهُ سَمِيْعاً بَصِيْراً ($\frac{۷۶}{۲}$)۔ ”ہم نے انسان کی پیدائش (کی ابتداء) ایک ملے جلے نطفہ سے کی اور ایسا انتظام کیا کہ رحم مادر میں اس کے مضمر جوہروں کی نمود ہوتی جائے تاآنکہ وہ ایک سننے اور دیکھنے والا انسانی بچہ بن جائے،،۔

یہ ہے اِبْتِلَاءَ کا صحیح نقشہ۔ مضمر جوہروں کا محسوس شکل میں سامنے آ جانا۔ ان کی نمود ہو جانا۔

بَلٰی۔ (حرف)

بَلٰی۔ سوال نفی میں ہو اور اس سوال کی تردید مقصود ہو تو اسوقت بَلٰی آتا ہے۔ مثلاً اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ۔ ”کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں،،؟ یہ سوال نفی میں ہے۔ اسکا جواب ہے قَالُوْا بَلٰی ($\frac{۷}{۱۷۲}$)۔ ”انہوں نے کہا کہ کیوں نہیں! تو ہمارا رب ہے،،۔ یا مثلاً۔ اَمْ يَحْسَبُوْنَ اَنَّا لَا نَسْمَعُ سِرَّهُمْ وَنَجْوٰاهُمْ۔ ”کیا یہ سمجھتے ہیں کہ ہم ان کی پوشیدہ باتوں اور مخفی مشوروں کو سنتے نہیں“۔ بَلٰی۔ کیوں نہیں۔ ہم ضرور سنتے ہیں ($\frac{۴۳}{۸۰}$)۔

(۲) یا سوال نہ بھی ہو، ویسے ہی نفی کی تردید مقصود ہو۔ جیسے وَاَقْسَمُوْا بِاللّٰهِ جَهْدَ اَيْمَانِهِمْ لَا يَبْعَثُ اللّٰهُ مَنْ يَّمُوْتُ۔ یہ

اللہ کی قسمیں اور سخت قسمیں کھا کھا کر کہتے ہیں کہ جو مر جاتا ہے اللہ اسے زندہ نہیں کرتا ۔ بَلٰی ۔ یہ بالکل غلط کہتے ہیں ۔ وَعْدًا عَلَيْهِ حَقًّا (۱۶/۳۸) ۔ یہ اس کا وعدہ (قانون) ہے (کہ مرنے کے بعد زندگی ہوگی) جسکا پورا ہونا ضروری ہے ۔ یہاں بَلٰی نے پہلے ٹکڑے کی تردید کردی (نیز ۔ ۱۶/۳۸) ۔ اسی طرح سورۃ بقرۃ میں ہے کہ یہود و نصاریٰ کہتے ہیں کہ جب تک کوئی شخص ان کی گروہ بندیوں میں داخل نہ ہو وہ جنت میں نہیں جا سکتا۔ اس کے بعد ہے ۔ بَلٰی ، مَنْ اَسْلَمَ وَجْهَهٗ لِلّٰهِ ... (۲/۱۱۲) ۔ نہیں ۔ یہ غلط ہے ۔ حقیقت یہ ہے ۔ کہ جو شخص بھی اپنے آپ کو قانون خداوندی (قرآن) کے سامنے جھکادے .... وہ جنت میں جا سکتا ہے ۔

ب ل ی

بَلِیَ يَبْلٰی بِلًی اَلثَّوْبُ ۔ کپڑا پرانا اور خستہ ہوگیا۔ اسطرح پرانا ہو کر کمزور اور جھڑا ہو جانے والے کپڑے کو بالٍ کہا جائیگا*۔ قرآن کریم میں ہے مُلْكٍ لَّا يَبْلٰی (۲۰/۱۲۱) ۔ ایسی حکومت جس میں زوال و انحطاط رونما نہ ہو۔ ایسی مملکت جو ہمیشہ تازہ بتازہ رہے اور اس میں کہنگی اور خستگی کے آثار پیدا نہ ہوں۔

زندہ رہنے اور حیاتِ دوام حاصل کرنے کی آرزو ہر انسان میں ہے ۔ قرآن نے اپنے مخصوص تمثیلی انداز میں بیان کیا ہے کہ ابلیس نے انسان کے اس جذبہ کو (Exploit) کیا اور اس سے کہا هَلْ اَدُلُّكَ عَلٰی شَجَرَةِ الْخُلْدِ وَ مُلْكٍ لَّا يَبْلٰی (۲۰/۱۲۱)۔ ''کیا میں تجھے ہمیشگی کے درخت کا اور ایک ایسی حکومت کا جو کبھی پرانی نہ ہو، پتہ نشان دوں؟'' ۔ اس کے بعد قرآن نے نہایت لطیف اشارے سے بتایا ہے کہ ابلیس نے کہا کہ حیات جاوداں اولاد کے ذریعے حاصل کی جا سکتی ہے ۔ اس سے انسان کا نام روشن رہتا ہے ۔ لیکن یہ ابلیسی فریب ہے ۔ حیاتِ جاوید انسانی ذات کی نشوونما سے حاصل ہوتی ہے جس کیلئے قرآن نے خاص پروگرام دیا ہے (اس کو ایمان اور عمل صالح کہتے ہیں)۔ اولاد سے افزائش نسل ہوتی ہے ۔ فرد کی ذات کی نشو و نما نہیں ہوتی ۔ لیکن جو لوگ حیوانی سطح پر زندگی بسر کرتے ہیں وہ اسی کو بقائے دوام سمجھ لیتے ہیں ۔

---

* تاج و راغب و اقرب الموارد ۔

ب ن ن

بَنَّ بِالْمَكَانِ - يَبِنُّ - بَنًّا - کسی جگہ اقامت کرنا - ٹھہر جانا - آبَنَّتِ السَّحَابَةُ - بادل چند دن تک جما رہا - تَبَنَّنَ - وہ جما رہا - اَلْبَنَانُ - انگلیاں یا انگلیوں کے اطراف* (پورین اور بالائی سرے) اسلئے کہ انگلیوں ہی سے انسان کسی چیز کو مضبوطی سے پکڑتا ہے - (حقیقت یہ ہے کہ انگلیاں ، بالخصوص انگوٹھا پختہ گرفت کرنے کے لئے ایک اہم اور قوی عضو ہے جو انسان کو دیا گیا ہے) - لہذا انسانی قوت ، قبضہ کرنے کی طاقت اور محکم گرفت کیلئے اس لفظ کو بولا جاتا ہے - چنانچہ سورۃ انفال میں ہے وَاضْرِبُوْا مِنْهُمْ كُلَّ بَنَانٍ (۸/۱۲) - "ان کے ہر بنان پر مارو" - اسمیں اگرچہ بَنَانٌ کے معنے انگلیاں ہیں لیکن مراد اس سے ہر وہ شے ہے جس سے دشمنوں کی طاقت اور گرفت کی قدرت وابستہ ہو - سورۃ قیامۃ میں ہے بَلٰى قَادِرِيْنَ عَلٰى اَنْ نُّسَوِّىَ بَنَانَهٗ (۷۵/۴) - "ہم اس پر بھی قادر ہیں کہ انسان کے تمام اعضاء یا قوتوں کو مکمل کردیں - ہر اس چیز کو مکمل کردیں جس سے وہ دوسری چیزوں کی گرفت کرتا ہے - یعنے وہ تمام قوتیں جن سے انسانی اعمال سرزد ہوتے ہیں - ابن فارس نے کہا ہے کہ بَنَانٌ کے معنی ہاتھ پیر کے ہیں -

ب ن ی (ب-ن-و)

بِنَاءٌ کے معنی ہیں عمارت - جو چیز بھی تعمیر کی جائے - حتّٰی کہ ان خیموں کو بھی کہتے ہیں جن میں بدّو صحراؤں میں رہتے ہیں - نیز اسکے معنے چھت کے بھی ہوتے ہیں - ابو حنیفہ کا قول ہے کہ بِنَاءٌ در حقیقت ان چیزوں کو کہتے ہیں جن میں قوتِ نمو نہ ہو - یعنے (Inorganic) مثلاً پتھر مٹی وغیرہ - بَنَّاءٌ معمار کو کہتے ہیں - نیز (Architect) کو بھی - بَانٍ بھی عمارت بنانے والے کو کہتے ہیں جسکی جمع بُنَاۃٌ ہے - بَانِيَةٌ پسلی کی خمیدہ ھڈی کو بھی کہتے ہیں - بُنْيَانٌ دیوار کو کہتے ہیں (بعض کا خیال ہے کہ یہ جمع ہے) - اور بِنْيَةٌ طرز تعمیر کو - اَرْضٌ مَبْنِيَّةٌ اس زمین کو کہتے ہیں جس پر عمارت بنائی جائے** - ابن فارس نے کہا ہے کہ اس مادہ کے بنیادی معنی ہیں کسی چیز کے کچھ حصے کو دوسرے حصہ کے ساتھ ملا کر بنانا -

---

* تاج - ** تاج و لین -

اِبْنٌ - بیٹے کو کہتے ھیں - کیونکہ وہ بھی اپنے باپ کی عمارت ھوتا ھے* - یا اس لئے کہ اس میں کچھ حصہ باپ کا بھی شامل ھوتا ھے - اسکی جمع اَبْنَاءٌ وَ بَنُوْنَ ، بَنِیْنَ ھے - بِنْتٌ بیٹی - (جمع بَنَاتٌ) - تَبَنَّاہُ کے معنے ھیں کسی کو اپنا منہ بولا بیٹا بنالینا - نیز کسی چیز سے زیادہ ربط ضبط اور لگاؤ رکھنے والے، اوراس میں دلچسپی لینے والے کو بھی اِبْنٌ کہتے ھیں - مثلاً اِبْنُ حَرْبٍ (جنگجو) - یا اِبْنُ السَّبِیْلِ (مسافر)* -

قرآن کریم میں ھے اَلَّذِیْ جَعَلَ لَکُمُ الْاَرْضَ فِرَاشاً وَ السَّمَاءَ بِنَاءً (۲/۲۲) - "جس نے تمہارے لئے زمین کو نیچے بچھی ھوئی بنایا اور سماء کو اوپر چھایا ھؤا"۔ یہاں بِنَاءٌ بمقابلہ فراش آیا ھے - فراش نیچے بچھی ھوئی چیز کو کہتے ھیں اسلئے بِنَاءٌ کے معنے اوپر چھائی ھوئی چیز کے ھونگے - جیسے خیمہ - سورۃ نحل میں ھے فَاَتَی اللّٰہُ بُنْیَانَھُمْ مِنَ الْقَوَاعِدِ فَخَرَّ عَلَیْھِمُ السَّقْفُ (۱۶/۲۶) "اللہ نے ان کی عمارتوں کو بنیادوں سے گرا دیا سو ان کی چھتیں انکے اوپر آگریں"۔ یہاں بُنْیَانٌ کے معنے عمارت ھیں جن کے نیچے بنیادیں ھوں اور اوپر چھتیں -

قرآن کریم میں بنی اسرائیل کے قصہ میں اَبْنَاء بمقابلہ نِسَاء آیا ھے - مثلاً (۲/۴۹) میں ھے وَ یُذَبِّحُوْنَ اَبْنَاءَکُمْ وَ یَسْتَحْیُوْنَ نِسَاءَکُمْ "وہ تمہارے ابناء کو ذبح کر دیتے تھے اور تمہاری نساء کو زندہ رکھتے تھے"، یہاں یا تو نِسَاءٌ کے معنے بیٹیاں ھونگے - لہذا اَبْنَاءٌ کے معنی بیٹے - اور اگر نِسَاءٌ کے معنے عورتیں لئے جائیں تو اَبْنَاءٌ کے معنے مرد ھونگے - ان معانی کی تائید (۴/۱۲۰) سے بھی ھوتی ھے جہاں بَنِیْنَ (Males) کے مقابلہ میں اِنَاث (Females) آیا ھے - مجازی معنوں کے اعتبار سے اَبْنَاءٌ کے معنی قوم کے معزز افراد ھونگے (ابنائے قوم) -

(نیز دیکھئے عنوان ن - س - و)

سورۃ لقمان میں یٰبُنَیَّ آیا ھے (۳۱/۱۶) جس کے معنی ھیں "اے میرے ننھے بیٹے"۔ یہاں بُنَیَّ - اِبْنٌ کی تصغیر ھے -

بنی اسرائیل

حضرت یعقوبؑ (حضرت ابراھیمؑ کے پوتے) کا لقب اسرائیل (یعنی مردِ خدا) تھا - آپ کی اولاد سے جو نسل آگے بڑھی اسے بنی اسرائیل کہتے

* راغب -

ھیں۔آپ کے چوتھے بیٹے کا نام یہودہ (Juda) تھا۔یہودہ اور بن یامین کی نسل کا قبیلہ، فلسطین کے علاقہ (Juda) میں حکمران تھا ۔ اس قبیلہ کو اسی نسبت سے یہودی کہتے تھے اور باقی قبائل کو بنی اسرائیل ۔لیکن بعد میں عام طور پر یہ تفریق باقی نہ رہی اور بنی اسرائیل اور یہودی سے ایک ھی مفہوم لیاجانے لگا۔

حضرت یعقوب[ع] کا وطن کنعان (فلسطین) تھا لیکن جب حضرت یوسف[ع] مصر میں صاحبِ اقتدار ہو گئے تو انہوں نے اپنے والد اور تمام خاندان کو مصر بلا لیا۔حضرت یوسف[ع] کی وجہ سے مصر میں اس قبیلہ کی بڑی تعظیم و تکریم ہوئی۔ چار سو برس تک یہ مصر میں رہے اور جو قبیلہ چند نفوس پر مشتمل تھا اس عرصہ میں ایک کثیرالتعداد قوم بن گیا۔ لیکن اس کے ساتھ ھی یہ انقلاب بھی آیا کہ فراعنۂ مصر نے انہیں اپنا محکوم بنا لیا اور جو برتاؤ محکوموں کے ساتھ ہوتا ھے وہی ان کے ساتھ ہونے لگا۔ جب ان کی ذلت و پستی انتہا تک پہنچ گئی تو ان کی طرف حضرت موسیٰ[ع] مبعوث ہوئے جو انہیں فرعون کی غلامی سے نجات دلا کر پھر فلسطین کے میدانوں کی طرف لے گئے۔یہ واقعہ قریب ۱۶۰۰ ق-م کا ھے۔ یہاں انہوں نے بڑا عروج حاصل کیا۔ان میں حضرت داؤد[ع] اور حضرت سلیمان[ع] جیسے صاحب سطوت وشوکت نبی پیدا ہوئے۔ لیکن اس کے بعد اس قوم نے قوانین خداوندی سے سرکشی اختیار کرلی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ یہ تشتت و انتشار کے عذاب میں مبتلا ہو کر دن بدن کمزور ہوتی چلی گئی۔ ۵۹۹ ق-م میں بابل کے شاھنشاہ بنوکد نصر (بخت نصر) نے یروشلم (بیت المقدس) پر حملہ کیا اور یہودیوں کے اس ملی مرکز کی اینٹ سے اینٹ بجا دی۔ انہیں قید کرکے بابل لے گیا اور وھاں ذلیل ترین زندگی بسر کرنے پر مجبور کیا۔ (قرآن کریم نے یہودیوں کی اس پہلی تباھی کی طرف ($\frac{17}{5}$) میں اشارہ کیا ھے)۔قریب اسٹی سال تک یہ اس عذاب میں مبتلا رہے تاآنکہ فارس کے تین بڑے بڑے شاھنشاہ خورس (ذوالقرنین) دارا اور ارتخششتا یکے بعد دیگرے ان کی امداد کے لئے آمادہ ہو گئے۔ انہوں نے انہیں بابل کی قید سے رھائی دلا کر یوروشلم کی دوبارہ آبادی اور ھیکل کی تعمیر کی اجازت دے دی۔ چنانچہ ۵۱۵ ق-م میں ھیکل دوبارہ تعمیر ہو گیا اور آوارۂ وطن یہودی پھر اپنے ملی مرکز میں آباد ہو گئے۔ [قرآن نے اسکی طرف ($\frac{17}{6}$) میں اشارہ کیا ھے اور ($\frac{2}{259}$) میں اس سو سال کی "مدت" کو تمثیلی انداز میں بیان کیا ھے ۔

کچھ عرصہ کے بعد یہودیوں کی پھر وھی حالت ہو گئی۔چنانچہ ۳۳۲ ق-م میں پہلے اسکندر نے ان پر حملہ کرکے ان کا شیرازہ بکھیر دیا اور پھر ۳۲۰ ق-م

میں بطلیموس (Ptolemy) نے یروشلم پر قبضہ کرکے ان کی رہی سہی قوت کو بھی ختم کر دیا۔ انٹی گونس کے عہد میں یہ تمام علاقہ یونانیوں کے قبضہ میں چلا گیا۔ اسکے بعد ٦٦ ق۔م میں پاپئی (رومی) نے یروشلم کو تباہ کیا۔ ۵۰ ق۔م میں ایک اور یورش نے ان کے وقار کو یکسر ختم کردیا [قرآن کریم نے (۱۷/۷) میں اس دوسری تباہی کیطرف اشارہ کیا ہے]۔

اس مقام پر فطرت نے انہیں باز آفرینی کا ایک اور موقعہ دیا اور ان میں حضرت عیسیٰؑ مبعوث ہوئے۔ لیکن ہیکل کے مشائخ وعلماء نے حکومت کے ساتھ مل کر آپ کے خلاف سازش کی اور اسطرح اپنی تباہی پر خود اپنے ہاتھوں مہر ثبت کر دی۔ ۷۰ء میں رومیوں کے گورنر ٹائٹس نے ان پر آخری وار کیا جس سے (مرکزی حیثیت سے) ان کا نام و نشان تک مٹ گیا۔ انسائکلو پیڈیا برٹانیکا کے الفاظ میں۔

> ۷۰ء مہینے کی دسویں تاریخ کو ایسے خوف و ہراس کے عالم میں جس کی نظیر دنیا میں کہیں نہیں ملتی، سقوط یروشلم عمل میں آیا۔ ہیکل کو جلادیا گیا اور اسطرح یہودی سلطنت کا خاتمہ ہوگیا۔

یہودیوں کے علماء و مشائخ نے حضرت عیسیٰؑ کی مخالفت کیوں کی تھی اس کے متعلق انجیل برنباس کا یہ بیان قابل غور ہے۔ اس کتاب کی فصل ۱۴۲ میں لکھا ہے کہ

"تب ان لوگوں نے کاہنوں کے سردار کے ساتھ مشورہ کیا اور کہا، اگر یہ آدمی بادشاہ ہو گیا تو ہم کیا کریں گے۔ ہم پر یہ بڑی مصیبت ہوگی۔ اس لئے کہ وہ اللہ کی عبادت میں قدیم طریقہ کے مطابق اصلاح کرنا چاہتا ہے۔ اسوقت تو یہ ہماری تقالید (رسومات) کو باطل کرنے کی قوت نہیں رکھتا۔ لیکن (اگر اسے حکومت حاصل ہوگئی تو) اس کی حکومت کے ماتحت ہمارا کیا انجام ہوگا۔ یقیناً ہم اور ہماری اولاد سب تباہ ہو جائینگے۔ اس لئے کہ ہم اپنی خدمت سے نکال دئے جائینگے تو ہم مجبور ہونگے کہ اپنی روٹی عطیہ کے طور پر مانگیں۔ حالانکہ اسوقت خدا کا شکر ہے کہ ہمارا بادشاہ اور ہمارا حاکم دونوں ہماری شریعت سے اجنبی ہیں اور ہماری شریعت کی کوئی پرواہ کرنے والے نہیں ہیں جیسا کہ ہم ان کی شریعت کی کوئی پرواہ نہیں کرتے۔ اور اسی سبب سے ہم اسکی قدرت رکھتے ہیں کہ جو چاہے وہ کرلینگے۔ (اسوقت) اگر ہم غلطی کرتے ہیں تو ہمارا خدا رحیم ہے۔ قربانی اور روزہ

کے ساتھ اسے راضی کر لینا ممکن ہے۔ مگر جبکہ یہ آدمی ہمارا بادشاہ ہو گیا تو ہرگز راضی نہ کیا جاسکیگا مگر جب کہ اللہ کی عبادت ویسے ہی ہوتے نہ دیکھے جیسے موسیٰ ؑ نے لکھی ہے"۔

جس قوم کی یہ حالت ہو چکی ہو وہ اگر تباہی اور بربادی کے رسوا کن عذاب میں مبتلا نہ ہو تو اور کیا ہو؟ نبی اکرم ؐ کے دور رحمت مآب میں ان کے لئے پھر ایک موقعہ آیا تھا کہ نظام خداوندی کے اتباع سے شرفِ انسانیت کی سعادت حاصل کر لیں لیکن انہوں نے اپنی ضد اور قساوت قلبی کی بناء پر اس دعوت کی بھی انتہائی مخالفت کی اور بالآخر جزیرۃ العرب سے نکال دئے گئے (قرآن کریم نے اس کا ذکر (۵۹/۲) میں کیا ہے) اس کے بعد یہ قوم "آوارہ گرد یہودی" (Wandering Jews) کے نام سے دنیا میں مشہور ہوئی تاآنکہ اب بعض طاقتور سلطنتوں کے سیاسی مصالح نے ان کے لئے فلسطین میں "گھر" بنا دیا ہے۔ (چونکہ یہ حصہ ہمارے موضوع سے خارج ہے اس لئے ہم اس مقام پر اس تفصیل میں نہیں جانا چاہتے)۔

اس مقام پر اتنا بتا دینا ضروری ہے کہ یہودیوں کے ہاں مذہب نسلی (قومی) تھا۔ یعنی یہودی وہی ہو سکتا تھا جو یہودیوں کے گھر پیدا ہو۔ کوئی غیر بنی اسرائیلی یہودی مذہب اختیار نہیں کر سکتا تھا۔ صرف یہ ایک بات ہی اس امر کے ثابت کرنے کے لئے کافی ہے کہ یہ مذہب قطعاً وہ نہیں تھا جو ان کے انبیائے کرام کو خدا کیطرف سے ملا تھا۔ خدا کا دیا ہوا دین تمام نوع انسانی کے لئے ہوتا ہے۔ یہی وجہ تھی کہ جب ساحرین دربار فرعون حضرت موسیٰ ؑ پر ایمان لائے ہیں تو آپ نے انہیں یہ کہکر رد نہیں کر دیا کہ خدا پر ایمان صرف بنی اسرائیل کے لئے ہے۔ تم اس دین میں داخل نہیں ہو سکتے۔ لیکن بعد میں یہودیوں نے اسے قومی دین بنا لیا۔

(بنی اسرائیل کے متعلق مزید تفصیل میری کتاب "برق طور" میں ملیگی)

ب ہ ت

بَهِت - حیرت زدہ ہو جانا۔ متحیر ہو کر خاموش ہو جانا۔ اَلْبَهْتُ - کسی کو اچانک پکڑ لینا*۔ فَبُهِتَ الَّذِیْ کَفَرَ (۲/۲۵۸)۔ جس نے خدا کا انکار کیا تھا وہ اس دلیل قاطع کی گرفت میں اسطرح آ گیا کہ ششدر و حیران ہو کر خاموش رہ گیا۔ فَتَبْهَتُهُمْ (۲۱/۴۰) وہ انقلاب اسطرح اچانک آئیگا کہ

*تاج۔

انہیں مبہوت کر دیگا - بُهْتَانٌ کسی پر ایسا الزام لگا دینا جسے سنکر وہ ششدر و حیران رہ جائے - (۲۳/۱۶) - یعنی اِفْکٌ مُّبِیْنٌ - جھوٹی بات (۲۳/۱۲) -

سورۃ ممتحنہ میں یہ لفظ (بُهْتَانٌ) ہر عمل شنیع اور ناروا حرکت کے لئے آیا ہے جہاں کہا ہے وَلَا یَاْتِیْنَ بِبُهْتَانٍ یَّفْتَرِیْنَهٗ (۶۰/۱۲) ''اور نہ کوئی بہتان باندھ لائینگی،، - یعنی کسی عمل شنیع کی مرتکب نہیں ہونگی -

ب ھ ج

اَلْبَهْجَةُ - حسن و جمال - نباتات میں ترو تازگی اور انسانوں میں خندہ روئی اور بشاشت کے لئے یہ لفظ استعمال ہوتا ہے - اَلْاِبْتِهَاجُ - خوشی اور سرور - تَبَاهَجَ الرَّوْضُ - باغ میں پھول بہت کھل گئے - سورۃ حج میں ہے - وَاَنْبَتَتْ مِنْ كُلِّ زَوْجٍ بَهِيْجٍ (۲۲/۵) ''اور زمین ہر قسم کے ترو تازہ اور حسین و خوشنما پودے اگاتی ہے،، - سورۃ نمل میں ہے - حَدَائِقَ ذَاتَ بَهْجَةٍ (۲۷/۶۰) - ''حسین و خوشنما باغات،، -

ب ھ ل

اَبْهَلَهٗ - اسے اسکی رائے اور ارادہ میں آزاد چھوڑ دیا - اَبْهَلَ النَّاقَةَ - اونٹنی کو تھن باندھے بغیر چھوڑ دیا کہ جسکے جی میں آئے اسکا دودھ دوہ کرے جائے - یا بغیر مہار کے چھوڑ دیا کہ وہ جہاں سے چاہے چرتی رہے - اِسْتَبْهَلَ الْوَالِي الرَّعِيَّةَ - حاکم نے رعایا کو آزاد چھوڑ دیا کہ وہ جو جی میں آئے کرے* - چنانچہ راغب نے کہا ہے کہ بَهْلٌ کے اصلی معنے کسی چیز کا اس حال میں ہونا ہے کہ اسکی دیکھ بھال نہ کی جائے - اسے اسکے حال پر چھوڑ دیا جائے - راغب نے اَلْاِبْتِهَالُ فِی الدُّعَاءِ کے معنے کھل کر عاجزی سے دعا کرتے رہنا بھی لکھے ہیں** - اَلْبَهْلُ مِنَ الْمَالِ - کے معنے تھوڑا سا مال ہیں - اَلْبَهْلُ تھوڑی سی حقیر چیز* - ابن فارس نے اس کے بنیادی معنوں میں پانی کی کمی کو بھی شامل کیا ہے -

قرآن کریم میں یہ لفظ (۳/۶۰) میں آیا ہے جہاں رسول اللہؐ سے کہا گیا ہے کہ اگر یہ اہل کتاب ان دلائل و براہین کے بعد بھی نہ مانیں تو ان سے کہو کہ ہم اور ہمارے اہل و عیال ایک طرف ہوجاتے ہیں اور تم اور

*تاج - ** راغب

تمہارے اہل و عیال ایک طرف ہو جائیں - (ثُمَّ نَبْتَہِلْ) - اور اسطرح فَنَجْعَلْ لَعْنَتَ اللّٰہِ عَلَی الْکٰذِبِیْنَ (۳/۶۰) - اسکے معنے یہ ہوسکتے ہیں کہ اس کے بعد تمہارے اور ہمارے درمیان یہ معاملہ ہونا چاہئے کہ تم ہمارے معاشرہ میں دخیل نہ ہو اور ہم تم لوگوں سے کچھ واسطہ نہ رکھیں (یعنی ایک دوسرے کو اس کی فکر ورائے میں آزاد چھوڑ دیا جائے) اور طرفین اپنی اپنی جگہ اپنا پروگرام مکمل کرتے جائیں - اس کے بعد یہ پتہ چل جائیگا کہ کونسی جماعت خدا کی نوازشوں سے محروم (یعنی ملعون) ہو جاتی ہے، (لعنت کے یہی معنی ہیں) بس وہی اپنے دعویٰ میں جھوٹی ہوگی- یہ وہی بات ہے جسے دوسرے مقامات پر ان الفاظ میں کہا گیا ہے کہ وَاهْجُرْهُمْ هَجْرًا جَمِيْلًا (۷۳/۱۰) - (نیز فَاصْفَحِ الصَّفْحَ الْجَمِيْلَ (۱۵/۸۵) ، "نہایت عمدگی سے ان سے کنارہ کش ہوتے ہوئے انہیں چھوڑ دے"- اور اسکے بعد ان سے کہدے کہ اِعْمَلُوْا عَلٰی مَكَانَتِكُمْ اِنِّیْ عَامِلٌ فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ مَنْ تَكُوْنُ لَهٗ عَاقِبَةُ الدَّارِ اِنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الظّٰلِمُوْنَ (۳/۱۳۶) - "تم اپنی جگہ کام کرتے جاؤ اور میں اپنی جگہ کام کرتا ہوں - نتائج خود بتا دینگے کہ آخرالامر کامرانی کس کے حصہ میں آتی ہے- اس سے خدا کے اس قانون کی صداقت واضح ہو جائیگی کہ ظالمین کی کھیتیاں کبھی ثمر بار نہیں ہوا کرتیں"- یہی لعنۃ اللہ علی الکاذبین ہے-

رسول کے انقلاب آفرینی کے پروگرام میں پہلا مرحلہ تبلیغ کا ہوتا ہے- دوسرا مرحلہ ان لوگوں سے حسن کارانہ انداز سے کنارہ کشی کا ہوتا ہے جو اپنی ضد اور ہٹ دھرمی کی بنا پر اس پیغام کی مخالفت کرتے ہیں - اس مرحلہ میں ان سے صرف اتنا کہا جاتا ہے کہ تم میرے پروگرام میں دخل نہ دو، میں تمہارے معاملات میں دخل نہیں دیتا - اسی کو سورۃ آل عمران میں نَبْتَہِلْ سے تعبیر کیا گیا ہے - اور تیسرا مرحلہ تصادم (ٹکراؤ) کا ہوتا ہے جب نتائج نکل کر سامنے آجاتے ہیں - یعنی فلاح اور لعنت کے بیّن طور پر سامنے آجانے کا مرحلہ -

ب ہ م

اَلْبُهْمَةُ - ٹھوس چٹان - اس سے اَلْاَبْهَمُ ٹھوس اور بند چیز - گونگا - نیز غیر واضح - غیر فصیح کو کہتے ہیں - اور بُهْمَةٌ مشکل معاملہ کو جو سمجھ میں نہ آسکے - اَبْهَمَ الْاَمْرُ اِبْهَامًا - معاملہ غیر واضح ہو

*تاج - **راغب -

گیا اور سمجھ میں نہ آسکا کہ اسے کسطرح حل کیا جائے - حَائِطٌ مُبْهَمٌ - اس دیوار کو کہتے ھیں جسمیں کوئی دروازہ نہ ھو* - ابن فارس نے کہا ھے کہ اس کے بنیادی معنی ھیں کسی چیز کا اسطرح ھو جانا کہ اسکی طرف جانے کا راستہ نہ ملے - یعنی غیر واضح اور مبہم ھو جانا -

گونگے ہونے اور وضاحت سے کلام نہ کرسکنے کے اعتبار سے بَهَائِمُ (واحد اَلْبَهِيْمَةُ) تمام بے عقل اور بے زبان جانوروں کو کہتے ھیں کیونکہ وہ بول نہیں سکتے یا انکی آواز میں ابہام ھوتا ھے اور اس سے بات سمجھ میں نہیں آسکتی - اس میں تمام جانورشامل ھوتے ھیں خواہ وہ دریا ھی میں کیوں نہ ھوں - لیکن صاحب محیط اور راغب دونوں نے لکھا ھے کہ درندے اور پرندے اسمیں شامل نہیں ھوتے* - قرآن کریم نے کہا ھے اُحِلَّتْ لَكُمْ بَهِيْمَةُ الْاَنْعَامِ اِلَّا مَا يُتْلٰى عَلَيْكُمْ (۵/۱) - تمہارے لئے بَهِيْمَةُ الْاَنْعَامِ حلال قرار دیئے گئے ھیں ، بجز ان کے جنہیں خود وحی (قرآن) کی رو سے حرام قرار دیا گیا ھے - (۵/۳) - اسکے مفہوم کیلئے (ن - ع - م کے عنوان میں اَنْعَامٌ دیکھئے)

ب و أ

بَاءَ - يَبُوْءُ - بَوْاً - کے بنیادی معنے ھیں کسی کی طرف لوٹنا - رجوع کرنا - موافق و مطابق ھو جانا - اقرار واعتراف کرنا - بوجھ اٹھانا - برابر سرابر ھو جانا** - قرآن کریم میں ھے وَ بَاءُوْا بِغَضَبٍ مِنَ اللّٰهِ (۲/۶۱) "وہ اللہ کے غضب کے مستحق ھو گئے اور اسے لادے ہوئے پلٹے"، وہ اپنے اعمال کی وجہ سے سزا کے مستوجب ھو گئے - انکے اعمال ، اور ذلت و رسوائی کی عقوبت، ایک دوسرے کے ساتھ بالکل فِٹ (موافق) ھو گئے -

سورۃ المائدہ میں فرزندانِ آدم کے قصے میں کہا گیا ھے کہ مظلوم نے ظالم سے کہا اِنِّيْ اُرِيْدُ اَنْ تَبُوْءَ بِاِثْمِيْ وَ اِثْمِكَ (۵/۲۹) - "میں چاھتا ھوں کہ تو میرے قتل کے جرم اور اپنے دیگر جرائم کا بوجھ اٹھا لے"، - انکی سزا کا مستحق بن جائے -

اَلْمَبَاءَةُ - چھتہ کو کہتے ھیں - نیز اس کے معنے ھیں مکان - قیام گاہ** - بَوَّاَ الْمَكَانَ : وہ کسی جگہ ٹھیرا ، اترا - بَوَّاَهُ الْمَنْزِلَ اسے کسی جگہ اتارا ، ٹھہرایا - (لازم و متعدی) - نیز بَوَّاَهُ مَنْزِلاً کے معنی ھیں اس کے لئے کسی

* تاج - راغب - محیط - ** تاج

جگہ کو موافق و سازگار بنایا ، ہموار اور درست کیا ***۔ راغب نے بھی اس مادہ کے معنوں میں کسی جگہ کے اجزاء کا ہموار ہونا، سازگار و مناسب ہونا بتایا ہے ۔ بَوَّأْتُ لَہٗ مَکَاناً ۔ میں نے اسکے لئے کسی جگہ کو ہموار و درست کیا** ۔ سورۃ حج میں ہے ۔ وَاِذْ بَوَّأْنَا لِاِبْرَاهِيْمَ مَكَانَ الْبَيْتِ (۲۲/۲۶) ۔ اسکے معنے یہ بھی ہیں کہ ابراہیمؑ کیلئے خانہ کعبہ کی جگہ کو متعین کیا، اسے ان کے لئے سازگار و ہموار کیا۔ اور یہ بھی کہ اس مقام کو انکے لئے مرجع بنا دیا ۔ تَبَوَّأَ الْمَكَانَ : کسی جگہ اترا اور وہاں اقامت کی***۔ سورۃ حشر میں ہے وَالَّذِيْنَ تَبَوَّؤُا الدَّارَ وَالْاِيْمَانَ مِنْ قَبْلِهِمْ (۵۹/۹) ۔ ''جن لوگوں نے ان سے پہلے مدینہ کو قیام گاہ بنا لیا اور ایمان کو اپنے دل میں محکم جگہ دے لی،، ۔

ب و ب

بَابٌ ۔ داخل ہونے کی جگہ* دروازہ، اسکی جمع اَبْوَابٌ ہے۔ مزارعت (کھیتی باڑی) میں ان جگہوں کو بھی اَبْوَابٌ کہتے ہیں جہاں سے پانی کھولا جائے** ۔

هٰذَا بَابَتُہٗ ۔ یہ اسکے مناسب ہے ۔ اس کے لائق ہے ۔ یا اسکی شرط ہے* ۔

اَبْوَابُ السَّمَاءِ (۷/۴۰) ۔ خیر و برکت کی راہیں ۔

اَبْوَابَ جَهَنَّمَ (۱۶/۲۹) ۔ جہنم کے طبقات۔ درجات (نیز ۱۵/۴۴) ۔ اَبْوَابَ كُلِّ شَيْءٍ (۶/۴۴) ۔ ہر طرح کی راحت کے اسباب و سامان ۔

سورۃ بقرہ میں مکان کے دروازوں (اَبْوَابٌ) کے مقابلہ میں ظُهُوْرِهَا (۲/۱۸۹) ''پچھواڑے،، آیا ہے ۔

ب و ر

اَلْبَوْرُ ۔ غیر آباد زمین جس میں کھیتی نہ کی گئی ہو۔ ناقابل کاشت زمین ۔ ابن فارس نے اس کے بنیادی معنی ہلاکت اور تعطل لکھے ہیں ۔

بَارَ عَمَلُہٗ ۔ اسکا عمل بیکار گیا*** ۔ قرآن کریم میں ہے ۔ وَمَكْرُ اُولٰٓئِكَ هُوَ يَبُوْرُ (۳۵/۱۰) ۔ ''انکی تدبیر بیکار جائیگی،، ۔ بے نتیجہ رہ جائیگی۔ بَارَتِ السُّوْقُ بازار مندا پڑ گیا*** ۔ قرآن میں ہے تِجَارَةً لَّنْ تَبُوْرَ (۳۵/۲۹) ۔ ''ایسی تجارت جو مندی نہ پڑے،، ۔ جس میں خسارہ نہو۔ اَلْبُوْرُ

*تاج ۔ **محیط ۔ ***تاج ۔ محیط ۔ راغب

نکمے، بے فیض، نقصان اٹھانے والے، تباہ و برباد ہو جانے والے* - وَكَانُوْا قَوْمًا بُوْرًا (۱۸/۲۵) - ''وہ ہلاک ہونے والی قوم تھی،، - اَلْبَوَارُ - تباھی، بربادی، مندا پن - بَوَارُ الْاَيِّمِ - کنواری یا بیوہ لڑکی کا اس لئے گھر میں بیٹھا رھنا کہ اس کے لئے کوئی پیغام نہ آئے - قرآن کریم میں ھے - وَاَحَلُّوْا قَوْمَهُمْ دَارَ الْبَوَارِ (۲۸/۱۴) - وہ اپنی قوم کو ایسی جگہ لے آئے جہاں اس جنس کاسد کا کوئی گاھک نہو - جہاں کوئی اس کی بات تک نہ پوچھے - جہاں اسے کوئی ''پیغام،، نہ دے - جہاں یہ سخت خسارہ میں ھو - جہاں اسکے لئے تباھی اور ھلاکت سامانی ھو - راھنماؤں کی غلط اندیشیوں اور مفاد پرستیوں سے قومیں ایسے ھی مقام میں پہنچ جاتی ھیں - اسے قرآن نے جَهَنَّمُ کہکر پکارا ھے (۲۹/۱۴) - پوری آیات کا ترجمہ یہ ھے - ''کیا تونے ان لوگوں کی حالت پر بھی غور کیا جنھوں نے نعمت خداوندی کی جگہ کفر اختیار کر لیا اور اپنے کاروانِ ملت کو اس منڈی میں جا اتارا جہاں اس جنس کا کوئی خریدار نہ ھو - یعنی جہنم میں - اور اس میں وہ داخل ھو گئے - اور وہ بہت بری جگہ ٹھہرنے کی ھے،، - جو لیڈر، نعمائے خداوندی کی قدر نہیں کرتے وہ اپنی قوم کو تباھی اور بربادی کے جہنم میں لے آتے ھیں جہاں لیڈر اور ان کے متبعین، سب تباہ و برباد ھو جاتے ھیں - قرآن کریم نے ''جہنم،، میں لیڈروں اور ان کے متبعین کے باھمی مکالمات بڑی تفصیل سے بیان کئے ھیں - یہ مقامات بڑے عبرت انگیز ھیں - (دیکھئے (۲۱/۱۴ و ۶۷/۳۳ و ۳۲/۳۴ و ۲۹/۳۷ و ۳۷/۴۰ و ۶۰/۳۸) -

ب و ل

اَلْبَالُ - وہ حالت جسکے متعلق کچھ فکر یا پرواہ کی جائے - گرانقدر اور مہتم بالشان معاملہ جس میں جی اٹکا رھے - انسان کا دل - دل میں گزرنے والا خیال - نیز آرزو اور تمنا* - سورۃ یوسف میں ھے مَا بَالُ النِّسْوَةِ (۵۰/۱۲) - ''ان عورتوں کی حالت کیا ھے،، - ان کا معاملہ کیا ھے - بَالٌ کہنے سے مطلب یہ ھے کہ اس معاملہ کو خاص اھمیت حاصل تھی - حضرتِ یوسفؑ کو اسکی فکر تھی - سورۃ محمد میں ھے وَاَصْلَحَ بَالَهُمْ (۲/۴۷) - ''خدا ان کے حالات اور معاملات کو سنوار دیگا،، -

ب ی ت

بَيْتٌ - راغب نے کہا ھے کہ بَيْتٌ اصل میں اس جگہ کو کہتے ھیں جس میں انسان رات میں پناہ لے - لیکن اسکے بعد یہ لفظ گھر اور مکان کے معنوں میں استعمال ھونے لگا** -

---

*تاج - محیط - راغب - **راغب -

بَیْتُ الرَّجُلِ ۔ آدمی کی بیوی نیز اس کے بال بچوں کو کہتے ھیں ۔ اور اَلْبَیْتُ شرف کو*۔ اَلْبَیْتُ کے معنے شادی کرنا بھی ھیں*۔

بَاتَ ۔ یَبِیْتُ ۔ رات بھر کوئی کام کرنا ۔ اسکے معنے سونا اور آرام کرنا نہیں ھیں ۔ لیکن زجاج نے کہا ھے کہ ھر وہ شخص جو کہیں رات گزارے اسکے لئے بَاتَ کہنا صحیح ھے خواہ وہ رات کو سوئے یا کام کرے۔ بَیَّتَ اْلاَمْرَ کے معنے ھیں کام کی تدبیر رات کے وقت کرنا ۔ یا کام کو رات کے وقت کرنا ۔ بَیَّتَ الْقَوْمَ ۔ قوم پر رات کے وقت حملہ کرنا*۔ اَلْبَیْتُ غذا ۔ اَلْبَائِتُ ۔ باسی (جو تازہ نہ ھو)**۔

سورۃ بقرہ میں اَلْبَیْتُ خانۂ کعبہ کیلئے آیا ھے (۲/۱۲۵)۔ سورۃ الفرقان میں یُبَیِّتُوْنَ (۲۵/٦۴) راتوں کو مشورہ کرنے کے معنوں میں آیا ھے یا رات گزارنے کے معنوں میں ۔ اور (۲۷/۴۹) میں یہ لفظ رات کے وقت حملہ کرنے کے معنوں میں آیا ھے ۔

بَیَاتاً (۷/۴) راتوں رات ۔

ب ی د

بَادَ ۔ یَبِیْدُ ۔ کسی چیز کا جاتے رھنا ۔ ختم ھو جانا ۔ ھلاک ھو جانا ۔ بَادَتِ الشَّمْسُ بُیُوْداً ۔ آفتاب غروب ھوگیا۔ اصل میں اَلْبَیْدَاءُ لق و دق جنگل یا صحراء کو کہتے ھیں جس میں سفر کرنا موجب ھلاکت ھو۔ بَادَ الشَّیْءُ کے معنے ھیں وہ چیز متفرق اور منتشر ھو گئی ۔ اسی سے اسکے معنے جاتے رھنے اور برباد ھو جانے کے آتے ھیں ۔ اَبَادَهُ اللّٰهُ ۔ خدا نے اسے ھلاک کر دیا***۔ سورۃ کہف میں ھے مَاۤ اَظُنُّ اَنْ تَبِیْدَ هٰذِهٖۤ اَبَدًا (۱۸/۳۵) ۔ ''میں گمان تک نہیں کرتا تھا کہ یہ کبھی برباد ھوگا،، ۔ اَلْبَائِدُ ھلاک ھونے والا**۔

ب ی ض

اْلاَبْیَضُ ۔ سفید۔(جمع بِیْضٌ اورمؤنث بَیْضَاءُ)۔ اَلْبَیَاضُ ۔ سفیدی۔ یہ اَسْوَدُ اور سَوَادٌ کی ضد ھے*۔ چونکہ عربوں کے ھاں بَیَاضٌ افضل ترین رنگ تھا اسلئے وہ فضل و کرم اور عمدہ خصائل کو بیاض سے تعبیر کرتے تھے ۔ چنانچہ جو شخص کسی عیب کے ساتھ آلودہ نہ ھو وہ اَبْیَضُ الْوَجْهِ

*تاج ۔ **محیط ۔ ***تاج و راغب ۔

کہلاتا تھا** - نیز اس سے مراد زندگی کی بشاشت اور شگفتگی ہوتی ہے - چنانچہ قرآن کریم میں ہے یَوْمَ تَبْيَضُّ وُجُوهٌ وَتَسْوَدُّ وُجُوهٌ (۳/۱۰۵) "جس دن کچھ چہرے سفید ہونگے اور کچھ چہرے سیاہ،، - اس میں تَبْيَضُّ سے مراد زندگی کی مسرتیں حاصل ہونا ہیں، جسطرح تَسْوَدُّ سے مراد حزن و غم ہے** - اَلْبَيْضَةُ - انڈا - نیز ہر چیز کی اصل اور مقام اجتماع - اجتماعی قوت - بنیاد - مقامِ حکومت و تسلط - جماعت - قبیلہ* - اَلْيَدُ الْبَيْضَاءُ - وہ حجت جس پر دلیل و برہان قائم ہو - یعنے روشن اور واضح دلیل - نیز وہ ہاتھ جو کسی کو کچھ دیکر احسان نہ جتائے - جو بلا سوال دے* - صاحب محیط نے اسکے معنے لکھے ہیں نعمت - قدرت - فخر - جودت - شہرت** - قرآن کریم میں، حضرت موسیٰؑ کے قصے میں "ید بیضاء،، کا ذکر متعدد مقامات میں آیا ہے (مثلاً ۷/۱۰۷ و ۲۰/۲۲ و ۲۶/۳۳ و ۲۸/۳۲) اس کے مجازی معنی روشن اور واضح دلائل کے ہیں - صاحب لطائف اللغۃ نے بھی ان معانی کی تائید کی ہے -

قرآن کریم نے جنتی عورتوں کے متعلق کہا ہے کَاَنَّهُنَّ بَيْضٌ مَّكْنُونٌ (۳۷/۴۹) یوں سمجھو جیسے وہ محفوظ رکھے ہوئے "انڈے،، ہیں - سفید - شفاف - بے داغ - گوہر آبدار - کَاَنَّهُنَّ الْيَاقُوتُ وَالْمَرْجَانُ (۵۵/۵۸) - "گو یا وہ یا قوت اور مرجان ہیں،، - وہ عفت مآب جنہیں (شادی سے قبل) کسی نے چھؤا تک نہ ہو (۵۵/۵۶) - عفت و عصمت اور شرف و مجد کی مالک خواتین -

اِبْيَضَّتْ یا بَيَّضَتْ کے معنے ہیں بھر جانا - آنکھوں میں آنسو بھر جانا - اِبْيَضَّتْ عَيْنَاهُ - اسکی آنکھیں آنسؤں سے بھر گئیں*** - سورۃ یوسف میں حضرت یعقوبؑ کے متعلق ہے وَابْيَضَّتْ عَيْنَاهُ مِنَ الْحُزْنِ (۱۲/۸۴) - اسکے یہی معنے ہیں - یعنی غم کی وجہ سے ان کی آنکھیں آنسؤں سے بھری رہتی تھیں -

ب ی ع

بَاعَ - يَبِيعُ - بَيْعاً - کسی چیز کو فروخت کردینا یا خرید لینا - دونوں معنوں میں آتا ہے -

*تاج - **محیط - ***رازی -

سورۃ بقرۃ میں ہے یَوْمٌ لَا بَیْعٌ فِیْہِ (۲/۲۵۴) "جس دن خرید و فروخت نہیں ہوگی" اسی سورۃ میں آگے چل کر ہے۔ وَاَحَلَّ اللّٰہُ الْبَیْعَ وَحَرَّمَ الرِّبٰوا (۲/۲۷۵) "خدا نے بیع کو حلال قرار دیا ہے اور ربوٰ کو حرام ٹھہرایا ہے"۔ آگے چل کر (جہاں لین دین کے معاملات کے متعلق احکام دئیے گئے ہیں) کہا گیا ہے کہ اَنْ تَکُوْنَ تِجَارَۃً حَاضِرَۃً (۲/۲۸۲) "نقد تجارت کی صورت میں لکھنے کی ضرورت نہیں" وَاَشْھِدُوْٓا اِذَا تَبَایَعْتُمْ (۲/۲۸۲) "جب باہمی بیع کا معاملہ ہو تو اس پر گواہ ٹھہراؤ"۔ (اور لکھو بھی۔ سباق سے مترشح ہوتا ہے کہ یہاں اس خرید و فروخت کیطرف اشارہ ہے جو نقد نہ ہو) اس سے معلوم ہوا کہ تجارت اور بیع میں فرق ہے۔ اس کی تائید سورۃ نور سے بھی ہوتی ہے جہاں کہا گیا ہے رِجَالٌ لَّا تُلْھِیْھِمْ تِجَارَۃٌ وَّلَا بَیْعٌ عَنْ ذِکْرِ اللّٰہِ (۲۴/۳۷)۔ ایسے لوگ جنہیں تجارت اور بیع اللہ کے ذکر سے غافل نہیں کرتی"۔ آجکل کی اصطلاح میں ان دونوں میں فرق یہ سمجھئے کہ بَیْعٌ تو عام خرید و فروخت کو کہینگے "تجارۃ" اسے جسے انگریزی میں (Trade or Commerce) کہتے ہیں*۔ یا تجارت، پیشہ ورانہ سوداگری کو کہینگے اور بَیْعٌ میں عام تبادلۂ اشیاء آجائیگا۔

اس آیت کو پھر سامنے لائیے جس میں کہا گیا ہے کہ "خدا نے بیع کو حلال قرار دیا ہے اور ربوٰ کو حرام"۔ (۲/۲۷۵) "ربوٰ" کے متعلق گفتگو متعلقہ عنوان میں کی جائیگی۔ یہاں یہ سمجھ لینا ضروری ہے کہ قرآن کریم کی رو سے "بیع" کسے کہتے ہیں۔ ہمارے ہاں عام تصور یہ ہے (اور اسی کے مطابق عمل بھی ہوتا ہے) کہ بیع، یعنی خرید و فروخت میں جسقدر منافع لے لیا جائے وہ جائز ہے۔ یہ صحیح نہیں۔ سورۂ تطفیف میں ہے۔ وَیْلٌ لِّلْمُطَفِّفِیْنَ۔ اَلَّذِیْنَ اِذَا اکْتَالُوْا عَلَی النَّاسِ یَسْتَوْفُوْنَ وَاِذَا کَالُوْھُمْ اَوْ وَّزَنُوْھُمْ یُخْسِرُوْنَ (۸۳/۱-۳)۔ اس کا عام ترجمہ یہ ہے۔ "تباہی ہے ان کے لئے جو کمی کرتے ہیں۔ یعنی ان کے لئے کہ وہ جب دوسروں سے لیتے ہیں تو پورا ماپ لیتے ہیں۔ اور جب دوسروں کو ماپ یا تول کر دیتے ہیں تو کم دیتے ہیں"۔ ان آیات کا یہی مفہوم نہیں کہ "ماپ تول پورا رکھنا چاہئے"۔ یہ آیات، قرآنی نظام معیشت کے ایک بہت بڑے اصول کو بیان کرتی ہیں۔ ہمارے ہاں ہوتا یہ ہے کہ (مثلاً) ایک

*لین۔

کاریگر جوتا بنا کر دوکاندار کے پاس لاتا ہے۔ دوکاندار کی انتہائی کوشش یہ ہوتی ہے کہ اسے کم سے کم دام دیکر جوتا خریدے۔ پھر جب اسی جوتے کا گاھک آتا ھے تو دوکاندار اس سے زیادہ سے زیادہ دام وصول کرنے کی کوشش کرتا ھے۔یہ وہ تاجرانہ ذھنیت ھے جسے قرآن کریم نے تباھی کا موجب بتایا ھے اور اس کمائی کو ''تطفیف'' کہکر پکارا ھے۔ یہ دوکاندار، کاریگر کو کم از کم دام کیوں دیتا ھے؟ یا یوں کہئے کہ کاریگر، کم از کم داموں پر اپنی چیز بیچنے پر کیوں مجبور ھوجاتا ھے؟ اس لئے کہ اس کے پاس ''سرمایہ'' نہیں۔ لہذا یہ ''منافع'' (جو اسطرح گاھک سے وصول کیا جاتا ھے) سرمایہ پر بڑھوتی ھے جو جائز نہیں ھوسکتی۔

اب سوال یہ ھے کہ دوکاندار کو کسقدر منافع لینا جائز ھے۔ اس کا جواب آسان ھے۔ دوکاندار ایک تو سرمایہ لگاتا ھے اور دوسرے دن بھر دوکان پر بیٹھکر محنت کرتا ھے۔ قرآن کریم کی رو سے اصول یہ ھے کہ لَیْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰی (۵۳/۳۹) ''انسان کے لئے وھی ھے جس کے لئے وہ محنت کرے''۔ لہذا یہ دوکاندار اپنی محنت (Labour) کے معاوضہ کا حقدار ھے۔ سرمایہ پر زیادہ لینے کا حقدار نہیں۔ اس کے لئے یہ مقرر ھونا چاھئیے کہ اس دوکاندار کی دن بھر کی محنت کا معاوضہ کیا ھونا چاھئے۔ وہ اس کاروبار میں سے اس سے زیادہ نہیں لے سکتا۔ یعنی وہ گاھک سے ''رأس المال + اپنی محنت'' لے سکتا ھے۔ معاشیات میں قرآن کریم کا اصول یہ ھے کہ لَا تَظْلِمُوْنَ وَلَا تُظْلَمُوْنَ (۲/۲۷۹) ''نہ تم کسی کو نقصان پہنچاؤ۔ نہ تمہیں نقصان پہنچایا جائے''۔ نہ تم کسی پر زیادتی کرو۔ نہ تم پر زیادتی کی جائے۔ ربوٰ میں چونکہ محنت کچھ نہیں ھوتی۔ صرف سرمایہ پر بڑھوتی لی جاتی ھے، اسلئے اس میں صرف رأس المال کا واپس لینا جائز ھے (۲/۲۷۹)۔ اور بیع میں چونکہ ساتھ محنت بھی ھوتی ھے اسلئے اسمیں رأس المال اور محنت کا معاوضہ لینا حلال ھے۔ اس سے زیادہ نہیں۔ یہ صورت بھی اسوقت تک ھوگی جب تک قرآن کا معاشی نظام اپنی مکمل شکل میں قائم نہیں ھوتا۔ اسوقت تمام افراد کی ضروریات زندگی کی ذمہ داری معاشرہ (مملکت) پر ھوگی اور اشیاء کے تبادلہ میں منافع لینے کا سوال ھی پیدا نہیں ھوگا۔

لہذا جس کاروبار میں صرف سرمایہ سے آمدنی ھو جائے اسلامی معاشرہ میں وہ جائز نہیں ھوگا۔ بیع اور ربوٰ میں فرق یہ ھے کہ بیع میں سرمایہ کے ساتھ محنت بھی ھوتی ھے اور ربوٰ میں فقط سرمایا ھوتا ھے۔ بیع میں محنت کا معاوضہ لیا جا سکتا ھے۔

بَيْعٌ کے معنی باھمی معاھدہ کے بھی ھوتے ھیں* - قرآن کریم کی رُو سے مؤمن اور اس کے خدا کے درمیان خرید و فروخت کا معاملہ ھوتا ھے جس کی تفصیل یہ ھے کہ اِنَّ اللّٰهَ اشْتَرٰى مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اَنْفُسَهُمْ وَ اَمْوَالَهُمْ بِاَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ (۹/۱۱۱) ''بے شک اللہ نے مومنوں سے انکی جانوں اور مالوں کا سودا جنت کے عوض کرلیا ھے'' - ظاھر ھے کہ اس معاھدہ کی رُو سے نہ مال افراد کی ذاتی ملکیت میں رھتا ھے، نہ وہ اپنی جان کے آپ مالک ھوتے ھیں - یہ دونوں ان کے پاس بطور امانت رھتے ھیں - ان کے معاوضہ میں انھیں اس دنیا میں بھی جنتی زندگی دیدی جاتی ھے اور آخرت میں بھی (تفصیل میری کتاب ''نظام ربوبیت'' میں ملیگی) - عملاً یہ معاھدہ اُس نظام کے مرکز کے ساتھ ھوتا ھے جو دنیا میں خدا کے قوانین کو نافذ کرنے کے لئے مُتشکل ھوتا ھے (سب سے پہلے رسول اللہ؆ کے ساتھ اور حضور؆ کے بعد خلافت علیٰ منہاج رسالت کے ساتھ جو ھمیشہ قائم کی جاسکتی ھے) یہی وہ معاھدہ ھے جو شروع میں اسلام لاتے وقت کیا جاتا ھے، جیسا کہ سورۃ ممتحنہ میں آیا ھے يٰاَيُّهَا النَّبِيُّ اِذَا جَآءَكَ الْمُؤْمِنٰتُ يُبَايِعْنَكَ .... (۶۰/۱۲) ''اے نبی جب مومن عورتیں تیرے پاس اس معاھدہ کے لئے آئیں'' - اور جس کی تجدید اسوقت ھوتی ھے جب اس نظام کو سخت مشکلات کا سامنا ھو اور جماعت مؤمنین کو سربکف میدان میں نکل آنا پڑے - یہ وہ بیعت تھی جو جماعت مؤمنین نے حدیبیہ کے مقام پر کی تھی اور جس کا ذکر سورہ فتح میں ان الفاظ میں آیا ھے - اِنَّ الَّذِيْنَ يُبَايِعُوْنَكَ اِنَّمَا يُبَايِعُوْنَ اللّٰهَ يَدُ اللّٰهِ فَوْقَ اَيْدِيْهِمْ (۴۸/۱۰) - ''جو لوگ تجھ سے بیعت (معاھدہ) کرتے ھیں وہ درحقیقت اللہ سے معاھدہ کرتے ھیں - ان کے ھاتھ پر (بظاھر تمہارا ھاتھ لیکن درحقیقت) اللہ کا ھاتھ ھوتا ھے'' - آپ نے دیکھا کہ جو معاھدہ خدا کے ساتھ کیا جانا ھو اسکی عملی شکل کیا ھوتی ھے؟ یعنی وہ معاھدہ اس نظام کے مرکز کے ساتھ کیا جاتا ھے جو قوانین خداوندی کی بنیادوں پر قائم ھو - یہ تھی وہ بیعت جو جان اور مال، یعنی سب کچھ دیکر جنت لینے کے لئے کی جاتی تھی - لیکن جب دین، مذھبِ خانقاھیت میں بدل گیا تو بیعت سے مفہوم رہ گیا ''پیری مریدی کی بیعت''!

یا وسعتِ افلاک میں تکبیر مسلسل
یا خاک کے آغوش میں تسبیح و مناجات
وہ مذھبِ مردانِ خود آگہ و خدا مست
یہ مذھبِ مُلا و نباتات و جمادات (اقبال)

* تاج

اَلْبِیْعَةُ - یہود کا کنیسہ یا نصاریٰ کی عبادت گاہ* (۲۲/۴۰) - صاحب لطائف اللغۃ نے کہا ہے کہ کنیسہ یہودیوں کی عبادتگاہ کو کہتے ہیں اور اَلْبِیْعَةُ نصاریٰ کی -

ب ی ن

اَلْبَیْنُ - جدائی، الگ الگ کرنا یا ہونا (لازم و متعدی) بعض لغویین کا خیال ہے کہ اس میں جدا ہونے اور ملنے کے متضاد معنی پائے جاتے ہیں، لیکن یہ خیال کمزور سا ہے - اس کا صحیح استعمال فَصْلٌ (الگ الگ کرنے) کیلئے ہوتا ہے - ابن فارس نے اس کے بنیادی معنی یہی لکھے ہیں- اَلْبِیْنُ دو زمینوں کے درمیانی فاصلہ یا حد کو کہتے ہیں - بَانُوْا بَیْناً - وہ جدا ہوگئے - بَانَ الشَّیْءُ - وہ چیز منقطع ہو گئی- ضَرَبَہُ فَاَبَانَ رَاْسَہُ - اسے مارا اور اسکا سر اس کے جسم سے الگ کردیا - طَلَاقٌ بَائِنٌ اس طلاق کو کہتے ہیں جس کے بعد میاں بیوی کے تعلقات منقطع ہو جائیں*- (واضح رہے کہ یہ ایک فقہی اصطلاح ہے - قرآن کی رو سے طلاق رشتہ مناکحت کو منقطع کر دینے کے فیصلہ کا نام ہے دیکھئے عنوان ط - ل - ق) بَیْنَ - دو چیزوں کے وسط اور درمیان کو کہتے ہیں*

اَلْبَیَانُ کے معنے ہیں کسی چیز کا کھل کر سامنے آجانا، واضح ہو جانا، نمودار ہوجانا - (اس میں لازم اورمتعدی دونوں معنے پائے جاتے ہیں)- بَیَّنَ الشَّجَرُ - درخت کے پتے نکل آئے - یا جو چیزیں سب سے پہلے نمودار ہوتی ہیں (شگوفے وغیرہ) وہ نمودار ہو گئیں - بَیَّنَ الْقَرْنُ - سینگ نکل آیا - صاحب محیط کے نزدیک وہ دلیل وغیرہ جس سے کوئی چیز آشکارا اور واضح ہوجائے بَیَانٌ کہلاتی ہے** - قرآن کریم میں تَبْیِیْنٌ بمقابلہ کَتْمٌ آیا ہے (۲/۱۵۹؛ ۳/۱۸۶) کَتَمَ کے معنے ہیں کسی چیز کو چھپا دینا - لہذا تَبْیِیْنٌ کے معنے ہوئے کسی چیز کا ظاہر کر دینا - نمایاں کر دینا - دوسری جگہ یہہ لفظ اِخْفَاءٌ (چھپانا) کے مقابلہ میں آیا ہے (۵/۱۵) - اسی جگہ قرآن کو کِتَابٌ مُّبِیْنٌ (۵/۱۵) کہا گیا ہے - حقائق مستورہ کو ظاہر کرنے والا ضابطہ حیات - یا وہ ضابطہ حیات جو کھلے کھلے حقائق اپنے اندر رکھتا ہے - جن حقائق کا تعلق دنیائے محسوسات سے ماوراء ہے انکا معلوم کرلینا انسان کے بس کی بات نہیں - وہ انسانی عقل کے دائرہ سے باہر ہوتے ہیں - انہیں خود خدا وحی کے ذریعے رسول پر

*تاج - ** محیط

منکشف کرتا ہے ۔ اسطرح حقیقت کو منکشف کردینے کا نام تَبْیَانٌ ہے ۔ اسی لئے قرآنی حقائق کو بَیِّنَاتٌ کہا گیا ہے ۔ یعنے وہ حقیقتیں جنہیں خدا نے خود ظاہر کیا ہے ۔ اگر وہ انہیں بَیَانٌ (ظاہر) نہ کرتا تو وہ مستور ہی رہتیں ۔

یہانتک اس مرحلہ کا ذکر ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے ان مستورہ حقائق کو بذریعہ وحی نبی اکرمؐ پر منکشف کیا ۔ اب اگلا مرحلہ دیکھئے ۔ اور وہ بھی بہت اہم ہے ۔

قرآن کریم کی رو سے خدا کیطرف سے انسانوں پر انکشاف حقیقت کا ایک ہی طریق ہے جسے وحی کہتے ہیں ۔ اور وحی ، حضرات انبیاءؑ کرام کے لئے مخصوص تھی ۔ لیکن انسانی ذہن نے غیر از انبیاء پر بھی انکشاف حقیقت کا تصور پیدا کر لیا اور اسے کشف والہام کا نام دیدیا (تفصیل کے لئے دیکھئے عنوان ل ہ م) ۔ اور کشف والہام کے متعلق یہ عقیدہ پیدا کر لیا کہ اس سے صرف وہی شخص کیف اندوز ہو سکتا ہے جس پر حقائق منکشف ہوں ۔ انہیں دوسروں تک منتقل نہیں کیا جا سکتا ۔ ''ذوق ایں بادہ ندانی بخدا تانہ چشی ،، اور ''کانرا کہ خبر شد خبرش باز نیاید ،، وغیرہ قسم کے اقوال اسی عقیدہ کے مظہر ہیں ۔ قرآن نے کہا ہے کہ یہ عقیدہ غلط ہے ۔ خدا کیطرف سے کشفِ حقیقت سے مقصود ہی یہ ہے کہ اسے دوسرے لوگوں پر بھی ظاہر کیا جائے ۔ یہ انکشاف حقائق ایک فرد (رسول) کے ذریعے تمام انسانوں کے لئے کیا جاتا ہے لہذا اس فرد (رسول) کا فریضہ ہے کہ اسے دوسروں پر ظاہر کرے ۔ اور جن پر اسے ظاہر کیا جائے ان کا فریضہ یہ ہے کہ غوروفکر سے اسے سمجھیں اور پھر دوسروں پر اس کا اظہار کریں ۔ یہی وہ عظیم حقیقت ہے جسے سورۃ نحل میں ان الفاظ میں بیان کیا گیا ہے کہ وَاَنْزَلْنَا اِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَيْهِمْ وَلَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ (۱٦/۴۴) ''اور ہم نے اس ضابطۂ قوانین کو تیری طرف نازل کیا ہے تا کہ جو کچھ لوگوں کیطرف نازل کیا گیا ہے تو اسے لوگوں پر ظاہر کر دے اور تا کہ وہ اس میں غوروفکر کریں ،، (نیز ۱٦/٦۴) ۔ یعنی قرآن نے یہ کہا ہے کہ ۔

(۱) خدا نے رسول کیطرف کتاب نازل کی ۔ (اَنْزَلْنَا اِلَيْكَ)

(۲) لیکن یہ کتاب درحقیقت تمام انسانوں کیطرف نازل کی گئی ہے (مَا نُزِّلَ اِلَيْهِمْ) ۔ اس لئے

(۳) رسول کا فریضہ ہے کہ اسے (اپنے تک ہی محدود نہ رکھے ، جیسا کہ

کشف و الہام کے غلط تصور کی بناء پر سمجھا جاتا تھا) بلکہ اسے لوگوں پر ظاہر کر دے۔(لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ)۔ اسے ان تک پہنچا دے۔ (بَلِّغْ مَا أُنْزِلَ إِلَيْكَ مِنْ رَبِّكَ ۔ ۔ ۔ ۵/۶۷)۔

(۴) جو لوگ اسے چھپاتے ہیں ان پر خدا کی لعنت ہے۔ چنانچہ سورۃ بقرۃ میں کہا گیا ہے۔ إِنَّ الَّذِينَ يَكْتُمُونَ مَا أَنْزَلْنَا مِنَ الْبَيِّنَاتِ وَالْهُدَىٰ مِنْ بَعْدِ مَا بَيَّنَّاهُ لِلنَّاسِ فِي الْكِتَابِ أُولَٰئِكَ يَلْعَنُهُمُ اللَّهُ وَيَلْعَنُهُمُ اللَّاعِنُونَ (۲/۱۵۹)۔ ” جو لوگ اسے چھپاتے ہیں جو ہم نے کھلی کھلی باتوں یعنی ہدایت سے نازل کیا ہے۔ بعد اس کے کہ ہم نے اُسے قرآن میں تمام لوگوں کے لئے ظاہر کر دیا ہے۔ تو ان لوگوں پر خدا کی لعنت اور تمام لعنت کرنے والوں کی لعنت ہے “ (لعنت کے لئے دیکھئے عنوان (ل ۔ ع ۔ ن)۔ اس کے بعد ہے۔ إِلَّا الَّذِينَ تَابُوا وَأَصْلَحُوا وَبَيَّنُوا فَأُولَٰئِكَ أَتُوبُ عَلَيْهِمْ ...... (۲/۱۶۰) ” مگر وہ لوگ جو اس روش سے باز آ گئے۔ اور انہوں نے اصلاح کر لی۔ اور ظاہر کر دیا (جو کچھ اللہ نے نازل کیا تھا)۔ تو یہ لوگ ہیں جن کی طرف میں لوٹ کر آ جاتا ہوں“۔

جو کتاب رسول اللہؐ کی طرف نازل کی گئی (یعنی قرآن کریم) اس کے متعلق بتا دیا کہ۔

(۱) وہ تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ ہے (۱۶/۸۹)۔ یعنی جن باتوں کو بذریعہ وحی دیا جانا مقصود تھا اس نے ان سب باتوں کو ظاہر کر دیا ہے۔ کوئی بات چھپی نہیں رہی۔ دوسری جگہ ہے كَذَٰلِكَ يُبَيِّنُ اللَّهُ آيَاتِهِ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَّقُونَ (۲/۱۸۷) ” اس طرح اللہ اپنے احکام کو لوگوں کے لئے ظاہر کر دیتا ہے تا کہ وہ ان کی نگہداشت کریں “۔

(۲) لہذا یہ کتاب تمام نوع انسانی کے لئے اظہار حقیقت ہے۔ هَٰذَا بَيَانٌ لِّلنَّاسِ (۳/۱۳۷)۔

(۳) اس میں صحیح اور غلط راستے بالکل ظاہر ہو گئے ہیں۔ قَدْ تَبَيَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَيِّ (۲/۲۵۶)۔

(۴) یہ كِتَابٌ مُّبِينٌ (۵/۱۵) ہے۔ یعنی بالکل واضح اور ظاہر۔ کھلے اور واضح راستے کو إِمَامٍ مُّبِينٍ (۱۵/۷۹) کہتے ہیں۔

(۵) یہ روشنی ہے ۔ قَدْ جَآءَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ نُوْرٌ وَّكِتَابٌ مُّبِيْنٌ (۵/۱۵) " یقیناً تمہارے پاس اللہ کی طرف سے نور (روشنی) یعنی واضح کتاب آ گئی"۔ روشنی اپنے آپ کو دکھانے کے لئے کسی چیز کی محتاج نہیں ہوتی ۔ وہ خود روشن ہوتی ہے اور ہر اس شخص پر جو آنکھوں سے کام لے دوسری چیزوں کو روشن کر دیتی ہے ۔ اس سے ہر شے نکھر کر سامنے آ جاتی ہے ۔ اس لئے اسے تَفْصِيْلَ كُلِّ شَيْءٍ (۱۲/۱۱۱) بھی کہا گیا ہے ۔ " تفصیل" کے معنی ہیں الگ الگ کر کے دکھا دینا (دیکھئے عنوان ف ۔ ص ۔ ل) ۔

یہ ہیں اس کتاب (قرآن) کی خصوصیات جسے اللہ تعالیٰ نے بوساطت نبی اکرمؐ تمام نوع انسانی کو دیا ۔ اس کے ساتھ ہی اس نے یہ بھی بتا دیا کہ قرآن کا انداز تَبْيِيْن کیا ہے ۔ سورۃ انعام میں ہے وَكَذٰلِكَ نُصَرِّفُ الْاٰيَاتِ وَلِيَقُوْلُوْا دَرَسْتَ وَلِنُبَيِّنَهٗ لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ (۶/۱۰۶) ۔"اس طرح ہم اس کی آیات کو پھیر پھیر کر لاتے ہیں تا کہ یہ کہیں کہ تو نے بات کو اچھی طرح ذہن نشین کرا دیا ۔ اور تا کہ ہم اسے ان لوگوں پر ظاہر کر دیں جو علم سے کام لیتے ہیں"۔ یعنی قرآن تصریف آیات سے تبیانِ حقیقت کرتا ہے اور اسے علم و فکر کی رُو سے سمجھا جاتا ہے ۔

اَلْبَيِّنَةُ کے معنی ہیں ایسی دلیل جو عقلی طور پر یا محسوس طور پر واضح ہو* ۔ جمع بَيِّنَاتٌ ہے ۔

قرآن کریم نے انسان کی ایک خصوصیت یہ بھی بتائی ہے عَلَّمَهُ الْبَيَانَ (۵۵/۳) ۔ اللہ نے اسے اظہارِ خیالات کی صلاحیت دی ہے ۔ یعنی یہ صلاحیت کہ وہ زبان اور قلم کے ذریعے اپنے مافی‌الضمیر کو دوسروں تک پہنچا سکے ۔ یہ خصوصیت انسان کو باقی حیوانات سے متمیز کرتی ہے اور انسانی تہذیب و تمدن اور عروج و ارتقاء کا بہت بڑا ذریعہ ہے ۔

بَيْنَ کے معنی ہیں درمیان ۔ فَاللّٰهُ يَحْكُمُ بَيْنَهُمْ (۲/۱۱۳) ۔ " اللہ ان کے درمیان فیصلہ کرتا ہے"۔ (بَيْنَ يَدَيْهِ کے لئے دیکھئے عنوان ی ۔ د ۔ ی) ۔

—:o:—

*تاج و راغب ۔

ت

ت ـ (حرف)

ت ـ یہ حرف جر ہے جو قسم کھانے کے معنوں میں آتا ہے ـ جیسے تَاللّٰہِ (۲۱/۵۷) ''اللہ کی قسم'' ـ الثعالبی نے (فقہ اللغہ میں) لکھا ہے کہ یہ ''تاء'' اللہ تعالیٰ کے اسماء کے علاوہ اور کہیں استعمال نہیں ہوتی ـ

قرآن کریم میں متعدد مقامات میں یٰاَبَتِ آیا ہے جس کے معنی ہیں ''اے میرے باپ'' (مثلاً ۱۲/۴) ـ یہاں تِ دراصل یِ کی جگہ آئی ہے ـ یہ صرف آب کے ساتھ خصوصیت ہے ـ

تَابُوْت

تَابُوْتٌ ـ صندوق *ـ (۲۰/۳۹) ـ راغب نے کہا ہے کہ اس کے معنے قلب اور سینے کے بھی ہیں **ـ لسان العرب سے بھی اسکی تائید ہوتی ہے ـ اس اعتبار سے (۲/۲۴۸) میں اسکے معنی ایسے قلب کے ہونگے جو سکون و اطمینان سے لبریز ہو اور اسمیں حضرت موسیٰ[ؑ] و ہارون[ؑ] کی تعلیم ہو اور اسے کائناتی قوتوں (ملائکہ) کی تائید حاصل ہوتا کہ اسمیں ثبات اور استقامت رہے ـ مراد یہ ہے کہ حضرت طالوت کو اس قسم کا قلب عطا ہوا تھا ـ اور اگر اس کے مجازی معنی نہ لئے جائیں تو اس سے مراد وہ تابوت ہے جس کا ذکر بائیبل میں آیا ہے ـ

(بعض کے نزدیک یہ تَابَ سے ہے ـ دیکھئے عنوان ت ـ و ـ ب)

ت ب ب

اَلتَّبُّ ـ خسارہ ـ اَلتَّبَابُ ـ اَلتَّبِیْبُ ـ اَلتَّتْبِیْبُ ـ نقصان اور خسارہ ـ ہلاکت اور تباہی ـ بربادی * ـ سورۃ ہود میں ہے وَمَازَادُوْہُمْ غَیْرَ تَتْبِیْبٍ (۱۱/۱۰۱) ـ ''اس سے انکا نقصان یا ہلاکت ہی زیادہ ہوئی'' ـ

---

*تاج ـ **راغب ـ

سورۃ المومن میں ہے وَمَا كَيْدُ فِرْعَوْنَ اِلَّا فِیْ تَبَابٍ (۴۰/۳۷)۔ ”فرعون کی تدبیر ہلاکت کے سوا اور کچھ نہ تھی“ ۔ تَبَّ فُلَانًا ۔ اس نے فلاں آدمی کو ہلاک کر دیا ۔ اِسْتَتَبَّ الرَّجُلُ ۔ آدمی ضعیف اور کمزور ہو گیا ۔ عاجز ہو گیا ** ۔ اَلتَّابُّ ۔ کمزور اور بوڑھا آدمی ۔ اونٹ یا گدھا جسکی کمر زخمی ہو گئی ہو اور اسطرح وہ کام کے قابل نہ رہے* ۔

قرآن کریم میں ہے تَبَّتْ يَدَا اَبِیْ لَهَبٍ وَّتَبَّ (۱۱۱/۱)۔ ”ابولہب کے دونوں ہاتھ تباہ ہو گئے اور وہ خود بھی ہلاک ہو گیا“ ۔ وہ خود بھی تباہ ہو گیا اور جس قوت کے بل پر وہ نظام خداوندی کی مخالفت کرتا تھا وہ بھی ختم ہو گئی ۔ وہ مقابلہ کرنے سے عاجز آ گیا ۔ تباہ و برباد ہو گیا ۔ سخت نقصان میں رہا ۔ (راغب کے الفاظ میں) مسلسل خسارہ میں رہا *** ۔

ت ب ر

اَلتِّبْرُ ۔ سونا ۔ بعض لوگوں نے کہا ہے کہ چاندی اور دیگر معدنیات کو بھی کہتے ہیں۔ بالخصوص اس حالت میں جبکہ انہیں کان سے نکالا جائے اور صاف کر کے ڈھالا نہ جائے ۔ اَلتَّبْرُ ۔ توڑ دینا ۔ ہلاک کر دینا * ۔ ابن فارس نے اس کے یہ دونوں معانی بنیادی لکھے ہیں ۔ وَكُلًّا تَبَّرْنَا تَتْبِيْرًا (۲۵/۳۹) ۔ ”ان سب کو ہم نے ٹکڑے ٹکڑے کر دیا“ ۔ ہلاک کر دیا ۔ تباہ و برباد کر دیا ۔ تَبَارًا (۷۱/۲۸) ۔ ہلاکت ۔ مُتَبَّرٌ (۷/۱۳۹)۔ ہلاک شدہ ۔ برباد شدہ ۔ ٹکڑے ٹکڑے کیا ہوا ۔

ت ب ع

تَبِعَ کے معنے ہیں پیچھے پیچھے چلنا ۔ بَقَرَةٌ مُتْبِعٌ اس گائے کو کہتے ہیں جس کا بچہ اس کے پیچھے پیچھے رہتا ہو ۔ اور اس کے پیچھے چلنے والے بچھڑے کو تَبِيْعٌ کہتے ہیں ۔ اَلتُّبَّعُ ۔ پیچھے چلنے والا (یہ تَابِعٌ کی جمع بھی ہے یعنی پیچھے چلنے والے) ۔ اَتْبَعْتُهُمْ ۔ میں ان کے پیچھے پیچھے چلا ۔ وہ مجھ سے آگے نکل گئے تھے لیکن میں نے انہیں جا لیا * ۔

قرآن کریم میں تَبِعَ کا لفظ عَصَى (سرکشی) کے مقابلے میں آیا ہے (۱۴/۳۶) ۔ لہذا اِتِّبَاعٌ کے معنے ہیں قوانین خداوندی کی اطاعت ۔ ان قوانین کو (Follow) کرنا ۔ اس کے برعکس وہ شخص ہے مَنْ يَّنْقَلِبُ عَلٰى عَقِبَيْهِ (۲/۱۴۳) ۔ ”جو پچھلے پاؤں واپس ہو جاتا ہے“ ۔

*تاج ۔ **محیط ۔ ***راغب ۔

دین چونکہ ایک اجتماعی نظام کا نام ہے اس لئے قوانین خداوندی کا اتباع انفرادی طور پر نہیں ہوگا بلکہ نظام کے تابع ہوگا - یہ نظام سب سے پہلے نبی اکرمؐ نے متشکل فرمایا تھا - اس لئے اتباع قوانین خداوندی آپؐ کے اتباع سے ہوتا تھا (۷/۱۵۷) - آپؐ کے بعد یہ نظام آگے چلا اس لئے اس نظام میں خلیفۃ الرسول کے اتباع نے وہی مقام لے لیا - یہی وجہ ہے جو قرآن کریم نے کہا ہے کہ حضورؐ کی وفات کے بعد تم پھر اپنی قدیم روش پر نہ چلے جانا بلکہ اس سلسلہ اتباع کو جاری رکھنا - دیکھئے (۳/۱۴۳) - واضح رہے کہ اتباع اور اطاعت میں ذرا سا فرق ہوتا ہے - جیسے پیروی اور فرمانبرداری میں - اس میں شبہ نہیں کہ اطاعت بھی اُس فرمانبرداری کو کہتے ہیں جو بطیب خاطر کی جائے لیکن اس میں حکم کا شائبہ یا کسی قدر قانونی تقاضا ضرور ہوتا ہے - لیکن اتباع میں انسان ، تَبِیْعٌ کی طرح ، بلا حکم و فرمان ، محبانہ جذبہ اور کشش سے کسی کے پیچھے پیچھے چلتا ہے -

اَلتَّابِعُ اور اَلتَّبِیْعُ - خادم کو کہتے ہیں* - تَابِعٌ کی جمع ، اَلتَّابِعِیْنَ (۲۴/۳۱) - لیکن (۱۷/۶۹) میں تَبِیْعًا کے معنے ہیں کسی کے خلاف مقدمہ کی پیروی کرنے والا - یا باز پرس کرنے والا - نیز مطالبہ یا تقاضا کرتے ہوئے پیچھے لگ جانے والا - سورۃ الشعراء میں اِتِّبَاعٌ کا لفظ جلوس نکالنے کے مفہوم میں استعمال ہوا ہے - یعنی فاتح ساحرین کو آگے رکھ کر ان کا جلوس نکالا جائے (۲۶/۴۰) -

تَتَابَعَ کے معنے ہیں ایک بات کے ساتھ ہی دوسری بات لے آنا - یکے بعد دیگرے (مسلسل) واقع ہونا - پے در پے واقع ہونا* - اَلتُّبَّعُ یمن کے بادشاہوں کا لقب تھا - کیونکہ وہ یکے بعد دیگرے تخت نشین ہوتے رہتے تھے* - قرآن کریم میں قوم تُبَّعٍ کا ذکر آیا ہے - (۵۰/۱۴) - اسے الگ عنوان میں بیان کیا گیا ہے - (دیکھئے عنوان تُبَّعٌ) -

کتاب الاشتقاق میں اَلتُّبَّعُ کے معنی اَلظِّلُّ (سایہ) دئے ہیں - شاید اس لئے کہ سایہ ، روشنی کے سرچشمہ کے پیچھے پیچھے چلتا ہے -

تبع

سورۃ قٓ میں ہے وَ اَصْحٰبُ الْاَیْکَۃِ وَ قَوْمُ تُبَّعٍ ؕ کُلٌّ کَذَّبَ الرُّسُلَ (۵۰/۱۴) - ’’اصحاب الاَیْکَۃ اور قوم تُبَّعٍ ، ان سب نے ہمارے رسولوں

*تاج -

کو جھٹلایا'' ۔ دوسری جگہ قریش کے ضمن میں کہا گیا ہے کہ آھُمْ خَیْرٌ آمْ قَوْمُ تُبَّعٍ (۴۴/۳۷) ''کیا (یہ قریش) بہتر ہیں یا قومِ تُبَّع'' ۔

تذکرہٗ حضرت سلیمانؑ میں بتایا گیا ہے کہ یمن کے مشرقی علاقہ میں سبا کی حکومت تھی ۔ اسی قوم کی ایک شاخ مغربی علاقہ پر حکمران تھی جسے حِمْیَرَ کہتے ہیں ۔ جب رومیوں نے اہل سبا کی تجارت کو تباہ کیا تو حمیر کا ستارہٗ اقبال چمک اٹھا اور وہ بڑی زبردست قوت اور دولت کے مالک بن گئے ۔ اس خاندان کے ایک بادشاہ نے اپنا لقب تُبَّع اختیار کیا جس کے معنی (حبشی زبان میں) سلطان کے ہیں ۔ یعنی غلبہ و استیلاء اور قوت وجبروت کا مالک ۔ یہ خاندان بھی (اہل سبا کیطرح) شروع میں کواکب پرست تھا لیکن بعد میں انہوں نے یہود کا مذہب اختیار کرلیا ۔ جب ذونواس کے زمانہ میں عیسائیوں نے اپنے مذہب کی تبلیغ شروع کی تو وہ سخت مشتعل ہوگیا ۔ اس نے عیسائیت کے مرکز نجران پر حملہ کر دیا ۔ پہلے تو اہل شہر قلعہ گزیں ہوگئے لیکن بالآخر شکست کھائی ۔ ذونواس کا تعصب بڑھ کر بربریت کی حد تک پہنچ گیا ۔ اس نے بڑے بڑے گڑھوں میں آگ جلائی اور عیسائیوں کو مجبور کیا کہ وہ یہودیت اختیار کریں ۔ جو اس سے انکار کرتا آگ کے گڑھے میں جھونک دیا جاتا ۔ قرآن کریم نے ذونواس کے اس سرکش لشکر کو آصْحابُ الْاُخْدُوْدِ کہا ہے اور ان کے اس ظلم کی سخت مذمت کی ہے (۸۵/۴-۹) ۔ اس لئے کہ قرآن کریم کا مقصد دنیا میں ظلم کو روکنا ہے خواہ وہ کسی کے ہاتھوں سے ہو اور کسی کے خلاف ہو ۔

ت ج ر

تِجَارَةٌ ۔ (پیشہ ورانہ) خرید و فروخت ۔ سودا گری ۔ کاروبار کو کہتے ہیں ۔ راغب نے تجارةٌ کے معنے نفع کمانے کےلئے راس المال کو کاروبار میں لگانا بتائے ہیں ۔ محیط نے تجارۃ کے معنے وہ مال بھی بتائے ہیں جس سے تجارت کی جائے ۔ تَاجِرٌ پیشہ ور خرید و فروخت کرنے والے کو کہتے ہیں ۔ عرب شراب بیچنے والے کو بھی تَاجِرٌ کہتے تھے* ۔ مجازاً کسی معاملہ میں مہارت اور ہوشیاری کو بھی تِجَارَةٌ کہتے ہیں اور حاذق و ماہر کو تَاجِرٌ* ۔

قرآن کریم میں ہے فَمَا رَبِحَتْ تِجَارَتُهُمْ (۲/۱۶) ۔ ''انکی خرید و فروخت (ہدایت کے بدلے گمراہی اختیار کرلینے) نے انہیں کوئی فائدہ نہ پہنچایا'' ۔

*تاج و محیط ۔

قرآن کریم نے ایمان (اسلام) کو بھی ایک قسم کی تجارت قرار دیا ہے جس میں بیع و شراء (خرید و فروخت) کا معاملہ ہوتا ہے۔ سورۃ توبہ میں ہے اِنَّ اللّٰهَ اشْتَرٰى مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اَنْفُسَهُمْ وَاَمْوَالَهُمْ بِاَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ ۔ ۔ ۔ (۹/۱۱۱)۔ ''یقیناً اللہ نے مومنین سے ان کی جان اور مال خرید لئے ہیں۔ اور ان کے بدلے میں انہیں جنت عطا کر دی ہے''۔ اس تجارت میں جماعتِ مومنین اپنی وہبی اور اکتسابی صلاحیتوں کے نتائج (جان اور مال) کو اس معاشرہ کے سپرد کر دیتے ہیں جو قوانین خداوندی کے مطابق متشکل ہوتا ہے اور یہ معاشرہ ان کے لئے دنیا میں جنتی زندگی کے سامان مہیا کر دیتا ہے (اور آخرت میں بھی انہیں جنت ملتی ہے)۔ یہی وہ تجارت ہے جس کے متعلق دوسری جگہ کہا ہے کہ يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا هَلْ اَدُلُّكُمْ عَلٰى تِجَارَةٍ تُنْجِيْكُمْ مِّنْ عَذَابٍ اَلِيْمٍ ۔ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَتُجَاهِدُوْنَ فِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِاَمْوَالِكُمْ وَاَنْفُسِكُمْ ۔ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ (۶۱/۱۰-۱۱)۔ ''اے جماعت مومنین! کیا میں تمہیں ایک ایسی تجارت کا پتہ نشان دوں جو تمہیں درد ناک عذاب سے نجات دلادے؟۔ (وہ تجارت یہ ہے کہ) تم اللہ اور رسول پر ایمان لاؤ۔ اور اپنی جان اور مال سے اللہ کی راہ میں جد و جہد کرو۔ اگر تم علم و بصیرت سے کام لوگے تو یہ حقیقت تم پر واضح ہو جائیگی کہ یہ تجارت تمہارے لئے کسقدر اچھی ہے''۔ اس تجارت کا ماحصل عام کاروبار سے کہیں زیادہ نفع رساں ہے (۶۲/۱۱)**۔

تبادلۂ اشیاء (خرید و فروخت) کے معاملہ میں کسقدر منافع کیا جاسکتا ہے، اس کے متعلق عنوان (ب۔ ی۔ ع) میں تفصیل سے بیان کیا جا چکا ہے۔ اصول یہ ہے کہ منافع صرف محنت کے معاوضہ کے برابر لیا جا سکتا ہے۔ سرمایہ پر کچھ نہیں لیا جاسکتا۔ یہی اصول تجارت پر بھی صادق آئے گا۔ اس اصول کی روشنی میں قرآن کریم کی اس آیت کا مفہوم سمجھ میں آجائیگا جس میں کہا گیا ہے کہ لَا تَاْكُلُوْٓا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ اِلَّآ اَنْ تَكُوْنَ تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ مِّنْكُمْ (۴/۲۹)۔ ''تم ایک دوسرے کا مال باطل طریق سے مت کھاؤ۔ سوائے اس کے کہ باہمی رضامندی سے تجارت ہو''۔ آجکل ''باہمی رضامندی سے تجارت'' سے مطلب یہ لیا جاتا ہے کہ تم جسقدر جی چاہے منافع گاہک سے طلب کرو اور کہدو کہ جی چاہے تو خرید و

*تاج و محیط۔ **تجارت اور بیع میں فرق کے لئے دیکھئے عنوان (ب۔ ی) ع۔

نہ جی چاہے نہ خریدو۔ اس کے بعد اگر وہ خرید لیتا ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ اتنا منافع دینے پر رضامند ہوگیا ہے۔ ایسا سمجھنا خود فریبی ہے۔ گاہک اپنی ضرورت سے مجبور ہو کر منہ مانگی قیمت دیتا ہے۔ یہ تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ مِّنْكُمْ نہیں کہلا سکتی۔ جب منافع صرف محنت کا معاوضہ ہو جسے معاشرہ متعین کر دے، تو اسے ہر شخص بہ طیب خاطر ادا کردیگا۔ اسے تراضیٔ مابین کہا جائیگا۔ پہلی شکل تو وہ ہے جس کے متعلق قرآن کریم نے (مندرجہ بالا آیت کے ساتھ) کہا ہے کہ وَلَا تَقْتُلُوْا اَنْفُسَكُمْ (۴/۲۹) "ایک دوسرے کو قتل مت کرو"۔ یا "اپنے لوگوں کو قتل مت کرو"۔ دوسرے کی مجبوری سے فائدہ اٹھا کر منہ مانگے دام لینا، اپنے لوگوں کو قتل کرنا ہے۔ محنت کا معاوضہ لینا ایسا اصول ہے جس میں لَا تَظْلِمُوْنَ وَلَا تُظْلَمُوْنَ (۲/۲۷۹) کی کیفیت پیدا ہوتی ہے۔ یعنی نہ تم کسی پر زیادتی کرو۔ نہ کوئی تم پر زیادتی کرے۔ تبادلۂ اشیاء کا طریقِ کار، معاشرہ میں ایک دوسرے کی زندگی بڑھانے کے لئے ہونا چاہئے۔ نہ کہ ایک دوسرے کو قتل کرنے کے لئے۔ اگر تجارت، قرآن کی مستقل اقدار کے راستے میں حائل ہوتی ہے تو اس کا انجام تباہی ہے۔ (۹/۲۴)۔

ت ح ت

تَحْتٌ۔ فَوْقٌ (اوپر) کی ضد ہے۔ یعنی نیچے۔ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهَارُ (۲/۲۵)۔ "جن کے نیچے نہریں جاری ہیں"۔

اَلتُّحُوْتُ تَحْتٌ کی جمع ہے جس کے معنے ہیں رذیل اور پست درجے کے لوگ*۔

راغب نے کہا ہے کہ تَحْتَ کسی شے کے نچلے حصے کو نہیں کہتے بلکہ اس سے الگ اس کے نیچے کی چیز کے لئے بولتے ہیں۔ اس کے برعکس، اَسْفَلٌ اُسی چیز کے نیچے کے حصے کو کہتے ہیں۔ یعنی جب ایک چیز کے نیچے کوئی دوسری چیز ہوگی تو اس وقت تَحْتٌ کہینگے۔ لیکن جب اسی چیز کا نچلا حصہ کہنا ہو تو اَسْفَلٌ کہینگے۔

ت ر ب

اَلتُّرْبُ۔ اَلتُّرَابُ۔ مٹی (عَلَيْهِ تُرَابٌ ۲/۲۶۴)۔ اس کی جمع

*تاج۔

اَتْرَبَۃٌ اور تِرْبَانٌ آتی ہے۔ مَتْرَبَۃٌ۔ مسکنت۔ افلاس۔ فاقہ۔ ذَامَتْرَبَۃٍ (۹۰/۱۶)۔ خاک آلود۔ حاجتمند۔ مصیبت زدہ*

جَمَلٌ تَرَبُوْتٌ۔ فرمانبردار اور سدھا ہوا اونٹ*

اَلتَّرَائِبُ۔ سینہ کی ہڈیاں (۸۶/۶)۔

اَلتِّرْبُ۔ ہم عمر۔ جمع اَتْرَابٌ۔ ابن فارس نے کہا ہے کہ ہمسر اور برابر کے لوگوں کو کہتے ہیں اور یہ اس کے بنیادی معنوں میں سے ہے۔ نیز اس کے معنی رفیق۔ حبیب۔ دوست اور سہیلی کے ہیں۔

قرآن کریم میں جنت کے سلسلہ میں عُرُبًا اَتْرَابًا (۵۶/۳۷)۔ یا کَوَاعِبَ اَتْرَابًا (۷۸/۳۳) کا ذکر آیا ہے۔ اسکے معنے عام طور پر ہم عمر بیویاں کئے جاتے ہیں لیکن دراصل اس کے معنے ایسے ساتھیوں کے ہیں جو عادات و اطوار میں ایک دوسرے سے مماثل (ملتے) ہوں*۔ ہم گل۔ ایک ہی مٹی کے بنے ہوئے۔ کَوَاعِبَ اَتْرَابًا اور عُرُبًا اَتْرَابًا میں اترابًا صفت ہے کَوَاعِبَ اور عُرُبًا کی۔ اس اعتبار سے اس کے معنی ایسی عورتیں ہونگے جو ہم مزاج اور مماثل ہوں۔ یہ ہم مزاجی اور مماثلت' عورتوں میں' ایک دوسرے کے ساتھ بھی ہو سکتی ہے۔ یعنی ان میں ایک دوسرے کے خلاف جذبات' عداوت و رقابت اور بیگانگی و مغایرت نہیں ہونگے بلکہ ان میں موافقت' خیالات و تصورات ہوگی۔ اور میاں بیوی میں باہمی موافقت اور مماثلت بھی مراد ہو سکتی ہے۔ یعنی ایسی عورتیں جو اپنے خاوندوں کے ہم مزاج و ہم خیال ہونگی۔ اخروی جنت میں ان تعلقات کی کیا کیفیت ہوگی، اس کا ہم اندازہ نہیں لگا سکتے۔ لیکن اس دنیا میں، میاں اور بیوی کا ہم مزاج و ہم خیال ہونا جسطرح گھر کو جنت بنا سکتا ہے وہ ظاہر ہے (۲/۲۳۱)۔ نیز چونکہ اَتْرَابٌ، ہمسر اور برابر کے لوگوں کو بھی کہتے ہیں، اس لئے اس میں برابری اور مساوات کا پہلو بھی نمایاں ہے۔ (اس کے لئے عنوان ز۔ و۔ ج بھی دیکھئے)۔

ت ر ف

اَلتُّرْفَۃُ۔ آسودگی اور فراخئی عیش۔ عمدہ چیز۔ خوشگوار کھانا۔ تَرِفَ۔ وہ آسودہ و خوش حال ہوا، اسے عیش و آرام کے سامان مل گئے۔

*تاج۔

اَتْرَفَ ۔ اسے خوش حال و آسودہ کیا ۔ اَلْمُتْرَفُ ۔ وہ شخص جو عیش و آرام کی زندگی گذار رہا ہو اور لذات و شہوات میں بڑھتا چلا جائے۔ جسے فراخی عیش اور آسودگی نے بدمست کر دیا ہو۔ بعض لوگوں نے اسکے معنے ایسے خوشحال کے کئے ہیں جس کے پاس کثرت سے دولت ہو اور وہ اسکی بناء پر لیڈر بن جائے ، اور جو کچھ کرے اس پر اسے ٹوکا نہ جائے ۔ نیز وہ شخص کہ جو کچھ اس کے جی میں آئے کرتا رہے اور اسے کوئی روکنے والا نہ ہو*۔ جو کثرتِ دولت کی بنا پر سرکشی اختیار کرے۔ اسکی جمع مُتْرَفُوْنَ اور مُتْرَفِیْنَ ہے*۔ اَتْرَفَ فُلَانٌ ۔ اسنے سرکشی اختیار کرلی اور نافرمانی میں بڑھتا چلا گیا ۔

مُتْرَفِیْنَ ۔ قرآن کریم کی اہم اصطلاح ہے ۔ اسنے کہا ہے کہ شروع ہی سے یہہ سلسلہ چلا آرہا ہے کہ خدا کی طرف سے جب بھی کوئی صحیح نظام کی طرف دعوت دینے والا آیا تو قوم کے مُتْرَفِیْن نے اس دعوت کی سخت مخالفت کی ۔ یہہ وہ لوگ ہیں جو دوسروں کی کمائی پر عیش و عشرت کی زندگی بسر کرتے اور پھر ان لوگوں پر حکومت بھی کرتے ہیں ۔ ظاہر ہے کہ صحیح نظام ربوبیت میں ایسے لوگوں کے لئے کوئی جگہ نہیں ہوتی ۔ اسلئے یہ ہمیشہ اس دعوت کی مخالفت کرتے ہیں۔ دیکھئے قرآن کس حصر کے ساتھ کہتا ہے کہ وَمَآ اَرْسَلْنَا فِیْ قَرْیَةٍ مِّنْ نَّذِیْرٍ اِلَّا قَالَ مُتْرَفُوْهَآ اِنَّا بِمَآ اُرْسِلْتُمْ بِهٖ کٰفِرُوْنَ (۳۴/۳۴) ”ہم نے کسی بستی میں کوئی نذیر نہیں بھیجا جس کے مترفین نے یہ نہ کہا ہو کہ جو پیغام تمہیں دیکر بھیجا گیا ہے ہم اس کے منکر اور مخالف ہیں“۔ اس سے اگلی آیت نے مترفین کی وضاحت کر دی۔ قَالُوْا نَحْنُ اَکْثَرُ اَمْوَالًا وَّاَوْلَادًا (۳۴/۳۵) ”وہ کہتے تھے کہ ہمارے پاس مال و دولت اور افراد خاندان بڑی کثرت سے ہیں“۔ اس لئے ہمیں کون ہاتھ لگا سکتا ہے۔ یہ وہی طبقہ ہے جو عصر حاضر میں سرمایہ داروں کا طبقہ کہلاتا ہے اور جو محض اپنی دولت کے زور پر قوت و اقتدار حاصل کر لیتا ہے ۔ انہی میں وہ مذہبی پیشوا بھی شامل ہیں جو خود کوئی کام نہیں کرتے اور دوسروں کی کمائی پر تن آسانی کی زندگی بسر کرتے ہیں اور پھر انہی لوگوں پر حکومت بھی کرتے ہیں جو انہیں لا لا کر کھلاتے ہیں ۔ قرآن نے کہا ہے کہ یہ طبقہ بھی ہمارے قوانین و نظام کی مخالفت میں پیش پیش رہتا ہے اور لوگوں کو یہہ کہکر بھڑکاتا رہتا ہے کہ دیکھو یہہ داعیٔ انقلاب اس مذہب کی مخالفت کرتا ہے جو تمہارے آبا و اجداد سے چلا آتا ہے ۔ (دیکھئے ۴۳/۲۳، ۳۴/۳۴) ۔ یہہ سب مُتْرَفِیْن ہیں جنہیں قرآن نے

*تاج و محیط و راغب ۔

انسانیت کے بدترین دشمن قرار دیا ہے - اور یہی اہل جہنم ہیں - (اِنَّهُمْ كَانُوْا قَبْلَ ذَالِكَ مُتْرَفِيْنَ (۵۶/۴۵) - سورۂ مومنون میں ہے وَ اَتْرَفْنٰهُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا (۲۳/۳۳) "یہ لوگ ہمارے قوانین کی مخالفت اسلئے کرتے ہیں کہ انہیں سامان زندگی بڑی فراوانی سے حاصل ہے اور اسنے انہیں سرکش و متکبر بنا دیا ہے"۔ قرآنی نظام میں نہ سرمایہ داری باقی رہتی ہے نہ مذہبی پیشوائیت - اس میں ہر شخص کام کرتا ہے اور کوئی دوسرے کی محنت پر عیش نہیں اڑا سکتا - (نیز دیکھئے عنوان م - ل - أ)

ت ر ک

تَرْكٌ - کے معنے ہیں چھوڑ دینا - پھینک دینا - ڈال دینا - خالی کر دینا - تَرِكَةُ الرَّجُلِ - آدمی کی میراث کو کہتے ہیں جسے وہ چھوڑ کر مرے - تَرِيْكَةٌ اس عورت کو کہتے ہیں جس سے کوئی شادی نہ کرے - نیز انڈے کا خول جس میں سے چوزہ نکل گیا ہو*۔

اَلتَّرِيْكُ - اس خوشے کو کہتے ہیں جس کے تمام پھل کھا لئے گئے ہوں یا جھاڑ لئے گئے ہوں* -

بعض کا خیال ہے کہ کسی کام کو چھوڑ دینا - خواہ ارادۃً ہو خواہ مجبوراً - تَرَكَ کہلاتا ہے - اس میں دونوں باتیں شامل ہوتی ہیں - یعنی جس کام کو انسان کر رہا ہے اسے چھوڑ دینا ، یا کسی کام سے محتاط رہنا (اسے ہاتھ ہی نہ لگانا) یہ بھی تَرْكٌ ہے - چنانچہ اَلتَّرِيْكُ اس باغیچہ کو کہتے ہیں جس کے مالک اس سے غفلت برتیں اور اس کی دیکھ بھال نہ کریں (ابن فارس) - لیکن جس کام کے کرنے کی انسان میں قدرت ہی نہ ہو اسے نہ کرنا تَرْكٌ نہیں کہلا سکتا** -

تَرَكَ - جَعَلَ کے معنوں میں بھی استعمال ہوتا ہے***- اس کا مطلب ہوتا ہے کسی چیز کو ایسا کر دینا - نیز اس کے معنی کسی سلسلہ کو باقی رکھنے (دوام عطا کر دینے) کے بھی ہوتے ہیں*** - مثلاً وَتَرَكْنَا عَلَيْهِ فِي الْاٰخِرِيْنَ (۳۷/۷۷) کے معنی ہیں ہم نے اس کا تذکرہ آنے والی نسلوں میں باقی رکھا - اسے دوام عطا کر دیا - تَارَكَهُ کے معنی ہیں وہ جس حالت میں تھا اسے اسی حالت میں رہنے دیا*** -

* تاج ** محیط - *** تاج و لین -

ت س ع

تِسْعَةُ رِجَالٍ - نو آدمی - تِسْعُ نِسْوَةٍ نو عورتیں - تِسْعُ آيَاتٍ (۲/۱۲) نو نشانیاں - تِسْعَةَ عَشَرَ (۷۴/۳۰) انیس (داروغے) تِسْعٌ وَّ تِسْعُوْنَ نَعْجَةً (۳۸/۲۳) ننانوے بھیڑیں -

ت ع س

اَلتَّعْسُ - منه کے بل گر پڑنا - ایسا گرنا که پھر اٹھا ھی نه جائے - لغزش - ھلاکت - پست ھو جانا - انحطاط - ابن فارس نے اس کے بنیادی معنی الٹ دینا لکھے ھیں - تَعَسَهُ اللّٰهُ - خدا نے اسے تباہ کر دیا - فَهُوَ مَتْعُوْسٌ - سو وہ تباہ ھوگیا - بد دعا کے طور پر کہتے ھیں تَعْسًا لَّهٗ** - قرآن کریم میں ھے وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَتَعْسًا لَّهُمْ (۴۷/۸) "جنہوں نے انکار و سرکشی کی راہ اختیار کی تو ان کے لئے ھلاکت اور بربادی، ذلت اور نگوں ساری ھے،، -

ت ف ث

اَلتَّفَثُ - صاحب تاج العروس نے مختلف ائمہ لغت کے حوالوں سے لکھا ھے که اشعار جاھلیه میں یه لفظ کہیں نہیں ملتا اسلئے اسکے لغوی معنے متعین نہیں کئے جا سکتے - البته تفسیر میں ھے که تَفَثٌ حج کے مناسک میں سے سر منڈانے - ناخن کتروانے - بغل اور زیر ناف کے بال صاف کرنے - قربانی اور رمی (کنکریاں مارنے) کیلئے آتا ھے* - صاحب محیط نے لکھا ھے که التَّفَثُ میل کچیل اور پراگندگی و پریشانی کو کہتے ھیں - نیز ابن عباس سے منقول ھے که تَفَثٌ تمام مناسک حج کے لئے جامع لفظ ھے - اس اعتبار سے ثُمَّ لْيَقْضُوْا تَفَثَهُمْ (۲۲/۲۹) کے معنے ھونگے وہ اپنے جمله ارکان حج ادا کریں - تَفِثَ الرَّجُلُ يَتْفَثُ - اسوقت کہتے ھیں جب کوئی شخص اپنے بالوں کو صاف کرنا اور ان میں کنگھی وغیرہ کرنا چھوڑ دے اور اسطرح ژولیدہ و پراگندہ بال ھو جائے*** - جیسا که اوپر کہا گیا ھے، قرآن کریم میں حج کے اجتماع کے ضمن میں ھے ثُمَّ لْيَقْضُوْا تَفَثَهُمْ (۲۲/۲۹) "پھر چاھئے که وہ اپنے "تفث،، کو پورا کریں،، - اسے اگر مناسک حج تک محدود رکھیں تو اسکا مفہوم بالوں وغیرہ کی صفائی ھوگا - لیکن اگر مجازاً اسکا مفہوم وسیع کر لیا جائے تو اسکے معنے ملت کی کثافتیں دور کرنے کی تدابیر سوچنا ھوگا - حج، ملی مسائل کا حل سوچنے کے لئے عالمگیر اجتماع ھوتا ھے - (حج میں بال مونڈنے کے متعلق دیکھئے عنوان ح - ل - ق)

*تاج و راغب - **تاج - ***محیط -

ت ق ن

اَلتَّـقِنُ - ماہر آدمی *- ہر وہ چیز جس سے انسانی معاش قائم ہوتی ہے اور معاملات کی درستگی ہو جاتی ہے - جیسے معدنیات وغیرہ - نیز، ہر وہ چیز جس سے کسی دوسری چیز کی درستگی ہو جائے **- ابن فارس نے کہا ہے کہ اس کے بنیادی معنی ہیں (۱) کسی کو مضبوط اور محکم بنانا اور (۲) گارا اور چکنی کالی مٹی - اَتْقَنَ اْلاَمْرَ اِتْقَاناً - کسی معاملہ کو محکم کر دینا * - قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ کے متعلق ہے اَتْقَنَ كُلَّ شَيْءٍ (۲۷/۸۸) "اسنے ہر شے کو نہایت درست اور محکم بنایا ہے"-

قرآن میں اللہ تعالیٰ کی صفات حسنیٰ (الاسماءُ الحسنیٰ) بیان کرنے سے جہاں صفاتِ خداوندی کا صحیح صحیح تصور سامنے لانا مقصود ہے وہاں یہ بتانا بھی مطلوب ہے کہ جو افراد، قوم، معاشرہ یا نظام قوانین خداوندی کا اتباع کریگا اس میں (تابہ حد بشریت) یہی صفات اجاگر ہوتی چلی جائینگی- مثلاً جب خدا کے متعلق کہا گیا ہے کہ صُنْعَ اللهِ الَّذِيْ اَتْقَنَ كُلَّ شَيْءٍ (۲۷/۸۸) "یہ اس خدا کی صنعت ہے جس نے ہر شے کو نہایت درست اور محکم بنایا ہے"، تو اس سے مقصود یہ بھی ہے کہ جماعت مومنین کی بنیادی صفت یہ بھی ہوگی کہ وہ جو چیز بنائیگی محکم اور درست بنائیگی- اس میں نہ کسی قسم کا جھول ہوگا نہ سلوٹ، نہ نقص ہوگا نہ عدمِ تناسب، نہ ہی وہ ناپختہ اور ناتمام ہوگی- جسطرح کارگہ کائنات کے متعلق پورے حتم و یقین سے کہا جا سکتا ہے کہ مَا تَرٰى فِيْ خَلْقِ الرَّحْمٰنِ مِنْ تَفٰوُتٍ (۶۷/۳) "تو رحمٰن کی تخلیق میں کسی قسم کا عدم تناسب نہیں دیکھے گا"، اسی طرح اس قوم کی مصنوعات کے متعلق بھی پورے پورے یقین اور اطمینان سے کہا جا سکیگا کہ تم ان میں کہیں تناسب و توازن کی کمی نہیں دیکھو گے- دنیا میں ایسی قوم، نہ صرف اپنے لئے بلکہ تمام نوع انسانی کے لئے جسقدر سکون و اطمینان کا موجب ہو سکتی ہے اس کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے-

اور یہ تو صرف ایک صفتِ خداوندی کے انعکاس کا ذکر ہے- جس قوم میں تمام صفاتِ خداوندی اسی انداز سے جھلک رہی ہوں، اس کی نفع رسانیوں اور سکون بخشیوں کا کیا ٹھکانہ ہے؟

---

*تاج و محیط- **تاج

تِلْکَ

تِلْکَ - اشارہ بعید کے لئے مؤنث کا صیغہ ہے - یعنی "وہ" - (مؤنث)- تفصیل کے لئے دیکھئے ذا -

ت ل ل

تَلٌّ کے اصلی معنے ایسی جگہ کے ہیں جو اپنے آس پاس کی زمین سے قدرے بلند ہو - اَلتَّلُّ مِنَ التُّرَابِ - مٹی کا ٹیلہ - نیز اَلتَّلُّ کے معنے تکیہ، گدا، ہیں - پھر اس سے اسکے معنے ٹیلہ پر پچھاڑ دینے یا لٹا دینے کے آتے ہیں - یا پھر یہ تَلِیْلٌ سے ہے جس کے معنے گردن اور رخسار کے ہیں - اس سے تَلَّهُ کے معنے ہونگے اسے گردن اور رخسار کے بل گرایا - تَلَّهٗ - يَتِلُّهٗ - تَلًّا - اسنے اس کو پچھاڑ دیا - قَوْمٌ تَلْلَی - پچھڑے ہوئے لوگ - تَلَّ - يَتِلُّ - پچھڑ جانا، گر پڑنا - گرا دینا - اَلتَّلَّةُ - گرا دینا - لٹا دینا (ایک مرتبہ) اَلْمِتَلُّ - وہ جگہ جہاں کسی کو پچھاڑا جائے - یا وہ نیزہ وغیرہ جس سے کسی کو گرایا جائے - اَلتَّلِّي - ذبح کی ہوئی بکری* -

قرآن کریم میں قصۂ حضرت ابراہیمؑ و اسمٰعیلؑ میں ہے وَتَلَّهٗ لِلْجَبِیْنِ (۳۷/۱۰۵)- "اس نے اسے پُٹ پڑی (کن پٹی) کے بل لٹا دیا"-

ت ل و

تَلَوْتُهٗ - تَلَيْتُهٗ - میں اسکے پیچھے پیچھے چلا - اَتْلَيْتُهٗ اِيَّاهُ میں نے اس سے اسکی پیروی کرائی - اسے اس کے پیچھے لگایا - تَلُوٌّ - وہ شخص جو ہمیشہ پیچھے پیچھے چلے - اَلتِّلْوُ - جو چیز کسی کے پیچھے آئے - اونٹ، خچر یا بکری کا بچہ جو اپنی ماں کے پیچھے پیچھے چلے - اَتْلَتِ النَّاقَةُ - اونٹنی کے پیچھے پیچھے اسکا بچہ چلا - اَلتَّوَالِي و التَّالِيَاتُ پچھلے حصے - اَلتَّلِيَّةُ اور التُّلاَوَةُ - قرض وغیرہ کے باقی ماندہ حصہ کو کہتے ہیں جو پیچھے (باقی) رہ جاتا ہے -

راغب نے کہا ہے کہ تِلاَوَةٌ کے معنے متابعت (پیچھے چلنے - اتباع کرنے) کے ہوتے ہیں جو کہیں جسمانی طور پر ہوتی ہے اور کہیں احکام کا اتباع ہوتا ہے

*تاج - محیط - راغب -

ہے۔ جسمانی طور پر پیچھے جانے کی مثال چاند کی ہے۔ وَ الْقَمَرِ إِذَا تَلٰهَا (۹۱/۲) جس کے معنی ہیں، چاند سورج کے پیچھے پیچھے چلتا ہے اور اس سے روشنی کا اقتباس کرتا ہے۔ تَتَلَّاهُ تَتَلِّيًا۔ اس نے اس کا پیچھا کیا۔ تَتَلَّيْتُ حَقِّيْ: میں نے اسکا پیچھا لیکر اس سے اپنا پورا پورا حق وصول کر لیا*۔ اتباعِ احکام کیلئے تلاوتِ قرآن کا حکم موجود ہے۔ راغب کے نزدیک تِلَاوَةٌ بالخصوص خدا کی طرف سے نازل شدہ کتابوں کے اتباع کو کہتے ہیں۔ چونکہ اس اتباع کیلئے ضروری ہے کہ پہلے ان احکام کو اچھی طرح ذہن نشین کر لیا جائے اسلئے انہیں اسطرح پڑھنے کو بھی تلاوۃ کہتے ہیں۔ لیکن یہ لفظ قِرَاءَةٌ (پڑھنے) سے خاص ہے۔ یعنی قِرَاءَةٌ (پڑھنا) بہر حال تلاوۃ کے اندر آجاتا ہے لیکن تلاوۃ (اتباع کرنا) قراءۃ کے اندر نہیں آتا**۔ لہٰذا تلاوت قرآن کریم کے معنی ہیں قرآن پر عمل کرنے کے لئے اسے پڑھنا۔ (نہ صرف پڑھتے رہنا)۔

فُلَانٌ يَتْلُوْ عَلٰى فُلَانٍ وَ يَقُوْلُ عَلَيْهِ عربی محاورہ ہے جس کے معنی ہیں فلاں آدمی فلاں کے خلاف جھوٹ بولتا اور غلط بیانی کرتا ہے*۔

تَلَاهُ کے معنی "اسے چھوڑ دیا" بھی آتے ہیں۔ یعنی اسطرح چھوڑ دینا کہ وہ پیچھے پیچھے چلا آ رہا ہو (ابن فارس)

قرآن کریم میں ہے اَلَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ يَتْلُوْنَهٗ حَقَّ تِلَاوَتِهٖ، اُولٰٓئِكَ يُؤْمِنُوْنَ بِهٖ، (۲/۱۲۱)۔ "جن لوگوں کو ہم نے یہ کتاب دی ہے وہ اسکی تلاوت کرتے ہیں جیسا کہ تلاوت کرنے کا حق ہے، یہی لوگ ہیں جو اس کتاب پر ایمان رکھتے ہیں"۔ ظاہر ہے کہ اسمیں تلاوت کے معنے اتباع کرنے کے ہی ہو سکتے ہیں۔ کیونکہ ان لوگوں کے متعلق کہا گیا ہے کہ یہی لوگ درحقیقت اس پر ایمان رکھتے ہیں۔ ورنہ اگر اسکے معنی فقط پڑھنے کے ہوں تو قرآن کو تو غیر مسلم بھی پڑھتے ہیں جو اسپر ایمان نہیں رکھتے۔ لہٰذا قرآن کی تلاوت سے مراد اسکے احکام کا اتباع ہے۔ اسے پڑھا اسلئے جاتا ہے کہ اسے سمجھا جائے اور سمجھا اسلئے جاتا ہے کہ اس پر عمل کیا جا سکے۔ قرآن کا اسطرح پڑھنا کہ وہ سمجھ میں نہ آئے یا اسے فقط سمجھ لینا اور اسپر عمل نہ کرنا، کچھ فائدہ نہیں دے سکتا۔ قرآن نے کہا ہے کہ مومن درحقیقت وہی ہیں جو اسکی پوری پیروی کرتے ہیں۔

* تاج و محیط۔ **راغب

قرآن مجید میں نبی اکرمؐ کے متعلق جو فرمایا ہے کہ یَتْلُوْا عَلَیْهِمْ آیَاتِهٖ (۳/۱۶۳) "وہ جماعت مومنین کے سامنے خدا کے احکام پیش کرتا ہے"۔ تو اسکے ساتھ ہی کہہ دیا کہ وَ یُزَکِّیْهِمْ (۳/۱۶۳)۔ وہ ان کی صلاحیتوں کی نشو و نما کا سامان بھی بہم پہنچاتا ہے (دیکھئے عنوان ز-ک-و) اس سے ظاہر ہے کہ تلاوتِ قرآن سے مقصود یہ ہے کہ خدا کا نظام عملاً متشکل ہو جائے جسکے تعمیری نتائج (یعنے افرادِ معاشرہ کی نشوونما) محسوس صورت میں سامنے آ جائیں۔ صرف قرآن پڑھ لینے کو تلاوت کہنا اور سمجھ لینا کہ اس سے مقصد حاصل ہوگیا ہے خود فریبی ہے۔ قرآن کو سمجھنا اور اسپر عمل کرنا ضروری ہے۔ پھر سمجھ لیجئے کہ قرآن کا پڑھنا اسلئے ضروری ہے کہ اسے سمجھ لیا جائے اور سمجھنا اس لئے ضروری ہے کہ اس پر عمل کیا جائے۔ اگر قرآن کو سمجھا نہ جائے تو اسکا پڑھنا کچھ فائدہ نہیں دے سکتا۔ اور اگر اسپر عمل نہ کیا جائے تو اس کا سمجھنا بھی بیکار ہے۔

سورۃ صٰفّٰت میں فَالتّٰلِیٰتِ ذِکْرًا (۳۷/۳) آیا ہے۔ یعنے قرآن کا اتباع کرنے والی جماعتیں۔ سورۃ بقرۃ میں یہودیوں کے خلاف ایک الزام یہ بھی ہے کہ وَ اتَّبَعُوْا مَا تَتْلُوا الشَّیٰطِیْنُ عَلٰی مُلْکِ سُلَیْمٰنَ (۲/۱۰۲)۔ "یہ ان باتوں کی پیروی کرتے ہیں جو شیاطین (دین خداوندی کے دشمنوں) نے مملکتِ سلیمان کے متعلق عام کر رکھی تھیں"۔ اگر یہ دیکھنا ہو کہ دین خداوندی کے دشمنوں نے انبیائے بنی اسرائیل کے خلاف کیا کیا افسانے وضع کئے تھے، اور یہودی کسطرح ان افسانوں کو آسمانی تعلیم مانتے ہیں، تو اسکے لئے تورات (بائبل کا عہد نامہ عتیق) پڑھئے۔ اس میں ایسی ایسی باتیں ان انبیائے کرامؑ کے خلاف موجود ہیں جنہیں کوئی شریف آدمی سن نہیں سکتا۔

ت م م

تَمَامُ الشَّیْءِ۔ وہ چیز جس سے کسی شے کی کمی پوری ہو جائے۔ ابن فارس نے اس کے بنیادی معنی پورا ہونے کے لکھے ہیں۔ بعض لوگوں نے تَمَامٌ اور کَمَالٌ کو مرادف قرار دیا ہے لیکن بعض نے ان میں یہ فرق کیا ہے کہ تَمَامٌ کسی چیز کی کمی کو پورا کر دینے کو کہتے ہیں اور کَمَالٌ اس انتہائی حد کو کہتے ہیں جس تک وہ اپنی پوری پوری نشو و نما (Devloepment) کے بعد پہنچ سکے۔ یا وہ اس مقصد کو پورا کردے

جس کے لئے وہ بنائی گئی ہے۔ چنانچہ رَجُلٌ تَامُّ الْخَلْقِ کے معنے ہوتے ہیں ایسا آدمی جس کے اعضاء میں کوئی نقص (Constitutional Defect) نہ رہ گیا ہو۔ اور کَامِلُ الْخَلْقِ اسے کہتے ہیں جس میں حسن و خوبی اپنی انتہا تک پہنچ چکی ہو۔ یعنی یہ تَمَامٌ سے آگے ہوتا ہے *۔

تَمَّ الشَّیْءُ۔ چیز پوری ہو گئی۔ تَمَّ عَلَیْہِ۔ وہ اس پر مداومت سے قائم رہا۔ اس کا ہمیشہ پابند رہا۔ أَتَمَّ الشَّیْءَ: چیز کو پورا کر دیا *۔

قرآن کریم میں ہے وَاِذِ ابْتَلٰی اِبْرٰاھِیْمَ رَبُّہٗ بِکَلِمٰتٍ فَاَتَمَّھُنَّ (۲/۱۲۴) "جب اس کے نشو و نما دینے والے نے ابراھیم کے لئے نمود ذات کے مختلف مواقع بہم پہنچائے تو وہ دوام و ثبات سے ان میں پورا اترا اور اس طرح اس نے بتا دیا کہ اس میں کوئی کمی باقی نہیں رہی۔" سورۃ المائدہ میں ہے۔ اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ (۵/۳) "اب ہم نے تمہارا غلبہ و اقتدار انتہا تک پہنچا دیا۔ (کوئی سرکش قوت باقی نہیں رہی) تمہارے نظام زندگی کی تکمیل ہو گئی۔ اور ہماری نعمتوں میں سے جس جس کی کمی تھی ہم نے وہ سب پوری کر دی"۔ سورۃ انعام میں ہے۔ وَتَمَّتْ کَلِمَتُ رَبِّکَ صِدْقاً وَّعَدْلاً لَا مُبَدِّلَ لِکَلِمٰتِہٖ (۶/۱۱۶) "قوانین خداوندی میں سے جو کچھ باقی رہتا تھا وہ بھی سب کا سب صدق و عدل سے پورا ہو گیا، اور اب اس میں تبدیلی کرنے والا کوئی نہیں"۔ اس طرح دین کی تکمیل ہو گئی اور نبوت ختم ہو گئی۔ اس لئے کہ جب قوانین خداوندی میں نہ کسی اضافے کی ضرورت باقی رہے نہ رد و بدل کی گنجائش، تو پھر اور نبی آئیگا کس کام کیلئے؟

مُتِمٌّ۔ پورا کرنے والا (۶۱/۸)۔

ت ن و ر
تنور

اَلتَّنُّوْرُ۔ بعض نے کہا ہے کہ اس کا مادہ نَارٌ۔ نُوْرٌ ہے (دیکھئے عنوان ن۔ و۔ ر) لیکن بعض کا خیال ہے کہ یہ لفظ عجمی ہے۔ عربوں نے معرب بنا لیا ہے۔ اس کے ایک معنے تو وہی ہیں جو ہماری زبان میں رائج ہیں۔ یعنی روٹی پکانے کا تنور۔ لیکن اَلتَّنُّوْرُ وادی کے اس مقام کو بھی کہتے ہیں

* تاج۔

جہاں پانی جمع ہو جائے - نیز ہر اس جگہ کو جہاں سے پانی کا چشمہ ابلتا ہو - نیز بلند اور اونچی زمین کو کہتے ہیں * -

قرآن کریم میں حضرت نوح[ع] کے طوفان کے ضمن میں ہے فَارَ التَّنُّوْرُ (۱۱/۴۰) - یہاں تنور سے مراد وادی کی وہ جگہ ہے جہاں بارش کا پانی جمع ہو رہا تھا - یعنے بارش اس زور کی ہوئی (۱۱/۴۴) کہ وادی میں جہاں پانی جمع ہوتا تھا وہاں پانی میں سخت جوش پیدا ہو گیا اور اس نے طوفان کی شکل اختیار کر لی -

ت و ب

تَابَ - تَوْبًا - تَوْبَةً - مَتَابًا - کے معنے ہیں واپس آ جانا** - آپ شاہراہ حیات پر چلے جا رہے ہیں - راستہ میں ایک چوراہا آیا جہاں سے آپ ایک طرف کو مڑ گئے - چند قدم آگے جا کر آپکو محسوس ہوا کہ آپکا قدم غلط سمت کو اٹھ گیا ہے - صحیح راستہ یہ نہیں - اب آپکو صحیح راستہ کی طرف جانے کیلئے اس مقام تک لوٹ کر آنا ہوگا جہاں سے آپکا قدم غلط سمت کو اٹھا تھا - اس واپسی کو تَوْبَةٌ کہتے ہیں - ظاہر ہے کہ اسکے لئے آپکو چلکر واپس آنا ہوتا ہے - وہیں کھڑے کھڑے اگر آپ عمر بھر بھی افسوس کرتے رہینگے کہ میں نے غلط سمت کیطرف کیوں قدم اٹھا لیا تو یہ تَوْبَةٌ نہیں ہوگی - تَوْبَةٌ ایک عملی اقدام ہے جس سے غلط کام کو (Un-Do) کیا جاتا ہے - اس کے مضر اثرات کی تلافی کی جاتی ہے - تَابَ عَنْهُ اور مِنْهُ کے معنے ہیں اسنے اپنی غلطی کا احساس کر کے غلط روش کو چھوڑ دیا اور صحیح راستہ کی طرف لوٹ آیا - غلطی کا احساس، احساس کے بعد غلط روش سے اجتناب اور پھر صحیح روش کا اختیار کرنا، یہ تینوں مراحل تَوْبَةٌ کے اندر شامل ہیں - ایسا کرنے والے کو تَائِبٌ کہتے ہیں** - اسی لئے قرآن کریم میں آیا ہے کہ اِنَّ الْحَسَنَاتِ يُذْهِبْنَ السَّيِّاٰتِ (۱۱/۱۱۴) - "اعمال حسنہ میں یہ صلاحیت ہوتی ہے کہ وہ غلط اعمال کے نقصان رساں نتائج کا ازالہ کر دیں" - اسی کو تَوْبَةٌ کہتے ہیں - یعنی غلط کام کے نقصان رساں نتائج کی تلافی کے لئے صحیح کام کرنے - اس مقام پر ایک نکتہ کا سمجھ لینا ضروری ہے - آپ نے کسی شخص کا کوئی حق دبا لیا - کچھ عرصہ کے بعد آپ کو اپنی اس غلط حرکت کا احساس ہؤا - آپ کے دل میں ندامت کے جذبات بیدار ہوئے - آپ کی توبہ یہ ہے کہ آپ اس شخص کا حق واپس دیدیں اور

---

* تاج و محیط و لطائف اللغۃ - **تاج

آئندہ کے لئے عہد کریں کہ آپ کبھی کسی کی حق تلفی نہیں کرینگے۔ دوسری شکل یہ ہے کہ آپ نے شراب پی لی۔ کچھ وقت کے بعد آپ کو اپنی غلط کاری کا احساس ہؤا۔ اس میں توبہ کی شکل یہی ہے کہ آپ اپنے عمل پر نادم ہوں اور آئندہ کے لئے کبھی اس کے مرتکب نہ ہوں۔

شروع میں بیان کردہ مثال میں، جب آپ نے اس چوراہے سے غلط راستہ اختیار کیا تھا تو صحیح راستہ نے آپکا ساتھ چھوڑ دیا تھا۔ جب آپنے اپنی غلطی کے احساس کے بعد غلط راستہ کو چھوڑ دیا اور صحیح راستہ کی طرف رخ کیا تو صحیح راستہ نے بھی (جو اُسوقت تک آپ سے منہ موڑے ہوئے تھا) آپکی طرف رخ کر لیا۔ رخ ہی نہیں کر لیا بلکہ آپ نے اسکی طرف ایک قدم اٹھایا تو وہ دو قدم اٹھا کر آپکی طرف بڑھ آیا۔ دو قدم اسطرح کہ ایک قدم وہ کم ہوا جو آپ پہلے مخالف سمت میں جاتے وقت اٹھا رہے تھے اور دوسرا قدم وہ جو آپنے اُسکی طرف اٹھایا۔ اِسے تَابَ عَلَيْهِ کہتے ھیں۔ اور ایسا کرنے والے کو تَوَّابٌ۔ اِنَّهٗ كَانَ تَوَّابًا ($\frac{110}{3}$) خدا کے متعلق ہے۔ اور اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ التَّوَّابِيْنَ ($\frac{2}{222}$) بندوں کے متعلق۔ یعنے جب انسان غیر خدائی قانون کو چھوڑ کر قانون خدا وندی کی طرف رخ کرتا ہے تو یہ قانون اپنے تمام خوشگوار نتائج کو لئے ہوئے اس انسان کی طرف متوجہ ہو جاتا ہے۔ اسی لئے ($\frac{3}{127}$) میں یہ لفظ عَذَابٌ کے مقابلہ میں آیا ہے۔ نیز ($\frac{9}{106}$) میں۔ بالفاظ دیگر انسان کسی جرم کے ارتکاب سے ابدی طور پر زندگی کی خوشگواریوں سے محروم نہیں ہو جاتا۔ وہ جب بھی قانونِ خدا وندی کو اختیار کریگا اس قانون کے خوشگوار نتائج اسکی طرف لپک کر آ جائینگے۔ یعنے ہر شخص کیلئے باز آفرینی کا امکان موجود ہوتا ہے۔ اور اِسی طرح ہر قوم کیلئے نَشْأَۃِ ثَانِیَۃ کا امکان۔ (قوموں کی زندگی میں وہ مرحلہ کب آتا ہے جب انکی حیاتِ نو ناممکن ہو جاتی ہے اس کے متعلق ہ۔ ل۔ ک کے عنوان میں بتایا جائیگا) لیکن یہ باز آفرینی اسی وقت تک ممکن ہے جب انسان کے لئے عملِ صالح کرنے کا امکان ہو۔ جب عمل کا موقع ختم ہو جائے تو پھر باز آفرینی ناممکن ہو جاتی ہے۔ جہنم میں عمل کا موقع باقی نہیں رہتا اس لئے باز آفرینی ناممکن ہو جاتی ہے۔

توبہ اور استغفار میں کیا فرق ہے اسکے لئے (غ۔ف۔ر) کا عنوان دیکھئے۔ لطائف اللغة میں ہے کہ توبہ سابقہ گناہوں پر ندامت کو کہتے ھیں۔ اور انابت، مستقبل میں ترک معاصی کو۔

*تاج۔

اَلتَّابُوْتُ - صندوق کو کہتے ہیں کیونکہ جو چیزیں اس سے نکالی جاتی ہیں وہ اس میں واپس ہوتی رہتی ہیں* - (اس ضمن میں عنوان تَابُوْتٌ بھی دیکھئے)-

ت و ر

اَلتَّوْرُ - بہنا، جاری ہونا- ایلچی، سفیر - اَلتَّوْرَۃُ - باندی جو اپنے چاہنے والوں میں آتی جاتی رہے -

اَلتَّارَۃُ - وقت - مرتبہ - جیسے جِئْتُہٗ تَارَۃً اُخْرٰی - میں اس کے پاس دوسری مرتبہ گیا - اَتَارَہٗ - اسنے اسے یکے بعد دیگرے دھرایا -

اَلتَّائِرُ - تھکنے کے بعد بھی برابر کام میں لگا رہنے والا* -

سورۃ طٰہٰ میں ہے نُخْرِجُکُمْ تَارَۃً اُخْرٰی (۲۰/۵۵) - "ہم تم کو دوسری مرتبہ نکالینگے"- راغب نے کہا ہے کہ یہ تَارَ الْجُرْحُ سے ماخوذ ہے جسکے معنے زخم کا بھر جانا اور مندمل ہو جانا ہے** - بہنا - جاری رہنا- اور تھکنے کے بعد بھی کام میں لگے رہنا کے اعتبار سے دیکھا جائے تو زندگی کی جوئے رواں کے لئے تَارَۃً کا لفظ کسقدر معنی خیز ہے - حیات کا سلسلہ غیر منقطع ہے - اس میں صرف احوال و ظروف کی تبدیلیاں ہوتی ہیں - اس کا نام تَارَۃً اُخْرٰی ہے -

اَلتَّوْرَاۃُ - (دیکھئے عنوان تورات)-

تَوْرَات

بعض نے کہا ہے کہ یہ لفظ وَرْیٌ سے ماخوذ ہے جسکے معنے روشن کرنے کے ہیں *-(اس کے لئے دیکھئے عنوان و-ر-ی)

لیکن اصل وہی ہے جو صاحب محیط نے لکھا ہے کہ یہ تُوْرَہْ کا معرب ہے جو عبرانی لفظ ہے اور جسکے معنے شریعت اور حکم کے ہیں- اسکی جمع تُورَاتٌ ہے - یعنے احکام و شرائع ***-

عام طور پر سمجھا جاتا ہے کہ تورات اس کتاب کا نام ہے جو حضرت موسٰے ؑ پرنازل ہوئی تھی-لیکن قرآن کریم نے حضرت موسٰے ؑ کی کتاب کا نام خصوصیت سے تورات نہیں بتایا- تورات کے متعلق اس نے کہا ہے کہ وہ حضرت ابراھیم ؑ کے بعد (۳/۶۴) بلکہ حضرت یعقوب ؑ کے بعد (۳/۹۲) اورحضرت

*تاج - **راغب - ***محیط

عیسیٰؑ سے پہلے (۵/۴۶) نازل ہوئی تھی۔ یہ یہودیوں کے لئے آسمانی راہنمائی تھی اور اس میں احکام خداوندی مندرج تھے۔ (۵/۴۳)۔ اس میں ہدایت اور روشنی تھی۔ اس کے مطابق انبیائے بنی اسرائیل اور ان کے علماء و مشائخ معاملات کا فیصلہ کرتے تھے (۵/۴۴)۔ ان تصریحات سے واضح ہے کہ قرآن کی رو سے تورات آن مجموعۂ کتب کا نام ہے جو انبیائے بنی اسرائیل پر حضرت عیسیٰؑ سے پہلے نازل ہوئیں۔ اسی مجموعہ کو عہد نامہ عتیق (Old Testament) کہا جاتا ہے۔ اس میں انتالیس صحیفے ہیں اور ہر صحیفہ اپنے نبی کے نام سے موسوم ہے۔ اس میں "اسفار موسیٰ" بھی شامل ہیں جنہیں قرآن "صحف موسیٰ" سے تعبیر کرتا ہے (۸۷/۱۹) نیز "کتاب موسیٰ" سے بھی (۲۶/۱۲)۔ اس زمانے کے رواج کے مطابق، یہ کتاب چند تختیوں پر لکھی ہوئی تھی (۷/۱۴۵)۔

جیسا کہ اوپر کہا گیا ہے، موجودہ عہد نامہ عتیق کے مجموعہ میں انتالیس کتابیں ہیں لیکن ان میں بعض ایسی کتابوں کا حوالہ آتا ہے جو اس مجموعہ میں موجود نہیں ہیں۔ اس قسم کی کم از کم گیارہ کتابیں گنائی جا سکتی ہیں۔ اس سے واضح ہے کہ یہ مجموعہ نامکمل ہے۔

اس سے آگے بڑھئے۔ "اسفار موسیٰ"، کو حضرت موسیٰؑ کیطرف منسوب کیا جاتا ہے لیکن ان میں حضرت موسیٰؑ کی وفات اور وفات کے بعد کے حالات بھی موجود ہیں۔ اس سے ظاہر ہے کہ ان کتابوں کا کم از کم کچھ حصہ حضرت موسیٰؑ کے بعد کا اضافہ ہے۔

عہد نامہ عتیق کی کتابوں کے متعلق اسوقت تک بالتحقیق ثابت نہیں ہو سکا کہ ابتداءً یہ کس عہد میں مدون ہوئیں اور ان کے مؤلف کون تھے۔ البتہ اتنا ضرور متحقق ہے کہ ایک زمانہ ایسا آیا تھا جس میں ان کا وجود ناپید ہو چکا تھا۔ یعنی جب چھٹی صدی قبل مسیح میں بابل کے شہنشاہ بخت نصر نے بیت المقدس کو تباہ و برباد کیا ہے (دیکھئے عنوان بنی اسرائیل)۔ تو اس نے تورات کی الواح کو جلا کر راکھ کا ڈھیر بنا دیا۔ جب یہودی، بابل کی قید سے رہائی کے بعد دوبارہ بیت المقدس میں آئے تو انہیں اپنے گم گشتہ صحفِ مقدسہ کی ترتیب نو کی فکر ہوئی۔ چنانچہ عزرا نبی نے سلسلہ اول کی پانچ کتابوں کو ازسرنو مرتب کرکے واقعات کو مؤرخانہ حیثیت سے قلمبند کیا۔ لیکن خود عزرا نبی کے متعلق بھی یقینی طور پر معلوم نہیں کہ وہ کب یروشلم آئے تھے۔ عام طور پر کہا جاتا ہے کہ انہوں نے ۴۴۴ ق۔م میں ان کتابوں کو

مرتب کیا تھا۔ یہ ترتیب و تدوین کسطرح عمل میں آئی تھی اس کے متعلق خود عزرا کی زبان سے سنئے۔ وہ کہتے ھیں۔

''دوسرے روز ایک آواز نے مجھے بلایا اور کہا کہ عزرا ! اپنا منہ کھولو اور وہ کچھ پیو جسے میں تمہیں پینے کے لئے دیتا ھوں۔ سو میںنے اپنا منہ کھول دیا۔ تب دیکھو اس نے مجھ تک ایک پیالہ بھیجا۔ وہ پانی سے بھرا ھوا معلوم ھوتا تھا لیکن اس کا رنگ آتشیں تھا۔ میںنے اسے لیا اور پی گیا۔ جب میںنے اسے پی لیا تو میرے دل میں فہم و فراست اور سینے میں بصیرت پیدا ھوگئی اور میری روح نے میرےحافظہ کو قوی بنا دیا۔ اور پھر جو میری زبان کھلی ھے تو بند نہیں ھوئی اور لکھنے والے چالیس دن تک بیٹھے لکھتے رھے۔ وہ دن بھر لکھتے تھے اور صرف رات کے وقت کچھ کھاتے اور میں دن بھر لکھاتا رھتا تھا اور رات کو بھی میری زبان بند نہ ھوتی تھی۔ چالیس دنوں میں انھوں نے ۲۰۴ کتابیں لکھ ڈالیں''۔ (کتاب عزرا ۲ - $\frac{۱۴}{۴۴ - ۴۸}$)۔

یہ بیان کسی وضاحت کا محتاج نہیں۔ اس پر صرف اتنا اضافہ کافی ھوگا کہ یروشلم کی تباھی ۵۸۷ ق م میں ھوئی اور عزرا نے ان کتابوں کو ۴۴۴ ق م میں لکھوایا۔ یعنی قریب ڈیڑھ سو سال بعد۔ ظاھر ھے کہ عزرا نے ان کتابوں کو خود کہیں نہیں دیکھا تھا جو انہیں حفظ یاد کرلیا ھوتا۔ اس لئے انھوں نے حفظ کردہ کتابوں کو دوبارہ نہیں لکھوایا بلکہ ان کتابوں کو انھوں نے خود تصنیف کیا۔ پھر یہ بھی دیکھئے کہ خود عزرا کے بیان کےمطابق انھوں نے ۲۰۴ کتابیں لکھوائی تھیں لیکن اب کہا جاتا ھے کہ انھوں نے صرف پانچ کتابیں (اسفار موسیٰ) مرتب کرائی تھیں۔

عزرا کے بعد نحمیاہ نبی نے کچھ اور کتابوں کو مرتب کیا۔ لیکن ۱۶۸ ق م میں انطاکیہ کے یونانی بادشاہ، انٹونس نے پھر بیت المقدس کو برباد کیا اور مقدس صحیفوں کو جلا دیا۔ اس کے بعد یہودا مقابی کی ھمت سے ان صحیفوں کو ازسر نو مرتب کیا گیا۔ لیکن ۷۰ ء میں رومیوں کا طوفان امڈا اور ٹائٹس نے بیت المقدس کو اسطرح برباد کیا کہ یہودی اسمیں پھر نہ بس سکے۔ یہ ان صحیفوں کو ھیکل سے نکال کر اپنے ساتھ لے گیا۔ اس کے بعد یہودی علماء نے ان صحیفوں کو اپنے حافظہ کی مدد سے پھر مرتب کیا۔

پھر یہی نہیں کہ ان کتابوں کو حوادث ارضی و سماوی تباہ کر دیتے تھے۔ ان میں دانستہ تحریف و الحاق کا سلسلہ بھی جاری تھا۔ چنانچہ مشہور مسیحی مؤرخ رینان (Life of Jesus) میں لکھتا ھے کہ

زمانہ قرب مسیحؑ میں تورات میں بہت سی اہم تبدیلیاں کی گئیں - بالکل نئی کتابیں (مثل کتاب استثناء) مرتب کی گئیں - یہ کتابیں حضرت موسیٰؑ کی اصل شریعت کی حامل کہی جاتی ہیں حالانکہ ان کی روح پرانی کتابوں سے بلکل مختلف تھی - (ص-۴۰)

اس کے علاوہ یہودیوں نے ایک اور عقیدہ بھی وضع کیا - وہ یہ کہ وحی کی دو قسمیں ہیں - ایک تورہ شبکتب (یعنی وحی مکتوب یا متلو) اور دوسری تورہ شبعلفہ، وحی غیر مکتوب (وحی غیر متلو) - یہودی علماء نے وحی غیر متلو کی روایات کو جمع کرکے اسے بھی تورات کا درجہ دیدیا - اس مجموعہ کو مشنا کہا جاتا ہے - پھر اس مجموعہ کی تشریحات و تفسیرات جمع کی گئیں - اس کا نام جمارا ہے - ان دونوں کے مجموعہ کو تالمود کہتے ہیں - تالمود دو ہیں - ایک شامی دوسرا بابلی - دونوں پانچویں صدی عیسوی کے مرتب شدہ ہیں اور آسانی سمجھے جاتے ہیں -

ان روایات کے علاوہ، یہودیوں کے ہاں ''باطنی علم،، کا عقیدہ بھی موجود ہے - اس علم کی کتابوں کو ''سفریم جنوزیم'' (مخفی خزانہ کی کتابیں) کہا جاتا ہے -

اب کچھ تورات کی زبان کے متعلق بھی دیکھئے - یہودیوں کی قدیم زبان عبرانی تھی - بابل سے واپسی کے بعد ان کی زبان ارامی ہوگئی - لیکن یہودیوں کی کوئی کتاب نہ عبرانی زبان میں تھی نہ ارامی میں - ان کی سب کتابیں جن سے دنیا روشناس ہوئی یونانی زبان میں تھیں - اسفار موسیٰؑ کا یونانی زبان سے عبرانی میں ترجمہ ہوا - یہ یونانی نسخہ اسکندریہ کی لائبریری میں تھا جسے عیسائیوں نے جلا دیا تھا - ۳۹۴ء میں سینٹ جیروم نے ان کتابوں کا مشہور رومی ترجمہ شائع کیا جو (Vulgate) کے نام سے مشہور ہے - یہ بھی بالتحقیق معلوم نہیں کہ سینٹ جیروم کے پاس کونسا نسخہ تھا جس کا اس نے رومی زبان میں ترجمہ کیا تھا -

تورات کے جو نسخے دنیا میں آج مروج ہیں ان کے اختلافات کا اندازہ اس سے لگائیے کہ اس کا پہلا نسخہ ۱۴۸۸ء میں چھپا - جب اس کے دوسرے ایڈیشن کا ۱۷۰۰ء میں انتظام کیا گیا تو اس میں اور پہلے ایڈیشن میں قریب بارہ ہزار جگہ اختلاف کرنا پڑا - اس طبع دوم کا نسخہ اب عام طور پر تورات (عہد نامہ عتیق) کہلاتا ہے -

مروجہ عہدنامہ عتیق کے متعلق خود یہودیوں اور عیسائی محققین کی تنقیدات کیا ہیں اس کے متعلق میری کتاب ''معراج انسانیت،، کے باب اول (ظہرالفساد) میں تورات کا عنوان ملاحظہ کیجیئے -

یہ ہے اس تورات کی مختصر سی سرگزشت جسے یہودی اپنی آسمانی کتاب کہکر پیش کرتے ہیں اور جس کے متعلق قرآن نے چودہ سو سال پہلے کہا تھا کہ انہوں نے خدا کی کتاب کو بری طرح سے مسخ کرڈالا ہے۔ جب قرآن کریم ہم سے کہتا ہے کہ تم پہلی آسمانی کتابوں پر بھی ایمان لاؤ تو اس کا مطالبہ فقط اتنا ہوتا ہے کہ تم مانو کہ انبیائے سابقہ پر بھی خدا کی طرف سے وحی نازل ہوئی تھی - یہ نہیں کہ جن کتابوں کو اہل کتاب آسمانی کتابیں کہتے ہیں انہیں حرفاً حرفاً خدا کی وحی سمجھو- قرآن ان کی کسطرح ''تصدیق'' کرتا ہے اس کے لئے عنوان (ص - د - ق) دیکھئے -

ت ی ن

اَلتِّیْنُ - انجیر یا اَنجیر کے درخت کو کہتے ہیں - نیز ایک پہاڑی کا نام ہے ، جسطرح زَیْتُوْنٌ بھی ایک پہاڑی کا نام ہے * - اَلتِّیْنُ سے مراد وہ مقام ہے جہاں سے حضرت نوح ؑ نے اپنی دعوت کی آواز بلند کی تھی- جسطرح زَیْتُوْنٌ وہ مقام ہے جہاں سے دعوتِ حضرتِ عیسیٰ ؑ کا آغاز ہوا تھا - قرآن کریم نے ان مقامات (تین - زیتون - طور سینا اور مکہ) کو اس حقیقت پر شاہد ٹھہرایا ہے ($\frac{95}{1}$) کہ حق و باطل کی یہ کشمکش شروع سے اسی طرح چلی آ رہی ہے - یعنی آسمانی پیغام جہاں جہاں بھی آیا ، مترفین نے اس کی مخالفت کی - وہ دعوت حضرت نوح ؑ کی تھی (التین) یا حضرت عیسیٰ ؑ کی (الزیتون) - حضرت موسیٰ ؑ کی تھی (طور سینا) یا نبی اکرم ؐ کی (البلد الامین) - ہر دعوت الی اللہ کی یکساں مخالفت ہوئی -

ت ی ہ

اَرْضٌ تِیْہٌ - اس سرزمین کو کہتے ہیں جسمیں نہ پہاڑ ہوں نہ ٹیلے - نہ کوئی دوسری چیزیں ہوں جنہیں نشانِ راہ بنایا جا سکے اور اسطرح مسافر اس میں راستہ کھو کر حیران و سرگردان پھرے - تَاہَ یَتِیْہُ فِی الْاَرْضِ - راستہ گم کرکے زمین میں حیران و پریشان بھٹکتے پھرنا -

*تاج و راغب -

رَجُلٌ تَائِہٌ - بھٹکتا ھوا راھی*- اس سے تَاہَ - یَتِیْہُ کے معنے متحیر ھونے کے آتے ھیں - ابن فارس نے کہا ھے کہ یہ اس کے بنیادی معنی ھیں - نیز تَاہَ یَتِیْہُ کے معنے خودرائی اور تکبر کرنا ھیں* - اَلتِّیْہُ -اَلتَّوْہُ مقامات حیرت** - بنی اسرائیل کے متعلق ھے - یَتِیْہُوْنَ فِی الْاَرْضِ ($\frac{5}{26}$) ''وہ (چالیس سال تک) حیران و سر گردان پھرتے رھینگے'' - یہہ حالت ھوتی ھے اُس قوم کی جو قوانین خداوندی سے گریز کی راھیں تلاش کرےاور ان میں حجتیں نکالے -وہ سفر زندگی میں حیران و پریشان ماری پھرتی ھے اور اسے کہیں نشانِ راہ اور سراغِ منزل نہیں ملتا - (جیسا کہ خود ھمارےساتھ صدیوں سے ھورھا ھے) -

———:o:———

*تاج - **راغب -

ث

ث ب ت

ثَبَتَ ۔ ثابت رهنا۔ایک حالت پر جمے رهنا ۔ اَلثَّبْتُ مِنَ الْخَيْلِ۔ اس گھوڑے کو کہتے هیں جو ایک رفتار پر دوڑتا چلا جائے۔ اَلثِّبَاتُ ۔ وہ تسمه جس سے کجاوہ کو باندھ کر جمایا جائے ۔ اور ایسے کجاوہ کو (جسے اس تسمه سے باندھا جائے) اَلْمُثْبَتُ کہتے هیں* ۔ ابن فارس نے کہا ھے کہ اس کے بنیادی معنی دوام شے کے هوتے هیں۔ سورة رعد میں اِثْبَاتٌ بمقابله مَحْوٌ (مٹا دینا) آیا ھے (۱۳/۳۹) اور سورۃ ابراهیم میں يُثَبِّتُ بمقابله يُضِلُّ (۱۴/۲۷) ۔ لہذا اس کے معنی هوئے، جو رائگاں نه جائے بلکه نتیجه خیز اور بارآور هو۔ جو مٹے نہیں،اپنی جگه نه چھوڑے بلکه قائم و دائم رھے ۔ اَلْقَوْلُ الثَّابِتُ (۱۴/۲۷) محکم نظریه حیات ۔ اَصْلُهَا ثَابِتٌ (۱۴/۲۴) ۔ جسکی جڑیں مضبوط جمی هوں ۔ اس کے مقابله میں ھے، ایسا درخت اُجْتُثَّتْ مِنْ فَوْقِ الْاَرْضِ مَا لَهَا مِنْ قَرَارٍ (۱۴/۲۶) جسے زمین کے اوپر هی سے اکھاڑ لیا جائے اور اسے کچھ بھی قرار نه هو۔ سورة نحل میں ثُبُوْتٌ بمقابله تَزِلُّ آیا ھے ۔ یعنی لغزش نه کرنا اور جمے رهنا (۱۶/۹۴)۔ اور سورۃ بنی اسرائیل میں بمقابله تَرْكَنُ (۱۷/۷۴) ۔ یعنی ذرا نه جھکنا ۔ قطعاً مائل نه هونا ۔ یعنی وَيُثَبِّتَ بِهِ الْاَقْدَامَ (۸/۱۱) ۔ سورۃ نساء میں ھے وَ اَشَدَّ تَثْبِيْتًا (۴/۶۶) استحکام دینے میں زیادہ مضبوط۔ دَاءٌ ثُبَاتٌ ۔ وہ بیماری جو انسان کو حرکت کرنے کے قابل نه چھوڑے* ۔ اس اعتبار سے اَثْبَتَ کے معنے هوتے هیں کسی کو قید کر دینا یا ایسا کر دینا که وہ نقل و حرکت کے قابل نه رھے۔ سورۃ انفال میں لِيُثْبِتُوْكَ (۸/۳۰) کے یہی معنے هیں ۔

جماعت مومنین کی خصوصیت یه ھے که خدا کے عطا کردہ محکم نظریه حیات (قرآن) پر جم کر کھڑی رھے اور اس پر عمل پیرا هو کر اتنی قوت پیدا کرے که دنیا کی کوئی طاقت اسے اس کے مقام سے هلا نه سکے۔

* تاج و محیط ۔ راغب ۔

ث ب ر

اَلثَّبْرُ - روکنا - کسی بات سے منع کرنا - مَاثَبَرَکَ عَنْ ھٰذَا - تمہیں کس چیز نے اس بات سے روک دیا*- ابن فارس نے کہا ہے کہ اَلثَّبْرَۃُ اس مٹی کو کہتے ہیں جو چونے سے مشابہ ہوتی ہے اور جب کھجور کی جڑ اس مٹی تک پہنچ جاتی ہے تو اسکی نشوونما رک جاتی ہے - اس سے اس کے معنی واضح ہو جاتے ہیں - اَلثَّبْرُ - نامراد و ناکام کرنا - خوشگواریوں سے محروم کر دینا - چنانچہ اَلْمُثَبَّرُ اس شخص کو کہتے ہیں جس پر جرم کی وجہ سے حد (سزا) لگ چکی ہو اور وہ اسطرح آزادی سے محروم کر دیا گیا ہو** - اَلْمَثْبِرُ اس مقام کو کہتے ہیں جہاں اونٹ ذبح کیا جائے- اس اعتبار سے اَلثُّبُوْرُ - ہلاکت اور مسلسل تباہی کو کہتے ہیں*- دَعَوْا هُنَالِکَ ثُبُوْرًا ($\frac{۲۵}{۱۳}$)- "وہ وہاں ہلاکت کو پکارینگے" - مَثْبُوْرٌ - نامراد و ناکام - ہلاک شدہ - ناقص العقل - محروم* - اِنِّیْ لَاَظُنُّکَ یَا فِرْعَوْنُ مَثْبُوْرًا ($\frac{۱۷}{۱۰۲}$) "اے فرعون! میں دیکھتا ہوں کہ تجھ میں عقل کی کمی ہے" - ثَبَرَ فُلَانٌ - فلاں آدمی ہلاک ہوگیا یا اسکی نشو و نما رک گئی - قرآن کی رو سے مطلب دونوں کا ایک ہی ہے - (دیکھئے عنوان ج-ح-م)

ث ب ط

ثَبَّطَہٗ عَنِ الْاَمْرِ - اسکو کسی بات سے روک دیا اور دوسرے کام میں لگا دیا - دیر کرا دی - قرآن کریم میں ہے فَثَبَّطَهُمْ ($\frac{۹}{۴۶}$) - "سو انہیں روک دیا" - تَثْبِيْطٌ کے معنی ہیں کسی آدمی کو اس کام سے روک دینا جو وہ کر رہا ہو - بعض نے کہا ہے کہ اسکے معنے ہیں آدمی اور اسکے ارادوں کے درمیان حائل ہو جانا - اَلثَّبِطُ اسے کہتے ہیں جو اپنے کام میں سست اناڑی اور کمزور ہو - جو دیر سے حرکت کرے*** -

ث ب ی

اَلتَّثْبِيَۃُ - ڈھیر ڈھیر جمع کرنا - کسی معاملہ پر جم جانا اور مستقل مزاجی سے لگے رہنا - بار بار اپنے قبیلہ کی تعریف کرنا - متفرق خوبیوں کو بیان کرنا - چیز کی اصلاح کرنا اور اس میں اضافہ کر دینا - مکمل کر دینا -

---

* تاج و محیط و راغب - ** تاج - *** تاج و محیط

پورا کر دینا - تعظیم کرنا - آدمی کا اپنے باپ کی سیرت پر چلنا - خیر اور شر کو جمع کر لینا - بہت زیادہ ملامت اور نکتہ چینی کرنا - ثَبَّیْتُ الْمَالَ - میں نے مال کو جمع کر دیا - مَالٌ مُثَبًّى - جمع کیا ہوا مال - اَلثَّبِیُّ - لوگوں کی بہت تعریفیں کرنے والا - اَلثُّبَةُ - حوض کا درمیانی حصہ - لوگوں کی جماعت - سواروں کا دستہ - جَاءَتِ الْخَیْلُ ثُبَاتٍ - گھوڑے ٹکڑی ٹکڑی آئے - ابن جنّی نے کہا ہے کہ ثُبَةٌ کے آخر سے واؤ گرا ہوا ہے - (جیسا کہ آبٌ - آخٌ اور سَنَةٌ اور عِضَةٌ وغیرہ میں ہے) ابن بری نے کہا ہے کہ محققین نے اسی قول کو اختیار کیا ہے کہ اسکی اصل ثُبْوَۃٌ تھی - ابو اسحٰق نے کہا ہے کہ یہ ثَابَ الْمَاءُ یَثُوْبُ سے مشتق ہے - جوہری نے کہا ہے کہ ثُبَةٌ وسط حوض کو کہتے ہیں جہاں پانی جمع ہو جاتا ہے - اور آخر کی ہاء (یا تاء مربوطہ) درمیانی واؤ کے عوض میں ہے - (اس صورت میں اس کا مادہ ث - و - ب ہوگا - لیکن) راغب نے کہا ہے کہ اس کے آخر میں سے ایک یاء محذوف ہے اور اس کا مادہ ثَبْیٌ ہے* -

ثَبَی الشَّیْءَ یَثْبِیْهِ ثَبْیًا - چیز کو جمع کرنا - بڑا کرنا - درست کرنا - اس میں اضافہ کرنا - مکمل کرنا - قرآن کریم میں ہے فَانْفِرُوْا ثُبَاتٍ اَوِ انْفِرُوْا جَمِیْعًا (۴/۷۱) - اس میں ثُبَاتٍ جمع ہے ثُبَةٌ کی جس کے معنے ایک الگ جماعت کے ہوتے ہیں - اس کے مقابلہ میں جَمِیْعًا آیا ہے - یعنی تم الگ، گروہ گروہ ہو کر نکلو یا سب کے سب اکٹھے - اس کی جمع ثُبَاتٍ اور ثُبُوْنَ ثُبِیْنَ آتی ہے - اس میں آخری یاء محذوف ہے** - (نیز دیکھئے عنوان ث - و - ب) -

ث ج ج

ثَجَّ الْمَاءُ - یَثُجُّ - ثُجُوْجًا - پانی کا بہنا - زور سے گرنا - اِنْثَجَّ - پانی گر گیا - اَلثَّجَّاجُ مِنَ الْمَطَرِ - زور سے برسنے والی موسلا دھار بارش*** -

قرآن کریم میں ہے وَاَنْزَلْنَا مِنَ الْمُعْصِرَاتِ مَاءً ثَجَّاجًا (۷۸/۱۴) - " ہم نے بادلوں سے زور سے برسنے والا پانی اتارا " -

ث خ ن

ثَخُنَ - یَثْخُنُ - کسی چیز کا موٹا کثیف اور گاڑھا ہو جانا ، اسطرح کہ وہ بہ نہ سکے - اَثْخَنَ فِی الْعَدُوِّ - اسنے دشمنوں کو بہت زیادہ قتل

* تاج - ** راغب - *** تاج و محیط و ابن فارس -

اور زخمی کیا ۔ اِسْتَثْخَنَ مِنْهُ النَّوْمُ ۔ نیند اس پر غالب آگئی ۔ اَثْخَنَ ۔ وہ غالب آ گیا ۔ اس نے تسلط پا لیا* ۔

سورۃ انفال میں ہے حَتّٰی یُثْخِنَ فِی الْاَرْضِ (۸/۶۷) ۔ ''جب تک وہ تمام دشمنوں پر غالب نہ آ جائے'' ۔ اور انہیں انکی مخالفانہ کارروائیاں جاری رکھنے سے نہ روک دے ۔ سورۃ محمد میں ہے حَتّٰی اِذَا اَثْخَنْتُمُوْهُمْ (۴۷/۴) ''جب تم انہیں مغلوب کر لو'' ۔

دراصل ثَخَنَ کے بنیادی معنی ہوتے ہیں کسی چیز کا اسقدر بھاری (یا بوجھل) ہو جانا کہ وہ اسکی وجہ سے حرکت نہ کرسکے ۔ (ابن فارس) ۔ چونکہ مغلوب یا مقتول اپنے مقام سے حرکت نہیں کرسکتا اس لئے اس کے لئے یہ لفظ استعمال کیا جاتا ہے ۔ اس کے معنی ہونگے اس قسم کا غلبہ جو دشمن کو بے حس و حرکت اور بے دست و پا کردے اور اس طرح وہ مخالفت کے قابل نہ رہے ۔ چنانچہ ثَخِیْنٌ اس آدمی کو کہتے ہیں جس کے پاس کوئی ہتھیار نہ ہو** ۔ محیط میں لکھا ہے کہ ثَخِیْنٌ کے معنے ہتھیار بند ہیں ۔ ممکن ہے کہ اپنی اصل کے لحاظ سے اس لفظ میں یہ دونوں معنی پیدا ہوگئے ہوں ۔ اس لئے کہ جس طرح ہتھیار بند اسلحہ کے بوجھ اور بندش کی وجہ سے آزاد نہیں رہتا اور پوری طرح تیزی سے حرکت نہیں کرسکتا ، اسی طرح نہتا بھی خوف کے باعث آزاد نہیں رہتا اور اسکی حرکت میں کمی آ جاتی ہے ۔

ث ر ب

ثَرْبٌ پتلی باریک چربی جو انتڑیوں کے ساتھ ہوتی ہے ۔ تَثْرِیْبٌ ۔ اس چربی کا ازالہ کر دینا ۔ اسے وہاں سے ہٹا دینا ۔ ثَرَّبَ الثَّوْبَ اسنے کپڑے کو لپیٹ دیا ۔ ثَرَّبَهُ وعَلَيْهِ يُثَرِّبُ تَثْرِيْبًا ۔ اسے اسکی غلطی پر عار دلانا یا ملامت کرنا ۔ زجروتوبیخ کرنا ۔ سرزنش کرنا*** ۔ سورۃ یوسف میں ہے ۔ لَا تَثْرِيْبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ (۱۲/۹۲) ۔ ''تم پر آج کوئی ملامت نہیں'' ۔ میں تمہیں زجروتوبیخ اور سرزنش نہیں کرتا ۔ تمہیں معافی ہے پچھلی لغزشوں پر، اور آئندہ تمہیں عار نہیں دلائی جائیگی ۔

يَثْرِبُ ۔ مدینہ منورہ کا قدیمی نام ہے*** ۔ قرآن کریم میں ہے یٰٓاَهْلَ يَثْرِبَ ۔ ''اے یثرب کے رہنے والو'' ۔ (۳۳/۱۳) ۔

---

* تاج ۔ ** ابن فارس ۔ *** تاج و راغب و محیط ۔

ث ری (ث ر و)

اَلثَّریٰ - نمی - نم آلود مٹی - یعنے وہ مٹی جو گیلی ھو گئی ھو لیکن گارا نہ بنی ھو- زمین کی اوپر کی سطح خشک ھوتی ھے اور اس کے نیچے نم آلود - اس سطح کو ثریٰ کہتے ھیں - مَاتَحْتَ الثَّرٰی (۲۰/۶) - ''جو کچھ ثریٰ کے نیچے ھے،، - ثَرِیَتِ الْاَرْضُ - زمین نم آلود ھو گئی - چونکہ زمین کی نمی کھیتی کیلئے نہایت ضروری ھے اسلئے فُلَانٌ قَرِیْبُ الثَّرٰی کے معنے ھیں ایسا آدمی جو آسانی سے خیر و برکت عطا کر دے- حقیقی ثروت زمین کی نمی کے ساتھ وابستہ ھے جو رزق کا سر چشمہ ھے- اَنَا ثَرِیٌّ بِہٖ - میں اس سے خوش ہوں* -

ث ع ب

ثَعَبَ الْمَاءَ - پانی بہایا - فَانْثَعَبَ - چنانچہ پانی بہہ نکلا - مَاءٌ اُثْعُبَانٌ - بہنے والا پانی - مَثَاعِبُ الْمَدِیْنَۃِ - شہر کی پانی بہنے کی جگہیں - الثُّعْبَانُ - سانپ (موٹا لمبا اور نر سانپ) - چونکہ سانپ زمین پر اسطرح چلتا ھے جیسے پانی کی نالی بہہ رھی ھو اسلئے اسے ثُعْبَانٌ کہتے ھیں* - اَلْاُثْعُبَانُ - بھاری بھر کم سفید اور حسین چہرہ* -

ابن فارس نے کہا ھے کہ اس کے بنیادی معنی درازی اور پھیلنے کے ہوتے ھیں - (پانی وغیرہ میں)-

قرآن کریم میں قصہ حضرت موسےٰؑ کے سلسلہ میں کہا گیا ھے فَاَلْقٰی عَصَاہُ فَاِذَا ھِیَ ثُعْبَانٌ مُّبِیْنٌ ... (۷/۱۰۷) - اس کے لغوی معنی ھیں ''تب اس نے اپنا عصا ڈالا تو وہ صریح سانپ (اژدھا) تھا،، - اس کے مجازی مفہوم کے لئے عنوان (ع - ص - و) میں لفظ عصا دیکھئے -

ث ق ب

الثَّقْبُ - سوراخ - آر پار شگاف - ثَقَبَہٗ - یَثْقُبُہٗ - اسنے اسمیں سوراخ کر دیا - فَانْثَقَبَ - اسمیں سوراخ ھو گیا - اَلْمِثْقَبُ - سوراخ کرنے کا آلہ - ثَقَبَتِ النَّارُ - آگ بھڑک اٹھی- ثَقَبَ الْکَوْکَبُ ستارہ چمکا - شِہَابٌ ثَاقِبٌ - روشن ستارہ - گویا وہ تاریکی کی چادر میں سوراخ کر کے باھر نکل آتا ھے، یا اسکی کرنیں فضا کی تاریکی میں چھید کرتی جاتی ھیں -

*تاج - **محیط -

اَلثَّقِیْبُ ۔ اس اونٹنی کو کہتے ہیں جو بہت دودھیاری ہو۔ جس کے دودھ کی دھاریں چھید کرتی جائیں* ۔ قرآن کریم میں شِهَابٌ ثَاقِبٌ (۱۰/۳۷)۔ اور اَلنَّجْمُ الثَّاقِبُ (۳/۸۶) آیا ہے ۔

ث ق ف

اَلثَّقْفُ ۔ کے بنیادی معنے ہیں کسی چیز کے بھانپ لینے اور پالینے میں مہارت اور کسی کام کے کرنے میں حذاقت ۔ ثَقِفْتُ كَذَا ۔ میں نے کسی چیز کو مہارت نظر کے ذریعہ تاڑ لیا ۔ اسکے بعد یہ لفظ محض پالینے کے مفہوم میں استعمال ہونے لگا خواہ اسکے ساتھ نگاہ کی مہارت شامل ہو یا نہ ہو** ۔ صاحب محیط نے لکھا ہے کہ اس کے معنی غلبہ پالینے کے بھی ہیں ۔ قرآن کریم میں ہے اِنْ يَّثْقَفُوْكُمْ يَكُوْنُوْا لَكُمْ اَعْدَاءً (۲/۶۰)۔ اگر وہ تم پر غلبہ پالینگے تو تمہارے دشمن ہوجائیں گے'' ۔ یا وَاقْتُلُوْهُمْ حَيْثُ ثَقِفْتُمُوْهُمْ (۱۹۱/۲) ''جہاں تم انہیں بھانپ لو اور غلبہ پا لو انہیں قتل کر دو'' ۔

اَلثِّقَافُ کے معنے باہم جھگڑنے اور تلواریں چلانے کے ہیں ۔ نیز وہ آلہ جس سے نیزوں کو سیدھا کیا جاتا ہے*** ۔ ابن فارس نے کہا ہے کہ اس کے بنیادی معنی کسی ٹیڑھی چیز کو سیدھا کرنے کے ہوتے ہیں ۔ چنانچہ ثَقَّفْتُ الْقَنَاةَ کے معنی ہیں میں نے نیزہ کے خم کو سیدھا کردیا ۔ اس اعتبار سے اَلثَّقَافَةُ میں جہاں نگاہ کی تیزی ۔ ذہانت ۔ اور حذاقت کا مفہوم ہے وہاں اس میں تلوار چلانے اور نیزہ کے خم کو سیدھا کر دینے کا مفہوم بھی ہے* ۔ قوموں کی اولین ثَقَافَت شمشیر و سناں ہوتی ہے اور آخر الامر اس سے مفہوم شعر گوئی اور افسانہ طرازی رہ جاتا ہے ۔ ایک زندہ قوم کی ثقافت ، نگاہ کی تیزی اور شمشیر کی خارہ شگافی (دونوں) کا مجموعہ ہوتی ہے ۔

ث ق ل

اَلثِّقَلُ ۔ خِفَّةٌ کی ضد ہے ۔ بھاری اور بوجھل ہونا ۔ راغب نے کہا ہے کہ یہ دونوں مقابل کے الفاظ ہیں ۔ جب تم کسی چیز کا کسی دوسری چیز کےساتھ وزن یا اندازہ کر رہے ہو تو جو چیز بھاری ہو اسے ثَقِيْلٌ کہتے ہیں اور جو ہلکی ہو اسے خَفِيْفٌ ۔ ثَقِيْلٌ کی جمع ثِقَالٌ آتی ہے***۔

*تاج و محیط و راغب ۔ **راغب ۔ ***تاج ۔

عظیم الشان وزنی بات - قَوْلاً ثَقِیْلاً (۷۳/۵) - ثَقَلَیْنِ - دو عظیم القدر چیزیں - یا جماعتیں - اَیُّهَ الثَّقَلٰنِ (۵۵/۳۱) - صاحب محیط نے کہا ہے کہ اس سے مراد عرب و عجم ہیں کیونکہ دونوں صفحہ ارض پر ثَقَلٌ ہیں** -

اَثْقَالٌ (ثِقْلٌ کی جمع ہے) وزن - بوجھ - اعمال کے نتائج - (۲۹/۱۳) - سورۃ زِلزَالٌ میں ہے وَ اَخْرَجَتِ الْاَرْضُ اَثْقَالَهَا (۹۹/۲) - ''زمین اپنے اثقال کو اوپر لے آئے گی - باہر نکال دے گی''- اس سے مراد زمین کے چھپے ہوئے خزائن و دفائن (معدنیات وغیرہ) بھی ہیں اور بڑے بڑے لوگ بھی - مِثْقَالٌ - ہر وہ چیز جس سے کسی چیز کا وزن کیا جائے - چنانچہ ہر باٹ کو مِثْقَالٌ کہہ سکتے ہیں* (۳/۳۰) -

ثَقُلَ - بھاری ہونا* - ثَقُلَتْ فِی السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ (۷/۱۸۷) - ''وہ ارض و سماء میں بھاری ہے'' - اَثْقَلَتِ الْمَرْاَۃُ وَ ثَقُلَتْ - عورت کا حمل ظاہر ہوگیا* - (۷/۱۸۹) - اِثَّاقَلَ - بوجھل ہو کر (زمین کی طرف) جھک جانا - سست ہو جانا - دیر لگا دینا** - (۹/۳۸) -

مُثْقَلٌ - بوجھ سے دبا ہوا* (۵۲/۴۰) - مُثْقَلَۃٌ (۳۵/۱۸) -

سورۃ توبہ میں ہے - اِنْفِرُوْا خِفَافًا وَّ ثِقَالاً (۹/۴۱) - جب تمہیں جہاد کیلئے بلایا جائے تو تم چاہے فراخی کی حالت میں ہو یا تنگی کی حالت میں ہر حال میں جہاد کے لئے چل کھڑے ہو - تاج العروس نے جوان اور بوڑھے بھی کہا ہے* - نیز اس کے معنے چست اور سست بھی ہو سکتے ہیں اور سامانِ حرب سے ادھوری یا پوری طرح لیس ہونے والے بھی -

ثَقُلَتْ مَوَازِیْنُهٗ کے لئے دیکھئے عنوان (خ - ف - ف) -

ث ل ث

اَلثُّلُثُ - اَلثُّلْثُ - ایک تہائی حصہ (⅓ حصہ) فَلِاُمِّهِ الثُّلُثُ (۴/۱۱) - ''تو اسکی ماں کے لئے ایک تہائی حصہ ہے'' - اَلثُّلُثَانِ - دو تہائی - ثَلَّثَ - گھوڑے کا دوڑ میں مُصَلِّی کے بعد تیسرے نمبر پر آنا - (مُصَلِّی وہ ہوتا ہے جو پہلے نمبر سے متصل دوسرے نمبر پر آئے) - اَلثَّلٰثَۃُ - تین کا عدد ، مذکر (ثَلٰثٌ مؤنث) قرآن کریم میں ہے - فَصِیَامُ ثَلٰثَۃِ اَیَّامٍ (۲/۱۹۶) - ''تین دن کے روزے (بطور فدیہ)'' -

ثُلٰثَ - تین تین - مَثْنٰی وَ ثُلٰثَ وَ رُبٰعَ - (۴/۳) ''دو دو - تین تین - چار چار'' - اَلثَّلٰثِیْنَ و الثَّلٰثُوْنَ - تیس (۳۰) -

*تاج - **محیط -

ث ل ل

اَلثَّلَّۃُ - بہت سی بھیڑیں یا بکریاں - اصل میں اون کے ڈھیر کو کہتے ھیں - چونکہ بھیڑ بکریوں پر اون ھوتی ھے اسلئے ان کے ریوڑ کیلئے بھی یہی لفظ بولا جاتا ھے - حَبْلُ ثَلَّۃٍ - اُون کی رسّی - الثُّلَّۃُ - آدمیوں کی جماعت* - قرآن کریم میں ھے ثُلَّۃٌ مِنَ الْاَوَّلِیْنَ (۵۶/۱۳) - ''پہلوں میں سے ایک بہت بڑی جماعت،، -

ثَلَّ الدَّارَ - گھر کی دیوار کی بنیاد میں سے مٹی نکال لینا اور پھر اسے دھکا دیکر گرا دینا - بَیْتٌ مَثْلُوْلٌ - منہدم مکان کو کہتے ھیں - الثَّلَّۃُ - ھلاکت* - یعنی ڈھیر ھو کر رہ جانا -

ث م د

اَلثَّمْدُ - الثَّمَدُ - الثِّمَادُ - تھوڑا سا پانی جو کہیں جمع ھو جائے اور جسکا کوئی چشمہ نہو - مثلاً بارش کا پانی - اَثْمَدَ الماءَ : بارش کے پانی کو گڑھوں وغیرہ میں محفوظ کیا - **

اَلثَّامِدُ - اُس (بکری یا انسان کے) بچے کو بھی کہتے ھیں جو دیر کے بعد کھڑا ھونے کے قابل ھو سکے *** -

ثَمُوْدَ - محققین علم الاقوام نے دنیا کی قوموں کو تین بڑی بڑی شاخوں میں تقسیم کیا ھے (۱) آریائی (۲) منگولی (۳) سامی - سامی اقوام میں عرب، آرامی، عبرانی، سریانی، کلدانی وغیرہ شامل ھیں - قرآن نے جن اقوام اور انبیائے کرام[ؑ] کا ذکر کیا ھے وہ سامی اقوام سے متعلق ھیں - تورات کے بیان کے مطابق سام، حضرت نوح[ؑ] کے ایک بیٹے کا نام تھا - ان کی اولاد سامی کہلاتی ھے - دور حاضرہ کی تحقیق کے مطابق امم سامیہ کا اولین وطن عرب تھا جہاں سے نکل کر وہ بابل، شام، مصر وغیرہ تک پھیل گئیں - ان میں سے جنہوں نے اندرون عرب میں حکومتیں قائم کیں ان میں سب سے مشہور قبیلہ ثمود کا تھا - ثَمْدٌ کے لغوی معنی کے پیش نظر، بعض کا خیال ھے کہ ان کا نام ثَمُوْد اس لئے تھا کہ ان کے علاقہ میں پانی کی قلت تھی اور یہ بارش کے پانی پر گزارہ کیا کرتے تھے** - یہ قوم عرب کے شمال مغربی علاقہ پر حکمران تھی جسے وادیٔ قریٰ کہتے تھے - حجر ان کا دارالحکومت تھا جو اس قدیم

*تاج - راغب - محیط - **تاج - ***راغب و محیط -

راستے پر واقع تھا جو حجاز سے شام کیطرف جاتا ہے۔ وادیٔ قریٰ کے گرد و پیش کا علاقہ بڑا سر سبز ہے لیکن آتش فشاں مادہ سے لبریز۔ یہ قوم میدانوں میں وسیع و رفیع محلات تعمیر کرتی اور پہاڑوں کے گوشوں میں مستحکم قلعے بناتی تھی جو فن سنگ تراشی کے نمونے تھے(۷/۷۴ ; ۱۵/۸۳)۔

اللہ تعالےٰ نے انسان کو پیدا کیا تو اس کے ساتھ ہی اس کے لئے سامان رزق زمین کے دستر خوان پر بافراط بچھا دیا تاکہ ہر ایک اپنی اپنی ضرورت کے مطابق لے لے۔ لیکن مستبد قوتیں رزق کے سرچشموں کو اپنی ملکیت بنا لیتی ہیں جسکا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ کمزور انسان بھوکے مر جاتے ہیں۔ حضرات انبیاءٔ کرام کی بعثت کا مقصد یہ بھی ہوتا تھا کہ وہ رزق کے چشموں کو مستبد قوتوں کے ہاتھوں سے چھڑا کر نوع انسانی کے لئے عام کر دیں۔

قدیم زمانہ (اور آج بھی صحرا نورد اور بادیہ پیما اقوام) میں پانی کے چشمے اور چراگاہیں رزق کے اولیں ذرائع ہوتے ہیں۔ قوم ثمود کے ہاں بھی یہی حالت تھی۔ سرداران قوم نے پانی کے چشموں کو اپنے قبضے میں لے رکھا تھا اور کمزور انسان انکے دست نگر تھے۔ معاشرہ کے اس فساد کو مٹانے کے لئے ان میں حضرت صالح؂ مبعوث ہوئے (۷/۷۳) جنھوں نے اِن سے کہا کہ وہ ملک میں اس قسم کی ناہمواریاں (فساد) پیدا نہ کریں (۷/۷۴)۔ کمزور طبقے نے حضرت صالح؂ کا ساتھ دیا لیکن دولت مند طبقہ نے ان کی سخت مخالفت کی (۷/۷۵)۔ اور آپ کی دعوت کے جواب میں کہا کہ ہمارے ہاں جو مسلک ہمارے اسلاف سے چلا آرہا ہے ہم اس میں کوئی تبدیلی نہیں پیدا ہونے دیں گے۔ لیکن معلوم ہوتا ہے کہ حضرت صالح؂ کی پوزیشن مستحکم تھی اس لئے انھوں (سرداروں) نے آپ سے معاہدہ کر لیا کہ پانی کے چشموں پر جانوروں کی باریاں مقرر کر دی جائیں اور امیروں اور غریبوں (سب) کے جانور اپنی اپنی باری پر پانی پی لیا کریں۔ حضرت صالح؂ نے کہا کہ اس بات کے ثبوت کے لئے کہ تم اپنے معاہدہ پر قائم رہتے ہو یا نہیں میں اپنی اونٹنی چھوڑتا ہوں۔ اگر تم نے اسے اسکی باری پر پانی پی لینے دیا تو سمجھا جائیگا کہ تم اپنی بات کے پکے ہو (۷/۷۳)۔ لیکن ان مفسدین نے اس اونٹنی کو مار ڈالا اور اسطرح اپنی بات سے پھر گئے (۷/۷۷)۔ یہ اونٹنی گویا خدا کے قانون کی محسوس علامت تھی۔ اس لئے اسے نَاقَۃُ اللہِ اور آیَۃً (۷/۷۳) کہا گیا ہے۔ وہ لوگ عیش و آرام کی زندگی بسر کر رہے تھے کہ ایک رات آتش فشاں پہاڑوں میں دھماکا ہوا۔ ایک چیخ۔

ایک گرج۔ ایک کڑک کی آواز فضا میں گونجی اور قوم ثمود کی بستیاں راکھ کا ڈھیر ہو گئیں (۷/۷۸)۔

[اس قوم کی فساد انگیز روشِ زندگی اور اس حادثہ میں باھمی تعلق کیا تھا ۔ اس کے متعلق میری کتاب ''جوئے نور،، میں (حضرت نوحؑ کے تذکرہ کے ضمن میں) تفصیل ملیگی]

ث م ر

ثَمَرٌ ۔ درخت کے پھل ۔ ھر قسم کا مال ۔ سونا چاندی ۔ سب کو ثَمَرٌ کہتے ھیں ۔ اَلثَّمْرَةُ خود درخت کو بھی کہتے ھیں ۔ اور اولاد کو بھی ۔ مَالٌ ثَمَرٌ ۔ کثیر مال ، (جو بہت جلد بڑھ جائے)۔ ثَمَّرَ النَّبَاتُ کے معنے ھیں پودے نے پھول جھاڑا اور اسکی جگہ پھل نمودار ہوا۔ ابن فارس نے اس مادہ کی اصل وہ چیز بتائی ھے جو مجتمع شکل میں کسی دوسری چیز سے پیدا ہو، پھر استعارةً دوسری چیزوں کو بھی کہدیا جاتا ھے۔

قرآن کریم میں یہ لفظ مال و دولت کیلئے بھی آیا ھے۔ (کَانَ لَہٗ ثَمَرٌ (۱۸/۳۴)۔ شہد کی مکھی کیلئے کہا گیا ھے کہ وہ تمام ثَمَرَاتٌ سے رس چوستی ھے (۱۶/۶۹)۔ راغب نے لکھا ھے کہ ثَمَرٌ درخت کے تمام ان اجزاء پر حاوی ھے جنکو کھایا اور چکھا جاسکے ۔ اسلئے ثمرات میں پھلوں کے علاوہ پھولوں وغیرہ کے بھی وہ اجزاء شامل ھیں جنھیں کھایا یا چکھا جاسکے ۔

ثَمَّ

ثَمَّ ۔ یہ ظرف مکان ھے ۔ اور ان معنوں میں استعمال ھوتا ھے جن معنوں میں انگریزی میں (There) استعمال ھوتا ھے ۔ یعنے وھاں**۔ سورة بقرة میں ھے فَاَیْنَمَا تُوَلُّوْا فَثَمَّ وَجْهُ اللّٰهِ (۲/۱۱۵) ''تم جسطرف بھی اپنا رخ کروگے وھاں اس راستہ کو اپنے سامنے پاؤگے جو تمہیں خدا کی مقرر کردہ منزل کی طرف لیجائے'' ۔ قانون خداوندی زندگی کے ھر گوشے میں مل جائیگا (دیکھئے عنوان و ۔ ج ۔ ہ) ۔ سورة شعراء میں ھے وَاَزْلَفْنَا ثَمَّ الْاٰخَرِیْنَ (۲۶/۶۴) ۔ ''ھم دوسروں کو بھی وھیں قریب لے آئے'' ۔ سورة الدھر میں ھے اِذَا رَاَیْتَ ثَمَّ رَاَیْتَ نَعِیْمًا (۷۶/۲۰) ''جب تو وھاں دیکھیگا (یا اُدھر دیکھیگا) تو نعمتیں نظر آئینگی'' ۔ سورة تکویر میں ھے مُطَاعٍ ثَمَّ اَمِیْنٍ (۸۱/۲۱) ''وہ مطاع بھی ھے اور اس کے ساتھ ھی امین بھی''۔

*(تاج) ۔ **تاج و لین ۔

(ثَمّ ۔ فعل بھی ہوتا ہے جسکے مختلف معانی ہیں ۔ مثلاً درست کر دینا ۔ پاؤں سے روندنا ۔ جمع کرنا وغیرہ ۔)

ثُمَّ (حرف)

ثُمَّ ۔ عام طور پر یہ اس مقام پر آتا ہے جہاں کوئی ترتیب بیان کرنا مقصود ہو ۔ جیسے ہم کہتے ہیں کہ پہلے اس نے کھانا کھایا پھر پانی پیا ۔ سورۃ مومنون میں ہے ۔ ثُمَّ اَنْشَاْنَا مِنْ بَعْدِهِمْ قَرْنًا اٰخَرِیْنَ ۔ (۲۳/۳۲) ”پھر ہم نے ان کے بعد ایک اور نسل پیدا کی“ ۔

(۲) لیکن ضروری نہیں کہ ثُمَّ ہر جگہ ترتیب کے معنی ہی میں استعمال ہو ۔ یہ وَ (اور) کے معنوں میں بھی استعمال ہوتا ہے ۔ مثلاً سورۃ یونس میں ہے ۔ ثُمَّ اللّٰهُ شَهِیْدٌ عَلٰی مَا یَفْعَلُوْنَ (۱۰/۴۶) ۔ ”اور اللہ اس پر گواہ ہے جو یہ کرتے ہیں“ ۔ اسکی ایک اور بیّن مثال یہ ہے کہ سورۃ بقرہ میں ہے هُوَ الَّذِیْ خَلَقَ لَكُمْ مَّا فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا ثُمَّ اسْتَوٰٓی اِلَی السَّمَآءِ فَسَوّٰهُنَّ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ (۲/۲۹)۔ ”اللہ وہ ہے جس نے تمہارے لئے وہ سب کچھ پیدا کیا جو زمین میں ہے ۔ (ثُمَّ) اور وہ آسمانوں کی طرف متوجہ ہوا ۔ اور انہیں متعدد کُروں میں درست کیا“ ۔ اگر یہاں ثُمَّ کے معنی ”پھر“ کئے جائیں تو مطلب یہ ہوگا کہ ترتیب کے لحاظ سے پہلے زمین کو بنایا اور پھر آسمانی کروں کو ۔ لیکن سورۃ نازعات میں پہلے آسمانی کُروں کے متعلق ہے ۔ رَفَعَ سَمْكَهَا فَسَوّٰهَا ۔ ”اس نے آسمان کی بلندی کو اونچا کیا اور اسے ٹھیک بنایا“ ۔ اس کے بعد ہے ۔ وَالْاَرْضَ بَعْدَ ذٰلِكَ دَحٰهَا (۷۹/۲۹) ”اور زمین کو اس کے بعد پھینکا“ ۔ اس سے معلوم ہوا کہ پہلے آسمانی کروں کو مرتب کیا پھر زمین کو دور پھینکا ۔ (اسکی تائید کہ ان کروں کو چھینٹوں کی طرح اڑایا (۲۱/۳۰) سے بھی ہوتی ہے) ۔ اس سے ظاہر ہے کہ (۲/۲۹) میں ثُمَّ ، ترتیب کے لئے نہیں آیا ۔ لہذا اس کے معنی ہر مقام پر ترتیب کے نہیں لئے جائینگے ۔ کہیں وَ (اور) کے بھی لئے جائینگے ۔

نیز کہیں یہ زائد ہوتا ہے ۔ مثلاً سورۃ توبہ میں ہے حَتّٰٓی اِذَا ضَاقَتْ عَلَیْهِمُ الْاَرْضُ ..... ثُمَّ تَابَ عَلَیْهِمْ (۹/۱۱۸) ۔ ”یہاں تک کہ جب ان پر زمین باوجود اپنی وسعت کے تنگ ہوگئی ۔ اور وہ خود اپنے آپ سے تنگ آگئے ۔ اور انہیں یقین ہوگیا کہ اللہ کی سزا سے اللہ کے سوا کوئی بچانے والا نہیں ۔ تو اللہ ان کی طرف متوجہ ہوا“ ۔ یہاں ثُمَّ کچھ معنی نہیں دیتا ۔ اسے زائد کہتے ہیں ۔ (”زائد“ کے متعلق کتاب کا پیش لفظ دیکھئے) ۔

ث م ن

ثَمَنٌ الشَّیْئِ۔ وہ کچھ جسے ادا کرنے کے بعد چیز کی ملکیت حاصل ہو جائے۔ عام طور پر ثَمَنٌ کسی چیز کی اس قیمت کو کہتے ہیں جس پر خریدار اور فروخت کرنے والا باہم راضی ہو جائیں۔ اور "قیمت" اس معاوضہ کو کہتے ہیں جو اس چیز کے فی الواقعہ برابر ہو۔ مَتَاعٌ ثَمِیْنٌ۔ قیمتی سامان*۔

قرآن کریم میں ہے۔ وَلَا تَشْتَرُوْا بِاٰیَاتِیْ ثَمَنًا قَلِیْلًا ($\frac{۲}{۴۲}$) "میری آیات کو تھوڑی سی قیمت کے عوض مت بیچو"۔ اس کے یہ معنی نہیں کہ انہیں زیادہ قیمت پر بیچو۔ کم قیمت پر مت بیچو۔ مطلب یہ ہے کہ ان کی حقیقی قیمت وہی ہے جو ان پر عمل پیرا ہونے سے ان کے نتائج کی صورت میں ملتی ہے۔ اس کے علاوہ جو قیمت بھی ہوگی وہ ثمن قلیل ہوگی۔ دین کو ذاتی اغراض و مصالح کے حصول کا ذریعہ بنانا بدترین جرم ہے۔ مذہبی پیشوائیت کا مدار ہی اس پر ہے۔ چنانچہ قرآن، شیطان کی زبان سے کہلواتا ہے کہ لَاَتَّخِذَنَّ مِنْ عِبَادِكَ نَصِیْبًا مَفْرُوْضًا ($\frac{۴}{۱۱۸}$) "میں ضرور تیرے بندوں سے ایک مقرر حصہ لونگا"۔ اسی کو وہ مَتَاعٌ فِی الدُّنْیَا کہکر پکارتا ہے ($\frac{۱۰}{۶۹}$)۔ یعنی انسان کی طبعی زندگی کے مفاد و متاع جس میں اس کی مستقبل کی زندگی کا کوئی خیال نہیں رکھا جاتا۔ یہ متاع بہر حال قلیل ہوتی ہے ($\frac{۴}{۷۷}$) خواہ اسکی مقدار کتنی ہی زیادہ کیوں نہ ہو۔ اس لئے کہ جس متاع سے انسانی ذات کی نشو و نما نہ ہو وہ میزانِ انسانیت میں کچھ وزن نہیں رکھتی۔ مذہبی پیشوائیت کا باہمی گٹھ جوڑ اسی متاع کے لئے ہوتا ہے۔ ($\frac{۲۹}{۲۵}$)۔ اسی لئے پیشوائیت اور اسلام متضاد تصور ہیں۔

ثَمَانِیَةٌ۔ آٹھ (مذکر کیلئے)۔ ثَمَانِیَةَ اَیَّامٍ ($\frac{۶۹}{۷}$)۔ "آٹھ دن"۔

ثَمَانٍ یا ثَمَانِیْ۔ آٹھ (مونث کے لئے)۔ ثَمَانِیَ حِجَجٍ ($\frac{۲۸}{۲۷}$)۔ "آٹھ سال"۔

ثَمَانُوْنَ۔ ثَمَانِیْنَ۔ اسّی۔ ثَمَانِیْنَ جَلْدَةً ($\frac{۲۴}{۴}$)۔ "اسّی کوڑے"۔

اَلثُّمُنُ۔ اَلثُّمْنُ۔ اَلثَّمِیْنُ۔ کسی چیز کا آٹھواں حصہ۔

فَلَهُنَّ الثُّمُنُ ($\frac{۴}{۱۲}$)۔ "ان کے لئے آٹھواں حصہ ہے"۔

---

*تاج و محیط۔

مرزا ابو الفضل نے (غریب القرآن میں) سرسید احمد خان کے حوالہ سے لکھا ھے کہ یہ لفظ کبھی محض فصاحت کلام کے لئے بھی بولا جاتا ھے جسمیں اسکے معنے غیر متناعی کے ہوتے ھیں - یعنی بہت سے) -

ثمود

دیکھئے عنوان (ث - م - د) -

ث ن ی

ثَنَاهُ - ثَنْيًا - کسی چیز کو دُھرا کرنا یا تہہ کرنا (جیسے کپڑا)- یا کسی چیز کو موڑ کر دھرا کرنا (جیسے درخت کی شاخ کو موڑ کر دھرا کر دیا جائے) -

ثَنَى الشَّيْءَ - چیز کو موڑ دیا یا لپیٹ دیا - تَثَنَّى - چیز مڑ گئی - ثَنْيُ الْحَيَّةِ - سانپ کا بل کھانا - اَلثِّنْيُ مِنَ الْوَادِیْ - وادی کا موڑ- اس کی جمع اَلْمَثَانِیْ مِنَ الْوَادِیْ ھے - اَلْمَثَانِیْ مِنَ الدَّابَّةِ - چوپایہ کے گھٹنے اور کہنیاں جو مڑ کر دھری ھو جاتی ھیں* - ثِنَايَةٌ - اس رسی کو کہتے ھیں جس سے اونٹ کا گھٹنا موڑ کر اس کی ران سے باندھا جاتا ھے** - ثِنْيٌ - وہ چیز جسے دھرایا جائے، یکے بعد دیگرے بار بار کیا جائے* - اَلْاِثْنَانِ - دو - ایک کا دگنا* - مؤنث اِثْنَتَانِ، اِثْنَتَيْنِ. فَوْقَ اثْنَتَيْنِ ($\frac{4}{11}$) - "دو سے زیادہ" (عورتیں) -

اَثْنَاءُ الْكَلَامِ - وسط کلام، فِیْ اَثْنَاءِ ذٰلِكَ - اس درمیان میں -

اِسْتِثْنَاءٌ - کسی کو مستثنیٰ کرنا* - الگ نکال کر رکھ دینا - چنانچہ ابن فارس نے کہا ھے کہ اس مادہ کے بنیادی معنی (۱) ایک کام کو دوبارہ (مکرر) کرنا اور (۲) ایک چیز کی دو الگ الگ چیزیں بنا دینا ھیں -

قرآن کریم میں منافقین کے متعلق ھے اَلَا اِنَّهُمْ يَثْنُوْنَ صُدُوْرَهُمْ ($\frac{11}{5}$) - وہ اپنے سینے کو دھرا کئے ہوتے ھیں" - اسے تہہ کر لیتے ھیں کہ اوپر کچھ اور دکھائی دے اور نیچے کچھ اور ھو- (Dual Personality) - سورۃ حج میں کتاب اللہ سے اعراض برتنے والے اور گریز کی راھیں نکالنے والے کے متعلق کہا گیا ھے ثَانِیَ عِطْفِهٖ ($\frac{22}{9}$) - "وہ

*تاج - **لین - ***محیط -

اپنی گردن موڑ کر چل دیتا ہے۔ اعراض برتتا ہے " سورۃ القلم میں ہے کہ تباہ ہونے والے سرمایہ پرست لَا يَسْتَثْنُوْنَ (۶۸/۱۸)۔ " دوسروں کا حق نکال کر الگ نہیں رکھتے تھے "۔

سورۃ الحجر میں نبی اکرمؐ سے کہا گیا ہے کہ وَلَقَدْ اٰتَيْنٰكَ سَبْعًا مِّنَ الْمَثَانِيْ وَالْقُرْاٰنَ الْعَظِيْمَ (۱۵/۸۷)۔ "ہم نے تجھے سَبْعًا مِّنَ الْمَثَانِيْ اور اَلْقُرْاٰنَ الْعَظِيْمَ عطا کیا"۔ اَلْقُرْاٰنُ الْعَظِيْمُ خدا کے مقرر کردہ بنیادی اصول ہیں جن کے مطابق اعمال اپنا اپنا نتیجہ مرتب کرتے ہیں (دیکھئے عنوان ع۔ظ۔م)۔ اور اَلْمَثَانِيْ وہ تاریخی حقائق ہیں جو اپنے آپ کو دہراتے رہتے ہیں۔ یعنے اللہ تعالیٰ نے وحی کے ذریعہ ایک تو ان بنیادی اصولوں کو بیان کر دیا جن کی رو سے قوموں کو عروج و زوال حاصل ہوتا ہے (یعنی قرآن کریم) اور اس کی تائید میں وہ متعدد تاریخی شواہد بیان کر دئے جو ہر زمانہ میں بار بار سامنے آتے ہیں۔ قرآن کی ابدی صداقتوں کے پرکھنے کا ایک اہم طریق یہ بھی ہے کہ تاریخ میں دیکھا جائے کہ فلاں قوم نے جب وہ روش اختیار کی جسے قرآن حق کی روش قرار دیتا ہے تو اس کے نتائج کیا بر آمد ہوئے اور جس قوم نے باطل کی روش اختیار کی تو اس کے عواقب کیا ہوئے۔ (مزید تفصیل کیلئے مُحْكَمَاتٌ اور مُتَشَابِهَاتٌ کی بحث دیکھئے۔ عنوان (ح۔ک۔م) کے تحت)۔

سورۃ زمر میں قرآن کریم کے متعلق ہے کِتَابًا مُّتَشَابِهًا مَّثَانِيَ (۳۹/۲۳)۔ جیسا کہ اوپر کہا جا چکا ہے، مَثَانِيَ کے معنے ہیں وہ چیزیں جو ایک دوسرے کے سامنے آ جائیں۔ (جیسے چوپاؤں کے گھٹنے اور کہنیاں جو مڑ کر ایک دوسرے کے سامنے آ جاتی ہیں)۔ اور مُتَشَابِهًا کے معنے ہیں آپس میں ملتی جلتی۔ قرآن کی ساری تعلیم، یہاں سے وہاں تک، ایک دوسرے سے ملتی جلتی چلی جاتی ہے۔ اس میں کہیں تضاد نہیں۔ تخالف نہیں۔ لیکن اپنے مفہوم کو واضح کرنے کے لئے قرآن کا اسلوب یہ ہے کہ وہ متضاد چیزوں کو آمنے سامنے لا کر بات صاف کر دیتا ہے۔ مثلاً ظُلُمَتٌ کے مقابلہ میں نُوْرٌ۔ حَيَاتٌ کے مقابلہ میں مَوْتٌ۔ اِيْمَانٌ کے مقابلہ میں كُفْرٌ۔ (اسے انگریزی میں (Juxtaposition) کہتے ہیں۔ یعنے متضاد چیزوں کو آمنے سامنے لا کر مطلب کی وضاحت کر دینا) لہذا قرآن مُتَشَابِهٌ بھی ہے اور مَثَانِيْ بھی۔ ایسی کتاب جس کی ایک کڑی

دوسری کڑی سے ملتی ہوئی آگے بڑھتی چلی جاتی ہے لیکن جس کے مطالب کو متضاد چیزوں کو آمنے سامنے لا کر واضح کیا گیا ہے۔ (مزید تفصیل کے لئے دیکھئے عنوان (ش۔ب۔ہ) اور (ح۔ک۔م)۔

مَثْنٰى۔ دو، دو (۳۵/۱)۔ (نیز ۴/۳) اِثْنَتَا عَشَرَ (مذکر) اِثْنَتَا عَشْرَةَ (مؤنث) (۲/۶۰) بارہ۔

ث و ب

ثَابَ۔ يَثُوْبُ۔ ثَوْبًا۔ چلے جانے کے بعد پھر واپس آ جانا۔ ثَابَ جِسْمُهٗ ثَوَبَانًا وَاَثَابَ۔ اسکا جسم بیماری کے بعد پھر اپنی اصلی حالت پر آنے لگا، اور اسطرح ضائع شدہ توانائی اور صحت پھر عود کر آئی*۔ ثَابَ الْمَاءُ۔ پانی نکلے جانے کے بعد پھر اتنا ہی آ گیا۔ بحال ہو گیا**۔ اَلثَّائِبُ مِنَ الْبَحْرِ۔ جزر کے بعد سمندر کا بچ رہنے والا پانی۔ بِئْرٌ ثَيِّبٌ۔ وہ کنواں جسمیں دوبارہ پانی پلٹ آئے اور جمع ہو جائے*۔ کتاب الاشتقاق میں ہے کہ ثَابَ يَثُوْبُ کے معنی رَجَعَ (واپس آ جانے) کے ہیں۔ کُلُّ رَاجِعٍ ثَائِبٌ۔ ہر واپس آنے والے کو ثائب کہا جاتا ہے۔ ابن فارس نے بھی اس کے بنیادی معنی یہی لکھے ہیں۔

مَثَابَةُ الْبِئْرِ۔ جہاں تک کنویں کا پانی پہنچ رہا ہو۔ اَلْمَثَابَةُ وہ مقام جہاں بار بار جمع ہؤا جائے۔ مرجع۔ مکان۔ منزل۔ ثَابَ النَّاسُ لوگ جمع ہو گئے*۔

اَلثَّوْبُ۔ کپڑے کو کہتے ہیں (غالباً اسلئے کہ اسکے بُننے میں نال بار بار آتی اور جاتی ہے) اسکی جمع ثِيَابٌ ہے۔ ثَوَّابٌ۔ کپڑا بیچنے والا*۔ عرب عام طور پر ثِيَابٌ کے لفظ سے انسان کی شخصیت مراد لیتے ہیں۔ یعنی خود کپڑے پہننے والا۔ چنانچہ وہ کہتے ہیں فُلَانٌ دَنِسُ الثِّيَابِ۔ یعنی وہ شخص بڑی خبیث فطرت کا ہے۔ اسکی شخصیت بڑی خراب ہے*۔

اس اعتبار سے کہ خود ثَابَ کے معنے جمع ہونے کے ہیں۔ اور اسلئے بھی کہ عربوں میں جب لوگوں کو جمع کرنا مقصود ہوتا تو ایک آدمی کسی اونچی جگہ کھڑا ہو کر کپڑا ہلاتا، تَثْوِيْبٌ کے معنے ہیں لوگوں کو آواز دیکر بلانا، اکٹھا کرنا۔ چنانچہ صبح کی نماز میں اَلصَّلٰوةُ خَيْرٌ مِنَ النَّوْمِ پکارنے کو تَثْوِيْبٌ کہتے ہیں**،

* تاج و محیط۔ نیز ابن قتیبہ (القرطین ج/۲ صفحہ ۱۹۰)۔ **تاج۔

ثَابَ یَثُوبُ۔ کے ان بنیادی معنوں کو سامنے لائیے (جن کا شروع میں ذکر آیا ھے)۔ اس سے ثَوَابٌ کا صحیح مفہوم سمجھ میں آجائیگا۔ ثَابَ کے معنے ھیں جو چیز چلی جائے اسکا پھر سے واپس آجانا ۔ آپ جو کام بھی کرتے ھیں اسمیں آپکا کچھ نہ کچھ صرف ھوتا ھے ۔ اگر اور کچھ صرف نہ ھو تو بھی آپکے جسم کی توانائی ۔ وقت اور ذھن کی صلاحیتیں صرف ھوتی ھیں۔ اگر آپکا وہ کام بیکار ھے تو آپکی یہ سب توانائیاں (جو آپنے صرف کی ھیں) ضائع چلی جاتی ھیں ۔ لیکن اگر وہ کام نتیجہ خیز اور صلاحیت بخش ھے تو آپنے جو کچھ صرف کیا ھے وہ سب آپکو واپس مل جاتا ھے ۔ اس (Restoration) کا نام ثَوَابٌ ھے ۔ ظاھر ھے کہ یہ چیز محض ذھنی یا خیالی نہیں ھو سکتی کہ ثواب ھو اور آپ کو محسوس ھی نہ ھو کہ کچھ ھؤا ھے یا نہیں ۔ آپ جو کچھ صرف کرتے ھیں اسکا آپکو پورا پورا احساس ھوتا ھے (خواہ وہ وقت یا جسم یا ذھن کی توانائی ھی کیوں نہو) اسلئے جو کچھ آپکو واپس ملے (Restore ھو) اسکا بھی آپکو احساس ھونا چاھئے ۔ ورنہ آپکو معلوم کیسے ھو سکتا ھے کہ وہ کچھ واپس مل گیا ھے یا نہیں ۔ اسی لئے قرآن کریم نے جہاں ثَوَابَ الْاٰخِرَۃِ ($\frac{۳}{۱۴۴}$) کہا ھے ۔ یعنے وہ بازیابی (واپسی) جو انجام کار (یا بعد کی زندگی میں) ملے ، اسکے ساتھ ھی ثَوَابَ الدُّنْیَا ($\frac{۳}{۱۴۷}$) بھی کہا ھے ۔ یعنے اسی دنیا کی زندگی میں بازیابی ۔ نتیجہ خیزی ۔ اور اس خیال سے کہ کسی کو غلط فہمی نہ رھے کہ یہ ثَوَابٌ کس شکل میں ملیگا اسکی تفصیل میں بتا دیا کہ یہ ثواب، سرداری و سر بلندی کے نشانات، دبیز اور لطیف ریشمی ملبوسات اور سر فرازیوں کی نشست گاھیں ھیں ۔ ($\frac{۱۸}{۳۱}$) ۔ قرآن نے ایمان اور اعمالِ صالحہ کا حتمی اور یقینی نتیجہ اِس دنیا کی حکومت اور سطوت بھی بتایا ھے ۔ ($\frac{۲۴}{۵۵}$) ۔ اس لئے ثَوَابٌ (نتائجِ اعمال) سب سے پہلے اسی دنیا میں سامنے آجانے چاھئیں ۔ اس کے بعد اُخروی زندگی میں بھی ۔ چونکہ زندگی کی یہ تمام آسائشیں اور خوشگواریاں اور انسانی صلاحیتوں کی نشو و نما اور ارتقاء ، اعمال صالحہ کا نتیجہ ھوتے ھیں، اس لئے ثَوَابٌ کے معنے اعمال کا نتیجہ بھی ھیں ۔ یعنے قانون مکافات کی رو سے اعمالِ انسانی کا نتیجہ مرتب ھونا ۔ عام طور پر اچھے نتائج کیلئے ھی اس لفظ کا استعمال ھوتا ھے، لیکن بعض اوقات غلط کاموں کے خراب نتائج کیلئے بھی اسکا استعمال ھوتا ھے، (مثلاً $\frac{۳}{۱۵۲}$ اور $\frac{۸۳}{۳۶}$ میں) ۔ یعنے انسان نے جو کچھ کیا ھے اسکا اسکی طرف لوٹ کر آجانا ۔ اس کی (Return) ۔ ھَلْ ثُوِّبَ الْکُفَّارُ مَا کَانُوْا یَفْعَلُوْنَ ($\frac{۸۳}{۳۶}$) ۔ ''کفار کے اعمال ھی نتیجہ بنکر انکی طرف لوٹ کر آجاتے

ھیں،،۔ قرآن کریم نے مکافات عمل کے ضمن میں یہ بڑا باریک نکتہ بیان کیا ھے کہ اعمال خود اپنی جزا آپ ھوتے ھیں۔ خود عمل کے اندر اسکا نتیجہ مضمر ھوتا ھے۔ آپ صبح کے وقت سیر کیلئے جاتے ھیں۔ دو تین میل کا چکر لگاتے ھیں۔ اس سے آپکی طاقت خرچ ھوتی ھے۔ وقت بھی صرف ھوتا ھے۔ لیکن اس سے آپکو صحت و توانائی، شگفتگی اور بشاشت حاصل ھوتی ھے۔ یہ صحت اور بشاشت کیا ھے۔ آپکی سیر کا نتیجہ ھے۔ یعنے آپکی سیر کا عمل خود اپنا آپ نتیجہ بن گیا ھے۔ اسے ثَوَابٌ کہتے ھیں۔ ثَوَابٌ کے اس مفہوم کے بعد آپ سمجھ سکتے ھیں کہ جس چیز کو اِیْصَالِ ثَوَاب کہتے ھیں وہ کسقدر غیر قرآنی تصور ھے۔ کیا یہ کسی طرح بھی ممکن ھے کہ سیر تو آپ کریں اور اس سیر کا نتیجہ آپ میری طرف منتقل کر دیں؟ یہ ناممکن ھے۔ اگر آپ سیر کرتے ھیں تو آپ ھی کی صحت ٹھیک ھوگی۔ اگر میں سیر نہیں کرتا تو آپکا سیر کرنا میرے کسی کام نہیں آ سکتا۔ آپ ھزار چاھیں لیکن اس سیر کا نتیجہ (ثَوَابٌ) آپ کسی دوسرے کی طرف منتقل نہیں کر سکتے۔ اس لئے آپکا کسی دوسرے کو ثواب پہنچانا ایک موھوم عقیدہ ھے جسکا حقیقت (قرآن) کے ساتھ کوئی تعلق نہیں۔ ھر شخص کو اس کے اپنے اعمال ھی کا نتیجہ ملتا ھے۔ ھر عمل کا اثر انسان کی اپنی ذات پر ھوتا ھے اس لئے اس کے (کسی دوسرے کی طرف) منتقل کرنے کا سوال ھی پیدا نہیں ھوتا۔

مَثُوْبَةٌ (۵/۶۰) بدلہ یا مکافات عمل کیلئے آیا ھے۔

قرآن کریم میں نبی اکرمؐ کو مخاطب کر کے کہا گیا ھے وَثِيَابَكَ فَطَهِّرْ (۷۴/۴)۔ ھم پہلے دیکھ چکے ھیں کہ ثِيَابٌ کے معنے انسانی شخصیت اور سیرت و کردار کے ھیں۔ (چنانچہ خود قرآن میں دوسرے مقامات پر یہ لفظ انسانی شخصیت یا قلب و دماغ کیلئے استعمال ھوا ھے۔ مثلاً (۱۱/۵ و ۷۱/۷)۔ اسلئے اسکے معنے یہ بھی ھیں کہ اپنی سیرت و شخصیت کو پاکیزہ رکھو۔ اور اگر تَثْوِیْبٌ کے مفہوم کو سامنے رکھا جائے تو اس کے معنے یہ ھونگے کہ اپنی دعوت کو ان لوگوں سے پاک اور صاف (یا دور دور) رکھو جو دل میں نفاق وغیرہ کی خباثتیں لئے ھوں۔ لہذا اسمیں سیرت و شخصیت یا دعوت اور پکار کی پاکیزگی اور بلندی کا حکم ھے۔ نہ کہ کپڑوں کو صاف رکھنے کا۔

(ثَوَابٌ کے ایک اور مفہوم کیلئے لفظ سُدًی دیکھئے)۔

ث و ر

اَلثَّوَرَانُ۔ ھیجان کو کہتے ھیں۔ ثَارَ الشَّیْءُ۔ اس چیز میں ھیجان پیدا ھوگیا۔ ثَارَ الْغُبَارُ۔ غبار اوپر کو اٹھا اور پھیل گیا۔ قَدْ ثَارَ ثَائِرُہٗ،

وہ شخص غضبناک ہو گیا - آثَارَہٌ و ثَوَّرَہٗ و اسْتَثَارَہٗ - اسنے اسے بھڑکا دیا - برانگیختہ کر دیا - آثَارَالْاَرْضَ - زمین میں ہل چلا کر اسکی مٹی کو الٹ پلٹ دیا* - سورۃ عادیات میں ہے فَاَثَرْنَ بِہٖ نَقْعًا (۱۰۰/۴) - ''وہ گھوڑے اپنے سموں کو زمین پر مار کر گرد اڑاتے ہیں،، -

سورۃ بقرہ میں ہے لَاذَلُوْلٌ تُثِیْرُالْاَرْضَ (۲/۷۱) - ''اس بیل کو ابھی ہل میں نہیں جوتا گیا،، - سورۃ روم میں ہواؤں کے متعلق ہے فَتُثِیْرُ سَحَابًا (۳۰/۴۸) - ''وہ بادلوں میں ہیجان پیدا کر کے انہیں اوپر اٹھاتی ہیں،، - ابن فارس نے کہا ہے کہ اس مادہ کے بنیادی معنی کسی چیز کے اوپر اٹھنے کے ہوتے ہیں -

ث و ی

ثَوَی الْمَکَانَ - کسی جگہ دیر تک ٹھہرا ، وہاں مستقل اقامت کے لئے اترا ، - اَلْمَثْوٰی - اقامت گاہ - قرار گاہ - وہ جگہ جہاں مستقل طور پر رہا جائے - منزل - اَبُوْ مَثْوًی - مہمان ، میزبان ، صاحب خانہ - اَلثَّوِیُّ - مہمان - نیز وہ کمرہ جسے مہمان کیلئے تیار کیا جائے - اَثْوَاہٗ - اسکی مہمانی کی ، اَلثَّوَّۃُ - گھر کے ارد گرد اونٹوں کے آرام کرنے کی جگہ (نیز دیکھئے عنوان ا - و - ی) - اسے اَلثَّوِیَّۃُ بھی کہتے ہیں** - سورۃ قصص میں ہے وَمَا کُنْتَ ثَاوِیًا فِیْ اَھْلِ مَدْیَنَ (۲۸/۴۵) - ''تو اہل مدین میں قیام پذیر نہیں تھا'' - سورۃ یوسف میں ہے - اَکْرِمِیْ مَثْوٰیہُ (۱۲/۲۱) - ''اسے باعزت طریق سے رکھو'' - اسے اپنے ہاں عزت کی جگہ دو - اس مادہ میں مستقل اقامت اور مہمانی کا مفہوم یہ بتارہا ہے کہ عزیز مصر نے پہلے ہی حضرت یوسف ؑ کو باعزت مہمان کی حیثیت دیدی تھی اور انہیں عام غلاموں کی طرح نہیں رکھا گیا تھا - سورۃ آل عمران میں ہے بِئْسَ مَثْوَی الظّٰلِمِیْنَ (۳/۱۵۰) ''سرکشوں کی قرار گاہ (جہنم) کیا ہی بری ہے'' -

ث ی ب

اَلثَّیِّبُ - اس عورت کو کہتے ہیں جو کسی وجہ سے شوہر سے الگ ہوچکی ہو (خواہ بیوگی کی وجہ سے یا طلاق کی وجہ سے) * - قرآن کریم میں ثَیِّبٰتٍ بمقابلہ اَبْکَار آیا ہے - اَبْکَارٌ کے معنے کنواری عورتوں کے ہیں - (۶۶/۵) -

بِئْرٌ ثَیِّبٌ - وہ کنواں جس کا پانی ختم ہوجانے کے بعد اس میں دوبارہ پانی آجائے -

ثَیَّبَتِ الْمَرْاَۃُ و تَثَیَّبَتْ - عورت بیوہ ہوگئی* -

---

*تاج - **تاج و راغب - نیز لطائف اللغہ -

ج

ج أ ر

جُؤَارٌ - اس کے بنیادی معنی زور سے پکارنے اور آواز نکالنے کے ھیں (خواہ انسان کی طرف سے ھو یا حیوان کی طرف سے) مثلاً بلند آواز سے دعا کرنے کے لئے بھی یہ لفظ استعمال ھوگا اور گائے وغیرہ کے بولنے کے لئے بھی۔ الجُؤَارُ بمعنی خُوَارٌ (بیل کا ڈکارنا) بھی ھے۔ اسی سے جَأَرَ الدَّاعِیْ یَجْأَرُ کے معنے ھیں دعا کے ساتھ آواز بلند کرنا۔ جَأَرَ الرَّجُلُ اِلَی اللهِ۔ وہ خدا کے سامنے دعا کے ساتھ گڑگڑایا* دعا اور تضرع و زاری میں افراط کے موقع پر بولتے ھیں**۔

قرآن کریم میں ھے کہ جب تمہیں مصیبت پڑتی ھے تو اِلَیْهِ تَجْئَرُوْنَ (۱۶/۵۳) "تم چیختے چلاتے۔ گڑگڑاتے ھوئے خدا سے ھی فریاد کرتے ھو"۔

جَالُوْتُ

جَالُوْتُ - یہ عجمی لفظ ھے***۔ فلسطین میں ایک سرکش سردار تھا جسے حضرت داؤدؑ نے قتل کیا تھا (۲/۲۵۱)۔ اس کا عبرانی تلفظ جَلْیَاتْ ھے****۔ بعض کا خیال ھے کہ یہ جَالَ سے ھے اور جَالَ فِی الْحَرْبِ کے معنی ھیں اس نے جنگ میں شدت سے حملہ کیا۔ انگریزی میں اسے (Goliath) کہتے ھیں۔

ج ب ب

اَلْجَبُّ - اَلْجِبَابُ اَلْاِجْتِبَابُ - کاٹ ڈالنا - قطع کر دینا - اَلْجُبُّ - کنواں - بہت گہرا کنواں - وہ کنواں جو پختہ یا لپا ہوا نہ ھو۔

---

* تاج - ** راغب - *** تاج و راغب - **** محیط۔

یہ اس وقت جُبٌّ کہلاتا ہے جب وہ ایسی حالت میں پایا جائے کہ اسے لوگوں نے کھود کر خاص طور پر تیار نہ کیا ہو، بلکہ کھائی سی بنی ہوئی ہو یا گڑھا سا کھدا ہوا ہو* - (از خود بن جانے والا کنواں جسے خاص طور پر تیار نہ کیا گیا ہو) - ایسا ہی کنواں تھا جس میں برادران یوسف نے حضرت یوسف[4] کو ڈالا تھا (۱۲/۱۰) - صاحب محیط نے لکھا ہے کہ یہ ایسے گہرے گڑھے کو کہتے ہیں جس کی تہ نہ پائی جائے -

ابن فارس نے لکھا ہے کہ اس کے دوسرے بنیادی معنی چیزوں کا جمع کرنا ہیں - اس اعتبار سے اَلْجُبَّةُ لباس کو کہتے ہیں کیونکہ وہ سارے جسم کو اپنے اندر جمع کر لیتا ہے - لیکن صاحب تاج العروس نے کہا ہے کہ اَلْجُبَّةُ اس لباس کو کہتے ہیں جو کپڑے کے کٹے ہوئے ٹکڑوں کو سی کر بنا لیا جائے -

ج ب ت

اَلْجِبْتُ - تاج العروس میں اسکے معنے، بُت - ساحر - کاہن کے لکھے ہیں - نیز شعبی کے حوالہ سے لکھا ہے کہ اسکے معنے سحر کے ہیں - اسکی اصل اَلْجِبْسُ بتائی گئی ہے جسکے معنے ہر اس چیز کے ہیں جسمیں کوئی بھلائی نہو** - صاحب محیط نے لکھا ہے کہ یہ لفظ سریانی الاصل ہے جسکے معنے مُجَوَّف (یعنی کھوکھلی شے) کے آتے ہیں - اسکے بعد ہر خالی اور کھوکھلی چیز کیلئے استعمال ہونے لگا*** - صاحب المنار نے بھی اسکی تائید کی ہے**** -

قرآن میں اہل کتاب کے متعلق ہے - یُؤْمِنُوْنَ بِالْجِبْتِ وَالطَّاغُوْتِ (۴/۵۱) طَاغُوْت انسانوں کے خود ساختہ قوانین اور ان قوانین کو نافذ کرنے والی قوتیں - اور جِبْتٌ ہر بے حقیقت اور بے معنے چیز - توہم پرستیاں - رسومات جن میں روح باقی نہ رہی ہو - جو اندر سے کھوکھلی (مُجَوَّف) ہو چکی ہوں - جو قوم بھی خدا کیطرف سے دئے ہوئے الدین کو چھوڑ دیتی ہے وہ جبت اور طاغوت کو اپنا ''معبود'' بنا لیتی ہے -

ج ب ر

اَلْجَبْرُ - اس کے بنیادی معنے ہیں کسی چیز کی اسطرح اصلاح کرنا کہ اس میں کچھ قوت صرف کرنی پڑے - چنانچہ ٹوٹی ہوئی ہڈی کو جوڑنے کے لئے جو لکڑیاں (Splints) اوپر اور نیچے رکھی جاتی ہیں انہیں اَلْجَبَائِرُ،

---

*تاج و محیط - **تاج - ***محیط - ****تفسیر المنار جلد ۵ صفحہ ۱۵۶ -

اور اسطرح ھڈی جوڑنے کو جَبَرَ الْعَظْمَ، کہتے ھیں۔ اَلْجَابِرُ۔ ٹوٹی ھوئی ھڈیوں کو جوڑنے والا۔ نواب صدیق حسن خان نے لکھا ھے کہ ج۔ب۔ر اپنی مختلف تراکیب میں قوت اور شدت کے مفہوم کو ظاھر کرتے ھیں۔

ابن فارس نے کہا ھے کہ بنیادی طور پر اس کے اندر عظمت۔ بلندی اور استقامت کا مفہوم پایا جاتا ھے۔ اَلْجَبَّارُ۔ خدا کی صفت ھے۔ یعنے کائناتی نظام یا انسان کی ھر شکستگی کو قوانین کی (Splints) میں رکھکر جوڑنے والا۔ اس سے اسکے معنے ضرورتوں سے بے نیاز کر دینے کے بھی آتے ھیں۔ مثلاً کہتے ھیں جَبَرَ الْفَقِیْرَ مِنَ الْفَقْرِ۔ اسنے محتاج کو اسکی ضرورتوں سے بے نیاز کر دیا۔ تَجَبَّرَ الشَّجَرُ۔ درخت سر سبز ھو گیا۔ تَجَبَّرَ الْمَرِیْضُ۔ مریض کی حالت سدھری۔ ان مثالوں سے خدا کی جَبَّارِیَّت (جَبَرُوْت) کا مفہوم واضح ھو جاتا ھے۔ یعنے یہ بھی اسکی ربوبیت اور رحمانیت ھی کا ایک پہلو ھے البتہ اسمیں انسان کو قانون کی حدود میں گھیر کر چلانا مقصود ھوتا ھے۔ لیکن جب انسانی قوتیں قوانین خداوندی کی حدیں توڑ کر سرکش ھو جاتی ھیں تو یہ جوئبار سیلابِ بلاانگیز بن جاتی ھے۔ اسلئے اس حالت میں جَبْرٌ کے معنے استبداد اور جَبَّارٌ کے معنے مستبد۔ ظالم۔ سرکش اور حد سے بڑھ جانے والا ھونگے۔ چنانچہ قرآن میں حضرت عیسےٰ[ع] کا قول ھے وَلَمْ یَجْعَلْنِیْ جَبَّارًا شَقِیًّا ($\frac{۱۹}{۳۲}$)۔ "خدا نے مجھے مستبد، سرکش اور بدبخت نہیں بنایا"۔ اور سورۃ ق میں نبی اکرم[ص] کے متعلق ھے وَمَآ اَنْتَ عَلَیْهِمْ بِجَبَّارٍ ($\frac{۵۰}{۴۵}$)۔ "تو ان پر کسی قسم کا دباؤ ڈالنے والا نہیں ھے"۔ جبراً کوئی بات منوانے والا نہیں ھے۔ قوم عاد کے متعلق ھے اِذَا بَطَشْتُمْ بَطَشْتُمْ جَبَّارِیْنَ ($\frac{۲۶}{۱۳۰}$)۔ "جب تم کسی کو پکڑتے ھو تو نہایت مستبد انداز سے پکڑتے ھو"۔ ویسے عام قوی ھیکل لوگوں کے لئے بھی یہ لفظ آیا ھے ($\frac{۵}{۲۲}$)۔ اسلئے کہ اَلْجَبَّارُ مِنَ النَّخِیْلِ اس لمبی کھجور کو کہتے ھیں جس تک کسی کا ھاتھ نہ پہنچ سکے۔

آپ نے غور کیا کہ انسان کی کوئی قوت نہ بجائے خویش خیر ھے نہ شر۔ یہ اس کا مقصد استعمال، یعنی جس مقصد کے حصول کے لئے اس قوت کو استعمال کیا جائے اس کی نوعیت ھے جو اسے خیر یا شر بنا دیتی ھے۔ اگر قوت کو ٹوٹی ھوئی ھڈی کے جوڑنے کے لئے استعمال کیا جائے تو وہ خیر ھے اور اگر اسے کسی مظلوم کی ھڈی توڑنے کے لئے صرف کیا جائے تو وہ شر ھے۔ ظلم روکنے والا "جبّار" نوع انسان کے لئے آیۂ رحمت ھے، اور ظلم کرنے والا "جبّار"، موجبِ عذاب۔

جِبْرِیْلُ

جِبْرِیْلُ - عبرانی لفظ ہے - قرآن کریم میں اس سے مراد خدا کی وہ قوت ہے جو قلب نبوی پر وحیِ خداوندی کا القاء کرتی تھی - فَاِنَّهٗ نَزَّلَهٗ عَلٰى قَلْبِكَ بِاِذْنِ اللّٰهِ (۲/۹۷) - ''اس نے اللہ کے قانون کے مطابق اسے تیرے قلب پر نازل کیا،، - اسے رُوْحُ الْقُدُسِ (۱۶/۱۰۲) - اور رُوْحُ الْاَمِیْنِ (۲۶/۱۹۳) بھی کہا گیا ہے- لفظ جبریل، دوبار سورۃ بقرہ میں (۲/۹۸-۹۷) اور ایک بار سورۃ تحریم میں آیا ہے(۶۶/۴) - چونکہ کوئی غیر نبی وحی کی ماہیت کو سمجھ نہیں سکتا (کیونکہ وحی اس علم کا نام ہے جسکا سرچشمہ انسانی ادراک سے ماوراء ہے) اسلئے ہم نہیں جان سکتے کہ جِبْرِیْلُ کی ماہیت کیا ہے - ہمارا واسطہ اس وحی سے ہے جو قرآن کے اندر ہے اور اسکا مفہوم ہم سمجھ سکتے ہیں - اس قوت (رُوْحٌ) کو قُدُسٌ اور اَمِیْنٌ کہنے سے مطلب یہ ہے کہ وحی خداوندی میں (جو قلب نبوی پر نازل کی جاتی ہے) نہ کسی قسم کی آمیزش ہوتی ہے، نہ خیانت نہ اس میں نبی کے اپنے جذبات کا کوئی شائبہ ہوتا ہے (مَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى - ۵۳/۳) - نہ وہ اس میں کسی قسم کی خیانت کرتا ہے (۳/۱۶۰) - اور نہ ہی کوئی کائناتی قوت وحی میں کسی قسم کی دخل اندازی کر سکتی ہے - وحی میں آمیزش اور خیانت رسول کے بعد اس کے دین کے دشمن کرتے ہیں (خواہ وہ اپنے ہوں یا بیگانے) لیکن قرآن کریم کے الفاظ میں نہ کوئی آمیزش کر سکتا ہے نہ خیانت - اس لئے کہ اس کی حفاظت کی ذمہ داری خدا نے خود لے رکھی ہے -

ج ب ل

اَلْجَبَلُ - پہاڑ - قوم کا سردار یا عالم - (جمع جِبَالٌ) * - سورۃ انبیاء میں ہے وَسَخَّرْنَا مَعَ دَاوٗدَ الْجِبَالَ (۲۱/۷۹) ہم نے اس قوم کے بڑے بڑے لوگوں کو داؤد (کے مقصدِ زندگی کی تکمیل کیلئے) تابع فرمان کر دیا - یہی معنی (۳۴/۱۰) - میں ہیں - اس کے معنی یہ بھی ہو سکتے ہیں کہ حضرت داؤدؑ پہاڑوں کو مسخر کر کے اپنے مصرف میں لاتے تھے - سورۃ کہف میں اَلْجِبَالُ - بمقابلہ اَلْاَرْضُ آیا ہے - (۱۸/۴۷) - اسمیں بھی جِبَالٌ سے مرادسرداران قوم ہیں اور اَرْضٌ سے مراد قوم کا نچلا طبقہ - اَلْجِبِلُّ وَ الْجِبِلَّةُ -

---

*تاج -

انسانوں کی بڑی جماعت * - (۳۶/۶۲) - بڑی جماعت،* - (۲۶/۱۸۴) - الجِبِلَّۃُ - کسی شے کی کثرت - مستحکم عادت - طبیعت - خلقت ** - ابن فارس نے کہا ہے کہ اس کے بنیادی معنی کسی چیز کا بلند ہونا اور اس کے ساتھ ہی اس کے اجزا کا ایک دوسرے کے ساتھ مستحکم طور پر اکٹھے ہونا ہیں - لہذا جِبَالٌ میں بلندی و سرفرازی اور قوت و جمعیت دونوں شامل ہونگی -

واضع رہے کہ جَبَلٌ کے لغوی معنی پہاڑ کے ہیں اور اس کے مجازی معنی سرداران ِ قوم کے ہیں - قرآن کریم کے مختلف مقامات میں (سیاق و سباق کو دیکھکر) متعین کیا جاسکتا ہے کہ اسے لغوی معنوں میں کہاں استعمال کیا گیا ہے اور مجازی معنوں میں کہاں -

ج ب ن

اَلْجُبْنُ - بزدلی - دل کا کمزور ہو جانا - نیز اس کے معنی پنیر بھی ہیں - اَلْجَبِیْنَانِ - پیشانی کے دونوں طرف کے کنارے جو سھوؤں کے بعد سے شروع ہو کر سر تک چلے جاتے اور جن کے اندر پٹ پٹ پڑیاں آجاتی ہیں - اس کا واحد اَلْجَبِیْنُ ہے - پیشانی (جَبْهَۃٌ) ان دونوں جبینوں کے درمیان میں ہوتی ہے *** -

قرآن کریم میں قصہٗ حضرت ابراہیمؑ و اسمٰعیلؑ کے ضمن میں ہے وَتَلَّهٗ لِلْجَبِیْنِ (۳۷/۱۰۳) - ابراہیمؑ نے اسمٰعیل کو پٹ پڑی کے بل لٹا دیا - آپ نے دیکھا ہوگا کہ قصاب بکرے کو ذبح کرنے کیلئے ایک پہلو پر (یعنے کن پٹی کے بل لٹاتا ہے - اس سے ذبح کرنے میں آسانی ہوتی ہے - قرآن کے اس بیان سے مترشح ہوتا ہے کہ حضرت ابراہیمؑ نے حضرت اسمٰعیلؑ کو اسی طرح لٹایا تھا -

ج ب ہ

اَلْجَبْهَۃُ - پیشانی - اسکی جمع جِبَاہٌ ہے - جَبْهَاءُ - کشادہ، حسین اور بلند پیشانی والی عورت * - صاحب محیط نے کہا ہے کہ اس مادہ کے اصلی معنے بلند اور لمبا ہونا ہیں ** -

قرآن میں ہے جِبَاهُهُمْ (۹/۳۵) ان کی پیشانیاں -

*تاج - **محیط - ***تاج و محیط و راغب

ج ب و (ی)

جَبَی الْخَرَاجَ وَالْمَالَ۔ خراج اور مال جمع کیا۔ جَبَی الْمَاءَ فِی الْحَوْضِ۔ حوض میں پانی جمع کیا۔ اصل معنے اس مادہ کے جمع کرنے یا جمع ہو جانے کے ہیں*۔ سورۃ قصص میں ہے یُجْبیٰ اِلَیْهِ ثَمَرَاتُ (۲۸/۵۷)۔ حرم کعبہ کی طرف ہر قسم کے پھل کھنچکر چلے آتے ہیں اور جمع ہو جاتے ہیں۔

جَبًا۔ تالیف کرنا یا جمع کرنا۔ سورۃ اعراف میں ہے وَاِذَا لَمْ تَاْتِهِمْ بِاٰیَةٍ قَالُوْا لَوْلَا اجْتَبَیْتَهَا (۷/۲۰۳)۔ "جب تو انکے پاس کوئی آیت (قرآنی) نہیں لاتا تو یہ کہتے ہیں کہ تو خود ہی انہیں تالیف کیوں نہیں کر لیتا"۔ یعنی تو ادھر ادھر کی باتوں میں سے چن کر ایک آیت کیوں نہیں بنالیتا۔ کفار، قرآن کے متعلق یہ تصور رکھتے تھے کہ اسے رسول اللہؐ نے (معاذاللہ) ادھر ادھر سے اکٹھا کرلیا ہے۔ اب بھی مستشرقین حضورؐ کے متعلق کچھ اسی قسم کے خیالات پیش کرتے رہتے ہیں۔ اسکی وجہ یا تو نبوت کے متعلق ان کی بے خبری ہے یا تعصب۔ دونوں صورتوں میں ہمارے تعلیم یافتہ طبقہ پر ان کی اس قسم کی تصانیف کا بڑا برا اثر پڑتا ہے۔

اَلْاِجْتِبَاءُ۔ جہاں سے مال مل سکتا ہو وہاں سے مال نکالنا اور جمع کرنا۔ (یعنے خراج کے مال کو اسطرح وصول کرنا)۔ اس سے اسکے معنے بطور انتخاب جمع کرنا ہیں۔ یعنے چن کر اکٹھا کرنا*۔ اَللّٰهُ یَجْتَبِیْ (۳/۱۷۸) "اللہ چن لیتا ہے"۔

ج ث ث

اَلْجَثُّ۔ درخت کو جڑ سے کاٹ دینا یا اکھاڑ لینا۔ اَلْاِجْتِثَاثُ۔ کے بھی یہی معنے ہیں، بلکہ زیادہ شدت اور مبالغہ کے ساتھ*۔ قرآن میں اُجْتُثَّتْ (۱۴/۲۶) آیا ہے۔ یعنی اسکی جڑ بنیاد تمام کی تمام اکھیڑ دی گئی۔

اَلْجُثَّۃُ۔ زمین کا بلند حصہ جو ایک چھوٹے سے ٹیلے کی طرح ہو جائے۔ اس سے جُثَّةُ الْاِنْسَانِ آتا ہے۔ انسانی جثہ*۔ یہ اسوقت بولتے ہیں جب انسان بیٹھا ہؤا یا سویا ہؤا ہو کیونکہ اسوقت اس کا تمام جسم اکٹھا اور سمٹا ہوتا ہے**۔ ابن فارس نے کہا ہے کہ اس کے بنیادی معنے جمع ہونے کے ہیں۔ درخت کو جڑ سے اکھیڑنے کیلئے یہ لفظ اسلئے استعمال ہوتا ہے کہ جس درخت کو اکھیڑا جاتا ہے اسکی جڑیں وغیرہ سب اکٹھی کی جاتی ہیں تاکہ ان میں سے کوئی چیز زمین میں باقی نہ رہ جائے۔

---

*تاج و محیط و راغب۔ **ابن فارس۔

ج ث م

جَثَمَ - یَجْثِمُ - جَثْماً و جُثُوْماً - اپنی جگہ پر چمٹ جانا اور اسے نہ چھوڑنا - (پرند وغیرہ کا) سینہ کے بل بیٹھنا - اس طرح جم کر یا سینہ کے بل بیٹھ جانے والا جو اپنی جگہ سے نہ ہٹے اَلْجَاثِمُ کہلائیگا - اَلْجُثْمَۃُ - مٹی، گارے یا راکھ کا ڈھیر - اَلْجُثُوْمُ والجثمۃ - ٹیلہ - اَلْمُجَثَّمَۃُ - اس جانور یا پرندے کو کہتے تھے جسے باندھ کر نشانہ بنا لیا جائے اور اسطرح مار دیا جائے*- لہذا اس لفظ کے معنے کسی ایک جگہ جم کر بے حس و حرکت پڑے رہنے کے ہیں - ابن فارس نے کہا ہے کہ اس کے بنیادی معنی چیز کے مجتمع ہو جانے کے ہیں -

قرآن میں ہے فَاَصْبَحُوْا فِیْ دَارِھِمْ جٰثِمِیْنَ - (۷/۷۸) - ''وہ اپنے گھروں میں بے حس و حرکت پڑے کے پڑے رہ گئے - ڈھیر ہو کر رہ گئے''-

ج ث و

اَلْجُثْوَۃُ (جیم کی تینوں حرکتوں - زیر - زبر - پیش کے ساتھ) - پتھروں کا ڈھیر - ریت کا ڈھیر - جسم - جُثَی الْحَرَمِ - رمی جمار کی وجہ سے حرم میں جمع ہو جانے والے پتھر یا وہ پتھر جو حرم کی حدود پر رکھ دئے جاتے تھے - تھان (انصاب) جن پر ایام جاہلیت میں جانور قربانی کے طور پر ذبح کئے جاتے تھے - پتھرں کے ڈھیر کے اعتبار سے الجثا جماعتوں کو کہتے ہیں، اور جَثَوْتُ الاِبِلَ کے معنے ہیں میں نے اونٹوں کو جمع کیا -

جَثَا - یَجْثُوْ - جُثِیًّا - (جھگڑا کرنے کیلئے) گھٹنوں کے بل بیٹھ جانا - فَھُوَ جَاثٍ - گھٹنوں کے بل بیٹھا ہوا - اسکی جمع جُثِیًّ اور جِثِیًّ آتی ہے*-

سورۃ جاثیۃ میں ہے وَتَرٰی کُلَّ اُمَّۃٍ جَاثِیَۃً (۴۵/۲۸) تو ہر جماعت کو (اس وقت) گھٹنوں کے بل بیٹھے ہوئے دیکھیگا - یعنے ذلت و خواری اور عاجزی و درماندگی کی حالت میں -

سورۃ مریم میں ہے وَنَذَرُ الظّٰلِمِیْنَ فِیْھَا جِثِیًّا (۱۹/۷۲) ''ہم ظالمین کو اس میں گھٹنوں پر گرا ہؤا چھوڑینگے'' اور لَنُحْضِرَنَّھُمْ حَوْلَ جَھَنَّمَ جِثِیًّا (۱۹/۶۸) یعنی ''ہم انہیں جہنم کے گرد گھٹنوں کے بل گرے ہوئے حاضر کرینگے''- اس سے مراد ذلت و خواری یا عاجزی و درماندگی ہے -

*تاج -

ج ح د

جَحَدَ حَقَّهٗ - جان بوجھکر کسی کے حق سے مکر جانا اور انکار کر دنیا - اَرْضٌ جَحِدَۃٌ خشک زمین کو کہتے ھیں - اور عَامٌ جَحِدٌ - کم بارش والے سال کو - اَجْحَدَ الرَّجُلُ اسوقت کہتے ھیں جب کسی کا سب کچھ جاتا رھے اور وہ ھاتھ جھاڑ کر اٹھ کھڑا ھو* - ابن فارس نے کہا ھے کہ اس کے معنی قلتِ خیر (یعنی اچھی چیزوں کی کمی) کے ھیں - راغب اور صاحب محیط نے کہا ھے اَلْجَحْدُ کے معنے ھوتے ھیں اس چیز سے انکار کر دینا جسکا اقرار دل کے اندر ھو اور اسکا اقرار کرنا جسکا انکار دل کر رھا ھو** - قرآن کریم نے حقائق کا انکار کرنے والوں کے متعلق متعدد مقامات پر کہا ھے بِاٰیٰتِ اللّٰہِ یَجْحَدُوْنَ (۶/۳۳) - یہ جانتے بوجھتے (محض ضد اور سرکشی کی بنا پر) قوانین خداوندی کا انکار کرتے ھیں - (''جانتے بوجھتے'' کی تشریح قرآن کریم نے خود ھی دوسری جگہ کر دی ھے - جہاں کہا وَجَحَدُوْا بِہَا وَاسْتَیْقَنَتْہَا اَنْفُسُہُمْ ظُلْمًا وَّعُلُوًّا (۲۷/۱۴) - '' یہ محض ظلم و تکبر کی بنا پر اسکا انکار کر رھے ھیں حالانکہ ان کا دل اندر سے اسے صحیح مانتا ھے '' - صاحب محیط نے کہا ھے کہ جَحَدَ النِّعْمَۃَ کے معنی ھیں اس نے نعمت کا یا تو شعور ھی نہیں کیا اور یا سمجھنے بوجھنے کے باوجود منعم کا شکر نہیں کیا -

ج ح م

اَجْحَمَ عَنْہُ - وہ اس سے رک گیا - اَلْجَحَّامُ - بخیل کو کہتے ھیں جو مال و دولت کو روک کر رکھ لیتا ھے * - جَحَمَ الْبَعِیْرَ - اونٹ کے منہ پر ایسا چھینکا چڑھا دینا جس سے وہ کاٹنے سے رک جائے - تَجَحَّمَ الْمَکَانُ وَالْقَلْبُ - مکان یا دل تنگ ھو گیا *** - امام الرمانی نے اَجْحَمَ کو اَمْسَکَ اور اِنْتَہٰی کا مرادف قرار دیا ھے **** - ابن فارس نے کہا ھے کہ ان معنوں میں یہ لفظ اَحْجَمَ سے مقلوب ھے -

تَجَحَّمَ کے معنے ھیں بخل اور تنگ دلی کی وجہ سے جل بھن جانا - اس سے جَحَمَ کے معنے ھوتے ھیں آگ بھڑکانا - اَلْجَحْمَۃُ ھر بڑی آگ کو کہتے ھیں جو کسی گہری جگہ میں ھو - نیز سخت گرم جگہ کو - اَلْجَاحِمُ

*تاج - **محیط و راغب - ***محیط - ****الالفاظ المترادفہ'

مِنَ الْحَرْبِ - سخت گھمسان کی جنگ کو کہتے ھیں*- ابن فارس نے اس کے معنی حرارت اور گرمی کی شدت کے لکھے ھیں - قرآن کریم میں اَلْجَحِیْمُ جہنم کیلئے آیا ھے دیکھئے (۳۳/۳۷) اور (۳۷/۶۸-۶۴-۵۵) - قرآن کریم میں غلط اعمال کے نتائج کو عذاب نار سے تشبیہ دی گئی ھے کیونکہ آگ سب کچھ جلا کر راکھ کا ڈھیر بنا دیتی ھے - لیکن اگر زندگی اور اسکے مقاصد کے متعلق قرآنی نقطہء نگاہ سے غور کیا جائے تو یہ حقیقت واضح ھو جاتی ھے کہ انسان کی موجودہ زندگی اسکے سلسلہء ارتقاء کی ایک کڑی ھے جسے ابھی بہت آگے چلنا ھے - قوانین خداوندی کے مطابق عمل کرنے سے انسانی صلاحیتوں میں ایسی نشو و نما آجاتی ھے جس سے وہ (مرنے کے بعد) زندگی کی اگلی ارتقائی منزل تک پہنچنے کے قابل ھو جاتا ھے - لیکن اگر اسکی صلاحیتوں کی اسطرح نشوونما نہ ھو تو وہ آگے بڑھنے کے قابل نہیں رھتا، وھیں رک جاتا ھے - یہ قانونِ ارتقاء کا بنیادی اصول ھے - اس رک جانے کو قرآن نے اَلْجَحِیْمُ کی اصطلاح سے تعبیر کیا ھے جس کے بنیادی معنے رک جانے کے ھیں - لہذا جَحِیْمٌ انسانی زندگی کی وہ منزل ھے جسمیں وہ آگے بڑھنے سے رک جائے - اور چونکہ اس رک جانے کا احساس شدید ھوگا اسلئے اس سے انسان کے دل میں ایسی آگ بھڑک اٹھے گی (۱۰۴/۷-۸) جو اسکی کشتِ امل (امیدوں کی کھیتی) کو جلا کر راکھ کا ڈھیر بنا دیگی - قرآن کریم کی رو سے فرد یا قوم، جس مقام پر رک جائے، وہ جحیم ھے - زندگی تو ایک جوئے رواں ھے جسے رواں دواں آگے بڑھتے چلے جانا چاھئے - جونہی اسکی روانی بند ھوئی، وہ جوئے رواں نہ رھی جوھڑ بن گئی اور اس میں سڑاھند پیدا ھونی شروع ھو گئی-

ج د ث

اَلْجَدَثُ - قبر - جمع اَجْدُثٌ واَجْدَاثٌ - قرآن کریم میں ھے فَاِذَا ھُمْ مِنَ الْاَجْدَاثِ اِلٰی رَبِّھِمْ یَنْسِلُوْنَ (۳۶/۵۱)- " پس وہ ناگہاں قبروں سے (نکل کر) اپنے رب کی طرف دوڑ پڑینگے" - اس سے آگے ھے کہ وہ کف افسوس ملتے ھوئے کہینگے کہ مَنْ بَعَثَنَا مِنْ مَرْقَدِنَا (۳۶/۵۶) " ھمیں ھماری خوابگاہ سے کس نے جگا دیا" - لہذا جَدَثٌ اور مَرْقَدٌ ھم معنی ھیں - واضح رھے کہ اس سے مقصود کوئی خاص مقام نہیں، کیفیت ھے - اَلْجَدَثَۃُ - اونٹ کے پاؤں کی زمین پر پڑنے کی آواز**-

*تاج - **تاج و محیط و راغب -

ج د د

اَلْجَدَدُ - اس مادہ میں اصل معنے قطع کرنے اور کاٹنے کے آتے ہیں * - مثلاً ثَوْبٌ جَدِیْدٌ کے اصل معنے کاٹے ہوئے (قطع کردہ) کپڑے کے ہیں۔ پھر ہر اس چیز کو کہنے لگے جس کی پیدائش نئی نئی ہوئی ہو ** - اَلْجَدِیْدُ - وہ چیز جس کے ساتھ تمہارا کبھی واسطہ نہ رہا ہو *** - قرآن کریم میں ہے اِنْ یَّشَاْ یُذْهِبْكُمْ وَیَاْتِ بِخَلْقٍ جَدِیْدٍ (۱۴/۲۰) - ''وہ چاہے تو تمہیں لے جائے اور تمہاری جگہ ایک نئی مخلوق لے آئے ،، (ایسی مخلوق لے آئے جس سے تمہیں کبھی واسطہ نہ رہا ہو) - اَلْجُدَّةُ - ہر چیز کا راستہ (جس سے اسے قطع کیا جاتا ہے یا جو اسے قطع کرتا ہوا چلا جاتا ہے) - اس کی جمع جُدَدٌ آتی ہے - قرآن کریم میں پہاڑوں کے متعلق ہے جُدَدٌ بِیْضٌ وَحُمْرٌ (۳۵/۲۷) - سفید اور سرخ رنگ کے راستے - راستہ سے یہاں مراد دھاریاں ہیں جو پہاڑوں کے مختلف قطعات اور تہوں کو متمیز کرتی ہیں - چنانچہ اَلْجُدَّةُ اس دھاری کو بھی کہتے ہیں جو گدھے کی کمر پر ہوتی ہے *** -

اَلْجَدُّ - روئے زمین کو کہتے ہیں ، اور بڑے نصیبہ والے آدمی کو بھی - دادا اور نانا کو بھی کہتے ہیں - اسی سے اس کے معنی بڑائی ، عظمت و جلال کے بھی آتے ہیں *** - چنانچہ قرآن کریم میں ہے وَاَنَّهٗ تَعَالٰى جَدُّ رَبِّنَا (۷۲/۳) - '' ہمارے رب کی عظمت بہت بڑی ہے ،، -

اَلْجِدُّ - کسی کام میں کوشش کرنا - نیز جلدی اور عجلت کو بھی کہتے ہیں - نیز اس لفظ کو ہر بات میں مبالغہ کے لئے بھی استعمال کرتے ہیں مثلاً عَالِمٌ جِدُّ عَالِمٍ - وہ عالم ہے اور بہت بڑا عالم *** -

ابن فارس نے کہا ہے کہ اس مادہ کے تین بنیادی معانی ہیں (۱) عظمت - (۲) نصیبہ اور (۳) کاٹ دینا - تینوں کی مثالیں اوپر مذکور ہیں -

ج د ر

اَلْجَدْرُ - اَلْجِدَارُ - دیوار کو کہتے ہیں - اَلْحَائِطُ - دیوار کو احاطہ کرنے کی وجہ سے کہتے ہیں اور اَلْجِدَارُ اسکے بلند ہونے کی وجہ سے - کیونکہ اس مادہ میں اصل معنے احاطہ کرنا - ابھرنا - بلند ہونا ہیں -

*محیط - **راغب - ***تاج -

چنانچہ جَدَرْتُ الْجِدَارَ کے معنے ھیں میں نے دیوار کو اونچا کر دیا ۔ اَلْجِدْرُ ایک قسم کا پودا جو ریتلی زمین میں اگتا ھے*۔

سورۃ کہف میں جِدَارٌ (۱۸/۷۷) دیوار کے معنے میں آیا ھے ۔

اَلْجَدِیْرُ ۔ مناسب اور لائق ۔ قَدْ جَدُرَ جَدَارَۃً ۔ وہ لائق ھوا ۔ اِنَّهٗ مَجْدُوْرٌ اَنْ یَّفْعَلَ ذٰلِکَ ۔ وہ ایسا کرنے کے قابل ھے * ۔ قرآن کریم میں ھے وَاَجْدَرُ اَلَّا یَعْلَمُوْا (۹/۹۷) ۔ ''ان کی حالت اس کے زیادہ قابل ھے کہ وہ اس بات کو نہ سمجھ سکیں،، ۔ اَلْجَدِیْرَۃُ طبیعت کو کہتے ھیں *۔

ج د ل

اَلْجَدْلُ ۔ اصل معنے اس مادہ میں بٹنے کے ھیں ۔ جَدَلَ الْحَبْلَ ۔ رسی کو مضبوط بٹا ۔ اَلْجَدِیْلُ ۔ چمڑے کی بٹی ھوئی لگام کو کہتے ھیں۔ یا چمڑے کی بٹی ھوئی رسی کو** ۔ اَلْجَدَالُ ھر مضبوط چیز کو کہتے ھیں ***۔ اَلْجَدَالَۃُ ۔ سخت زمین ** ۔ جَدَلَ الشَّیْیءُ جُدُوْلاً ۔ کسی چیز کا سخت اور قوی ھو جانا ** ۔ ابن فارس نے کہا کہ اس کے بنیادی معنی ھیں کسی چیز کا لمبا اور مستحکم ھونا ۔ جھگڑے کو جَدَلٌ گفتگو کی درازی کی وجہ سے کہتے ھیں ۔

اَلْجِدَالُ ۔ راغب نے کہا ھے کہ اسکے معنے ایسی گفتگو کرنے کے ھیں جسمیں طرفین ایک دوسرے سے بازی لے جانے اور غلبہ حاصل کر لینے کی کوشش کریں اور اسطرح خواہ مخواہ بات کو بڑھاتے چلے جائیں ۔ اسی سے بعض نے کہا ھے کہ اسکے اصل معنے صِرَاعٌ کے ھیں ، یعنے ایک انسان کا دوسرے انسان کو زمین پر گرا دینا ۔ پچھاڑ دینا **۔

قرآن کریم میں احکام حج کے ضمن میں لَاجِدَالَ فِی الْحَجِّ (۲/۱۹۷) آیا ھے۔ اَلْجِدَالُ کے جو معنی اوپر دئے گئے ھیں ان سے مطلب واضح ھوجاتا ھے ۔ حج مسلمانوں کا بین المللی اجتماع ھے جس سے مقصد یہ ھے کہ اُمت کے اجتماعی مسائل کا حل باھمی مشاورت سے تلاش کیا جائے ۔ قرآن کریم کہتا ھے کہ اس مقصد کے لئے باھمی گفتگو میں ایسی روش اختیار نہ کرو جس سے مقصد یہ ھو کہ تم فریق مقابل کو مناظرانہ شکست دیدو اور اس کے لئے خواہ مخواہ بات بڑھاتے اور اس پر اصرار کرتے چلے جاؤ۔ تم متانت اور سنجیدگی سے بات کرو اور مقصد یہ سامنے رکھو کہ کم از کم وقت میں زیادہ سے زیادہ مسائل کا تصفیہ ھو جائے ۔

*تاج و راغب و محیط ۔ **تاج ۔ ***محیط ۔

سورۂ مجادلہ میں جو آیا ہے اَلَّتِی تُجَادِلُکَ (۵۸/۱) تو اس کے معنی یہ ہیں کہ وہ عورت رسول اللہ سے اپنے خاوند کے متعلق بار بار سوال کرتی تھی۔ خواہ مخواہ بات کو طول دئے جارہی تھی۔ اپنی بات پر اصرار کرتی تھی اور یوں اس سے جھگڑے کا سا پہلو نکلتا تھا۔

سورۂ کہف میں ہے وَلَقَدْ صَرَّفْنَا فِی ہٰذَا الْقُرْآنِ لِلنَّاسِ مِنْ کُلِّ مَثَلٍ۔ وَکَانَ الْاِنْسَانُ اَکْثَرَ شَیْءٍ جَدَلاً (۱۸/۵۴)۔ مطلب یہ ہے کہ قرآن کریم میں ہر معاملہ کے متعلق بات واضح طور پر کہہ دی گئی ہے لیکن اس سے راہ نمائی حاصل کرنے کا طریق یہ ہے کہ انسان اس ذہنیت کو لیکر قرآن کیطرف نہ آئے کہ مجھے بہرحال اپنی بات پر اڑے رہنا اور قرآن کو شکست دیدینا ہے۔ وہ خالی الذہن ہو کر قرآن پر غور و فکر کرے اور مقصد پیش نظر یہ رکھے کہ مجھے حق اور صداقت کو تلاش کرنا ہے۔ اسطرح قرآن سے صحیح راہ نمائی مل جائیگی۔

ج ذ ذ

اَلْجَذُّ۔ کسی چیز کو توڑ دینا۔ کَسَرْتُہٗ اَجُذُّ اَذًا۔ میں نے اسے ٹکڑے ٹکڑے کرکے توڑ دیا*۔ اَلْجُذَّۃُ۔ دراصل کسی شے کے اس ٹکڑے کو کہتے ہیں جو اس سے کاٹ کر الگ کر لیا گیا ہو**۔

جُذَاذٌ۔ سونے کے ڈے یا ٹکڑے یا ریزے***۔ سورۂ انبیاء میں ہے فَجَعَلَهُمْ جُذَاذًا (۲۱/۵۸)۔ ''ابراہیم نے ان بتوں کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا''۔

سورۂ ہود میں جنت کے متعلق ہے عَطَاءً غَیْرَ مَجْذُوْذٍ (۱۱/۱۰۸)۔ غیر منقطع عطاء۔ ایسی عطاء جو ان سے قطع نہیں کی جائیگی۔ جو ہمیشہ رہیگی۔ یعنے اَجْرٌ غَیْرُ مَمْنُوْنٍ (۹۵/۶)۔

ج ذ ع

جِذْعٌ۔ درخت (خرما) کا تنہ۔ (جمع جُذُوْعٌ)۔ بعض نے کہا ہے کہ اس تنہ کو کہتے ہیں جو خشک ہو چکا ہو۔ بعض نے کہا ہے کہ اسے کہتے ہیں جو کاٹ لیا گیا ہو۔ لیکن دوسروں کا خیال ہے کہ اسمین نہ خشک ہونے کی شرط ہے اور نہ کاٹ لینے کی*۔ سورۂ مریم میں جِذْعِ النَّخْلَةِ (۱۹/۲۳)۔ کھجور کے تنے کیلئے آیا ہے۔ اور (۱۹/۲۵) سے ظاہر ہے کہ

*تاج۔ **محیط۔ ***راغب

وہ سر سبز اور ثمردار کھجور تھی - لیکن سورۃ َطٰہٰ َ میں صلیب کی لکڑیوں کے لئے جُذُوْعِ النَّخْلِ (۲۰/۷۱) آیا ہے - اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ خشک کاٹے ہوئے تنے ہوتے تھے جن پر صلیب دی جاتی تھی - ویسے جَذَعْتُہٗ کے معنے ہیں میں نے اسے کاٹ لیا ****- جَذَعَ الدَّابَّۃَ - اس نے جانور کو روک دیا - اَلْجُذُوْعَۃُ - جوانی اور نوعمری کو کہتے ہیں ***- ابن فارس نے اس کے بنیادی معنی (۱) نو عمری اور تازگی - (۲) درخت کا تنہ اور (۳) کسی چیز کو مٹلنے کے لکھے ہیں-

ج ذ و

جَذَا عَلَی الشَّیْءِ یَجْذُوْ جَذْواً - وہ کسی چیز پر جم کر کھڑا ہو گیا- جَذَا الرَّجُلُ عَلٰی اَطْرَافِ اَصَابِعِہٖ -آدمی اپنے پنجوں کے بل کھڑا ہو گیا*- گویا اسمیں کسی چیز کے کسی ایک مقام پر جم کر ٹھہر جانے کا مفہوم مضمر ہوتا ہے - اسلئے جَذْوَۃٌ لکڑی کے اس انگارے کو کہتے ہیں جس سے شعلہ ختم ہوجائے اور صرف انگارہ باقی رہ جائے*- یعنی اس میں شعلے کا ابھرنا اور تڑپنا باقی نہ رہے اور وہ ایک مقام پر ٹھہر جائے - قرآن میں جَذْوَۃٍ مِنَ النَّارِ (۲۸/۲۹) آیا ہے- یعنی آگ کا انگارہ -

ج ر ح

جَرَحَ - کسی چیز کو حاصل کرنا - اکتساب کے معنوں میں آتا ہے** ابن فارس نے اس کے بنیادی معنی (۱) کمانا اور (۲) کھال کو پھاڑنا (زخمی کرنا) بتائے ہیں - کمانے کے اعتبار سے قرآن کریم میں ہے اَمْ حَسِبَ الَّذِیْنَ اجْتَرَحُوا السَّیِّاٰتِ (۴۵/۲۱)- ''جو لوگ ناہمواریاں پیدا کرتے ہیں،،- یعنی جرائم کے مرتکب ہوتے ہیں - یا سورۃ انعام میں ہے مَاجَرَحْتُمْ بِالنَّھَارِ (۶/۶۰) - ''جو کچھ تم دن میں کرتے ہو،،- اسی بنا پر اَلْجَوَارِحُ انسان کے ھاتھ پاؤں وغیرہ اعضاء کو کہتے ہیں جو اس کے لئے کام کرتے ہیں**- صاحب محیط نے کہا ہے کہ اَلْجَوَارِحُ ان مصائب کو کہتے ہیں جو دن کے وقت آئیں ، جیسا کہ رات کے وقت آنے والی مصیبتوں کو طَوَارِقُ کہتے ہیں***- نیز اس کے معنے شکار کرنے والے جانور ہیں - اس لئے کہ جَرَحَ یَجْرَحُ کے معنے زخمی کر دینے کے

*تاج - راغب - **تاج - ***محیط - ****راغب -

ہیں - اَلْجَرَاحَةُ - نیزہ یا تلوار کے زخم کو کہتے ہیں* - قرآن میں اَلْجَوَارِحِ مُكَلِّبِيْنَ آیا ہے (۵/۴) - یعنی شکار کے لئے سدھائے ہوئے کتے یا دیگر جانور - اَلْجُرُوْحُ زخموں کیلئے آیا ہے (۵/۴۵) -

ج ر د

جَرَدَ - يَجْرِدُ - چھیل دینا - چھلکا اتار دینا - جَرَدَ الْجِلْدَ - اس نے کھال کے اوپر سے بال صاف کر لئے - جَرَدَ زَيْدًا مِنْ ثَوْبِهِ - اس نے زید کو اس کے کپڑوں سے ننگا کر دیا - فَتَجَرَّدَ - پس وہ ننگا ہو گیا - اَلتَّجَرُّدُ - ننگا ہونا - اَلْجَرَادُ (۷/۱۳۳) - ٹڈی (کیونکہ وہ درختوں کو ننگا کر دیتی ہے) - مَكَانٌ جَرِدٌ - وہ جگہ جہاں گھاس نہ ہو - سَنَةٌ جَارُوْدٌ - سخت قحط کا سال** - ابن فارس نے کہا ہے کہ اس کے بنیادی معنی ہوتے ہیں کسی چیز کا اس طرح صاف ہو جانا کہ وہ کھل کر نظر آنے لگ جائے -

ج ر ز

جَرَزَ - يَجْرُزُ - جَرْزًا - تیزی سے کھانا - قتل کر دینا - کاٹ ڈالنا - جڑ بنیاد سے اکھیڑ دینا - اصل معنے اس مادہ میں قطع و استئصال کے آتے ہیں - اَلْجَرُوْزُ - بہت کھانے والا کہ جب وہ کھانے کیلئے بیٹھے تو دسترخوان پر کچھ نہ چھوڑے - اَرْضٌ جُرُزٌ - وہ زمین جسمیں کچھ پیدا نہ ہوتا ہو یا وہ زمین جس سے تمام گھاس وغیرہ چر کر ختم کر دیا گیا ہو - اَلْجَرَزُ - قحط کا سال - اَلْجَارِزُ - بانجھ عورت - اَلْجُرَازُ - تیز تلوار** -

قرآن کریم میں ہے لَجَاعِلُوْنَ مَا عَلَيْهَا صَعِيْدًا جُرُزًا (۱۸/۹) "ہم اس زمین کو ایسی بنا دینے والے ہیں کہ اسپر سبزہ کا نام و نشان تک نہ رہے" -

ج ر ع

اَلْجُرْعَةُ - (جیم کی تینوں حرکتوں — زیر - زبر - پیش — کے ساتھ) گھونٹ - لسان العرب میں ہے کہ جَرْعَةٌ ایک مرتبہ گھونٹ کے نگلنے کو کہتے ہیں اور جُرْعَةٌ اس چیز کو جسے اسطرح نگلا جائے - اَلتَّجَرُّعُ کسی چیز کو اسطرح گھونٹ گھونٹ کرکے نگلنا جس سے معلوم ہو کہ اسکا

---

* تاج - ** تاج و راغب و محیط -

پینا پینے والے پر سخت ناگوار گذر رہا ہے* ۔ چنانچہ قرآن کریم میں جہنمی کے متعلق ہے کہ اسے جو کچھ پینے کو ملیگا یَتَجَرَّعُهٗ وَلَا یَكَادُ یُسِیْغُهٗ (۱۴/۱۷) ۔ " وہ اسے سخت ناگواری سے گھونٹ گھونٹ کرکے پیئے گا اور گلے سے نیچے نہیں اتار سکیگا،، ۔ (الامان والحفیظ! اس دنیا میں ذلت اور محکومی کی روٹی بھی کیسی تلخ ہوتی ہے ۔ کھائے بغیر گذارہ بھی نہیں اور حلق سے نیچے بھی نہیں اترتی)

صاحب محیط نے لکھا ہے کہ اصل معنے اس مادہ میں کسی چیز کو توڑ کر یا کاٹ کر الگ کر دینے (یا جمع کرلینے) کے ہیں** ۔ وَتَرٌ جَرِعٌ کمان کے ایسے تانت کو کہتے ہیں جسکا کوئی بٹ اسقدر ٹیڑھا ہو کہ دوسرے بٹوں میں نمایاں طور پر نظر آ رہا ہو ۔ اَلْاَجْرَعُ سخت اور سنگلاخ زمین کو بھی کہتے ہیں* ۔ ابن فارس نے کہا ہے کہ اسکے بنیادی معنی پینے کی چیز کے کم ہونے کے ہیں ۔

ج ر ف

جَرَفَ ۔ یَجْرُفُ ۔ جَرْفاً ۔ بہت زیادہ لے لینا ۔ سب کچھ لے لینا یا بڑا حصہ لے لینا ۔ جَرَفَ الطِّیْنَ ۔ اس نے زمین سے مٹی کو کھرچ لیا ۔ اس سے اَلْجَارِفُ اس تباہی کو کہتے ہیں جو قوم کے اموال کو برباد کردے ۔ طاعون اور وبا کو بھی کہتے ہیں ۔ سَیْلٌ جُرَافٌ ۔ وہ سیلاب جو سب کچھ بہا کر لے جائے ۔ اَلْجُرُفُ والجُرْفُ زمین کا وہ حصہ جو کسی دریا کے کنارے واقع ہو اور وہ کٹ کٹ کر دریا میں گرتا رہے یا سیلاب کی زد میں آکر بہ جائے*** ۔

سورۃ توبہ میں شَفَا جُرُفٍ (۹/۱۰۹) ۔ آیا ہے ۔ یعنے ایسا کنارہ جو کٹ کٹ کر گر رہا ہو ۔ اصل معنے اس مادہ میں صاف کر دینے اور انڈیل دینے کے ہوتے ہیں** ۔ یا کسی چیز پر پورا پورا قبضہ کرکے اسے ہڑپ کر جانے کے**** ۔

ج ر م

جَرْمٌ ۔ کے بنیادی معنے کسی چیز کو کاٹ دینے یا اس پر سے کسی چیز کو ہٹا کر اسے ننگا کر دینے کے ہیں** ۔ عام طور پر درخت سے پھل کاٹنے یا توڑنے کے لئے بولا جاتا ہے***** ۔ جَرَمَ النَّخْلَ ۔ کھجور کو کاٹ دیا یا اسکا پھل توڑلیا ۔

---

* تاج ۔ ** محیط ۔ *** تاج و راغب ۔ **** ابن فارس ۔ ***** راغب ۔

اَلْجِرْمَةُ - وہ لوگ جو کھجوروں کا پھل توڑتے ھیں - جَرَمَ الشَّاةَ جَرْماً - اس نے بھیڑ کی اون کاٹ لی* - جَرَمَ اللَّحْمَ عَنِ الْعَظْمِ - ھڈی پر سے گوشت نوچ لیا اور اسطرح ھڈی کو ننگا کر دیا** - ان مثالوں سے لفظ جرم کا صحیح مفہوم سامنے آجاتا ھے - یعنے لوٹ کھسوٹ - سلب و نہب (Exploitation) - دوسرے کا پھل توڑ کر اپنے ھاں لے جانا - دوسروں کی محنت کا ماحصل چھین کرلے جانا اور انہیں ننگا کردینا - ایسا کرنے والوں کو مُجْرِمُونَ کہا جاتا ھے - اسی بنا پر ھر اکتساب مکروہ (ناپسندیدہ کمائی) کو جَرْمٌ کہاجاتا ھے - اَجْرَمَ - وہ جرم والا ھوا - *** - جرم کے اس مفہوم کو سامنے رکھئے اور سوچئے کہ جب قرآن کریم قَوْمٌ مُجْرِمُونَ (مجرم قوم) کو جہنم رسید کرتا ھے تو اس سے مقصود کیا ھے - قرآن کی رو سے بدترین نظام اور معاشرہ وہ ھے جسمیں کچھ لوگ دوسرے لوگوں کو (Exploit) کریں اور انکی محنت کی کمائی پر عیش اڑائیں - ایسا معاشرہ جہنمی معاشرہ ھے اور اسکا نتیجہ تباھی اور بربادی - سورۃ القلم میں ھے اَفَنَجْعَلُ الْمُسْلِمِيْنَ كَالْمُجْرِمِيْنَ (۶۸/۳۵) ''کیا ھم مسلمین کو مجرمین کے برابر کردینگے'' یہاں مسلمین کے مقابلہ میں مجرمین آیا ھے - اس سے ظاھر ھے کہ کوئی مسلم مجرم نہیں ھوسکتا - (نیز دیکھئے عنوان ج - ن - ی) -

لَا جَرَمَ - لا محالہ - ضرور * - بےشک - (جو بات واضح اور بے نقاب یعنی برھنہ ھو) - سورۃ ھود میں ھے لَا جَرَمَ اَنَّهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ هُمُ الْاَخْسَرُوْنَ (۱۱/۲۲) - ''بلا شک و شبہ یہی لوگ آخر الامر سب سے زیادہ نقصان میں رھینگے'' - سورۃ مائدہ میں ھے لَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ (۵/۲) - اسکے معنے آمادہ کرنے کے ھیں - یعنے اسکے اکتساب پر تمہیں آمادہ نہ کردے - ابن فارس نے کہا ھے کہ جَرَمَ کے معنی کمانے کے بھی ھوتے ھیں -

ج ر ی

جَرْیٌ وَجَرَيَانٌ - کے معنے ھین پانی وغیرہ کا چلنا - بلا روک ٹوک بہنا - راغب نے کہا ھے کہ اَلْجَرْیُ تیزی سے چلنے کو کہتے ھیں - چنانچہ جَرَی الْفَرَسُ کے معنے ھیں گھوڑا تیزی سے دوڑا - كُلٌّ يَجْرِیْ لِاَجَلٍ مُسَمًّى (۱۳/۲) ''ھر کُرہ مُدت معینہ کے لئے تیزی سے چل رھا ھے'' - اس کے راستہ میں کوئی روک نہیں - اَلْجَارِيَةُ - آفتاب کو کہتے ھیں -

*تاج - **محیط - ***راغب -

نیز کشتی کو۔ اور اَلْجَوَارِی ستاروں کو۔ جَارِیَۃٌ لڑکی کو کہتے ہیں۔ جَرَیٰ لَہٗ الشَّیْءُ کے معنے ہیں وہ شے اسکے لئے ہمیشہ قائم رہی۔ یعنے اسمیں دوام کے معنے بھی پائے جاتے ہیں*۔ (دوام کے مفہوم کیلئے ج۔ن۔ن کا عنوان دیکھئے جہاں جَنّٰت کے ضمن میں تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِہَا الْاَنْہَارُ کی تشریح کی گئی ہے)۔ قرآن کریم میں مَجْرِہَا کے مقابلہ میں مُرْسٰہَا کا لفظ آیا ہے (۱۱/۴۱)۔ یعنی کشتی کا چلنا اور اس کا لنگرانداز ہونا۔ اَلْجَرِیُّ۔ وکیل اور ضامن کو بھی کہتے ہیں**۔ سورۃ غاشیہ میں ہے فِیْہَا عَیْنٌ جَارِیَۃٌ (۸۸/۱۲)۔ اس میں بہتا چشمہ ہے۔ سورۃ شوریٰ میں ہے اَلْجَوَارِ فِی الْبَحْرِ (۴۲/۳۲) سمندر میں کشتیاں۔

ج ز أ

اَلْجُزْءُ۔ کسی چیز کا حصہ یا اس کا ٹکڑا۔ جمع اَجْزَاءٌ۔ یعنی وہ ٹکڑے جن سے کوئی چیز مل کر بنے، جیسے اجزاءُ السَّفِیْنَۃِ۔ اجزاءُ الدَّوَاء وغیرہ۔ بہت سی چیزوں کے مجموعہ میں سے اگر کچھ چیزیں الگ کرلی جائیں تو وہ بھی اس مجموعہ کا جُزْءٌ کہلائینگی*۔ سورۃ زخرف میں عیسائیوں کے متعلق ہے وَجَعَلُوْا لَہٗ مِنْ عِبَادِہٖ جُزْءًا (۴۳/۱۵)۔ "وہ خدا کے بندوں میں سے بعض کو اس کا جزء قرار دیتے ہیں"۔ اس سے تثلیث کے عقیدہ کا ابطال مقصود ہے جسمیں "تین میں ایک اور ایک میں تین" کے گورکھ دھندے سے خدا کو تین حصوں میں بانٹ دیا جاتا ہے۔ یا ہر اس عقیدہ کا ابطال جس کی رُو سے کسی انسان یا کسی قوت کو خدائی کاروبار میں شریک سمجھا جائے۔ ابنیتِ مسیح اور وحدت الوجود جیسے عقائد بھی اسی کے ذیل میں آجاتے ہیں۔

جَزْءٌ کے معنے ٹکڑے ٹکڑے کر دینا، الگ الگ کر دینا ہیں۔ الجُزْءُ کسی چیز کے حصہ اور ٹکڑے کو کہتے ہیں خواہ وہ اپنے کل سے ملا ہوا ہو یا اس سے الگ کرلیا گیا ہو، یہ ضروری نہیں کہ جزء کے لئے کل کے ہر فرد کو بھی توڑا یا کاٹا جائے۔ ہوسکتا ہے کہ بہت سے فرد مل کر ایک کل کے جزء بنیں۔ مثلاً سورۃ الحجر میں ہے کہ لِکُلِّ بَابٍ مِّنْہُمْ جُزْءٌ مَّقْسُوْمٌ (۱۵/۴۴)۔ یعنے ان (جہنم میں داخل ہونے والے انسانوں) میں سے، ہر دروازہ کیلئے، ایک حصہ الگ کر دیا گیا ہے۔ اس سے یہ مطلب

*تاج۔ **تاج و محیط۔

نہیں کہ ان انسانوں کے ٹکڑے ٹکڑے کرکے ان کا ایک ایک حصہ الگ کر لیا گیا ہے ۔ بلکہ مطلب یہ ہے کہ ان کا ایک ایک گروہ الگ کر لیا گیا ہے ۔ اس سے سورۃ بقرہ کی اس آیت کا مطلب واضح ہو جاتا ہے جسمیں حضرت ابراہیمؑ سے کہا گیا ہے کہ چار پرندوں کو اچھی طرح سدھا کر اور اپنی طرف مائل کرکے ۔ ثُمَّ اجْعَلْ عَلٰی کُلِّ جَبَلٍ مِّنْهُنَّ جُزْءًا (۲/۲۶۰) پھر انہیں الگ الگ کر لو اور ایک ایک پرندہ کو الگ الگ پہاڑیوں میں چھوڑ دو ۔ پھر انہیں آواز دو تو وہ اڑتے ہوئے تمہاری طرف آجائینگے ۔ قرآن میں اعمال کے نتیجہ کیلئے جَزَاءٌ کا لفظ آیا ہے ۔ اس کے معنے (ج-ز-ی) کے عنوان میں دیکھئے ۔

ج ز ع

جَزْعٌ ۔ کے اصلی معنے رسی کو بیچ سے کاٹ دینا ہوتے ہیں* ۔ پھر اسکا استعمال ہر شے کو کاٹ دینے یا قطع کر دینے کے لئے ہونے لگا ۔ جَزَعَ الْاَرْضَ وَ الْوَادِیَ ۔ اسنے زمین اور وادی کو قطع کر دیا** ۔ اصل میں جِزْعُ الْوَادِیْ ۔ وادی کے اس حصہ کو کہتے ہیں جہاں پہنچکر وادی ختم ہو جاتی ہے یا مڑ جاتی ہے ۔ اَلْجَازِعُ اس شہتیر کو کہتے ہیں جو چھت کے وسط میں ڈالا جاتا ہے اور دونوں طرف سے شہتیریاں آ کر اس پر مل جاتی ہیں ۔ اسطرح وہ ان شہتیریوں (یا خود کمرے) کو دو حصوں میں قطع کر دیتا ہے* ۔

اَلْجَزَعُ ۔ صَبْرٌ کی ضد ہے ۔ صَبْرٌ کہتے ہیں کسی معاملہ کی مسلسل پیروی کرنا ۔ استقامت دکھانا (دیکھئے عنوان ص - ب - ر) ۔ اور جب کسی معاملہ کو درمیان ہی میں چھوڑ دیا جائے ۔ یعنے انسان اسکی پیروی سے اپنے آپکو منقطع کرلے ۔ تو وہ اَلْجَزَعُ ہوگا ۔ یعنی ہمت ہار دینا ۔ استقامت چھوڑ دینا* ۔ سورۃ ابراہیم میں ہے اَجَزِعْنَا اَمْ صَبَرْنَا (۱۴/۲۱) ۔ خواہ ہم ہمت ہار دیں یا استقامت سے برداشت کریں ۔

ج ز ی

جَزَاءٌ ۔ (نیز جَازِیَۃٌ) کسی چیز کا بدلہ ۔ جَزَاهُ كَذَا وبِهٖ و عَلَيْهِ ۔ اس نے اسے کسی بات پر ایسا بدلہ دیا** ۔ مُجَازَاۃٌ ۔ ایک دوسرے کو بدلہ دینا ۔ (عام طور پر مُجَازَاۃٌ شر میں استعمال ہوتا ہے اور

---

* راغب ۔ ** تاج ۔

مُکَافَاۃٌ خیر میں)**۔ ابن فارس نے کہا ھے کہ اس کے بنیادی معنی ایک چیز کا دوسری چیز کے قائم مقام ہونا ھیں۔ یہ مفہوم ایک عظیم حقیقت کی طرف راہ نمائی کرتا ھے۔ جس چیز کو عام طور پر "عمل کا بدلہ" کہا جاتا ھے وہ درحقیقت اُس عمل کا فطری نتیجہ ہوتا ھے۔ یعنی نتیجہ، عمل کا قائم مقام ہوتا ھے۔ آپ آگ میں ہاتھ ڈالتے ھیں یہ آپ کا عمل ھے۔ آپ کا ہاتھ جل جاتا ھے اور اس میں سخت تکلیف ہوتی ھے۔ یہ اس عمل کا نتیجہ ھے۔ عمل تو فوراً ختم ہو گیا لیکن اس کے نتیجہ نے اس کی جگہ لے لی۔ اس سے جزا اور سزا کا قرآنی تصور سامنے آ جاتا ھے۔ اس تصور کی رُو سے نہ سزا خارجی طور پر (باہر سے) ملتی ھے۔ نہ جزا ہی کہیں باہر سے انعام ملنے کا نام ھے۔ آپ نے کسی کو گالی دی۔ اس نے آپ کو تھپڑ مارا۔ گالی اور تھپڑ میں باہمی کوئی تعلق نہیں۔ یہ سزا خارج سے ملی ھے۔ لیکن آپ نے سنکھیا کھایا اور آپ کی موت واقع ہو گئی۔ یہ چیز آپ کے عمل کا نتیجہ ھے۔ یعنی عمل کی جانشین۔ اس لئے قرآن نے کہا ھے کہ هَلْ يُجْزَوْنَ اِلَّا مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ (۷/۱۴۷)۔ اعمال خود اپنی جزا آپ ہوتے ھیں۔ ہر عمل کا نتیجہ اُس عمل کی جگہ آ جاتا ھے۔ اس کا قائمقام بن جاتا ھے۔

جَزَى الشَّيْئُ يَجْزِىْ کے معنے ھیں وہ چیز کافی ہو گئی۔ ابن فارس نے یہی اس کے بنیادی معنی لکھے ھیں۔ مَا يُجْزِيْنِىْ هٰذَا الثَّوْبُ۔ مجھے یہ کپڑا کافی نہیں ہوگا۔ هٰذِهٖ اِبِلٌ مَجَازِىٌّ۔ یہ اونٹ بار برداری کے لئے مجھے کافی ھیں*۔ يَوْماً لَا تَجْزِىْ نَفْسٌ عَنْ نَفْسٍ شَيْئاً (۲/۴۸)۔ "جس دن کوئی بڑے سے بڑا آدمی بھی کسی دوسرے کے کسی جرم کا بدلہ نہیں بن سکیگا"۔ اس میں سے کچھ بھی اپنے سر نہیں لے سکیگا۔ کوئی شخص کسی دوسرے کے لئے کافی نہیں ہو سکیگا۔ ابن فارس نے کہا ھے کہ اس کے معنی ھیں کسی شخص کا کسی دوسرے کی طرف سے کچھ ادا کر دینا۔

جِزْيَةٌ۔ (۹/۲۹) وہ ٹیکس جو غیر مسلموں سے ان کی حفاظت کے بدلے میں لیا جائے۔ یعنے جو اُن کی جان، مال، آبرو، معابد وغیرہ کی حفاظت کے لئے کافی سمجھا جائے اور جس کی وجہ سے ان پر (جنگ وغیرہ میں شریک ہونے کی) ذمہ داری نہ ڈالی جائے۔ یہ تھوڑا سامالی معاوضہ

* تاج۔ ** محیط۔

ان تمام آسائشوں کے بدلے میں لیا جاتا ہے جو غیر مسلموں کو اسلامی مملکت میں حاصل ہوتی ہیں اور جن کے بہم پہنچانے کی ذمہ داری مسلمانوں پر ہوتی ہے۔

امام الرمانی نے اَلْجِزْیَۃُ کو اَلْعَہْدُ۔ اَلذِّمَّۃُ۔ اَلْاَمَانُ۔ اَلْخَرَاجُ کا مرادف قرار دیا ہے***۔ لہذا اس کے معنی وہ معاہدہ ہونگے جس میں کسی سے کچھ خراج لیکر اسے امان کی ذمہ داری دی جائے۔

ج س د

اَلْجَسَدُ۔ انسان کے جسم کو کہتے ہیں۔ دوسرے کھانے پینے والے اجسام کو جَسَدٌ نہیں کہتے۔ البتہ جو مخلوق کھاتی پیتی نہ ہو اور ذوی العقول میں سے ہو (عربوں کے عقیدہ کے مطابق۔ مثلاً جنات اور ملائکہ) تو انکے اجسام کو بھی جَسَدٌ کہدیتے تھے*۔ لیکن قرآن کریم نے بنی اسرئیل کے بچھڑے کو بھی جَسَداً (۷/۱۴۸) کہا ہے۔ صاحب محیط (نیز ابن فارس) نے لکھا ہے کہ اس مادہ کے اصل معنے کسی چیز کا مجتمع اور سخت ہونا ہوتے ہیں۔ لہذا جَسَدٌ ٹھوس اور مرکب جسم کو کہینگے۔ گوسالۂ سامری کو جَسَدٌ کہنے کی یہ توجیہ زیادہ قرین قیاس ہے کیونکہ وہ ٹھوس بھی تھا اور مختلف زیورات کو ڈھال کر مرکب بنایا گیا تھا۔ کلیات میں ہے کہ جَسَدٌ دراصل رنگدار جسم کو کہتے ہیں**۔ سورۃ انبیاءؑ میں انسانی اجسام کیلئے جَسَداً کا لفظ آیا ہے (۲۱/۸)۔ لیکن اس کے ساتھ ہی یہ بھی ہے کہ وہ جَسَداً ایسے نہ تھے جو کھانے پینے نہ ہوں۔ اور حضرت سلیمانؑ کے بیٹے کو (جو جہانبانی کی اہلیت نہیں رکھتا تھا) جَسَداً کہا ہے (۳۸/۳۴)۔ یعنے محض گوشت کا لوتھڑا۔ بلکہ صرف دَابَّۃ (۳۴/۱۴)۔ تورات میں (حضرت سلیمانؑ کے اس بیٹے اجعام کے متعلق) ہے:—

"اور اجعام کی سلطنت کے پانچویں برس ایسا ہوا کہ مصر کے بادشاہ سیسق نے یروشلم پر چڑھائی کی اور اس نے خداوند کا خزانہ اور بادشاہ کے گھر کا خزانہ لوٹ لیا۔ (نیز) . . . . حضرت سلیمانؑ کے زمانے میں ایک شخص یربعام نامی نے حیا کاہن کے ساتھ مل کر آپ کی سلطنت کے خلاف سخت سازشیں کی تھیں۔ اسوقت تو وہ اپنی مساعی میں کامیاب نہ ہوسکا لیکن اجعام کے عہد میں اس نے بڑی قوت حاصل کر لی اور بنی اسرائیل کے دس اسباط کو اپنے ساتھ

*تاج۔ **محیط۔ ***الالفاظ المترادفة۔

ملا کر اجعام کو شکست دی - اس نے بیت المقدس کے ھیکل کے مقابلے میں وہ بت خانے تعمیر کرائے جہاں سونے چاندی کے بتوں کی پرستش ھوتی تھی''۔ (سلاطین ۱ - باب ۱۴ ; ۱۲ ; ۱۱)

حضرت سلیمانؑ کا یہی بیٹا (جانشین) ھے جسے قرآن کریم نے جیتے جاگتے انسان کے بجائے '' جَسَدً '' - محض گوشت پوست کا مرکب کہہ کر اسکی نااھلی کیطرف اشارہ کیا ھے - آیت (۳۸/۳۴) سے مترشح ھوتا ھے کہ حضرت سلیمانؑ کو اپنی زندگی ھی میں اس کا احساس تھا اور انھوں نے خدا سے دعا کی تھی کہ مملکت تخریبی اثرات سے محفوظ رھے -

ج س س

جَسّ کے اصلی معنے ھیں رگ کو چھونا اور اسطرح نبض دیکھ کر تشخیص کرنا کہ وہ تندرست ھے یا بیمار - یہ لفظ حَسّ سے زیادہ خاص ھے کیونکہ حَسّ ان چیزوں کے معلوم کرنے کو کہتے ھیں جن کا ادراک احساس کرسکے- اَلْجَسّ - خبریں اور اندرونی حالات تلاش کرنا اور ان کی کرید کرنا - بعض نے کہا ھے کہ تَجَسَّسَ (جیم کے ساتھ) اور تَحَسَّسَ (حاء کے ساتھ) ایک ھی معنی میں آتے ھیں ، اس فرق کے ساتھ کہ تَجَسَّسَ کسی دوسرے کیلئے خبریں تلاش کرنا ھوتا ھے (اسی سے جَاسُوْسٌ ھے) اور تَحَسَّسَ خود اپنے لئے ھوتا ھے - بعض نے کہا ھے کہ تَجَسَّسَ کے معنے چھپی ھوئی باتوں کی کرید کرنا ھوتا ھے اور تَحَسَّسَ سے مفہوم چھپ کر باتیں سننا*- اَلْجَاسُوْسُ بُرے راز داں کو کہتے ھیں اور اَلنَّامُوْس اور اَلْحَاسُوْسُ اچھے رازداں کو**-

قرآن میں ھے لَا تَجَسَّسُوْا (۴۹/۱۲) پوشیدہ باتوں کی خواہ مخواہ کرید مت کرو - یعنی کسی کے ایسے اندرونی اور نجی حالات جنہیں وہ راز میں رکھنا چاھتا ھے اور اس سے اجتماعی فساد کا کوئی امکان نہیں ، اپنے ذاتی غرض سے انہیں معلوم کرنے میں دلچسپی نہ لو - خواہ مخواہ اپنے قیمتی وقت کو ایسے فضول ، لا یعنی کاموں میں خرچ نہ کرو - مندرجہ بالا معانی کے اعتبار سے اس میں ارادے کی برائی بھی شامل ھے - یعنی بری نیت سے (شر انگیز مقصد کیلئے) ایسا کرنا معیوب ھے - حکومت کے لئے ضروری ھوتا ھے کہ باشندگان ملک اور بیرونی دشمنوں کے اندرونی حالات تک سے باخبر ھو - یہ چیز اس تجسس میں نہیں آئیگی جس سے قرآن نے منع کیا ھے -

*تاج و راغب - **محیط -

ج س م

اَلْجِسْمُ - ابن فارس نے کہا ہے کہ اس کے بنیادی معنی کسی چیز کے جمع ہو جانے کے ہیں - بدن (کی مجموعی شکل) - اعضاءِ بدن* - تُعْجِبُكَ اَجْسَامُهُمْ (۶۳/۴) یعنی انکی جسمانی ہیئت اور ڈیل ڈول - سورۃ بقرۃ میں یہ لفظ جسمانی توانائی کیلئے بھی آیا ہے (۲/۲۴۷) جہاں کہا گیا ہے کہ فوج کی کمان اسے دی جاسکتی ہے جس کا علم بھی زیادہ ہو اور جسمانی توانائی بھی ، اور اس سے دوسرے بھی مستفید ہوتے ہوں - غور کیجئے ، قرآن نے علم کے ساتھ جسمانی توانائی کی اہمیت کو کس انداز سے اجاگر کیا ہے - جو فرد یا قوم جسمانی طور پر (Physically) کمزور ہو جائے اس کا علم زیادہ نفع رساں اور نتیجہ خیز نہیں ہو سکتا - جسمانی قوت میں ہر قسم کی طبیعی قوت (Physical Force) آ جاتی ہے - اس میں شبہ نہیں کہ مقصودِ حیات ، انسانی ذات (Personality) کی نشو و نما ہے لیکن زندگی کی موجودہ سطح پر یہ نشو و نما جسم کے بغیر نہیں ہو سکتی - اس کے لئے جسم کی پرورش ایسے ہی ضروری ہے جسطرح انڈے میں بچہ بننے کے لئے انڈے کے خول کا صحیح و سالم ہونا ضروری ہے - قرآنی نظام میں جسم اور ذات دونوں کی نشو و نما کا سامان بہم پہنچتا ہے -

ج ع ل

جَعْلٌ کے بہت سے معنے آتے ہیں اور راغب کے قول کے مطابق یہ لفظ ہر کام کرنے کے لئے بولا جاسکتا ہے - نیز فَعَلَ (اسنے کیا) اور صَنَعَ (اس نے بنایا) وغیرہ کی نسبت جَعَلَ بہت زیادہ وسیع المعنی ہے** - مثلاً قرآن کریم میں ہے وَ جَعَلَنِيْ نَبِيًّا (۱۹/۳۰) "اسنے مجھے نبی بنا دیا" ، یہاں اسکے معنی خَلَقَ اور صَنَعَ سے بالکل الگ ہیں - لیکن جَعَلَ الظُّلُمٰتِ وَ النُّوْرَ (۶/۱) "اللہ نے تاریکی اور روشنی کو بنایا" ، میں جَعَلَ کے معنے تَخْلِيْق و اِيْجَاد کے ہیں - اگرچہ یہاں بھی پہلے خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ کہا ہے اور پھر جَعَلَ الظُّلُمٰتِ وَ النُّوْرَ - اسی طرح وَ جَعَلْنَا مِنَ الْمَاءِ كُلَّ شَيْءٍ حَيٍّ - (۲۱/۳۰) "اور ہم نے ہر زندہ چیز کو پانی سے بنایا" - اور جَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ وَ الْاَبْصَارَ وَ الْاَفْئِدَةَ (۱۶/۷۸) - "خدا نے تمہارے لئے سمع و بصر اور قلب بنائے" ، میں

---

*تاج - **تاج و راغب -

بھی جَعَلَ کے یہی معنے ھیں - اسکے بعد فِی آنے سے اس کے معنے ایک چیز کو دوسری چیز میں داخل کرنا ھو جاتے ھیں - مثلاً یَجْعَلُوْنَ اَصَابِعَھُمْ فِیْ اٰذَانِھِمْ (۲/۱۹)- ''وہ اپنی انگلیاں اپنے کانوں میں ڈال لیتے ھیں،، - نیز وَجَعَلْنَا فِیْ قُلُوْبِ الَّذِیْنَ اتَّبَعُوْہُ رَاْفَةً وَّرَحْمَةً (۵۷/۲۷) ''ھم نے ان لوگوں کے دلوں میں جنھوں نے اس (حضرت عیسیٰؑ کی پیغمبری) کا اتباع کیا نرمی اور ھمدردی کے جذبات پیدا کر دئے،، -

قرآن کریم میں جہاں جہاں یہ لفظ آیا ھے، سیاق وسباق کے مطابق اسکے معنی کئے جائینگے - ھر مقام پر ایک ھی معنے نہیں ھونگے - کیونکہ جیسا کہ اوپر لکھا جا چکا ھے، یہ لفظ (انگریزی کے (To Make) کی طرح) وسیع المعنی ھے -

ج ف ن

اَلْجَفْنُ - غلافِ چشم - پپوٹا (اوپر اور نیچے کا) - تلوار کا نیام - اَلْجَفْنَةُ - چھوٹا کنواں - بڑا پیالہ جسمیں کھانا کھایا جاتا ھو - اسکی جمع جِفَانٌ آتی ھے* (۳۴/۱۳) - اس آیت میں کہا گیا ھے کہ پہاڑی علاقہ کے لوگ (جن) جنھیں حضرت سلیمانؑ نے کام میں لگایا تھا، ان کے لئے علاوہ دیگر اشیاء کے، بڑے بڑے لگن بناتے تھے - ابن فارس نے کہا ھے کہ اس لفظ کے بنیادی معنی ھر اس چیز کے ھیں جو کسی دوسری چیز کو محیط ھو - یعنی اسے اپنے گھیرے میں لے لے -

ج ف و (جفأ)

جَفَا - جَفَاءً - تَجَافٰی - وہ اپنی جگہ پر قائم نہیں رھا، جیسے زین جو گھوڑے کی پشت پر قائم نہ رھے - اِجْتَفَیْتُہٗ - میں نے اسے اس کی جگہ سے ھٹا دیا - جَفَا مَالَہٗ - وہ اپنے اونٹوں سے جدا ھو گیا - اَلْجُفَاءُ - ھانڈی کا میل کچیل جو ابال آنے سے ادھر ادھر گر جائے - کہتے ھیں اَجْفَتِ الْقِدْرُ زَبَدَھَا - ھانڈی نے اپنا ابال پھینکدیا** - اس معنی میں راغب نے اَجْفَأَتِ الْقِدْرُ بھی لکھا ھے*** - اسی سے وادی کے دونوں کناروں پر رہ جانے والا کوڑا کرکٹ، نیز بیکار وبے فائدہ اور باطل شے کو جُفَاءٌ کہتے ھیں** - سورۃ رعد میں ھے فَاَمَّا الزَّبَدُ فَیَذْھَبُ جُفَاءً (۱۳/۱۷) - ''سو جھاگ بالکل رائگاں جاتا ھے،، - اسی مفہوم کے اعتبار سے کہتے ھیں جَفَتِ الْاَرْضُ وَاَجْفَتْ - زمین بے خیر اور بے برکت ھوگئی - بالکل بے کار ھوگئی** -

---

* تاج - راغب - محیط - **تاج - ***راغب

(راغب نے کہا ہے کہ یہ تمام الفاظ واوی ہیں۔ مہموز نہیں*)

قرآن میں مومنین کے متعلق ہے تَتَجَافٰی جُنُوْبُھُمْ عَنِ الْمَضَاجِعِ (۳۲/۱۶)۔ "ان کے پہلو بستروں سے الگ ہو جاتے ہیں"۔ خداوندی پروگرام کی تکمیل میں ان پر راتوں کی نیند حرام ہوجاتی ہے۔

ج ل ب

جَلَبَهٗ ۔ یَجْلِبُهٗ اس نے اسے ایک جگہ سے دوسری جگہ کی طرف ہانکا**۔برائے تجارت مال وغیرہ ایک جگہ سے دوسری جگہ لے گیا***۔اَلْجَلَبُ ۔ وہ لوگ جو اونٹ بکریاں وغیرہ فروخت کرنے کے لئے ایک جگہ سے دوسری جگہ لے جاتے ہیں - نیز خود ان اونٹ بکریوں کو بھی جَلَبٌ اور جَلَبَةٌ کہتے ہیں - عَبْدٌ جَلِیْبٌ ۔ وہ غلام جو کسی دوسرے شہر سے لایا گیا ہو۔ اَلْجُلْبَةُ ۔ زمانہ کی سختی - بھوک کی شدت - مشقت - اسی سے اَلْجَلْبُ کے معنے ہیں کسی پر ظلم اور سختی کرنا - جَلَبَ عَلَیْهِ - اس نے اس پر ظلم کیا - اَجْلَبَ الْقَوْمُ عَلَیْهِ - قوم اس کے خلاف جمع ہو گئی - اَجْلَبَ الْقَوْمُ ۔ لوگ ہر طرف سے جنگ کے لئے جمع ہو گئے*۔ انہی معنوں میں قرآن کریم میں ہے وَاَجْلِبْ عَلَیْهِمْ (۱۷/۶۴)۔ "تو ان کے خلاف اپنے تمام لشکر جمع کر لا"۔ ان پر چڑھ دوڑ -

ابن فارس نے کہا ہے کہ اس کے دوسرے بنیادی معنی کسی ایسی چیز کے ہیں جو دوسری چیز کو ڈھانپ لے - اس اعتبار سے اَلْجِلْبَابُ - اوڑھنی سے بڑا اور چادر سے چھوٹا کپڑا ہوتا ہے جس سے عورتیں اپنے سر اور سینے کو چھپاتی ہیں**۔ قرآن میں ہے یُدْنِیْنَ عَلَیْهِنَّ مِنْ جَلَابِیْبِهِنَّ (۳۳/۵۹)۔ "اپنی چادریں اپنے اوپر اوڑھ لیا کریں"۔ انصار کی عورتیں سیاہ ملبوس (اور کوٹ کی طرح) اوپر سے پہنتی تھیں - اسے بھی جِلْبَابٌ کہتے تھے - لہذا اس سے مراد ایسا کپڑا یا لباس ہے جو اوپر سے اوڑھ یا پہن لیا جائے تاکہ اس سے زینت کی چیزیں نمایاں نہ ہوں - ابن فارس نے یہ بھی کہا ہے کہ عربوں کے ہاں جِلْبَابٌ یا اسی قسم کے دیگر کشادہ لباسوں سے (بطور محاورہ) وقار اور سکون مراد لیا جاتا ہے -

ج ل د

اَلْجِلْدُ (وَالْجَلَدُ)۔ ہر جاندار کی کھال (۱۶/۸۰) اس کی جمع جُلُوْدٌ اور اَجْلَادٌ ہے - اَلْجِلْدُ سے کِنَایَةً عضو تناسل بھی مراد لیا جاتا ہے -

* تاج - **تاج و محیط و راغب - ***محیط -

اَجْلَادُ الْاِنْسَانِ سے مراد آدمی کا پورا ڈھانچہ اور جسم ہے جس پر کھال ہوتی ہے - ابن فارس نے کہا ہے کہ اس کے بنیادی معنی قوت اور صلابت (سختی) کے ہوتے ہیں - فُلَانٌ عَظِیْمُ الْاَجْلَادِ - وہ قوی اعضا اور مضبوط جسم والا ہے - یا مَا اَشْبَہَ اَجْلَادَہٗ بِاَجْلَادِ اَبِیْہِ - اس کا جسم اور ناک نقشہ ، چہرہ ، بشرہ اور ڈیل ڈول اپنے باپ سے کسقدر مشابہ ہے*- اَلْجَلَدُ (بچہ کی) بھس بھری ہوئی کھال (جو اونٹنی وغیرہ کے سامنے دودھ اتارنے کے لئے رکھ دی جائے) - اَلْجَلَدُ - شدت اور قوت - استقامت اور سختی*- صاحب محیط نے اس کے معنے آسمان ، کرۂ ہوائی ، اور اس پانی کے کئے ہیں جو اوپر سے گر کر زمین پر جم جائے - راغب نے کہا ہے کہ جس طرح قُلُوبٌ سے مراد نفوس ہوتے ہیں اسی طرح جُلُودٌ سے مراد اجسام ہوتے ہیں**-

اَلْمِجْلَدُ - چمڑے کا ٹکڑہ جسے نوحہ کرنے والیاں اپنے چہرے پر مارا کرتی تھیں - جَلَدَ یَجْلِدُ - کوڑوں سے مارنا* - (۲۴/۲) - راغب نے کہا ہے کہ اس کے معنی ہیں (۱) چمڑے سے مارنا اور (۲) چمڑی پر مارنا - جَلَدَہٗ عَلَی الْاَمْرِ - اسے اس بات پر مجبور کر دیا* -

سورۃ نساء میں ہے كُلَّمَا نَضِجَتْ جُلُوْدُهُمْ بَدَّلْنٰهُمْ جُلُوْدًا غَيْرَهَا لِيَذُوْقُوا الْعَذَابَ (۵۶/۴) - اس کے لفظی معنی ہیں "جب ان کی جلود (کھالیں) پک جائینگی تو ہم ان کی جگہ انہیں اور جلود (کھالیں) دیدینگے - مفہوم یہ ہے کہ ان مخالفین پر ذلت و رسوائیوں کا عذاب پیہم اور مسلسل آتا رہیگا - جب ایک دفعہ کی شکست سے ان کی قوت ٹوٹ جائیگی تو یہ پھر مقابلہ کے لئے اٹھینگے - اور پھر شکست اور ناکامی کی ذلت کا مزہ چکھینگے- اسطرح پیہم شکستوں اور متواتر ناکامیوں سے ان کی سختی اور صلابت ٹوٹیگی - بدر کی جنگ سے فتح مکہ تک پیہم شکستوں کا یہ سلسلہ جاری رہا اور پھر آخرالامر ان مخالفین کی شدت و صلابت ختم ہوئی -

سورۃ حم سجدہ میں سمع و بصر کے ساتھ جُلُودٌ کی شہادت کا ذکر آیا ہے (۴۱/۲۰-۲۲) - یعنی مجرمین کی سماعت ، بصارت اور سارا جسم ان کے اعمال کی شہادت دینگے - وہ خود اپنے اعمال کی شہادت کے مجسمے ہونگے - ہر عمل کا اثر انسان کی ذات پر مرتب ہوتا ہے اس لئے انسانی اعمال کی بنیادی

*تاج و محیط - **راغب -

شاهد خود انسان کی ذات ہوتی ہے خواہ عقل حیلہ جو ان کے جواز میں کتنی دلیلیں کیوں نہ تراشے - بَلِ الْاِنْسَانُ عَلٰی نَفْسِہٖ بَصِیْرَۃٌ - وَلَوْ اَلْقٰی مَعَاذِیْرَہٗ (۷۵/۱۴-۱۵) - ”انسان اپنی ذات کے خلاف خود دلیل ہے - خواہ (ویسے) وہ (اپنے اعمال کی مدافعت میں) کتنے ہی عذر کیوں نہ پیش کرے“ - یہی ”سمع و بصر و جلود“ کی شہادت ہے - ظہور نتائج کا وقت بھی کیسا عبرت انگیز اور دلدوز ہوتا ہے جب انسان کا کوئی خفیہ سے خفیہ عمل بھی چھپا ہوا نہیں رہ سکتا - حتیٰ کہ دل میں گذرنے والا خیال تک بھی نہیں -

ج ل س

جَلَسَ - یَجْلِسُ - جُلُوْساً - مَجْلِساً - بیٹھنا - جُلُوْسٌ - اس شخص کیلئے آتا ہے جو لیٹا ہو اور اس کے بعد اٹھ بیٹھے - اور قُعُوْدٌ - اس شخص کیلئے آتا ہے جو کھڑا ہو اور اس کے بعد بیٹھ جائے - اَلْجَلْسُ - دراصل سخت اور بلند زمین کو کہتے ہیں - یہی اس کے بنیادی معنی ہیں - بیٹھنے کیلئے یہ لفظ اسلئے استعمال ہوتا ہے کہ اس میں انسان اپنی مقعد کو سخت زمین پر رکھتا ہے* لیکن ابن فارس نے کہا ہے کہ اس کے بنیادی معنی بلند ہونے کے ہیں اور چونکہ لیٹا ہوا آدمی جب اٹھتا ہے تو وہ بلند ہوتا ہے اس لئے اس کے لئے یہ لفظ استعمال ہوتا ہے - قرآن کریم میں مَجَالِسُ کا لفظ (۵۸/۱۱) میں آیا ہے - اس کے معنی ہیں وہ مقامات جہاں لوگ جمع ہو کر بیٹھیں -

ج ل ل

جَلَّ الرَّجُلُ یَجِلُّ جَلَالَۃً وَجَلَالاً - سن رسیدہ اور معمر ہو جانا - قدر و منزلت کے اعتبار سے بڑا ہونا - معمر یا جلیل القدر جَلِیْلٌ کہلائیگا - جُلُّ الشَّیْءِ - چیز کا بڑا حصہ - اَلْجُلّٰی - امر عظیم - اَلْجُلُّ وہ کپڑا جو حفاظت کیلئے چوپایہ پر ڈال دیا جاتا ہے - اَلْجَلِیْلُ - بڑا آدمی - اونٹ کو بھی کہتے ہیں - اس کے مقابلہ میں دَقِیْقٌ بکری کو کہتے ہیں** - صاحب محیط کے نزدیک اصل معنے اس مادہ میں گول اور بلند ہونے کے ہیں***-

---

* تاج - محیط - راغب - ** تاج و راغب - *** محیط -

قرآن کریم میں اللہ تعالے کیلئے ذُوالْجَلَالِ وَالْاِکْرَامِ (۵۵/۲۷) آیا ھے - یعنی عظمت و جلالت کا مالک - (اِکْرَام کے لئے مادہ ک - ر - م دیکھئے) -

ج ل و

اَلْجَلَاءُ - منتشر کر دینا - علیحدہ اور الگ الگ کردینا - جلا وطن کر دینا (۵۹/۳) - جَلَا فُلَانًا الْاَمْرَ - اس نے فلان کیلئے معاملہ کو کھول دیا - واضح کردیا - ظاہر کر دیا - ابن فارس نے کہا ھے کہ یہ اس کے بنیادی معنی ھیں - وَالنَّھَارِ اِذَا جَلّٰھَا (۹۱/۳) - یعنی اِذَا جَلَّا الظُّلْمَۃَ - دن، جب وہ تاریکی کو دور کرکے ھر چیز کو واضح اور نمایاں کر دیتا ھے* -

اَلْجَلِیُّ - واضح امر - خفی کی ضد ھے - اَلْجَلَاءُ - واضح امر -

اَلْجِلْوَۃُ - وہ چیز جو دولھا کی طرف سے دلہن (عروس) کو منہ دکھائی میں دی جائے* - فَلَمَّا تَجَلّٰی رَبُّہٗ لِلْجَبَلِ (۷/۱۴۳) "جب اس کا رب پہاڑ پر جلوہ بار ھوا" - جَلْوٌ کے اصل معنے ظاہر طور پر کھول دینے کے آتے ھیں** -

ج م ح

جَمَحَ الْفَرَسُ - گھوڑے کا تیزی کے ساتھ دوڑتے جانا اسطرح کہ وہ سوار کے قابو میں نہ رھے اور سر کو اونچا کئے اسطرح دوڑتا جائے کہ سوار اسکی گردن کو موڑ نہ سکے*** - وَھُمْ یَجْمَحُوْنَ (۹/۵۸) وہ بے قابو ھو کر دوڑے جا رھے ھیں - قانون خداوندی سے سر کشی اختیار کر رھے ھیں - اَلْجَمَّاحُ - جنگ میں شکست کھا کر بھاگنے والے کہ جنھیں پھر میدان میں لانا ممکن نہو - جَمَحَتِ الْمَرْاَۃُ مِنْ زَوْجِھَا - عورت اپنے خاوند سے ناراض ھو کر اپنے ماں باپ کے گھر چلی گئی، بغیر اسکے کہ شوھر نے اسے طلاق دی ھو - جُمَیْحٌ - مرد کے عضو مخصوص کو کہتے ھیں - اور اَلْجَمُوْحُ - اس شخص کو جو بے قابو ھو کر اپنے جذبات کے تابع چلے اور اسے اس سے باز رکھنا ممکن نہ ھو*** - ابن فارس نے کہا ھے کہ اس کے بنیادی معنی ھیں کسی چیز کا قوت اور غلبہ کے ساتھ آگے بڑھتے جانا - اس کے بعد اس کے معنی عام طور پر دوڑنے یا دوڑجانے کے ھو گئے -

---

*تاج - ** راغب - ***تاج و محیط - راغب -

ج م د

جَمَدَ الْمَاءُ۔ پانی جم گیا۔ کھڑا ہو گیا۔ اَلْجَمَدُ۔ برف۔ جما ہوا پانی۔ اَلْجَمَادُ۔ سست رفتار اونٹنی جسکا دودھ نہ رہا ہو۔ جَمَادُ الْکَفِّ۔ بخیل آدمی۔ عَیْنٌ جَمُوْدٌ۔ وہ آنکھ جس سے آنسو نہ بہیں*۔ اَلْجَمَادُ۔ زمین۔ ہر وہ چیز جو نشو و نما نہ پاتی ہو۔ جو نامی نہو (Inorganic)۔ جمادیٰ۔ جُمَادَی الْاُوْلیٰ اور جُمَادَی الْاٰخِرَۃُ۔ ربیع الثانی کے بعد دونوں مہینوں کو کہتے ہیں۔ جس زمانے میں انکے یہ نام رکھے گئے تھے یہ مہینے سخت سردی میں آتے تھے (اب چونکہ حساب قمری ہے اسلئے یہ ضروری نہیں رہا کہ ہر مہینہ، ہر سال اسی موسم میں آئے)*

قرآن کریم میں پہاڑوں (یا قوم کے سرداروں) کے متعلق ہے۔ تَحْسَبُھَا جَامِدَۃً (۲۷/۸۸) "تو انہیں جما ہوا سمجھتا ہے"۔

ج م ع

اَلْجَمْعُ۔ متفرق چیزوں کو اکٹھا کر دینا۔ راغب نے کہا ہے، چیزوں کو ایک دوسرے کے قریب لا کر ملا دینا۔ سرخ رنگ کے ایک گوند کو بھی کہتے ہیں۔ نیز لوگوں کے گروہ کو بھی۔ اَلْجَمِیْعُ۔ لشکر۔ مجتمع قبیلہ۔ اَلْجُمَّاعُ۔ ہر چیز جس کے اجزاء باھم ملے ہوئے اور مجتمع ہوں۔ مختلف قبائل کے لوگ جو ایک جگہ جمع ہو جائیں۔ نیز کسی چیز کی جڑ کے جمع ہونے کی جگہ۔ جُمْعُ الْکَفِّ۔ بندھی ہوئی مٹھی*۔

اَجْمَعُ۔ (مذکر) جَمْعَاءُ (مؤنث)۔ اَجْمَعُوْنَ (جمع مذکر) جُمَعٌ (جمع مؤنث) یہ الفاظ محض تاکید کے لئے آتے ہیں*۔ یعنی جب ہم کہینگے اَجْمَعُوْنَ۔ "سب لوگ"۔ تو اس سے لازماً یہ مراد نہیں ہوگی کہ کوئی ایک شخص بھی باقی نہیں رہا۔ مقصد اکثریت ہوگا۔ اَجْمَعْتُ الْاَمْرَ۔ میں نے اس امر کا پختہ ارادہ کر لیا (۱۰/۷۱)۔ (اس کے بعد عَلَیْہِ بھی آ جاتا ہے)۔ راغب نے کہا ہے کہ اس میں کسی بات پر غور و فکر کے بعد ارادہ کرنے کا مفہوم ہوتا ہے۔ اَمْرٌ جَامِعٌ۔ عظیم الشان کام جس کے لئے لوگ جمع ہو جائیں۔ یَوْمُ الْجُمُعَۃِ۔ اسلام سے پہلے قریش، ہفتہ میں ایک دن، جسے وہ یَوْمُ الْعَرُوْبَۃِ کہتے تھے، دار قُصَیّ کے پاس دارالندوہ (اپنے قومی دارالمشاورت) میں

* تاج۔ ** محیط۔

جمع ہوا کرتے تھے۔ کعب بن لُؤَیّ نے اس دن کا نام یَوْمُ الْجُمُعَۃِ رکھ دیا۔ اسی حیثیت سے اَلْمُجَمِّعُ، قُصَیّ بن کلاب کا لقب ہے جس نے دارالندوہ بنایا تھا*۔ اس سے جمعہ کا مقصد واضح ہو جاتا ہے۔ یعنی مشورہ کے لئے اکٹھا ہونا۔ قرآن کریم میں ہے کہ جماعت مومنین کا شیوہ یہ ہے اَقَامُوْا الصَّلٰوۃَ وَاَمْرُهُمْ شُوْرٰی بَیْنَهُمْ (۴۲/۳۸) "وہ صلواۃ کے نظام کو قائم کرتے ہیں اور ان کے معاملات باہمی مشورہ سے طے پاتے ہیں"۔ صلوٰۃ کے اجتماعات میں خدا کے حضور جھکنا اور سجدہ ریز ہونا اس حقیقت کا محسوس مظاہرہ ہے کہ ہم اس کے قوانین و احکام کی اطاعت کے لئے جمع ہوئے ہیں۔ اور اسی مقصد کے لئے ہماری مشاورت ہوگی۔ محیط میں ہے کہ اَلْجُمُعَۃُ، اِجْتِمَاعٌ سے ماخوذ ہے جس طرح اَلْفُرْقَۃُ، اِفْتِرَاقٌ سے ماخوذ ہے**۔

قرآن کریم میں جَمِیْعاً بمقابلہ اَشْتَاتاً (۲۴/۶۱) آیا ہے جس سے اس کے معنے واضح ہو جاتے ہیں۔ (اَشْتَاتاً کے معنی ہیں الگ الگ) سورۃ النساء میں جَمِیْعاً بمقابلہ ثُبَاتٍ (۴/۷۱)۔ آیا ہے جہاں اس کے معنی ہیں ایک پورا لشکر بنا کر۔ (ثُبَاتٍ کے لئے دیکھئے۔ ث۔ ب۔ ی)۔

اَجْمَعِیْنَ کا لفظ قرآن کریم میں بکثرت آیا ہے (مثلاً ۲/۱۶۱)۔ جیسا کہ اوپر لکھا جا چکا ہے اس سے مفہوم محض تاکید ہوتی ہے نہ کہ یہ کہنا کہ اس سے کوئی ایک فرد بھی باہر نہیں رہا۔

ج م ل

اَلْجَمَلُ۔ اَلْجَمْلُ۔ نر اونٹ۔ اس کی جمع جِمَالَۃٌ آتی ہے (۷۷/۳۳)۔ جَمَالٌ۔ خوبصورتی*۔ (۱۶/۶)۔ ابن فارس نے کہا ہے کہ اس کے بنیادی معنی (۱) اکٹھا ہونا اور خلقت میں بڑا ہونا اور (۲) خوبصورتی ہیں۔ عربوں کے نزدیک جَمَلٌ (اونٹ) سے بڑھ کر عظمت اور بلندی اور حسن و خوبصورتی اور کس چیز میں ہو سکتی تھی؟ یا خود ان کا جمال و حسن بھی اونٹوں کی وجہ سے ہوا کرتا تھا۔ جَمِیلٌ۔ خوبصورت انداز۔ عمدہ چیز*۔ فَصَبْرٌ جَمِیلٌ (۱۲/۱۸) حسن کا رانہ انداز سے صدمہ کو برداشت کرنا اور استقامت کو ہاتھ سے نہ چھوڑنا۔

---

* تاج۔ ** محیط۔

اَلْجُمَّلُ۔ اَلْجُمْلُ۔ اَلْجُمُلُ اَلْجَمَلُ۔ اَلْجَمْلُ۔ کشتی کا موٹا رسہ*۔ قرآن کریم میں ہے حَتّٰی یَلِجَ الْجَمَلُ فِیْ سَمِّ الْخِیَاطِ (۷/۴۰)۔ "حتّٰکہ جہاز کا رسہ سوئی کے ناکے میں سے گزر جائے"۔ اَلْجُمْلَۃُ۔ چیز کا مجموعہ*۔ یہیں سے اَلْمُجْمَلُ بھی بہت سی چیزوں کے مجموعہ کو کہتے ہیں۔ یعنی جس کی چیزیں الگ (منفصل) نہ کی گئی ہوں*۔ قرآن کریم میں جُمْلَۃً وَاحِدَۃً (۲۵/۳۲) آیا ہے۔ یعنی سارے کا سارا ایک ہی بار۔ (مجمل اور مفصل کے لئے دیکھئے عنوان ف۔ ص۔ ل)۔

ج م م

اَلْجَمُّ۔ ہر چیز کی کثرت۔ مَالٌ جَمٌّ۔ بہت زیادہ مال۔ جُمَّۃُ الْمَاءِ۔ زیادہ مقدار میں پانی کے جمع ہونے کی جگہ**۔ ابن فارس نے کہا ہے کہ اس کے بنیادی معنی کثرت اور اجتماع کے ہیں۔ جَمَّتِ الْبِئْرُ۔ کنویں میں پانی (نکالے جانے کے بعد) لوٹ آیا اور کثیر اور مجتمع ہوگیا۔ اَلْجَمَمُ۔ پیمانہ کو کناروں تک (لبالب) بھر دینے کے بعد جو کچھ اس کے اوپر ہو**۔ اَلْجَمَامَۃُ۔ راحت۔ سیری۔ سیرابی۔ جَمًّا غَفِیْرًا۔ سب کے سب، لوگوں کی بہت بڑی تعداد جس میں چھوٹے بڑے، ادنےٰ اور اعلےٰ سب شامل ہوں****۔

قرآن میں ہے وَتُحِبُّوْنَ الْمَالَ حُبًّا جَمًّا (۸۹/۲۰)۔ تم بڑی شدت سے دولت سے محبت رکھتے ہو۔ تم چاہتے ہو کہ جسطرح گڑھے میں ارد گرد کا پانی جمع ہو جاتا ہے*** اسی طرح سب کی دولت، وہ تھوڑی ہو یا زیادہ، سمٹ سمٹا کر تمہاری طرف آجائے۔ نظام سرمایہ داری میں ہوتا ہی یہ ہے کہ دولت سمٹ سمٹا کر چند افراد کے پاس جمع ہو جاتی ہے۔ قرآن اس نظام کو مٹانے کے لئے آیا تھا۔

ج ن ب

اَلْجَنْبُ۔ پہلو** اسکی جمع جُنُوْبٌ ہے۔ (۳/۱۹۰)۔ اَلصَّاحِبُ بِالْجَنْبِ (۴/۳۶)۔ ساتھی، رفیق۔ اَلْجَارِ الْجُنُبِ (۴/۳۶)۔ ایسا ہمسایہ جو رشتہ دار نہ ہو۔ کیونکہ اس سے پہلے اَلْجَارِ ذِی الْقُرْبٰی آیا ہے۔ کتاب الاشتقاق میں اس کے معنی اَلْغَرِیْبُ یعنی اجنبی کے دئے ہیں۔ سورۃ الزمر میں ہے مَا فَرَّطْتُ فِیْ جَنْبِ اللّٰہِ (۳۹/۵۶)۔ "یعنی خدا کے (حقوق ادا کرنے کے) بارے میں جو کوتاہی کی"۔ زجاج نے کہا ہے کہ اسکے

---

* تاج و راغب۔ ** تاج۔ *** راغب۔ ****محیط۔

معنے اللہ کے اس راستہ کے ہیں جسکی طرف اسنے مجھے دعوت دی*۔ سورۃ مائدہ میں ہے وَاِنْ کُنْتُمْ جُنُبًا (۵/۶)۔ اسکے معنے حالت جنابت کے ہیں۔ (ہم آغوشی کی رعایت سے)۔جَنْبَۃٌ۔ دوسروں سے الگ رہنا۔ جُنْبَۃٌ۔ وہ چیز جس سے کوئی دور رہے***۔

جَنَبَہٗ۔ جَانَبَہٗ۔ اسے دور کر دیا۔ جَنَّبَہٗ۔ اَجْنَبَہٗ۔ اسے ہٹا دیا۔ رَجُلٌ جَنِبٌ۔ کنارہ کش، اجنبی نیز وہ شخص جو بخل کی وجہ سے عام راستہ سے ہٹ کر رہتا ہو تاکہ مہمانی نہ کرنا پڑے*۔ سَیُجَنَّبُھَا (۹۲/۱۷)۔ یَتَجَنَّبُھَا (۸۷/۱۱)۔ اِجْتَنَبَ (۳۹/۱۷)۔ یہ سب الفاظ انہی معانی میں آئے ہیں۔ یعنی دور رکھنا۔ یا دور رہنا۔ ابن فارس نے کہا ہے کہ اس کے بنیادی معنی (۱) کنارہ اور (۲) دوری کے ہیں۔ جَانِبُ الْبَرِّ (۱۷/۶۸)۔ خشکی کا قطعہ۔ اَلْجَنَابُ۔ گھر کے سامنے کھلے ہوئے میدان کو کہتے ہیں*۔ نیز کسی کے اترنے یا ٹھہرنے کی جگہ کو***۔

سورۃ قصص میں ہے کہ جب حضرت موسیٰؑ کی ماں نے بچہ کو (صندوق میں رکھ کر) دریا میں بہا دیا تو بیٹی سے کہا کہ وہ صندوق کے پیچھے پیچھے جائے فَبَصُرَتْ بِہٖ عَنْ جُنُبٍ وَّھُمْ لَا یَشْعُرُوْنَ (۲۸/۱۱)۔ اس مادہ کے جو معانی اوپر بیان کئے جا چکے ہیں ان کے پیش نظر آیت کا مطلب یہ ہوگا کہ

(۱) وہ اسے دور سے دیکھتی رہی اور (فرعون کے) لوگوں نے اسے محسوس نہ کیا کہ وہ اسکا پیچھا کر رہی ہے۔ یا

(۲) وہ اسے کچھ اجنبی سا بنکر دیکھتی رہی تاکہ لوگ یہ نہ سمجھیں کہ وہ اسکی تاک میں ہے۔

ج ن ح

اَلْجَنَاحُ۔ (جمع اَجْنِحَۃٌ) ہاتھ۔ بازو۔ پرندے کا بازو۔ بغل۔ پہلو۔ نیز اسکا اطلاق خود نفس شے پر بھی ہوتا ہے****۔

اَنَا فِیْ جَنَاحِہٖ۔ میں اس کے سائے اور حفاظت میں ہوں*۔ اس قسم کی حفاظت جیسے مرغی اپنے بچوں کو خطرہ کے وقت اپنے پروں کے نیچے لے لیتی ہے۔ جَنَحَ اِلَیْہِ۔ وہ اسکی طرف مائل ہوگیا۔ جھک گیا۔ ابن فارس نے کہا ہے کہ اس کے بنیادی معنی جھکنے کے ہیں۔ اس سے اَلْجُنَاحُ کے معنے ہیں گناہ کی طرف میلان*۔ لیکن محیط میں ہے کہ یہ لفظ گناہ کا معرب ہے**۔ یہ لفظ مضائقہ یا حرج کے معنوں میں بھی استعمال ہوتا ہے*۔

*تاج۔ **محیط۔ ***لین۔ ****تاج و لطائف اللغہ۔

جب نبی اکرمؐ سے کہا گیا کہ آپ مخالفین سے الگ ہٹ کر اپنی جماعت کی تنظیم کریں۔ (۱۵/۹۴)۔ تو اس کیلئے ان الفاظ میں تاکید کی گئی کہ وَاخْفِضْ جَنَاحَكَ لِلْمُؤْمِنِيْنَ (۱۵/۸۸) ”اپنی جماعت کے افراد کے لئے اپنا بازو جھکا دے“۔ انہیں اپنے پروں کے نیچے ایسے سمیٹ لے جسطرح مرغی اپنے نوزائیدہ بچوں کو اپنے پروں کے نیچے لے لیتی ہے۔۔ سورۃ قصص میں حضرت موسیٰؑ سے کہا گیا ہے کہ فرعون کے ساتھ کشمکش میں گھبرانا نہیں۔ اپنے بال و پر سمیٹ کر رکھنا۔ وَاضْمُمْ اِلَيْكَ جَنَاحَكَ مِنَ الرَّهْبِ (۲۸/۳۲) خوف کے وقت پھڑ پھڑانا نہیں بلکہ اپنے بال و پر سمیٹ کر رکھنا، حواس قائم رکھنا۔ یا اپنے افرادِ جماعت کی حفاظت کرنا، انکی تنظیم کرنا۔ یہ سب معانی اسمیں آجاتے ہیں۔ سورۃ بنی اسرائیل میں ماں باپ کی پرورش و حفاظت کی تاکید کیلئے بھی کہا گیا ہے کہ وَاخْفِضْ لَهُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ مِنَ الرَّحْمَةِ (۱۷/۲۴)۔ نرمی اور رحمت سے اپنے بازو کو انکی طرف اور جھکا دو۔ انکی حفاظت اور خدمت نہایت نرم روی سے کرو کیونکہ وہ معذور ہو چکے ہیں۔۔

سورۃ فاطر میں ملائکہ کے متعلق کہا ہے اُولِىْ اَجْنِحَةٍ (۳۵/۱)۔ اس کے لفظی معنی ہیں بازؤں (پروں) والے۔ چونکہ بازو یا پر وہ سہارا ہیں جن سے پرندے فضا میں اڑتے ہیں اس لئے مجازی طور پر اُولِىْ اَجْنِحَةٍ کے معنی ہونگے مختلف خواص کی مالک کائناتی قوتیں۔

گناہ، حرج یا مضائقہ کے معنوں میں یہ لفظ کئی جگہ آیا ہے۔ مثلاً لَا جُنَاحَ عَلَيْهِ اَنْ يَّطَّوَّفَ بِهِمَا (۲/۱۵۸)۔ ان پہاڑیوں (صفا اور مروہ) میں چلنے پھرنے میں کوئی مضائقہ نہیں، یا زیادتی نہیں۔ کیونکہ ابن فارس نے اس کے دوسرے بنیادی معنی ”زیادتی“، لکھے ہیں۔

ج ن د

اَلْجَنَدُ۔ سخت زمین۔ پتھر جو مٹی سے مشابہ ہوں۔ جُنْدٌ۔ جمع ہو جانیوالے لوگ (یا اشیاء)۔ ابن فارس نے کہا ہے کہ اس کے بنیادی معنی اکٹھا ہونے اور مدد کرنے کے ہیں۔ غلظت اور سختی کی وجہ سے لشکر کو اَلْجُنْدُ کہتے ہیں۔ (اسکی جمع جُنُوْدٌ آتی ہے) اور جمع ہو جانے کے اعتبار سے ہر جماعت اور انصار کو جُنْدٌ۔ سورۃ مریم میں ہے اَضْعَفُ جُنْدًا (۱۹/۷۵) اس کے معنی ہیں جس کے رفقاء اور ساتھی، اعیان و انصار، جماعت

* تاج و راغب۔

اور جتھہ کمزور ہے - سورۃ فتح میں ہے لِلّٰہِ جُنُوْدُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ (۴۸/۴) - "ارض و سماء کے لشکر اللہ کے لئے ہیں"، اس سے مراد کائنات کی تمام اشیاء اور قوتیں ہیں - محیط میں ہے کہ اسکے معنی ایک نوع کی مخلوق کے بھی ہیں - سورۃ بروج میں ہے ھَلْ اَتٰکَ حَدِیْثُ الْجُنُوْدِ (۸۵/۱۷) - "کیا تجھے لشکروں کی خبر پہنچی ہے-" یعنے بڑے بڑے لشکر اور قوت والوں کی داستان - (اس سے اگلی آیت میں فرعون اور ثمود کا ذکر ہے) -

ج ن ف

اَلْجَنَفُ - کسی ایک طرف جھک جانا - جانبداری - دل کا میلان - (یہ عدل کا راستہ چھوڑ کر کسی دوسری طرف جھک جانے کے لئے آتا ہے) - تَجَانَفَ عَنْ طَرِیْقِہٖ - اپنے راستہ سے ایک طرف کو ہٹ گیا* - قرآن کریم میں ہے فَمَنْ خَافَ مِنْ مُّوْصٍ جَنَفًا (۲/۱۸۲) - "جسے اسکا خدشہ ہو کہ وصیت کرنے والا کسی کی طرفداری کریگا"، - یعنی وہ انصاف سے ہٹ کر کسی ایک کو زیادہ دیدیگا - یاد رہے کہ مُجْنِفٌ اس کو کہینگے جو حق و انصاف کو چھوڑ کر کسی کی طرفداری کرے* -

سورۃ مائدہ میں ہے غَیْرَ مُتَجَانِفٍ لِاِثْمٍ (۵/۳) - جو گناہ (اثمٌ) کی طرف جھکنے والا نہو -

ج ن ن

جَنٌّ کے معنے ہیں چھپا لینا - یہی اس مادہ کے بنیادی معنی ہیں (ابن فارس) - راغب نے کہا ہے کہ جَنٌّ کے معنے صرف نگاہوں سے پوشیدہ کر دینے کے نہیں بلکہ حواس سے اوجھل کر دینے کے بھی ہیں - فَلَمَّا جَنَّ عَلَیْہِ الَّیْلُ رَاٰ کَوْکَبًا (۶/۷۷) "جب رات کی تاریکی نے اسے چھپا لیا تو اسنے ایک ستارہ دیکھا" - ویسے بھی ہر اس چیز کے لئے جو تم سے چھپ جائے قَدْ جَنَّ عَنْکَ کہتے ہیں - جَنَنٌ قبر کو کہتے ہیں کیونکہ وہ مردہ کو چھپا لیتی ہے - اور خود میت اور اسکے کفن کو بھی - جَنِیْنٌ اس بچہ کو کہتے ہیں جو ہنوز ماں کے پیٹ میں ہو - جُنَّۃٌ - اس ہتھیار کو کہتے ہیں جس سے آدمی اپنا بچاؤ کرے- ہر پردہ اور آڑ - جُنَّۃٌ اور مِجَنَّۃٌ ڈھال کو بھی کہتے ہیں* - (۵۸/۱۶) - لا جِنَّ بِھٰذَا الْاَمْرِ کے معنے ہیں اس بات میں کوئی راز (پوشیدہ) نہیں - جِنَّۃٌ جنون

---

* تاج و محیط -

کو کہتے ہیں (۲۳/۲۵) - دراصل عربوں کے ہاں مَجْنُوْنٌ کے متعلق یہ سمجھا جاتا تھا کہ اسے جِنّ چمٹ گیا ہے* -

دَور توہم پرستی میں تمام وہ قوتیں جو انسانوں کی نگاہوں سے پوشیدہ ہوتیں اور جن کے متعلق اُس زمانے کے انسان کی سمجھ میں کچھ نہ آتا، دیوی دیوتا بن جاتی تھیں - انہی کو عرب (اُن کے نگاہوں سے پوشیدہ ہونے کی بنا پر) جِنّ کہتے تھے - وہ فرشتوں کو بھی جِنّ کہا کرتے تھے، حالانکہ انکی پرستش بھی کرتے تھے - راغب نے کہا ہے کہ اَلْجِنّ کا استعمال دو طرح پر ہوتا ہے - ایک تو ان تمام مخفی قوتوں (روحانیّین) کے لئے جو حواس سے پوشیدہ ہوتی ہیں - اس اعتبار سے جِنّ میں فرشتے بھی شامل ہوتے ہیں - دوسرا یہ کہ ان مخفی قوتوں (روحانیّین) میں سے بعض کو جِنّ کہتے ہیں، اسطرح کہ جو روحانیّین نیک ہوتے ہیں وہ فرشتے کہلاتے ہیں، جو بد اور سرکش ہوتے ہیں وہ شیاطین کہلاتے ہیں** - اور جن میں نیک و بد دونوں شامل ہوتے ہیں وہ جِنّ کہلاتے ہیں - چنانچہ قرآن کے کئی مقامات میں جہاں جاھلیّت عرب میں جِنّوں کی پرستش کا ذکر ہے وہاں جِنّةٌ سے مراد فرشتے ہی ہیں (مثلاً ۳۷/۱۵۸) وغیرہ** -

ہماری زمین ابتدا میں ایک آتشیں گولہ تھی جسے ٹھنڈا ہوکر انسانی آبادی کے قابل بننے کے لئے لاکھوں اور کروڑوں برس لگ گئے - قرآن کریم میں ہے کہ جب کرۂ ارض پر ہنوز انسانوں کی آبادی نہیں ہوئی تھی تو اسمیں جو مخلوق یہاں بستی تھی اسمیں حرارت برداشت کرنے کی قوت اور صلاحیت زیادہ تھی - اسکے بعد وہ مخلوق ختم (Extinct) ہوگئی اور اسکا جانشین (خلیفہ - دیکھئے عنوان خ-ل-ف) انسان ہوا - چونکہ اُس (پہلی) مخلوق میں حرارت برداشت کرنے کی صلاحیت زیادہ تھی اور چونکہ اب وہ انسانوں کے سامنے نہیں ہے، ان کی نسل ختم (Extinct) ہو چکی ہے، اسلئے قرآن نے کہا ہے کہ وَالْجَانَّ خَلَقْنٰهُ مِنْ قَبْلُ مِنْ نَّارِ السَّمُوْمِ (۱۵/۲۷) - انسان سے پہلے ہم نے ایک مخلوق کو جلتی ہوئی ہوا کی حرارت سے پیدا کیا تھا - وہ مخلوق اب تمہاری نگاہوں کے سامنے نہیں ہے - اس اعتبار سے اسے الجَانّ کہا گیا ہے - اس سے یہ بھی مفہوم ہوسکتا ہے کہ اشیائے کائنات مادہ کی مرئی اور محسوس شکل میں آنے سے پہلے، مخفی توانائی (Energy) کی حالت میں تھیں - یہی توانائی اب مادہ کے اندر (Latent) صورت میں ہے -

*تاج - **تاج و راغب -

نگاہوں سے پوشیدہ ہونے ، نیز اسکی خوئے سرکشی کی وجہ سے، ابلیس کے متعلق بھی یہی کہا گیا ہے کہ وہ جِنّوں میں سے تھا (دیکھئے عنوان ب۔ل۔س اور ش۔ط۔ن) ۔

قرآن کریم میں جِنّ اور اِنْس کے الفاظ متعدد مقامات پر اکٹھے آئے ہیں۔ ہم (ا۔ن۔س) کے عنوان میں بتاچکے ہیں کہ عربوں میں اَلْاِنْس ان قبیلوں کو کہتے تھے جو ایک مقام پر مستقل طور پر سکونت پذیر ہوجائیں ۔ لیکن جِنّ وہ قبائل تھے جو جنگلوں اور صحراؤں میں جگہ بہ جگہ پھرتے رہتے تھے اور اسطرح شہر والوں کی نگاہوں سے اوجھل رہتے تھے ۔ انہیں خانہ بدوش قبائل (Nomadic Tribes) کہا جاتا ہے۔ اب بھی دنیا میں جہاں جہاں اس قسم کے قبائل پائے جاتے ہیں وہ شہر والوں سے دور دور، جنگلوں اور بیابانوں میں رہتے ہیں ۔ آجکل وسائل رسل و رسائل کے عام ہوجانے سے ، ان قبائل اور شہر والوں کی زندگی میں بہت سے امور مشترک ہوچکے ہیں ، اس لئے ان میں کوئی بنیادی بُعد محسوس نہیں ہوتا ۔ لیکن جس زمانے میں ملنے جلنے کے وسائل اور نشر و اشاعت کے طریق عام نہیں تھے ، شہر والوں اور ان خانہ بدوش ، صحرانشینوں کے تمدن و معاشرت ، عادات و اطوار ، خصائص و خصائل اور ذہنی اور نفسیاتی کیفیات وغیرہ میں اسقدر فرق تھا کہ یہ دونوں ایک نوع کے افراد نظر نہیں آتے تھے ۔ عربوں میں یہ صحرا نشین قبائل بہت زیادہ تھے (انہیں بدّو یا اَعْرَاب کہا جاتا تھا) چونکہ قرآن کا پیغام شہریوں اور صحرا نشینوں سب کی طرف تھا اس لئے اس نے جِنّ و اِنْس دونوں گروہوں کو مخاطب کیا ہے ۔ ان مقامات پر غور کرنے سے یہ حقیقت واضح ہوجاتی ہے کہ وہاں جِنّ سے مراد انسان ہی ہیں ۔ یعنی وہ وحشی قبائل (Gypsis) جو جنگلوں اور صحراؤں میں رہا کرتے تھے ۔ مثلاً سورۃ انعام میں ہے یٰمَعْشَرَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ اَلَمْ یَاْتِکُمْ رُسُلٌ مِّنْکُمْ ($\frac{6}{131}$) ۔ اے گروہ جن و انس، کیا تمہارے پاس تم میں سے رسول نہیں آئے تھے ۔ قرآن نے کسی رسول کا ذکر نہیں کیا جو جن تھا ۔ اور سورۃ اعراف میں اس کی تصریح کردی کہ رسول، بنی آدم میں سے، انہی کی طرف بھیجے گئے تھے ($\frac{7}{35}$)۔ سورۃ جن اور سورۃ احقاف میں مذکور ہے کہ جنوں کی ایک جماعت رسول اللہ ؐ کے پاس قرآن سننے کے لئے آئی (دیکھئے $\frac{72}{1}$; $\frac{46}{29}$)۔ اس سے بھی واضح ہوتا ہے کہ ''جنوں'' کی طرف رسول انسانوں میں سے ہی ہوئے تھے ۔ انہی سورتوں (سورۃ جن اور سورۃ احقاف) سے یہ حقیقت بھی واضح ہوجاتی ہے کہ جو جن رسول اللہ ؐ کے پاس قرآن سننے کے لئے آئے تھے وہ انسان ہی تھے ۔

(وحشی قبائل میں سے عیسائی - یہودی اور مشرک) - سورۃ بنی اسرائیل میں ھے کہ اگر "جن و انس" اکٹھے ھوجائیں تو بھی اس قرآن کی مثل نہ بنا سکیں - سورہ انعام میں ھے کہ "انس وجن" کے سرکش لوگ انبیاءؑ کی مخالفت کیا کرتے تھے (۶/۱۱۳) سورۃ اعراف میں ھے کہ "جن و انس" میں اکثریت ان کی ھے جو عقل و فکر سے کام نہیں لیتے اس لئے وہ اھل جہنم ھیں (۷/۱۷۹)- سورۃ حم سجدہ میں ھے کہ اھل جہنم کہینگے کہ ھمیں "جن و انس" میں سے بعض نے گمراہ کیا تھا (۴۱/۲۹)-سورۃ انعام میں ھے کہ اِنْسٌ کہینگے کہ ھم جنوں سے فوائد حاصل کیا کرتے تھے اور جِنٌ کہینگے کہ ھم اِنْسٌ سے فائدے اٹھایا کرتے تھے (۶/۱۲۹)- سورۃ نمل میں ھے کہ حضرت سلیمانؑ کے پاس جن و انس کے لشکر تھے - (۲۷/۱۷) - ان جنوں کے متعلق سورۃ سباءؑ میں ھے کہ وہ ھیکل کی تعمیر کا کام کرتے تھے - مجسمے تراشتے تھے - لگن اور دیگیں بناتے تھے (۳۴/۱۳) - سمندروں میں غوطہ خوری سے موتی نکالتے تھے (۲۱/۸۲) - انہیں زنجیروں میں جکڑ کر رکھا جاتا تھا (۳۸/۳۷-۳۸) - توارت میں اسکی صراحت موجود ھے کہ حضرت سلیمانؑ نے صور کے بادشاہ سے صیدونی قوم کے آدمی جنگل سے لکڑیاں کاٹنے کے لئے مانگے تھے - چنانچہ یہ قبائل اور "جبلیم" - پہاڑی قبائل - ان کے لئے لکڑیاں کاٹتے اور پتھر تراشتے تھے - ان کے علاوہ حضرت سلیمانؑ نے فلسطین کے پہاڑی اور جنگلی (غیر بنی اسرائیل) قبائل میں سے ستر ھزار آدمیوں کو بطور مزدور اور دس ھزار کو درخت کاٹنے اور پتھر تراشنے پر متعین کیا تھا (دیکھئے کتاب سلاطین و کتاب تاریخ الایام) -

ان تصریحات سے واضح ھے کہ قرآن میں "جن و انس" سے مراد وحشی اور متمدن انسان ھیں - اِنس جو مانوس تھے اور جن ، جو وحشی اور غیر مہذب قبائل جنگلوں اور صحراؤں میں رہتے تھے - (مزید تفصیل میری کتاب "ابلیس و آدم" میں ملیگی) -

اَلْجَانُّ زرد رنگ کے سیاہ چشم سانپ کو بھی کہتے ھیں * (۲۷/۱۰) ابن فارس نے کہا ھے کہ یہ جَانٌّ سے تشبیہ کی بنا پر بولا جاتا ھے - اِلْجِنُّ مِنَ النَّبْتِ شگوفوں اور پھولوں کو کہتے ھیں* - جُنَّتِ الْاَرْضُ کے معنی ھیں زمین پر سبز گھاس خوب پھیل گئی اور نگاھوں کو بھلی نظر آنے لگی * - جَنَّ النَّبَاتُ کے معنی ھیں پودے لمبے ھوگئے اور آپسمیں خوب گتھ گئے- نَخْلَةٌ مَجْنُوْنَةٌ نہایت لمبا کھجور کا درخت*-

---

* تاج -

جَنَّةٌ - کھجوروں اور انگوروں کے باغ کو کہتے ہیں - (اگر کسی باغ میں کھجوروں اور انگوروں کے درخت نہ ہوں دوسرے درخت ہوں تو اسے حَدِیْقَةٌ کہتے ہیں - جَنَّةٌ نہیں کہتے)* - لیکن راغب کا قول ہے کہ جَنَّةٌ ہر اس باغ کو کہتے ہیں جسکی زمین درختوں کی وجہ سے نظر نہ آئے** -

قرآن کریم میں جَنَّةٌ کا لفظ بڑی جامع اصطلاح کے طور پر استعمال ہوا ہے - قرآنی نظام پر عمل پیرا ہونے سے اس دنیا میں جس قسم کا فردوس بدوش معاشرہ متشکل ہوتا ہے اسے بھی جنت سے تعبیر کیا گیا ہے اور مرنے کے بعد کی زندگی میں حسن عمل کے جو خوشگوار نتائج سامنے آتے ہیں انہیں بھی جنت ہی کہکر پکارا گیا ہے - قرآن پر عمل کرنے والوں (مومنین) کو اس دنیا میں جس قسم کا جنتی معاشرہ نصیب ہوتا ہے اسکی تفاصیل قرآن کے مختلف مقامات میں مذکور ہیں - لیکن اسے اگر دو لفظوں میں سمجھنا چاہیں تو اس آیت کو سامنے لے آنا چاہئے جو آدمؑ کی سر گذشت سے متعلق ہے - اس جنت کے متعلق کہا گیا ہے کہ وَكُلَا مِنْهَا رَغَدًا حَيْثُ شِئْتُمَا وَلَا تَقْرَبَا هٰذِهِ الشَّجَرَةَ (۲/۳۵) - "اس میں سے جہاں جی چاہے نہایت فراغت سے کھاؤ لیکن اس شجر کے قریب نہ جانا" (شجر کے لئے دیکھئے عنوان ش-ج-ر) - یعنی جنت اس معاشرہ کا نام ہے جسمیں زندگی کی تمام آسائشیں بافراط موجود ہوں - جہاں سامان زیست کی فراوانیاں ہوں - (صرف غذا ہی نہیں بلکہ لباس - مکان - یعنی تمام بنیادی ضروریاتِ زندگی ۲۰/۱۱۸-۱۱۹) لیکن ان کا استعمال حدود اللہ (قوانین خداوندی) کے مطابق کیا جائے۔ اگر ایسا کیا جائیگا تو اس معاشرہ کی بہاروں پر کبھی خزاں نہیں آئیگی - اسی لئے اسے تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ (۲/۲۵) کہا گیا ہے - یعنی اس باغ کے نیچے آب رواں ہمیشہ جاری رہیگا - قرآن نے اسکی تفسیر ان الفاظ سے کردی ہے اُكُلُهَا دَآئِمٌ وَظِلُّهَا (۱۳/۳۵) "اسکے پھل اور دیگر آسائشیں ہمیشہ رہینگی" - باقی رہے اعمال حسنہ کے وہ نتائج جو مرنے کے بعد سامنے آئینگے، سو اگرچہ انہیں بھی جنت ہی سے تعبیر کیا گیا ہے لیکن اسکے ساتھ ہی یہ بھی کہدیا گیا ہے کہ فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّآ اُخْفِیَ لَهُمْ مِّنْ قُرَّةِ اَعْیُنٍ (۳۲/۱۷) - "خدا نے اعمال کے بدلے میں آنکھوں کی ٹھنڈک کا جو سامان چھپا کر رکھا ہے وہ کسی انسان کے

* تاج - **راغب

حیطه ادراک میں نہیں آسکتا،، ۔ اُس زندگی کی کیفیات کے متعلق ہم آج کچھ نہیں سمجھ سکتے ۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن نے جنت کی اسقدر تفاصیل دینے کے باوجود یہ بھی کہدیا ہے کہ یہ سب تمثیلی بیان ہے (۱۳/۳۵) ۔

لیکن اِس دنیا کی جنت ہمارے سامنے آسکتی ہے، اگر ہم اپنے معاشرہ کو قرآن کے متعین کردہ خطوط پر متشکل کرلیں ۔ اسمیں انسان کی خارجی اور داخلی زندگی کی تمام آسائشیں اور راحتیں موجود ہونگی ۔ لیکن اس سے بعد کی زندگی کی جنت کی کیفیت ہم سمجھ ہی نہیں سکتے اسلئے کہ ہمارا موجودہ شعور محسوسات کی حد سے آگے جا ہی نہیں سکتا ۔ اس کے متعلق اتنا سمجھ لینا کافی ہوگا کہ اِس دنیا میں جنتی زندگی بسر کرنے سے نہ صرف طبعی آسائشیں ہی ملتی ہیں بلکہ انسانی ذات (Personality) کی بھی نشوو نما ہوتی جاتی ہے ۔ اس سے انسانی ذات اس قابل ہوجاتی ہے کہ وہ اِس زندگی کے بعد اگلے ارتقائی مراحل طے کرکے اپنی منزلِ مقصود تک پہنچ سکے ۔ اس قسم کی انسانی ذات مرنے کے بعد جس مرحلہ میں پہنچتی ہے اس کا نام جنت ہے ۔ وہ انسانی زندگی کی آخری منزل نہیں بلکہ آگے بڑھنے کا مقام ہے ۔ اس لئے کہ وہاں بھی ''انسان کا نور اس کے آگے آگے چل رہا ہوگا،، (۵۷/۱۲) ۔ اس کے برعکس جن کی ذات کی نشوو نما (Development) رک چکی ہوگی ، جن میں آگے بڑھنے کی صلاحیت نہیں ہوگی' وہ اہلِ جہنم ہونگے (دیکھئے عنوان جَہَنَّم و ج ـ ح ـ م)۔ بہر حال ، مرنے کے بعد کی جنت اور جہنم ، مقامات نہیں ہیں' انسانی ذات کی کیفیات ہیں جن کی حقیقت ہم آج سمجھ نہیں سکتے ۔ آج ہمیں یہ کوشش کرنی چاہئے کہ کسی طرح اِس دنیا کی جہنم (جس میں ہم سب مبتلا ہیں) جنت سے بدل جائے ۔ یہ قرآنی نظام کی رُو سے ہوسکیگا ۔

ج ن ی

جَنَی الثَّمَرَۃَ یَجْنِیْھَا ۔ اسنے پھل کو درخت سے توڑ لیا ۔ یہی اس کے بنیادی معنی ہیں ۔ (ابن فارس) فَھُوَ جَانٍ ۔ وہ پھل توڑنے والا ہے۔ اَلْجَنٰی پختہ اور تازہ کھجور۔ چنے ہوئے پھل ۔ اَجْنٰی الشَّجَرُ ۔ درخت کے پھل توڑنے کے قابل ہوگئے ۔ ثَمَرٌ جَنِیٌّ ۔ تازہ پھل جو ابھی ابھی توڑا گیا ہو* ۔ سورۃ مریم میں رُطَبًا جَنِیًّا (۱۹/۲۵) ۔ ترو تازہ کھجوروں کے لئے آیا ہے ۔ اور سورۃ رحمٰن میں جَنَا (۵۵/۵۴) پھلوں کیلئے ۔

*تاج و راغب ۔

کسی کا پھل توڑ کرلے جانا جرم ہے ۔ اس سے اَلْجِنَایَۃُ اس جرم کو کہتے ہیں جس سے سزا لازم آتی ہو۔ جَانٍ کے معنے ہیں مجرم ۔ جَانٰی عَلَیْہِ مُجَانَرَاۃً ۔ اسنے اسکے خلاف جرم کا دعوی کردیا* ۔ غور کیجئے ، جب ایک شخص کسی دوسرے کا پھل توڑ کرلے جانے سے مجرم بنتا ہے تو جو لوگ دوسروں کی محنت کے محاصل کو غصب کرلیں وہ مجرم کیوں نہیں ؟ (اس ضمن میں عنوان ج-ر-م بھی دیکھئے) ۔

ج ھ د

اَلْجَھْدُ ۔ ابن اثیر نے کہا ہے کہ جَھْدٌ کے معنے تکلیف اور مشقت اور کسی کام کو اسکی انتہا تک پہنچا دینے کے ہیں ۔ اور جُھْدٌ کے معنے وسعت اور طاقت کے ہیں ۔ لیکن بعض لوگوں نے کہا ہے کہ جَھْدٌ اور جُھْدٌ دونوں وسعت اور طاقت کے معنوں میں آتے ہیں ۔لیکن مشقت کے معنوں میں صرف جَھْدٌ آتا ہے* ۔ لیکن قرآن میں جُھْدٌ بھی مشقت کے معنوں میں آیا ہے (۹/۷۹) ابن فارس نے کہا ہے کہ یہ اسکے بنیادی معنی ہیں۔ جِھَادٌ کے معنے ہیں کسی مقصد کے حصول کیلئے اپنی طاقت اور وسعت کو پورا پورا صرف کردینا۔ اسمیں کوئی کسر اٹھا نہ رکھنا ۔ اور جَھَادٌ کے معنے ہیں سخت زمین جسمیں گھاس وغیرہ کچھ نہ ہو* ۔ اَجْھَدَتْ لَکَ الْاَرْضُ ۔ زمین تیرے لئے ظاہر ہو گئی* ۔

اَلْاِجْتِھَادُ ۔ کسی ایسے مقصد کے حاصل کرنے میں اپنی پوری پوری کوشش صرف کر دینا جس میں کلفت اور مشقت لازمی ہو** ۔ یعنی اس کام کا مشکل اور کٹھن ہونا ضروری ہے ۔

اَلْجَاھِدُ ۔ جاگنے والا** ۔

قرآن کریم میں مُجَاھِدِیْنَ بمقابلہ قَاعِدِیْنَ آیا ہے (۴/۹۵) ۔ قَاعِدِیْنَ کے معنے ہیں بیٹھ رہنے والے ۔ سستی کرنے والے ۔ لہذا مُجَاھِدِیْنَ کے معنے ہوئے جد و جہد کرنے والے ۔ حصول مقاصد کیلئے پوری پوری کوشش کرنے والے ۔ خواہ اسمیں جان تک بھی کیوں نہ دینی پڑ جائے ۔ قرآن کی رو سے زندگی کا راز جد و جہد اور سعی و عمل میں ہے۔ لہذا مردِ مومن ، جو زندگی کا پیکر ہوتا ہے ، ساری عمر مجاھد رہتا ہے ۔ یعنی مصروفِ سعی و عمل ۔ (جنگ کے لئے دیکھئے عنوان ق-ت-ل) سورۃ النّحْل میں جَھْدَ اَیْمَانِھِمْ (۱۶/۳۸) سخت قسموں کیلئے آیا ہے ۔

*تاج ۔ **محیط ۔

ج ه ر

جَہْرٌ - راغب نے کہا ہے کہ اسکے اصلی معنے کسی چیز کا حد سے زیادہ زور کے ساتھ نمایاں اور ظاہر ہونا ہے، خواہ وہ دیکھنے سے تعلق رکھتی ہو یا سننے سے - چنانچہ رَاٰہُ جَہْرَۃً کے معنے ہیں اسے کھلم کھلا اسطرح دیکھا کہ دونوں کے درمیان کوئی حجاب نہ تھا۔ اورجَہَرَ الصَّوْتَ کے معنے ہیں آواز کو بلند کیا - جَہَرَ الْکَلَامَ اسنے اس بات کو کھول کر باآواز بلند کہا - جَہْرَاءُ الْقَوْمِ - قوم کے ممتاز اور برگزیدہ افراد*- جَہَرَ الْقَوْمُ الْقَوْمَ - ایک قبیلے نے دوسرے قبیلہ پر صبح دم غفلت میں چڑھائی کر دی - مُجَاھَرَۃٌ- ایک دوسرے پر غالب آنے کی کوشش کرنا*-

قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ کے متعلق ہے کہ وہ بے حجاب (جَہْرَۃً) نہیں دیکھا جا سکتا (۲/۵۵)- سورۃ حدید میں اللہ کے لئے ھُوَالظَّاھِرُ آیا ہے -(۵۷/۳) اس کے مفہوم کے لئے دیکھئے عنوانات (ظ- ه- ر) و(ب-ط-ن)-سورۃ انعام میں جَہْر بمقابلہ سِرّ آیا ہے (۶/۳)- اور (۲۱/۱۱۰) میں یہ لفظ کَتَمَ کے مقابلہ میں آیا ہے - سورۃ بنی اسرائیل میں جَہْرٌ بمقابلہ خَفْتٌ آیا ہے- (۱۷/۱۱۰ وَلَا تَجْھَرْ بِصَلَاتِکَ وَلَا تُخَافِتْ بِھَا**)- سورۃ انعام میں ہے اِنْ اَتٰـکُمْ عَذَابُ اللہِ بَغْتَۃً اَوْ جَہْرَۃً (۶/۴۷)- بَغْتَۃً کے معنے ہیں جسکی علامات وغیرہ پہلے سے ظاہر نہ ہوں (اچانک) لہذا جَہْرَۃً کے معنے ہوئے جسکی علامات پہلے سے نمایاں ہو جائیں -

سورۃ الحجرات میں ہے لَا تَرْفَعُوْا اَصْوَاتَکُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِیِّ وَلَا تَجْھَرُوْا لَہٗ بِالْقَوْلِ کَجَہْرِ بَعْضِکُمْ لِبَعْضٍ (۴۹/۲)- اگرچہ اس کے ظاہری معنے یہی ہیں کہ تم نبی کی آواز سے اپنی آواز بلند نہ کرو اور نہ ہی اس سے چلّا کر باتیں کرو جیسا کہ آپس میں کرتے ہو، لیکن اگر اسے آدابِ مجالس سے وسیع تر مفہوم میں لیا جائے تو اسکا مطلب یہ ہوگا کہ تم اسکے فیصلہ پر اپنی رائے کو غالب رکھنے کی کوشش نہ کرو - اسکے فیصلوں کو دل کے کامل جھکاؤ کے ساتھ تسلیم کرو- قرآنی مملکت میں، مرکز کی پوزیشن ایسی ہوتی ہے کہ وہاں کا فیصلہ حرفِ آخر قرار دیا جاتا ہے - رسول اللہؐ کی حیات طیبہ میں یہ حیثیت حضور کو حاصل تھی - آپؐ کے بعد، یہ حیثیت حضورؐ کے جانشینان (یعنی خلافت علیٰ منہاج رسالت یا قرآنی نظام مملکت کے مرکز) کو حاصل ہوگی -

---

*تاج - ** دیکھئے عنوان (ص - ل - و)-

ج ہ ز

اَلجَہَازُ - سامان سفر- جو سامان سواری پر لدا ہوتا ہے* - ساز و سامان جو کسی کی ضرورت کا ہو** - ابن فارس نے کہا ہے کہ اسکے بنیادی معنی ایسی چیز کے ہوتے ہیں جسے خریدا اور حاصل کیا جاسکے - اَلتَّجْہِیْزُ سامان سفر لادنا یا دینا * - سورۃ یوسف میں ہے وَ لَمَّا جَہَّزَ ھُمْ بِجَہَازِھِمْ (۱۲/۵۹) - ''جب انہیں ان کا سامان دیکر سفر کیلئے تیار کر دیا'' -

اَلْجَہْزَاءُ مِنَ الْاَرْضِ - بلند زمین کو کہتے ہیں** -

ج ہ ل

اَلْجَہْلُ کے معنی ہوتے ہیں جو امور واضح نہ ہوں ان کی واقفیت حاصل کئے بغیر ان میں پیش قدمی کرنا - راغب نے کہا ہے کہ جَہْلٌ کی تین قسمیں ہوتی ہیں (۱) انسان کے ذہن کا علم سے خالی ہونا (یہ بنیادی معنے ہیں) - (۲) کسی بات کے متعلق اس کی صحیح کیفیت کے خلاف اعتقاد رکھنا اور (۳) کسی بات کو جس طرح کرنا چاہئیے اس کے خلاف کرنا - خواہ اس کی بابت اعتقاد صحیح ہو یا غلط* - ابن فارس نے کہا ہے کہ اس کے بنیادی معنی (۱) علم کی ضد اور (۲) ہلکا پن اور بے اطمینانی کے ہیں -

مَجْہَلٌ - اس زمین کو کہتے ہیں جس میں نشانات راہ نہ ہونے کی وجہ سے صحیح راستہ نہ مل سکے* - صاحب محیط نے کہا ہے کہ اَلْجَہُوْلُ اس سادہ لوح اور نا تجربہ کار آدمی کو کہتے ہیں جو جلد دھوکے میں آجائے** - صاحب تاج العروس نے لکھا ہے کہ جَاھِلٌ کا لفظ مذمت کے لئے آتا ہے لیکن کبھی اس کے معنے نا واقف کے بھی ہوتے ہیں - اس صورت میں یہ لفظ مذمت کے لئے نہیں آتا - مثلاً قرآن کریم میں ہے یَحْسَبُہُمُ الْجَاھِلُ اَغْنِیَاءَ (۲/۲۷۳) ''ناواقف انہیں دولتمند سمجھتا ہے'' -

عربوں کے زمانۂ قبل از اسلام کے لئے جَاھِلِیَّۃٌ کا لفظ استعمال ہوتا ہے - قرآن میں بھی اس لفظ کا استعمال آیا ہے (مثلاً (۳۳/۳۳)) - اس کے معنے یہ نہیں کہ وہ لوگ جاھل مطلق تھے- اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ دین سے ناواقف تھے - جاھلیت سے مراد ان کی جہالت نہیں بلکہ اس دین سے ناواقفیت ہے

---

*تاج - **محیط -

جو نبی اکرمؐ کے ذریعہ ان تک پہنچا۔ لہذا رسوم جاہلیت سے مراد وہ رسوم ہی نہیں جو زمانۂ قبل از اسلام میں عربوں کے ہاں رائج تھیں۔ اس سے مراد وہ تمام غلط اعتقادات اور غیر قرآنی اعمال حیات ہیں جو دین سے ناواقفیت کی بنا پر مسلمانوں میں پھیل رہے ہیں۔ نیز علم ہو جانے کے بعد بھی ُاسی روش پر جمے رہنا (محض اس لئے کہ وہ روش اسی طرح چلی آ رہی ہے) جاہلیت ہے۔ یہ مسلک پتھروں کا ہے جو کسی حالت میں بھی اپنی جگہ سے نہیں ہلتے۔ اسی لئے بڑی چٹان کو صَفَاۃٌ جَیْھَلٌ کہتے ہیں**۔ یہ جہالت و جاہلیت کی بد ترین قسم ہے۔ اسی لئے صاحب تاج العروس نے اسے جَھْلٌ مُرَکَّبٌ سے تعبیر کیا ہے*۔

احمد امین مصری (مرحوم) نے کہا ہے کہ "سَلَامٌ" کے معنے مسالمت کے ہیں جو جنگ اور مخاصمت کی ضد ہے۔ قرآن کریم کی اس آیت وَعِبَادُ الرَّحْمٰنِ الَّذِیْنَ یَمْشُوْنَ عَلَی الْاَرْضِ ھَوْناً وَاِذَا خَاطَبَھُمُ الْجٰھِلُوْنَ قَالُوْا سَلَاماً (۲۵/۶۳) میں جَھَالَت کے مقابلہ میں سَلَام کا لفظ لایا گیا ہے۔ غالباً اس آیت کے ذریعہ ہم وہ وجہ معلوم کر سکتے ہیں جس کی بنا پر نبی اکرمؐ کی بعثت سے پچھلے زمانہ کو جاہلیت کا اور بعثت کے بعد کے زمانہ کو اسلام کا لقب دیا گیا۔ یہ لفظ "جاہلیت" ُاس جَھْلٌ سے ماخوذ نہیں جس کے معنے نہ جاننے (عِلْمٌ کی ضد) کے ہوتے ہیں۔ بلکہ یہ اس "جَھْلٌ" سے ماخوذ ہے جس کے معنے سفاہت، غضب، اور حمیت کے ہوتے ہیں۔ حضرت ابوذر غفاریؓ کی ایک حدیث میں ہے کہ انہوں نے کسی کو اس کی ماں کے نام سے عار دلائی تو رسول اللہ صلعم نے فرمایا اِنَّکَ امْرُؤٌ فِیْکَ جَاھِلِیَّۃٌ۔ "تمہارے اندر جاہلیت کی روح ابتک موجود ہے"۔ اسی جہت سے عربوں کا محاورہ ہے "اِسْتَجْھَلَہُ الشَّیْئُ"۔ یعنی اس چیز نے اسے عقل و خرد سے بیگانہ بنا دیا۔ کسی شاعر کا مصرع ہے۔ دَعَاکَ الْھَوٰی وَاسْتَجْھَلَتْکَ الْمَنَازِلُ۔ محبت نے تجھے پکارا اور محبوب کے مکانوں نے تیرے حواس گم کر دئے۔

عمرو بن کلثوم کے معلقہ میں ہے۔

اَلَا لَا یَجْھَلَنْ اَحَدٌ عَلَیْنَا۔
فَنَجْھَلَ فَوْقَ جَھْلِ الْجَاھِلِیْنَا۔

خبردار کوئی ہمارے خلاف زیادتی نہ کرے ورنہ ہم زیادتی کرنے والوں سے بڑھکر زیادتی کرینگے۔ ان استعمالات سے معلوم ہوتا ہے کہ جَاھِلِیَّۃٌ کا لفظ ہلکے پن،

* تاج۔ ** محیط۔

عقل و ہوش سے بیگانگی، عصبیت، حمیّت اور مفاخرت وغیرہ کے لئے استعمال ہوتا تھا جو اسلام سے پہلے عربوں کی زندگی کا اہم ترین عنصر تھا ۔ اسی لئے اس زمانہ کو جاہلیت کا زمانہ کہا جاتا ہے ۔ ان معانی کے بالمقابل سکون نفس، تواضع، اعمال صالحہ کی اہمیت کا احساس، اور نسلی فخر و غرور کی بے اعتباری وغیرہ رجحانات، سلامتی اور مصالحت کے ہوتے ہیں''* ۔ اس سے واضح ہو جاتا ہے کہ اسلامی نہجِ زندگی کیا ہے اور جاہلیت کی روش کیا ؟

قرآن کریم کی رو سے علم حاصل نہ کرنا جرم ہے اور علم حاصل ہو جانے کے بعد اپنی غلط روش میں تبدیلی نہ کرنا اس سے زیادہ سنگین جرم (مزید تفصیل ع-ل-م اور ع-ق-ل کے عنوانات میں ملیگی)۔ سورۃ بقرہ میں یہ لفظ ھُزُوٌ کے ساتھ آیا ہے (۲/۶۷) لہذا اس کے معنے ہیں وہ لوگ جو زندگی کے مسائل اور احکام و قوانین کو سنجیدگی سے (Seriously) نہ لیں ۔ انہیں مذاق ہی سمجھیں ۔

جَهَنَّمُ

جَهَنَّمُ ۔ بعض کا خیال ہے کہ یہ عربی لفظ ہے جسکے معنے ہیں گہرا۔ کہتے ہیں ''رَكِيَّةٌ جَهَنَّمٌ'' گہری تہ والا کنواں،۔ بعض نے اسے عبرانی لفظ گَہِنّام سے معرب مانا ہے* ۔
صاحب محیط نے لکھا ہے کہ یہ عبرانی الاصل ہے اور دو لفظوں سے مرکب ۔ جِی، جسکے معنے وادی ہیں اور ہَنُّوم سے ۔ ہنوم ایک آدمی کا نام تھا ۔ وادی ہَنُّوم یروشلم کے جنوب میں ایک مشہور وادی تھی جسمیں زمانہ قدیم میں مولوک (عَمُّونِیِّیْن کے دیوتا) کے حضور آدمیوں کو جلا کر قربانی پیش کی جاتی تھی ۔ لہذا جِی ہَنُّوم سے مراد تھی وہ وادی جہاں انسان ذبح کئے جاتے تھے اور انہیں جلایا جاتا تھا ۔** ۔ اس اعتبار سے جَہَنَّم کا ترجمہ انسانیت کی قربانگاہ ہوگا ۔ خدا کے قانون ربوبیت کا منشا یہ ہے کہ انسان کی مضمر صلاحیتوں کی نشوونما ہو ۔ انسانیت برومند اور ثمر بار ہو ۔ ایسا معاشرہ جسمیں انسانیت نشوونما پائے جنتی معاشرہ ہے ۔ اسکے مقابلہ میں وہ معاشرہ جسمیں انسانیت ذبح ہو جائے اور جلکر راکھ کا ڈھیر بن جائے جَہَنَّمی معاشرہ ہے ۔ اسکے لئے عربی لفظ جَحِیْمٌ ہے جس کے معنے روک دینا ہیں (دیکھئے عنوان ج ح م)۔ یعنے جس مقام پر انسانیت کی نشوونما رک جائے ۔

* فجر الاسلام صفحہ ۶۹ - ۷۰ ۔ *تاج ۔ **محیط نیز غریب القرآن میرزا ابوالفضل

سورۃ بنی اسرائیل میں جَہَنَّم کے متعلق کہا ہے وَجَعَلْنَا جَہَنَّمَ لِلْکٰفِرِیْنَ حَصِیْرًا (۸/۱۷) - جہنم ان لوگوں کے لئے روک کا مقام ہے جو قانون خداوندی کے خلاف زندگی بسر کرتے ہیں -

چونکہ زندگی مسلسل آگے بڑھتی ہے اسلئے جسکی نشونما یہاں رک جاتی ہے وہ زندگی کی اگلی منزلیں طے کرنے کے قابل نہیں ہوتا - اسلئے اس زندگی میں بھی وہ جَہَنَّم میں رہتا ہے اور مرنے کے بعد کی زندگی میں بھی - اس زندگی میں جَہَنَّم کی کیفیات کیسی ہونگی، اس کے متعلق ہم آج کچھ نہیں سمجھ سکتے - البتہ موجودہ زندگی میں جہنم کا عذاب ہم ہر وقت محسوس کر سکتے ہیں - انفرادی طور پر بھی اور اجتماعی طور پر بھی - اجتماعی طور پر جو قوم غلط راستے پر چلتی ہے اسکی سعی و عمل ثمر بار ہونے کی بجائے جلکر خاکستر ہو جاتی ہے - یہ جَہَنَّم ہے - اور اس کا نتیجہ ذلت و رسوائی - اسکی تفاصیل قرآن کے مختلف مقامات میں ملینگی - اسی طرح اس معاشرہ میں رہنے والے افراد کے جوہر انسانیت جلکر راکھ کا ڈھیر ہو جاتے ہیں -

اس مقام پر اتنا سمجھ لینا ضروری ہے کہ جہنم، انسان کے اپنے اعمال ہی سے بنتی ہے - اس لئے کہا گیا ہے کہ وَاِنَّ جَہَنَّمَ لَمُحِیْطَۃٌ بِالْکٰفِرِیْنَ (۵۴/۲۹) "یقیناً جہنم کفار کو چاروں طرف سے گھیرے ہوئے ہے" - وَمَا ھُمْ عَنْھَا بِغَآئِبِیْنَ (۱۶/۸۲) - یہ اسکی نگاہوں سے اوجھل نہیں ہیں - وہ انہیں اب بھی دیکھ رہی ہے - ان کے سامنے ہی ہے، لیکن ان کا عدم احساس اسے ان کی نظروں سے اوجھل کئے ہوئے ہے - جب ان کی آنکھیں کھل جائینگی تو وہ ابھر کر سامنے آجائیگی - وَبُرِّزَتِ الْجَحِیْمُ لِمَنْ یَّرٰی (۳۶/۷۹) - وہ دیکھنے والے کے لئے ابھر کر سامنے آجائیگی - یہ وہ کیفیت ہے جس کے متعلق کہا گیا ہے کہ یہ لوگ اس میں "یوم الدین" میں داخل ہونگے یَصْلَوْنَھَا یَوْمَ الدِّیْنِ (۱۵/۸۲) - یَوْمَ الدِّیْنِ، ظہور نتائج کا زمانہ ہے، اِس دنیا میں یا مرنے کے بعد -

ج و ب

اَلْجَوْبُ - قطع کرنا - پھاڑنا - سوراخ کرنا - یہ اس مادہ کے اصلی معنے ہیں* - قرآن کریم میں ہے وَثَمُوْدَ الَّذِیْنَ جَابُوا الصَّخْرَ بِالْوَادِ (۸/۸۹) اور ثمود جو وادی میں پہاڑوں کی چٹانوں کو تراش کر (اپنے مکان بناتے تھے) - اَلْجَوْبَۃُ - مکانات کے پچھواڑے جو گڑھا سا بن جائے جسمیں بارش کا پانی جمع ہو جائے* - اَلْجَوْبُ ڈھال کو بھی کہتے ہیں* -

*تاج -

اَجَابَ يُجِيْبُ اِجَابًا وَ اِجَابَةً - جواب دینا* - (اسلئے کہ جواب دینے والا دوسرے کی بات کو قطع کرتا ھے) - اس سے اسم فاعل مُجِيْبٌ ھے - جواب دینے والا* - قرآن میں ھے اِنَّ رَبِّیْ قَرِيْبٌ مُجِيْبٌ (۱۱/۶۱) ''یقیناً میرا رب قریب ھی ھے اور بات کا جواب بھی دیتا ھے - سورة بقرة میں ھے اُجِيْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ (۲/۱۸۶) - ''میں ھر پکارنے والے کی پکار کا جواب دیتا ھوں جب وہ مجھے پکارتا ھے،، - دعا اور خدا کی طرف سے اسکے جواب کے صحیح مفہوم کیلئے (د - ع - و) کا عنوان دیکھئے - یہاں صرف اتنا بتا دینا کافی ھے کہ دُعَا سے مفہوم ھے خدا کے قوانین کا اتباع کرنا، اور اسکی طرف سے جواب کے معنی ھیں ان قوانین کا نتیجہ خیز ھونا - چنانچہ سورة المومن میں ھے وَ قَالَ رَبُّكُمُ ادْعُوْنِیْ اَسْتَجِبْ لَكُمْ (۴۰/۶۰) - ''تمہارا نشو و نما دینے والا کہتا ھے کہ تم مجھے پکارو میں تمہاری پکار کا جواب دونگا'' اسکے بعد ھے اِنَّ الَّذِيْنَ يَسْتَكْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِیْ سَيَدْخُلُوْنَ جَهَنَّمَ دَاخِرِيْنَ (۴۰/۶۰) - جو لوگ میری اطاعت گزاری سے سر کشی برتتے ھیں وہ ذلیل ھو کر جہنم میں داخل ھونگے،، - اس پوری آیت سے واضح ھے کہ دعا در حقیقت ''يَسْتَكْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِیْ'' کی ضد ھے - لہذا دعا سے مقصود خدا کی محکومیت اختیار کرنا ھے - اسی لئے اس سے ذرا پہلے ھے وَمَا دُعَاءُ الْكٰفِرِيْنَ اِلَّا فِیْ ضَلَالٍ (۴۰/۵۰) - ''جو لوگ قوانین خداوندی سے انکار کرتے ھیں انکی دعا کبھی نتیجہ خیز نہیں ھوتی،، - یہی وجہ ھے کہ سورة بقرة میں جہاں یہ کہا ھے کہ اُجِيْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ (۲/۱۸۶) - ''میں پکارنے والے کی پکار کا جواب دیتا ھوں'' تو اسکے ساتھ ھی یہ بھی کہدیا کہ فَلْيَسْتَجِيْبُوْا لِیْ وَ لْيُؤْمِنُوْا بِیْ (۲/۱۸۶) - ''لہذا انہیں چاھئے کہ میرے قوانین پر ایمان رکھیں اور میری اطاعت کریں،، یہ لوگ یہ کچھ کریں اور میں انکی سعی و عمل کو نتیجہ خیز کرونگا - یہ ھے دعا اور اجابت دعا کا قرآنی مفہوم - یعنے جو کچھ خدا کے تقاضے ھیں آنہیں تم پورا کرو - جو کچھ تمہارے تقاضے ھونگے خدا انہیں پورا کر دیگا - یہی خدا کا قانون ھے - جو شخص حسن کارانہ انداز سے آسکے قوانین کے مطابق زندگی بسر کرتا ھے وہ اسکی محنت کو رائگان نہیں جانے دیتا - وَاصْبِرْ فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيْعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِيْنَ (۱۱/۱۱۵) - ''اور استقامت سے جما رہ - بیشک اللہ محسنین کا اجر ضائع نہیں کرتا،، - اور کوشش کے بغیر کچھ ملتا نہیں - وَ اَنْ لَيْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰی (۵۳/۳۹) - ''انسان کے لئے کچھ نہیں بجز اسکے جسکے لئے وہ کوشش اور محنت کرے'' -

* تاج -

ج و د

اَلْجَیِّدُ ۔ عمدہ چیز ۔ جَوْدَۃٌ ۔ عمدہ ہونا ۔ اَجَادَہٗ ۔ اسے عمدہ بنا دیا ۔ اَلْجَوَادُ ۔ سخی * ۔ اَلْجُوْدِیُّ ۔ اس پہاڑی یا ٹیلہ کا نام ہے جس پر حضرت نوحؑ کی کشتی ٹھہری تھی (۱۱/۴۴) ۔ کہا جاتا ہے کہ یہ اس سلسلۂ کوہ میں واقع ہے جو آرمینیا کو میسوپوٹیمیا سے جدا کرتا ہے ۔

جَوَادٌ ۔ اعلیٰ درجے کا گھوڑا جو نہایت تیز رفتار ہو اور دوڑنے میں اپنی ساری طاقت صرف کردے**۔ (جمع جِیَادٌ) ۔ سورہ ص میں ہے اَلصّٰفِنٰتُ الْجِیَادُ (۳۸/۳۱) ۔ ''اصیل ، تیز رو گھوڑے'' ۔

ج و ر

اَلْجَوْرُ ۔ درمیانی راہ چھوڑ کر ایک طرف کو ہٹ جانا ۔ اس سے اسکے معنے ظلم و ستم اور بے انصافی کے ہوگئے ۔ اسی سے جَارَ کے معنی ہیں عدل کی راہ چھوڑی * ۔ قرآن میں قَصْدُ السَّبِیْلِ کے مقابل جَائِرٌ آیا ہے (۱۶/۹) قَصْدُ السَّبِیْلِ ، درمیانی راہ اور جَائِرٌ ، ایکطرف کو ہٹی ہوئی راہ ۔ اَلْجَارُ ۔ پڑوسی ، ہمسایہ ، نیز وہ شخص جسے تم نے کسی کے جور و ستم سے پناہ دی ہو ۔ نیز ساتھی ، شریک ، مددگار کے معنوں میں بھی استعمال ہوتا ہے* قرآن میں اَلْجَارِ ذِی الْقُرْبیٰ اور اَلْجَارِ الْجُنُبِ آیا ہے (۴/۳۶) (تفصیل کے لئے دیکھئے عنوان ج ۔ ن ۔ ب) ۔ سورۃ احزاب میں ہے لَا یُجَاوِرُوْنَکَ فِیْهَا (۳۳/۶۰) ۔ ''وہ اس شہر میں تیرے ہمسایہ بنکر نہیں رہنے پائینگے'' ۔ سورۃ انفال میں ہے اِنِّیْ جَارٌ لَّکُمْ (۸/۴۸) ۔ ''میں تمہارا پناہ دینے والا یا حامی و مددگار ہوں'' ۔ اَجَارَہٗ ۔ اسکو پناہ دیدی ۔ اسے حفاظت میں لے لیا (۷۲/۲۲) ۔ اِسْتَجَارَ ۔ پناہ طلب کرنا (۹/۶) ۔ سورۃ رعد میں ہے قِطَعٌ مُّتَجٰوِرٰتٌ (۱۳/۴) ۔ ''آپس میں ملے ہوئے قطعات زمین'' ۔

ج و ز

جَازَ الْمَوْضِعَ ۔ وہ اس مقام پر سے گزر گیا ۔ اسے پیچھے چھوڑ گیا ۔ اگر دریا ہو تو اسکے معنے ہونگے اسے عبور کر گیا ۔ نیز جَاوَزَ (۲/۲۴۹ ، ۱۸/۶۲) کسی مقام سے آگے بڑھ جانا * ۔ اصلی معنے اس مادہ میں قطع کرنا ۔ کاٹنا ہیں *** ۔

* تاج ۔ ** راغب ۔ ***محیط ۔

تَجَوَّزَ عَنْ ذَنْبِہٖ ۔ اسکی خطا سے درگزر کر دیا ۔ وَنَتَجَاوَزُ عَنْ سَيِّئَاتِهِمْ (۳۶/۱۶) ۔ " ہم ان کی برائیوں سے درگزر کرتے ہیں "۔ ابن فارس نے کہا ہے کہ اس کے بنیادی معنی کسی چیز کو قطع کرنا اور کسی شے کا وسط ہیں ۔ چنانچہ جُوزُ كُلِّ شَيْءٍ ۔ ہر چیز کے وسط کو کہتے ہیں ۔ غالباً اسی وجہ سے اَلتَّجَائِزُ اسے کہتے ہیں جو کسی چیز کے وسط میں سے گزر جائے ۔ نیز اَلْجَائِزُ ۔ صحیح سمت کو گزرنے والا ** ۔ اَلْمَجَازُ ۔ راستہ جسے ایک طرف سے دوسری طرف کو قطع کیا جائے * ۔ یا وہ راستہ جس پر لوگ بہت زیادہ گزرتے ہوں * ۔ اَلْجَائِزَةُ ۔ عطیہ ۔ انعام ۔ وہ زاد سفر جو مسافر کو دیا جاتا ہے جس کے سہارے وہ ایک دن اور رات کی مسافت طے کر لے ۔ (ممکن ہے اسی سے جائزہ انعام و عطیہ کے لئے بولا جانے لگا ہو) ۔

ج و س

اَلْجَوْسُ ۔ کسی چیز کی آخری حد تک اسے تلاش کرنا ۔ چھان مارنا ۔ گھومنا پھرنا *** ۔ اَلْاِجْتِيَاسُ ۔ رات میں گھومنا * ۔ ابن فارس نے کہا ہے کہ اس کے بنیادی معنی کسی چیز کے اندر گھس جانے کے ہیں ۔ قرآن کریم میں ہے فَجَاسُوْا خِلٰلَ الدِّيَارِ (۱۷/۵) ۔ " وہ تمہارے شہروں کے اندر گھس گئے اور تمہاری کھوج میں انہوں نے گلی کوچوں کو چھان مارا " اور اسطرح ڈھونڈ ڈھونڈ کر تمہیں قتل یا گرفتار کیا ۔ محیط نے اس کے معنوں میں حملہ کرنے یا لوٹ مار کرنے میں ادھر ادھر آمد و رفت کرنا بھی بتائے ہیں ۔

ج و ع

اَلْجُوْعُ ۔ بھوک ۔ جَاعَ ۔ يَجُوْعُ ۔ جَوْعاً ۔ بھوکا ہونا ۔ عَامُ مَجَاعَةٍ ۔ بھوک کا سال ۔ قحط سالی * ۔

قرآن کریم میں یہ لفظ بھوک کیلئے آیا ہے (۲/۱۵۵) ۔ اور جنت کی خصوصیت یہ بتائی ہے کہ اسمیں بھوک (رزق کی تنگی) نہیں ہوگی ۔ اِنَّ لَكَ اَلَّا تَجُوْعَ فِيْهَا (۲۰/۱۱۸) ۔ " تیرے لئے یہ ہے کہ تو اس میں بھوکا نہیں رہیگا "۔ کفران نعمت (خدا کی طرف سے ملے ہوئے سامان زیست کو چھپا کر رکھنے یا غلط طور پر استعمال کرنے) کا نتیجہ لِبَاسُ الْجُوْعِ وَالْخَوْفِ (۱۶/۱۱۲) بتایا ہے ۔ یعنے بھوک اور خوف کا عذاب ۔ لہذا کسی قوم میں سامان

---

* تاج ۔ ** محیط ۔ *** تاج ۔ راغب ۔

رزق کی تنگی خدا کا عذاب ہے اور اسکی فراوانی جنتی معاشرہ کی خصوصیت۔ قرآن کی رو سے جو معاشرہ قائم ہوتا ہے اس میں کوئی فرد بھوکا نہیں رہ سکتا۔ اس کے یہ معنی نہیں کہ جس نظام میں ہر فرد کو روٹی مل جائے اسے نظام خداوندی اور اس معاشرہ کو جنتی معاشرہ کہا جائیگا۔ نظام خداوندی اور جنتی معاشرہ کی بہت سی خصوصیات ہیں اور جب تک وہ سب موجود نہ ہوں اسے جنتی نہیں کہہ سکتے۔ لیکن یہ ضرور ہے کہ جس نظام یا معاشرہ میں لوگوں کو پیٹ بھر کر روٹی نہ ملے اسے نہ نظام خداوندی کہہ سکتے ہیں نہ جنتی معاشرہ۔ یہ تو ہو سکتا ہے کہ کوئی قوم ایسے ہنگامی حالات سے گزرے جس میں کچھ وقت کے لئے رزق کی تنگی آجائے (مثلاً جنگ کے زمانہ میں)۔ لیکن کسی قوم میں نہج زندگی ایسا قائم ہو جانا جس میں تمام افراد کو پیٹ بھر کر، باطمینان، کھانے کو نہ ملے، خدا کا عذاب ہے، اور جو قوم ایسی حالت سے نکلنا نہیں چاہتی وہ جہنم میں رہنا چاہتی ہے۔

ج و ف

اَلْجَوْفُ۔ وسیع نشیبی زمین۔ شکم (پیٹ) نیز کسی چیز کے اندرونی حصہ کو کہتے ہیں۔ جَوْفُ الْبَیْتِ۔ گھر کا اندرونی حصہ۔ ابن فارس نے کہا ہے کہ اس کے بنیادی معنی کسی چیز کے اندرون کے ہوتے ہیں۔ جَافَہٗ۔ یَجُوْفُہٗ۔ جَوْفاً۔ اس نے اسے گہرا کر دیا۔ اَلْمُجَوَّفُ۔ گہرائی والی چیز (مُحَدَّبٌ کے مقابلہ میں)۔ نیز وہ شخص جسکا دل نہو، (بزدل) یعنی جسکے سینے میں خلا ہو*۔

قرآن کریم میں ہے مَا جَعَلَ اللّٰہُ لِرَجُلٍ مِنْ قَلْبَیْنِ فِیْ جَوْفِہٖ (۳۳/۴) یہاں جَوْفٌ سے مراد سینہ ہے۔ یعنی اللہ نے کسی شخص کے لئے اس کے سینے میں دو دل نہیں پیدا کئے۔

ج و و

اَلْجَوُّ۔ فضا۔ زمین اور آسمان کے درمیان خلاء**۔ قرآن کریم میں ہے مُسَخَّرَاتٍ فِیْ جَوِّ السَّمَآءِ (۱۶/۷۹)۔ اسکے معنے فضائے آسمانی ہیں۔ یعنی (پرندے) آسمان کی فضا میں مسخر کئے ہوئے ہیں۔ ویسے اَلْجَوُّ اندرون مکان کو بھی کہتے ہیں*۔ ابن فارس نے کہا ہے کہ اس کے بنیادی معنی ہیں وہ چیز جو کسی دوسری چیز کے اطراف کو گھیرے ہوئے ہو۔ آسمان کو اَلْجَوُّ اسی لئے کہتے ہیں کہ وہ زمین کے اطراف کو گھیرے ہوئے دکھائی دیتا ہے۔

* تاج و محیط۔ ** تاج۔ راغب۔ محیط

ج ی أ

جَاءَ - یَجِیْءُ - آنا - اَجَآءَ تُہٗ وَجِئْتُ بِہٖ - میں اسے لایا * - راغب نے اِتْیَانٌ اور مَجِیْءٌ کا فرق بتاتے ہوئے کہا ہے کہ اِتْیَانٌ میں محض کسی کام کے کرنے کا قصد وارادہ بھی آجاتا ہے لیکن اَلْمَجِیْءُ اسوقت بولا جائیگا جب کوئی کام رونما اور واقع ہوگیا ہو **- نیز اسکے معنے لیکر آنا یا مرتکب ہونا ہیں - حضرت مریم ؑ سے لوگوں نے کہا لَقَدْ جِئْتِ شَیْئًا فَرِیًّا (۱۹/۲۷) - تو نے ایک انوکھا کام کیا ہے ، تو ایک نرالی حرکت کی مرتکب ہوئی ہے - یہ تیری اپنی اختراع ہے - اسی طرح سورۃ کہف میں (قصۂ حضرت موسیٰ ؑ اور مرد بزرگ میں) ہے لَقَدْ جِئْتَ شَیْئًا اِمْرًا (۱۸/۷۱) - '' تو ایک خطرناک کام کا مرتکب ہوا ہے ،، -

سورۃ مریم میں ہے فَاَجَآءَ ھَا الْمَخَاضُ اِلٰی جِذْعِ النَّخْلَۃِ (۱۹/۲۳) - اس کے معنے ہیں درد زہ اسے کھجور کے درخت کی طرف لے آیا - یعنے اسمیں مجبوری کا پہلو پایا جاتا ہے -

ج ی ب

جَیْبُ الْقَمِیْصِ - کرتے کا گریبان - اَلْجَیْبُ سینہ کیلئے بھی مجازاً بولا جاتا ہے جس پر گریبان ہوتا ہے نیز دل کو بھی کہتے ہیں - ھُوَ نَاصِحُ الْجَیْبِ - وہ صاف دل اور صاف سینہ والا یعنی مخلص ہے * - سورۃ نور میں عورتوں سے کہا گیا ہے وَلْیَضْرِبْنَ بِخُمُرِ ھِنَّ عَلٰی جُیُوْبِھِنَّ (۲۴/۳۱) - '' انہیں چاہئیے کہ وہ اپنی اوڑھنیاں اپنے سینوں پر ڈال لیا کریں '' - قصۂ حضرت موسیٰ ؑ میں ہے وَاَدْخِلْ یَدَکَ فِیْ جَیْبِکَ (۲۷/۱۲) اور اُسْلُکْ یَدَکَ فِیْ جَیْبِکَ (۲۸/۳۲) - '' اپنا ہاتھ اپنے گریبان میں داخل کر یا ڈال ،، - (ان آیات کے مفہوم کیلئے ی - د - ی اور ب - ی - ض کے عنوان دیکھئے) -

ج ی د

جِیْدٌ - گردن یا گردن کا اگلا حصہ یا گردن کی وہ جگہ جہاں ہار لٹکا رہتا ہے - ایک قول کے مطابق جِیْدٌ ، مقام مدح میں بولا جاتا ہے اور عُنُقٌ ، مذمت میں * - قرآن کریم میں ابولہب کی بیوی کے متعلق ہے فِیْ جِیْدِھَا حَبْلٌ مِّنْ مَّسَدٍ (۱۱۱/۵) '' اسکی گردن میں کھجور کے ریشوں کی رسی ہے '' - یعنے وہ گردن جو بڑی عزت و توقیر اور سرفرازی و سربلندی کی حامل سمجھی جاتی تھی ، اسطرح ذلیل ہو رہی ہے - اس کا تکبر خاک میں مل رہا ہے -

---

جلد اول ختم شد

---

* تاج - ** تاج و راغب -

لغات القرآن

کی

پہلی جلد کا آپ نے مطالعہ کر لیا ہے - اندازہ یہ ہے کہ یہ لغات چار جلدوں میں مکمل ہوگی - آپ یقیناً یہ چاہینگے کہ جونہی اگلی جلدیں شائع ہوں آپ کو اطلاع مل جائے تاکہ آپ اپنے لئے جلد فوراً منگالیں - دیر کرنے سے ہوسکتا ہے کہ جلدیں ختم ہو جائیں اور آپ کا سیٹ نا مکمل رہ جائے -

اس کے لئے

آپ ایک کارڈ ذیل کے پتہ پر لکھ کر اپنا نام خریداروں کی فہرست میں درج کرالیں - جونہی اگلی جلد شائع ہوئی، آپ کو اطلاع دیدی جائیگی -

اگر آپ

اس لغات کو مفید پائیں تو اس کا تذکرہ اپنے دوستوں سے بھی کریں تاکہ اسطرح قرآن کریم کی آواز دور دور تک پھیل جائے -

ناظم ادارہ طلوع اسلام
۲۵-بی - گلبرگ - لاہور

ادارہ طلوع اسلام

۱۹۳۸ء
سے قرآنی تعلیم
کے عام کرنے میں
مسلسل کوشش کر رہا ہے۔ اس
کے لئے ماہنامہ طلوع اسلام باقاعدگی
سے شائع ہوتا ہے جس میں بلند پایہ
مضامین درج ہوتے ہیں اور زندگی کے عملی
مسائل کا حل قرآن کریم کی روشنی میں پیش کیا جاتا
ہے ۔ ماہنامہ کے علاوہ ادارہ کیطرف سے محترم پرویز صاحب
کی بلند پایہ تصانیف بھی شائع کی جاتی ہیں ۔ ان کتابوں
نے ملک کے اہل فکر طبقہ میں انقلاب پیدا کر
دیا ہے ۔ یہ لغات بھی اس سلسلہ کی ایک
کڑی ہے ۔ اگر آپ ان کتابوں
کا تفصیلی تعارف چاہتے
ہیں تو ذیل کے پتہ
پر ایک کارڈ
لکھدیجئے

مکتبہ طلوع اسلام

۲۷-بی ـــ شاہ عالم مارکیٹ ـــ لاہور